وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَا اَصْحٰبُ الشِّمَالِ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ

حصۂ اوّل

الآل و الاصحاب

جس میں دکھایا گیا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ کا سلوک کیسا تھا واقعۂ کربلا تک کتنے صحابہ موجود تھے اور کیا کیسا اقتدار رکھتے تھے۔ اور وہ صحابہ حضرت کی مدد کرتے تو کیا ممکن تھا کہ جناب امام حسین علیہ السلام اس ظلم سے شہید کیے جاتے۔

مُصنّفہ

حضرت صدر المحققین ملک الناطقین ظہیر الملّۃ والدّین زین العلماء والمجتہدین حُجّۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا آقا السیّد علی اظہر طیب اللہ رمسہ وجعل الجنۃ مثواہ المتوفی ۱۳۵۲ھ ہجری

مطبوعہ

اصلاح پریس کھجوا ضلع سارن (صوبہ بہار)

قیمت ۸؍

تیسرا ایڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اگرچہ اسلام کی تقسیم ابتدا سے اسی دو حصہ پر ہے کہ اسلام کا وجود اور نشو و نما بھی جو کچھ ہوا اُن کی مداخلت و مشارکت سے کیونکہ بانیٔ اسلام تنہا ایک متنفس تھا اور بغیر مشارکت معاونین ترقی ناممکن تھی۔ اسی طرح خاتمہ یا زوال یا اضمحلال بھی جو کچھ ہوا انھیں دو قسموں کی مشارکت سے یا علیحدگی سے لہٰذا امید ہے کہ یہ مضمون عام و خاص ہر ایک کے لیئے حد درجہ مفید ہو۔

ہاں اس مضمون میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے جو آج کل انکار شہادت سے مشہور ہو رہا ہے۔ ایک موقع پر یہ بھی لکھا تھا کہ امام حسین علیہ السلام نہیں شہید ہوئے کیونکہ ناممکن تھا ایک مسلمان بھی ہوتا اور حضرت شہید ہو جاتے جس کے معنی یہ ہوئے کہ چونکہ اُس وقت کوئی مسلمان نہ تھا اس وجہ سے حضرت شہید ہو گئے اس لیئے کہ شہادت تو ایک ایسا واقعہ ہے جس سے انکار ہو نہیں ہو سکتا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ امام غزالی نے جو اس کا فتویٰ دیا کہ ذکر شہادت امام حسین حرام ہے۔ کیونکہ اس سے بغض صحابہ میں ہیجان ہوتا ہے۔ وہ بھی حل ہو جائے گا کیونکہ ابھی تک یہ معمّا تھا کہ ذکر شہادت امام حسینؑ سے بغض صحابہ کو کیا تعلق ہے صواعق محرقہ میں ہے:-

قال الغزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسنؑ والحسین وحکایۃ ماجری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیھم	یعنی حرام ہے واعظ وغیرہ پر ذکر شہادت امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام اور بیان کرنا ان حکایات کا جو صحابہ میں باہم واقع ہوئے اختلاف اور نزاع سے کیونکہ وہ ہیجان میں لاتا ہے بغض صحابہ کو اور ان پر طعن کرنے کو۔

(ص ۱۳۳)

اس تحریر سے یہ معمّا حل ہو جائے گا کہ تذکرۂ شہادت جناب امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے بغض صحابہ کو کیوں ہیجان ہوتا ہے؟ اس لیئے کہ جناب امام حسن اور امام حسین علیہما السلام خود ہی صحابی ہیں اور اور فرزند رسولؐ اور نائب رسولؐ جس سے مناسب تو یہ تھا کہ اہلسنّت کو اُن لوگوں سے عداوت اور نفرت ہوتی۔ جو قاتل امام تھے کیونکہ اگر بحیثیت اولاد رسولؐ ہونے کے نہ مانتے تو اس حیثیت سے مانتے کہ وہ صحابی رسولؐ بھی ہیں۔ اور دشمن صحابی رسولؐ مطابق عقیدۂ اہل سنت کافر ہے لہٰذا بغرض ہدایت خلق اللہ ضرور تھا کہ وہ مصائب امام کو زیادہ بیان کرتے تاکہ دشمنان اہلبیتؑ یعنی صحابہ سے لوگوں کو نفرت ہوتی۔ مگر واہ رے قسمت کہ مصائب امام کا ذکر حرام بتایا جاتا ہے کیوں؟ —— اس وجہ سے کہ بغض صحابہ میں ہیجان ہوتا ہے! حالانکہ ان واقعات سے محبت صحابہ میں ترقی ہونی چاہیئے۔

اب ہم تمہید میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتے بلکہ بطور مثال چند واقعات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو کہ آل و اصحاب میں باہم کیا تعلقات تھے۔ اور ان تعلقات سے رسول اللہ راضی تھے یا ناراض جس کے بعد یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان میں کون مسلم تھا کون کافر، کون مومن تھا کون منافق؟

(۱) قرۃ العینین شاہ ولی اللہ میں ہے:-

عن عبد المطلب بن ربیعۃ ان العباس دخل رسول اللہ مغضباً وانا عندہ فقال ما اغضبک قال یا رسول اللہ ما لنا و لقریش اذا تلاقوا بینھم تلاقوہ بوجوہ مبشرۃ و اذا لقونا لقونا بغیر ذالک فغضب رسول اللہ حتی احمر وجھہ ثم قال والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للہ و لرسولہ ثم قال ایھا الناس من اذی عمی فقد اذانی فانما عم الرجل صنو ابیہ ۔۔۔ حدیث او ما شعرت یا ابن الخطاب ان عم الرجل صنو ابیہ ۔ (از بخاری مذکور است ص ۲۰۲)

عبد المطلب بن ربیعہ ناقل ہیں کہ حضرت عباس عم رسول اللہ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے درحالیکہ غضبناک تھے اور میں وہاں موجود تھا۔ حضرتؐ نے پوچھا کس چیز نے تم کو غضبناک کیا۔ کہا۔ یا رسول اللہ کیا سبب ہے کہ جب قریش آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو خوش اور مسرور ہوتے ہیں۔ اور جب ہم لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں تو یہ خوشی نہیں ہوتی۔ پس غصہ ہوئے رسول اللہ یہاں تک کہ چہرہ آپ کا سرخ ہو گیا۔ اور کہا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کبھی نہ داخل ہو گا ایمان کسی آدمی کے دل میں جب تک کہ تم لوگوں کو وہ دوست نہ رکھے خدا اور رسولؐ کے لئے۔ پھر فرمایا ایہا الناس جس نے ایذا دی میرے عم کو اس نے مجھے ایذا دی کیونکہ چچا بجائے باپ کے ہے اور دوسری روایت میں حضرتؐ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتا اے پسر خطاب کہ چچا قائم مقام باپ کا ہے۔ ہماری غرض اس فقرہ سے ہے کہ حضرت عباس نے کہا کہ قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو خوش و مسرور ہوتے ہیں اور جب ہم لوگوں سے ملتے ہیں تو وہ چہرہ نہیں رہتا جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جب خود حضرتؐ کی حیات میں صحابہ کی یہ حالت تھی تو آئندہ حالات پر کیا نہ ہو سکتا ہو ہم کو حضرتؐ کے اس کلام سے کہ فرمایا والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للہ و لرسولہ قسم ہے خدا کی کسی شخص کے دل میں ایمان نہ داخل ہو گا جب تک تم لوگوں کو خدا اور رسولؐ کے لئے دوست نہ رکھے۔ چنداں بحث نہیں کیونکہ حضرتؐ کے اس قسم کے کلمات کو جو ایک مرتبہ نہیں ہزار ہا مرتبہ فرمایا اور خود خدا نے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ فرمایا جو آج تک قرآن میں موجود ہے۔ ان لوگوں نے کبھی نہ مانا نہ سچ سمجھا نہ اُسکو قابل تعمیل جانا پھر اس سے کیا بحث۔ مگر اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ خود عمر صاحب سے خطاب کر کے یہ فرمایا تھا او ما شعرت یا ابن الخطاب کیا تو نہیں جانتا اے پسر خطاب جس سے بالیقین معلوم ہوا یہ بھی انھیں صحابہ سے تھے جو اہلبیتؑ سے اس صورت سے ملاقات کرتے جس کو وہ لوگ ناپسند کرتے۔

(۲) جب جنگ طائف میں جناب رسالت مآبؐ نے کچھ دیر تک جناب امیرؑ سے راز کی باتیں کی تھیں تو اس وقت خلیفہ اول نے اعتراض کیا لقد طال مناجاتک منذ الیوم۔ چنانچہ کنز العمال میں ہے:-

عن جندب بن ناجیہ او ناجیہ بن جندب لما کان یوم غزوۃ الطائف قام النبی

یعنی جندب بن ناجیہ یا ناجیہ بن جندب سے روایت ہے کہ بروز غزوۂ طائف آں حضرتؐ دیر تک سرگوشی

مع علی ملیا ثم مر فقال لہ ابو بکر یا رسول اللہ لقد طالت مناجاتک منذ الیوم فقال ما انا انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ طب یعنی رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر۔

کرتے رہے حضرت علیؑ سے پھر وہاں سے چلے گئے تو ابو بکر نے کہا یا حضرتؐ آج تو بڑی دیر تک آپ سرگوشی کرتے رہے حضرتؐ نے فرمایا یہ فعل ہمارا نہ تھا بلکہ خدا نے اُن سے مناجات کی۔

اس حدیث کی تفصیلی بحث تو تنقید بخاری حصہ دوم صفحہ ۲۷ میں قابل دید ہے مگر اصل مطلب ہمارا تو بخوبی ظاہر ہوا کہ صحابہ کو خصوصاً شیخین کو اور اُن کے طرفداروں کو جناب امیرؑ اور اہلبیتؑ طاہرین سے کس درجہ کی حسن عقیدت تھی کہ اگر آں حضرتؐ جناب امیرؑ سے بات کرتے تو ان لوگوں کو ناگوار ہوتا کچھ زیادہ عنایت فرماتے تو اُنکے چہرے بگڑ جاتے۔

(۳) جنگ یمن کا حال تو سب کو معلوم ہے کہ باوصفیکہ خالد بن ولید لشکر اسلام لیکر وہاں چھ مہینہ پڑا رہا مگر نہ کوئی مہم سر ہوئی نہ کوئی متنفس اسلام لایا۔ آخر حضرت نے جناب امیرؑ کو بھیجا جسے حضرتؑ نے چند دنوں میں سر کیا اور ہزاروں آدمی اسلام لائے۔ بہت کچھ مال غنیمت خدمت رسولؐ میں حاضر کیا تو چار صحابیوں نے بالاتفاق ساوش کر کے حضرت کی شکایت کی قرۃ العینین شاہ ولی اللہ میں ہے:۔

عن عمران بن حصین قال بعث رسول اللہؐ جیشا واستعمل علیھم علی ابن ابی طالبؑ فمضی فی السریۃ فاصاب جاریۃ فانکروا علیہ وتعاقد والاربعۃ من اصحاب رسول اللہؐ فقالوا اذا لقینا رسول اللہ اخبرناہ بما صنع علی وکان المسلمون اذا رجعوا من سفر بدأوا برسول اللہؐ فسلموا علیہ ثم انصرفوا الی رحالھم فلما قدمت السریۃ سلموا علی النبیؐ فقام احد الاربعۃ فقال یا رسول اللہ الم تر الی علی بن ابی طالب صنع کذا وکذا فاعرض عنہ رسول اللہؐ ثم قام الثانی فقال مثل مقالتہ فاعرض عنہ ثم قام الیہ الثالث فقال مثل مقالتہ فاعرض عنہ ثم قام الرابع فقال مثل ما قالوا فاقبل الیہ رسول اللہ والغضب یعرف فی وجھہ فقال ما تریدون من علیؑ ما تریدون من علیؑ ما تریدون من علی ان علیاً منی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی اخرجہ الترمذی از قرۃ العینین۔

صحیح ترمذی میں ہے عمران بن حصین سے کہ حضرت نے ایک لشکر روانہ کیا جس کا سردار جناب امیرؑ کو بنایا تھا۔ حضرتؑ نے ایک لونڈی کو لے لیا جس پر لوگوں نے انکار کیا اور چار آدمیوں نے اصحاب رسولؐ اللہ سے باخود ہا عہد کیا کہ جب حضرت سے ملاقات کریں گے تو جناب امیرؑ کی شکایت کریں گے اور قاعدہ مسلمانوں کا یہ تھا کہ جب باہر سے آتے تو پہلے رسول اللہ سے ملاقات کرتے پھر اپنے گھر جاتے۔ جب وہ لوگ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے تو ایک نے کھڑے ہو کر جناب امیرؑ کی شکایت کی۔ حضرتؐ نے اُس سے منہ پھیر لیا۔ پھر دوسرا کھڑا ہوا اس سے بھی حضرتؐ نے منہ پھیرا۔ اسی طرح تیسرے کی شکایت سے بھی حضرت نے منہ پھیرا پھر چوتھا کھڑا ہوا اُس نے بھی اپنی تقریر کو ختم کیا تب حضرت اُسکی طرف متوجہ ہوئے اور غضب آپ کے چہرہ سے نمایاں تھا۔ پھر فرمایا کیا چاہتے ہو علیؑ سے کیا چاہتے ہو علیؑ سے تحقیق علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔

اور وہ ولی ہیں ہر مومن کے بعد میرے روایت کی ہے اس کی ترمذی نے۔

اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ بمخالفت جناب امیرالمومنین علیہ السلام کس طرح کی سازش رکھتے کہ چار صحابی نے باخود معاہدہ کیا تھا کہ حضرت سے جناب امیرؑ کی شکایت کریں گے جس کو انھوں نے اس طرح نباہا کہ حضرتؐ نے پہلی ہی صحابی کی تقریر پر منھ پھیر لیا۔ مگر اس پر بھی دوسرا صحابی کھڑا ہوا۔ اس سے بھی حضرتؐ نے منھ پھیرا اسی طرح تیسرے کی شکایت سے بھی حضرتؐ نے منھ پھیرا پھر چوتھا بھی کھڑا ہوا پھر ایسے صحابہ کے اسلام پر وہی لوگ نازش کر سکتے ہیں جو مخالف خدا و رسولؐ ہیں۔

حضرتؐ نے صرف اعراض ہی نہیں کیا بلکہ نہایت غیظ و غضب سے جو آپ کے چہرہ سے نمایاں تھا۔ فرمایا کیا چاہتے ہو علیؑ سے کیا چاہتے ہو علیؑ سے تین مرتبہ کہہ کر فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ ولی ہیں ہر مومن کے بعد میرے۔

تو کیا اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدعی اسلام ہو کر وہ حضرتؑ کی ولا سے خارج ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

مگر اس قدر تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جن صحابہ کو حضرتؑ کی حیات میں اور ایسے ایسے فضائل و مناقب سنکر اور وہ کارہائے نمایاں دیکھ کر بھی جناب امیرؑ سے محبت نہ ہوئی اور دل اُن کا آتشکدۂ حسد بنا رہا۔ بعد حضرتؐ کے انکی کیا حالت ہوگی۔

(۲) یہاں تک تو باہر کی سیر تھی۔ اب اندرون خانہ تشریف لائیے اور صحیح بخاری کی یہ حدیث بامزہ ملاحظہ فرمائیے پوری حدیث تو اصلاح ۱۳۴۲ھ جلد ۱۰ میں مرقوم ہو چکی ہے ملاحظہ ہو ص ۴۷۔

یہاں بقدر ضرورت لکھی جاتی ہے۔ کہتے ہیں عمر کہ میں نکل کر ام سلمہ کے پاس گیا جن سے قرابت بھی تھی۔ اُن سے بھی میں نے ایسا ہی کہا (جیسا اپنی صاحبزادی حفصہ سے کر چکے تھے)

فقالت ام سلمہ عجباً لک یا ابن الخطاب دخلت فی کل شیءٍ حتی تبتغی ان تدخل بین رسول اللہ وازواجہ فاخذتنی واللہ اخذاً کسرتنی عن بعض ما کنت اجد۔

پس ام سلمہ نے کہا تعجب ہے تجھ سے اے پسر خطاب کہ ہر امر میں تو نے مداخلت کی یہانتک کہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ اور حضرت کے ازواج میں بھی مداخلت کرے۔ حضرت عمر کہتے ہیں اللہ انھوں نے اس طرح مجھے پکڑا کہ بعض باتیں جو اپنے دل میں پاتا تھا اس سے شکستہ کر دیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۲۵ جلد ۲ مطبوعہ مصر)

یہاں اسقدر اور سمجھ لینا چاہیئے کہ ازواج نبیؐ دو فرقہ پر منقسم تھیں ایک وہ جن کے باپ زندہ تھے اور اصحابی رسولؐ کہلائے جن میں عائشہ، حفصہ۔ ام حبیبہ ایک پارٹی تھیں دوسری وہ جنکے باپ زندہ نہ تھے، حضرت ام سلمہ، صفیہ، زینب یہ کمزور پارٹی تھیں جنھیں اولاد رسولؐ سے بھی ہمدردی تھی۔ مگر چونکہ بیرونی مددگار نہ رکھتی تھیں کمزور تھیں۔

حضرت عائشہ اور حفصہ کی زور آوری ایسی تھی کہ آج تک قرآن میں اُس کا ذکر خیر موجود ہے:۔

ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولیہ وجبرئیل وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذلک ظھیراً

اگر تم دونوں عورتیں اللہ کی طرف توبہ کرو تو یہ تمھارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تمھارے دل (نبی کی ایذا پر) جھک پڑے ہیں اور اگر تم دونوں (نبی کی ایذا پر) ایک دوسرے کی معاونت کروگی تو خدا اس کا مولیٰ ہے اور جبرئیل۔ اور نیکوکار مومنین اور ملائکہ بعد اس کے مددگار ہیں جس سے معلوم ہوا ان دونوں عورتوں کا زور بڑھا ہوا تھا کہ خدا کو اپنی پوری قیمت سے اُنکے مقابلہ میں صرف کرنی پڑی۔

یہاں آپ کو وہ سب واقعات خود یاد پڑ گئے ہوں گے۔ کہ لشکر اسامہ کی روانگی میں جو حکم تاکیدی حضرت نے دیا تھا لعن اللہ من تخلف عن جیش اُسامہ انھیں عورتوں کے ذریعہ سے حضرت کے حالات زیادتی مرض ان لوگوں کو معلوم ہوئے جس سے وہ اس موقع کے منتظر رہے ابوبکر کی پیشنمازی اسی بنیاد پر قائم ہوئی جسکے دفعیہ کے لیے حضرت نے جناب امیر اور فضل بن عباس پر بکمال ضعف و نقاہت تکیہ کر کے باہر آنے کی تکلیف گوارا کی حضرت اپنے حبیب اور اخی کو بلاتے ہیں عائشہ اپنے باپ کو بلاتی ہیں حفصہ اپنے باپ کو اور ہر دفعہ حضرت منھ چھپا لیتے ہیں آخر حضرت ام سلمہ نے کہا حضرت علیؑ کے سوا کون رسول اللہ کا بھائی یا حبیب ہے؟ جب آپ تشریف لائے تو رسول اللہ نے منھ کھول کر دیر تک باتیں کیں اور جو کہنا تھا۔ حضرت نے وصیت نامہ لکھنا چاہا تو اہلبیتؑ چاہتے تھے کہ لکھا جائے اور عمر صاحب مانع رہے جس سے نہ لکھا جا سکا۔ ان سب واقعات سے پوری روشنی پڑتی ہے اصل مطلب پر۔

(۵) صحابہ کے یہ حالات ایسے نہ تھے کہ خود آں حضرتؐ اُن سے بے خبر ہوں۔ آپکا کام ہدایت کرنا تھا اس کو جہانتک ہوا انجام دیا اور اپنے فرض کو پورا کیا۔ مگر حضرتؐ اس قانون کو نہیں توڑ سکتے تھے جس کو خود جاری کیا تھا کہ بلا احد و جرم سزا نہیں ہو سکتی۔ اسی لیئے آپنے اُن صحابہ کو بھی نہ قتل کیا جو خود حضرتؐ کی ہلاکت پر آمادہ تھے اور شب عقبہ آپ کو قتل کرنا چاہا۔

محقق دہلوی شیخ عبدالحق اسماء الرجال مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔

قیل لحذیفہ کیف عرفت امر المنافقین ولم یعرفہ ابوبکر ولا عمر قال انی کنت اسیر خلف رسول اللہ ص فنام علی راحلتہ فسمعت اناسا منھم یقولون لو طرحناہ عن راحلتہ فاندقت عنقہ فاسترحنا منہ فسرت بینھم وبینہ وجعلت ارفع صوتی فانبتہ فقال من ھذا قلت حذیفۃ قال من اولئک قلت فلان وفلان حتی عددت اسمائھم فقال منافقون لا تخبرن احدا او جاء عن نافع بن جبیر قال لم یخبر رسول اللہ ص باسماء المنافقین الذین صعبوا بہ لیلۃ العقبۃ غیر حذیفہ وھم اثنا عشر رجلاً۔ انتھیٰ

یعنی کسی نے حذیفہ سے سوال کیا کہ تم کو نام منافقین کے کیونکر معلوم ہوئے حالانکہ ابوبکر و عمر تک نہیں جانتے تھے حذیفہ نے کہا شب عقبہ ہم سواری رسولؐ کے پیچھے پیچھے جاتے حضرتؐ کو کچھ نیند آگئی تھی کہ ہم نے سنا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ حضرتؐ کو اونٹ سے گرا دیں کہ گردن ٹوٹ جائے۔ تو ان کے ہاتھ سے خلاصی پائیں۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ یہ سنکر ہم درمیان میں آگئے اور آواز بلند کیا حضرت بیدار ہو گئے پوچھا کون ہے میں نے عرض کیا میں ہوں۔ حذیفہ۔ پھر پوچھا یہ کون لوگ ہیں میں نے سب کا نام بتایا۔ حضرتؐ نے فرمایا سب منافق ہیں کسی کو ان کا نام نہ بتانا۔ اور نافع سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے بجز حذیفہ کسی کو منافقین کے نام نہ بتائے وہ لوگ بارہ آدمی تھے۔

اسی کتاب میں ہے:۔

وکان عمر یسال حذیفہ عن حدیث العقبہ ویسالہ عن علامات النفاق ھل

اور عمر پوچھا کرتے تھے حذیفہ سے حدیث عقبہ کو اور یہ کہ کچھ علامات نفاق سے اُن میں پاتے

یری فیہ شیئاً منہا۔

ہیں۔

علامۂ نورالدین علی بن ابراہیم حلبی انسان العیون میں لکھتے ہیں کہ لیلۃ العقبہ (جس رات کو منافقین نے حضرتؐ کو ہلاک کرنا چاہا تھا) کی صبح کو اسید بن حضیر (جو انصار سے تھے) حاضر خدمت ہوئے عرض کی یا حضرتؐ شب کو کوچ کیوں موقوف رہا حالانکہ اس وادی سے چلنا سہل تھا بہ نسبت عقبہ کے۔ آپنے فرمایا تم جانتے ہو منافقین کا کیا ارادہ تھا بعدہ حضرت نے سارا قصہ بیان کیا اسید نے عرض کیا یا حضرتؐ اب ہر قبیلے کے لوگ فرد ہو چکے ہیں آپ حکم دیجیے کہ جو منافق جس قبیلہ کا تھا اس کو قتل کریں اور اگر مناسب ہو تو اُن کے نام بتلائیے قسم خدا کی ابھی اُنکے سر لاتا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا میں اس سے کراہت کرتا ہوں کہ لوگ کہیں جن کی بدولت کفار سے جہاد کیا اور فتح و غلبہ پایا اب اُنھیں کو قتل کرتے ہیں اسید نے کہا یا رسول اللہ وہ آپکے اصحاب نہیں ہو سکتے حضرتؐ نے فرمایا کیا وہ اظہار شہادتین نہیں کرتے بعدہ حضرتؐ نے اُنکو جمع کیا اور یہ حال کہہ سنایا سبھوں نے قسمیں کھائیں جس پر آیہ یحلفون باللہ ما قالوا نازل ہوا۔ تعجب ہے کہ اس قصہ میں خلیفۂ دوم کو حرارت نہیں آئی نہ جوش آیا حالانکہ ادنیٰ ادنیٰ بات پر وہ سرونکی نیام سے تلوار نکل پڑتی قتل پر آمادہ ہو جاتے تھے۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جو تمام مشہور ہے جس سے آپکو یہ بھی معلوم ہوگا کہ جب خود حضرتؐ کے ساتھ یہ حالت تھی تو اہلبیتؑ رسولؐ کے ساتھ کیا ہوگا۔ مگر سب مسلمان ہیں اُن میں نہ کوئی کافر ہے نہ مشرک بلکہ وہی صحابہ ہیں جنھیں آئندہ چل کر خلافت بھی ملی اور اسلام کے مالک و مختار قرار پائے۔

(۶) شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں ایک خاص عنوان اسکے لئے مقرر کیا ہے کہ حضرتؐ نے کن کن صورتوں سے اپنا رنج و ملال صحابہ کے ان حالات پر ظاہر کیا ہے کہ اہلبیتؑ رسولؐ سے انکا کیا سلوک ہوگا۔

ازالۃ الخفا میں ہے:۔ بارہا آں حضرتؐ خبر دادند کہ امت بر حضرت مرتضیٰ جمع نشود تا الم خاطر مبارک خود تقریر فرمودندے۔

اخرج الحاکم عن علی قال ان مما عہد الی النبیؐ ان الامۃ ستغدر بی بعدہ واخرج الحاکم عن ابن عباس قال النبیؐ لعلی اما انک ستلقی بعدی جہداً قال فی سلامۃ من دینی قال فی سلامۃ من دینک واخرج ابو یعلی عن علی بن ابی طالبؑ قال بینما رسول اللہؐ اخذ بیدی ونحن نمشی فی بعض سکک المدینۃ اذا اتینا علی حدیقۃ فقلت یا رسول اللہ ما احسنہا من حدیقۃ قال لک فی الجنۃ احسن منہا حتی مررنا بسبع حدائق کل ذالک اقول احسنہا ویقول

حدیث اول حاکم نے جناب امیرؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرتؐ نے جناب رسالتمآبؐ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ امت بعد میرے تم کو ترک کر دیگی اور چھوڑ دے گی

حدیث دوم۔ حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت رسولؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ قریب زمانہ ہے جو تم ہمارے بعد مشقت اور محنت میں مبتلا ہو جناب امیرؑ نے عرض کیا اُس وقت دین ہمارا سالم رہے گا فرمایا ہاں تمھارے دین کی سلامتی کے ساتھ یہ امور پیش آئیں گے۔

حدیث سوم ابو یعلےٰ نے جناب امیرؑ سے روایت کیا کہ ایکدفعہ ہم ہمراہی رسولؐ مقبول کوچہ ہائے مدینہ میں سیر کرتے تھے کہ ایک باغ پر

لك فی الجنة احسن منها فلما خلا له الطريق اعتنقنی ثم اجهش باكياً قال قلت يا رسول الله ما يبكيك قال ضغائن فی صدور اقوام لا يبدونها لك الا من بعدی قلت يا رسول الله فی سلامة من دينی قال فی سلامة من دينك

واخرج احمد عن علیؑ حدثنا فی آخره وان تؤمروا عليا ولا اراكم فاعلين تجدوه هاديا مهديا ياخذ بكم الطريق المستقيم

واخرج الطبرانی عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلعم لعلیؑ انك مومر مستخلف وانك مقتول وان هذه مخضوبة من هذه يعنی لحيته من راسه انتهی (ص ۱۲۵ م اول)

گذر ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا خوب باغ ہے۔ رسولؐ نے فرمایا جنت میں اس سے بہتر تمھارے لیئے باغ ہے یوں ہی سات باغ ملے ہر دفعہ میں نے اسکی تعریف کی اور حضرتؐ نے وہی جواب دیا جب آگے بڑھے اور راہ اغیار سے خالی ہوئی تو مجھ کیا میری طرف روتے ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کے دلوں میں کینے ہیں جس کو ہمارے بعد تم سے ظاہر کرینگے میں نے عرض کی کہ اسوقت میرا دین تو سالم رہے گا فرمایا ہاں تمھارے دین کی سلامتی میں یہ امور واقع ہوں گے۔

حدیث چہارم فرمایا حضرتؐ نے اگر تم لوگ علیؑ کو اپنا امیر اور سردار بناؤ تو تم انکو ہادی ومہدی پاؤگے کہ راہ مستقیم پر چلیگا مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ تم اسکو امیر اپنا نہ بناؤگے۔

حدیث پنجم۔ فرمایا رسول اللہ نے کہ اے علیؑ تم ایک روز ضرور امیر اور خلیفہ ہوگے اور یہ ریش خون سے رنگی جائے گی۔ انتہی

ان حدیثوں کو اہل فہم بغور ملاحظہ فرمائیں کہ بقول شاہ ولی اللہ صاحب حضرتؐ نے اسکی خبر دی کہ صحابہ آپکی مخالفت کریں گے اور آپ کو اس بات سے ملال ہوا۔ تو کون مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جن صحابہ نے حضرتؐ کو رنج دیا وہ مسلمان تھے۔

اس حدیث سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ صحابہ کس طرح حضرتؐ کو گھیرے رہتے کہ آپ اپنا درد دل بھی اچھے طور پر نہ ظاہر کر سکتے اس کے منتظر رہتے کہ کہیں موقع خالی ملے تو درد دل ظاہر کریں۔

اس حدیث میں اصل لفظ رسول سیغدر ہے کہ قریب ہے میری امت (صحابہ) غدر کریں جیساکہ اب بھی قلمی نسخوں میں ازالۃ الخفا کے موجود ہے مگر مطبع والوں نے اس میں تحریف کیا سیقذر بنایا جس کی غرض یہ ہے کہ الزام غدر صحابی سے رفع کریں مگر اب بدتر ہوگیا کیونکہ قذر شے گندہ کو کہتے ہیں جس کے معنے یہ ہوئے کہ صحابہ ہم سے نفرت کریں گے۔

(۷) رسول اللہ نے اس مضمون کو دوسرے لفظوں میں واضح کردیا کہ یہ قریش بوجہ اپنی سرکشی وتمرد کے قابل قتل ہیں۔ جس کے لیے خداوند عالم جناب امیرؑ کو ان پر مسلط کریگا اور وہ قتل کریں گے جیساکہ اسی ازالۃ الخفا میں ہے۔

وہم دریں سفر با مرتضی معاملہ منتظر الخلافہ بجا آوردند۔

اخرج النسائی والحاكم واللفظ للنسائی عن علی رضی الله عنه قال جاء النبیؐ اناس من قريش فقالوا يا محمد انا جيرانك وحلفاءك وان من عبيدنا قد اتوك ليس بهم رغبة

یعنی حضرتؐ نے جناب امیرؑ سے اس سفر (جنگ طائف میں) وہ معاملہ کیا جو امیدوار خلافت سے کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگ قریش سے آئے اور کہا یا حضرت یہ لوگ جو اہل طائف سے مسلمان ہوئے ہیں درحقیقت ان کو نہ اسلام سے

من الدين ولا رغبة من الفقه وانما فروا من ضياعنا واموالنا فارددهم الينا فقال لابی بکر ما تقول ثم قال صدقوا انهم لجيرانك وحلفائك فتغير وجه النبیؐ ثم قال لعمر ما تقول قال صدقوا انهم لجيرانك وحلفائك فتغير وجه النبیؐ ثم قال يا معشر قريش والله سيبعثن الله عليكم رجلاً قد امتحن الله قلبه للايمان وسيضربکم على الدين او يضرب بعضکم قال ابوبکر انا هو يا رسول الله قال لا قال عمر انا هو يا رسول الله قال لا ولکن ذالك الذی يخصف النعل وقد کان اعطی علياً نعله يخصفها۔

(صفحہ ۲۵۶ مقصد دوم)

مطلب ہے نہ دین سے۔ صرف ہمارے اموال اور ضیاع سے فرار کرکے آئے ہیں ہم آپ کے حلیف اور ہمسایوں سے ہیں حضرت نے ابوبکر سے پوچھا اُنھوں نے بھی کفار کی تصدیق کی جس سے حضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوا پھر عمر سے پوچھا اُنھوں نے بھی ابوبکر کی موافقت کی جس سے پھر حضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوا۔ اور فرمایا اے گروہ قریش (جس میں شیخین بھی داخل ہیں) قسم خدا کی تم پر خدا ایسے شخص کو مسلط کرے گا جس کے قلب کا اُس نے امتحان لیا ہے اور تم کو وہ دین پر مارے گا یا او بعض کو مارے گا۔ کہا ابوبکر نے وہ میں ہوں یا رسول اللہ حضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر عمر نے کہا کہ وہ میں ہوں یا حضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ لیکن یہ صفت اُس شخص کی ہے جو پیوند لگاتا ہے نعل میں اور تحقیق دیا تھا علیؑ کو نعل اپنی کہ پیوند لگائیں اس میں۔

اس روایت نے نہ صرف قریش اور صحابہ کا اتفاق اور ایکا بمقابلہ رسولؐ بتایا بلکہ یہ بھی اس سے ظاہر ہوا کہ قریش اور صحابہ اس درجہ باخود ہا متفق تھے کہ رسولؐ کا چہرہ اُن کے اس اتفاق پر متغیر ہوتا اور یہ اپنی حرکت سے باز نہ آتے پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخین صفت امتحان قلب، اور ضارب علی الدین ہونے سے مُبرا تھے اور یہ صفت منحصر تھی جناب امیر المومنین علیہ السلام میں اب مسلمانوں کو اختیار ہے وہ رسول اللہ پر ایمان لائیں یا رسولؐ کی تکذیب کرکے شیخین پر ایمان لائیں۔ ان روایات کے بعد نہ تو کچھ کہنے کی ضرورت ہے نہ لکھنے کی کہ حضرتؐ نے بصراحت تمام فرمایا کہ صحابہ کے دلمیں تم سے بغض اور کینہ بھرا ہوا ہے جسے وہ لوگ بعد ہمارے مرنے کے تم سے ظاہر کریں گے۔ یہ کہکر حضرتؐ کس طرح گلے مل کر روئے۔

اب آپ ہی فرمائیے اس بغض و عناد کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ وہی ہوا جو سب کے پیش نظر ہے کہ حضرت رسولؐ کے مرض ہی سے تیور لوگوں کے بدل گئے اور پہلا بغض جو نکالا گیا وہ خود رسولؐ اللہ کی نعش مطہر ہے کہ نہ کوئی غسّال ہے نہ گورکن، نہ سقّا، نہ خیاط۔ کیونکہ سب سقیفہ کے دنگل میں ہیں۔ اگر جناب امیرؑ اس کی فکر نہ کرتے تو شاید رسول اللہ دفن ہی نہ ہوتے۔ کیونکہ جناب امیرؑ کے اس اہتمام پر بھی تیسرے روز دفن ہوئے۔

(۸) دفن رسول اللہ کی اہمیت اہل بیتؑ طاہرین کے نزدیک اس کلام سے ظاہر ہے جسے امام ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱ میں لکھتے ہیں:-

فوقفت فاطمة رضی علی بابها فقالت لا عهد لی بقوم حضروا اسوء محضر منکم ترکتم رسول الله جنازة بين ايدينا وقطعتم

پس کھڑی ہوئیں حضرت فاطمہؑ اپنے مکان کے دروازے پر اور کہا مجھے ہرگز ایسی قوم کا علم نہیں ہے جو تم سے بدتر محضر پر حاضر ہوئی ہو کہ چھوڑ دیا رسول اللہ کا جنازہ ہمارے

امرکم بینکم لم تستامرونا و لم تروا لنا حقاً۔ سامنے اور اپنے امروں کا فیصلہ کر لیا یا خود ہا کہ نہ ہم سے مشورہ لیا نہ ہمارے حق کا خیال کیا۔

دیکھیے کس درد سے بضعۃ الرسول صحابہ سے شکایت کرتی ہیں کہ آج تک ہم کو تم سے بدتر کسی قوم کا حال نہیں معلوم جس نے یہ کام کیا ہو کہ رسولؐ کا جنازہ بے غسل و کفن ہمارے سامنے چھوڑ کر خلافت کے لیے چلے گئے۔ اگر حضرات اہلسنت کو کسی اُمت کا حال معلوم ہو جس نے ایسی بے عنوانی اپنے نبی کے ساتھ کی ہو تو براہ کرم تواریخ سے پتہ دیں۔

جناب سیدہ کا یہ کلام صحابہ سے اُس وقت ہوا کہ جناب امیرؑ کو بغرض بیعت گرفتار کر کے گئے تھے۔

(۹) اب صحابہ کی شکایت سنیئے کہ وہ اس دفن رسولؐ کے متعلق کیا شکایت کرتے ہیں جس سے کمال ایمانداری اُن کی ظاہر ہو۔ روضۃ الاحباب میں ہے:۔

بشیر بن سعد انصاری گفت اے ابوالحسن ایں داعیہ کہ تو امروز ظاہر میکنی پیش ازیں اگر معلوم مردم شدے ہر آئینہ باتو مضائقہ و منازعہ نمی کردند و با تو بیعت می نمودند لیکن چوں در خانہ نشستی و در خلاء بر مردم ہستی۔ ایشاں را گمان شد کہ او از خلافت کنارہ میکنی و در دفع اعیائے ایں امر از خود میکنی اکنوں کہ جماعت مسلماناں کسے دیگر را قبول کردہ اند بہ پیشوائی از پے در می آئی و خود را طرز دیگر می نمائی علی مرتضیٰؑ فرمود اے بشیر تو رواداری کہ من جسد اطہر و قالب انور سید عالم را غسل ناکردہ و تجہیز و تکفین او ننمودہ و از دفن او فراغت حاصل نکردہ دم از طلب حکومت زدمے و با مردم در منازعت و خصومت شدے۔ ابوبکر صدیق چوں دید کہ کلمات علی بجملہ مستحکم و استوار و ہر یکے از انہا مقابل صد بلکہ ہزار کلمہ است او در رفق و مدارا در آمد و گفت اے ابوالحسن مرا گمان ایں بود ترا با من مضائقہ نباشد و اگر میدانستم کہ او بیعت من تخلف خواہی کرد ہر گز ایں را قبول نمی کردم اکنوں کہ مردم اتفاق نمودہ اند اگر تو نیز با ایشاں اتفاق نمودی ظن مرا مطابق واقع ساختہ باشی و اگر حالا توقف کنی و خواہی کہ در ایں تامل و تفکر نمائی ہیچ حرجے نیست پس از مجلس برخواست متوجہ خانہ خویش گشت۔ انتہے۔

اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صحابہ نے جناب امیرؑ کے اس کو کہ آپ متوجہ غسل و کفن رسولؐ ہوئے اور تجہیز و تکفین رسولؐ کو سب امروں پر مقدم کیا اسکی دلیل قرار دیتے ہیں کہ آپ کو خلافت سے کوئی مطلب نہیں۔ ایسے ایماندار صحابہ کس نبی کو ملے ہیں اہل سنت بتائیں۔

افسوس کہ خیال اختصار مانع ہے جو میں یہاں زیادہ تفصیل سے کام لوں۔ مگر اس سے ہر شخص نے سمجھ لیا ہوگا کہ اہل بیت رسولؐ اور صحابہ میں کس قسم کے تعلقات تھے کہ تجہیز و تکفین رسولؐ میں بھی شریک ہوئے نہ اُس کو ضروری سمجھا۔

(۱۰) خود خلیفۂ اول جو حصول خلافت کے بعد حضرت عباس سے سازش کرنے کے لئے کلام کرتے ہیں۔ اسی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے کہ ابوبکر حضرت علیؑ کے پاس سے نکلے۔

ثم خرج فاتی المغیرۃ بن شعبۃ فقال اتری یا ابابکر ان تلقوا العباس فتجعلوا لہ فی — تو مغیرہ بن شعبہ کے یہاں گئے۔ اُس نے کہا اے ابوبکر اگر عباس عم رسولؐ سے ملاقات کرو اور کچھ حصہ اُن کا

فی ھذا الامر نصیبًا یکون لہ ولعقبہ وتکون
لکما الحجۃ علی علیؓ وبنی ھاشم اذا کان العباس
معکم قال فانطلق ابوبکر وعمر وابوعبیدہ حتی دخلوا
علی العباس رضی اللہ عنہ فحمد اللہ ابوبکر و
اثنی علیہ ثم قال:- ان اللہ بعث محمدًا صلی
اللہ علیہ وسلم نبیًا وللمومنین ولیًا فمنّ
اللہ تعالیٰ بمقامہ بین اظھرنا حتی اختار
لہ اللہ ما عندہ فخلی علی الناس امرھم
لیختار والانفسھم فی مصلحتھم متفقین لا
مختلفین فاختارونی علیھم والیا ولامورھم
راعیا ما اخاف بحمد اللہ وھنا ولا حیرۃ
ولا جبنًا وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم
علیہ توکلت والیہ انیب وما زال یبلغنی
عن طاعن یطعن بخلاف ما اجتمعت علیہ
عامۃ المسلمین ویتخذونکم لحافا فاحذروا
ان تکونوا جھد الممتنع فاما دخلتم فیما دخل
فیہ العامۃ او دفعتموھم عما مالوا الیہ وقد
جئناک ونحن نرید ان نجعل لک فی ھذا الامر
نصیبًا یکون لک ولعقبک من بعدک اذ
کنت عم رسول اللہ وان کان الناس قد
رأوا مکانک ومکان اصحابک فعدلوا الامر
عنکم علی رسلکم بنی عبد المطلب فان
رسول اللہ منا ومنکم ثم قال عمر ای
واللہ واخریٰ انا لم ناتکم لحاجۃ منا الیکم
ولکنا کرھنا ان یکون الطعن منکم فیما اجتمع
علیہ العامۃ فیتفاقم الخطب بکم وبھم
فانظروا لانفسکم ومکانتکم فتکلم العباس

بھی اس خلافت میں مقرر کرو جو اُن کے لیئے نسلاً بعد نسل قائم
رہے۔ تو اس ذریعہ سے تم کو حضرت علیؓ اور تمام بنی ہاشم پر ایک
بڑی حجت ہوگی۔ کہ عباس تمھارے ساتھ ہیں۔ پس ابوبکر۔ عمر
ابو عبیدہ حضرت عباس کے یہاں گئے۔ ابوبکر نے بعد حمد و ثنا
بیان کیا کہ خدا نے محمدؐ کو نبی بنایا اور تمامی مومنین کا ولی۔ پھر
ان کے قیام کے بدولت درمیان ہم لوگوں کے احسان کیا
یہاں تک کہ خدا نے اُن کے لیئے وہ اختیار کیا جو اُس کے
نزدیک تھا (یعنی انتقال فرمایا) پس چھوڑ دیا حضرت نے آدمیوں
پر اُن کے امر کو کہ اختیار کریں اپنے نفسوں کے لیئے مطابق اپنی
مصلحت کے اتفاق کرکے نہ بصورت اختلاف۔ پس لوگوں نے ہم کو
پسند کرکے والی بنایا اور امور کا نگہبان اور میں بحمد اللہ نہ ضعف
وحیرت سے خائف ہوں نہ جبن و نامردی سے اور نہیں ہے
توفیق میری مگر خدا علی عظیم سے ہم کو ہمیشہ خبریں پہونچتی ہیں
ان لوگوں سے جو طعن کرتے ہیں بخالفت اس کے کہ عامۂ مسلمین
نے اس پر اتفاق کیا ہے اور وہ لوگ تم کو لحاف بناتے ہیں
پس ڈرو اس سے کہ تم جہد ممتنع ہو یا تو تم بھی داخل ہو جاؤ
اس میں جس میں عامہ داخل ہیں۔ یا اُن لوگوں کو اپنے پاس
سے دفع کرو اور ہم اس غرض سے آئے ہیں کہ تمھارے لیئے
بھی ایک حصہ اس امر خلافت میں قرار دیں جو تمھارے لیئے بھی
ہو اور تمھاری اولاد کے لیئے بھی۔ کیونکہ تم عم رسول اللہ ہو۔
اگرچہ لوگوں نے تمھاری قدر و منزلت دیکھی ہے اور تمھارے
اصحاب کی مگر اس پر بھی پھیر دیا امر خلافت کو تم سے اپنی جگہ
پر رہو اے فرزندان عبد المطلب کہ رسول اللہ تم سے بھی ہیں
اور ہم سے بھی عمر نے کہا ہاں قسم خدا کی ہم کچھ اس وجہ سے
تمھارے پاس نہیں آئے ہیں کہ کسی امر میں تمھارے محتاج ہوں۔
مگر یہ مکروہ معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کی طرف سے طعن ہو اس بات
پر جس پر عامہ نے اجتماع کیا پس مشکل ہو امر تمھارے لیئے بھی اور

فحمد الله واثنى عليه ثم قال ان الله قد
بعث محمداً كما زعمت نبياً وللمومنين
ولياً فمن الله بمقامه بين اظهرنا حتى
اختار لهم ما عنده فخلى على الناس امرهم
ليختاروا لانفسهم مصيبين للحق لا مائلين
عنه بزيغ الهوى فان كنت برسول الله طلبت
فحقنا اخذت وان كان هذا الامر انما يجب
لك بالمومنين فنحن متقدمون فيهم و
ان كان هذا الامر انما يجب لك بالمومنين
فما وجب اذ كنا كارهين فاما ما بذلت لنا
فان يكون حقاً لك فلا حاجة لنا فيه و
ان يكن حقاً للمومنين فليس لك ان تحكم
عليهم وان كان حقنا لم نرض عنك فيه
ببعض دون بعض واما قولك ان رسول الله
منا ومنكم فانه كان من شجرة نحن
اغصانها وانتم جيرانها (ص ۲۶ مطبوعہ مصر)

اُنکے لیے بھی پس غور کرو اپنے نفسوں کے لیے اور عامہ کے لیے
پس کلام کیا عباس نے اور بعد حمد و ثنا کہا کہ بیشک خدا نے محمدؐ
کو نبی معبوث کیا جیسا کہ تو نے بھی اپنا گمان ظاہر کیا ہے اور مومن
کے لیے حضرتؐ کو ولی بنایا اور جب تک قیام رہا یہ بھی خدا کا
احسان تھا پھر خدا نے اُنکے لیے وہ اختیار کیا جو اس کے
نزدیک تھا پس حضرتؐ نے چھوڑ دیا آدمیوں کے لیے اُنکے
امر کو کہ اختیار کریں اپنے نفسوں کے لیے درحالیکہ مصیب [illegible]
حق کے لیے نہ کہ مائل ہوں اُس سے اپنی خواہش کے مطابق پس
اگر تونے بذریعہ رسولؐ اس خلافت کو لیا ہے تو ہمارا حق لیا۔
اور اگر بوجہ مومنین تیرے لیے واجب ہوا تو ہم سب سے مقدم
ہیں (تو ہم پر تم کا تقدم کیونکر ہو سکتا ہے) اور اگر بذریعہ
مومنین تمھارے لیے واجب ہوا تو کیونکر واجب ہوا جب ہم
اس سے کراہت کرنے والے ہیں۔
رہا وہ عطیہ جو ہم کو تم دیتے ہو پس اگر وہ حق تمھارا
ہے تو ہم کو اُسکی حاجت نہیں اور اگر وہ حق مومنین ہے تو
تم کو کوئی حق نہیں کہ اُن پر حکومت کرو۔ اور اگر وہ حق ہمارا
ہے تو ہم اس پر راضی نہیں کہ بعض لیں اور بعض نہ لیں۔ رہا تمھارا یہ قول کہ رسول اللہ ہم سے بھی ہیں اور تم سے بھی۔ پس بیشک وہ ایسے شجر
سے تھے جس کی شاخیں ہم لوگ ہیں اور تم لوگ اس کے ہمسایہ سے ہو۔

اس کلام میں خلیفہ صاحب نے صحابہ کی حالت کا پورا نقشہ کھینچا ہے کہ اگرچہ انھوں نے حضرت عباس اور جناب امیرؑ کی قدر
و منزلت کو پیش خدا اور رسولؐ ملاحظہ کیا تھا۔ مگر خلافت کو اُن سے پھیر دیا۔

اور حضرت عباس نے بھی اُسکے جواب میں پوری قلعی کھول دی کہ اگر بذریعۂ رسولؐ لیا تو ہمارا حق غصب کیا اور اگر بذریعۂ
مومنین لیا تو باوصف ہماری کراہت کے کیونکر جائز ہوا اور جو تم دیتے ہو اگر وہ مال تمھارا ہے تو ہم کو حاجت نہیں اگر مال مومنین
ہے تو تم کو حکومت کا کوئی حق نہیں اور اگر ہمارا مال ہے تو کم کیوں لیں پورا کیوں نہ لیں کیا اسکے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ آل و
اصحاب میں صفائی تھی اور کسی قسم کا اتفاق تھا اور کیا باوصف مخالفت وہ صحابہ مسلمان رہ سکتے ہیں۔

(۱۱) خلیفہ دوم فرماتے ہیں جیسا کہ کتاب المحاضرات امام راغب اصفہانی میں ہے:۔

عن ابن عباس قال كنت اسير مع
عمر بن الخطاب فى ليلة وعمر على بغلة وانا

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں ایک رات کو عمر کے ساتھ
سیر کر رہا تھا وہ خچر پر تھے اور میں گھوڑے پر کہ ایک آیت پڑھی

علی فرس فقرا ایتہ فیھا۔ ذکر علی بن ابیطالب ع
فقال اما واللہ یا بنی عبد المطلب کان
علی فیکم اولی بھذا الامر منی ومن ابی بکر فقلت
فی نفسی لا اقالنی اللہ ان قلت انت تقول
ذلک یا امیر المومنین وانت وصاحبک
اللذان وثبتما وانتزعتماھا دون
الناس فقال الیکم یا بنی عبد المطلب
اما انکم اصحاب عمر بن الخطاب فتاخرت
وتقدم ھنیئۃ فقال سر لا سرت فقال اعد علی
کلامک فقلت انما ذکرت شیئا ورددت
علیک جوابہ ولو سکت لسکتنا فقال اما
واللہ ما فعلنا الذی فعلنا عن عداوۃ ولکن
استصغرناہ وخشینا ان لا یجتمع علیہ العرب
وقریش موترۃ قال فاردت ان اقول کان
رسول اللہ یبعثہ فی الکتیبۃ فینطح کبشھا
ولم یستصغرہ فتستصغرہ انت وصاحبک
فقال لا جرم فکیف تری واللہ ما نقطع امرا
دونہ ولا نعمل شیئا حتی نستاذنہ
کما فی استقصاء الافحام ص ۲۱۹

اور یہی روایت کتاب الموفقیات زبیر بن بکار میں
اس طرح ہے کما فی الاستقصاء ص ۶۷۳

عن عبد اللہ بن عباس قال انی لاماشی
عمر بن الخطاب فی سکۃ من سکک المدینۃ اذ
قال لی یا ابن عباس ما اری صاحبک الا مظلوما
فقلت فی نفسی واللہ ما یسبقنی بھا فقلت
یا امیر المومنین فاردد الیہ ظلامتہ فانتزع
یدہ من یدی ومضی یھمھم ساعۃ ثم

جس میں حضرت علیؑ کا ذکر تھا کہا اے فرزند عبد المطلب
قسم خدا کی علیؑ تم لوگوں میں اس خلافت کے لیے ہم سے بھی
بہتر تھے اور ابو بکر سے بھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا میں یہاں
جواب سے درگذر کروں تو خدا ہم سے نہ درگذر کرے میں نے کہا
آپ ایسا کہتے ہیں یا امیر المومنینؑ حالانکہ آپ اور آپکے
صاحب ہی وہ دو شخص تھے جو اس موقع پر کود پڑے اور انکے
حق کو چھین لیا اور کوئی تو اس کا باعث نہیں ہوا۔ کہا
عمر نے دور ہو جاؤ اے فرزندان عبد المطلب تمہیں معلوم ہونا
چاہیئے کہ تم اصحاب عمر سے ہو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں یہ کلام
سنکر کچھ پیچھے ہٹا اور وہ کچھ دیر کے لیے آگے بڑھ گئے۔ پھر کہا
کہ تم جاؤ ہم نہ جائینگے پھر کہا اپنے کلام کا پھر سے اعادہ
کرو میں نے کہا تم نے ایک بات کہی تھی اسکا جواب دیا اگر
تم سکوت کروگے تو ہم بھی سکوت کر جائیں گے۔ عمر نے کہا کہ
واللہ ہمنے یہ کام عداوت سے نہیں کیا۔ مگر کمسن جانا انھیں
اور ڈرے اس سے کہ عرب اُن پر نہ مجتمع ہوں حالانکہ قریش
اُن سے علیحدہ رہنے والے ہونگے۔ کہا ابن عباس نے کہ میں نے
چاہا کہوں کہ رسول اللہ تو انکو تنہا بھیجتے تھے اور حضرت سب کو
پچھاڑ دیتے حضرت نے کبھی نہ انکو صغیر جانا۔ اب تم اور تمھارے
صاحب انکو صغیر جانتے ہو؟ کہا ہاں۔ پھر دیکھتے ہو کہ کسطرح
ہم انکے مشورے کے بغیر کوئی امر نہیں کرتے ہیں اور نہ کوئی کام بغیر ان کے
اذن کے کرتے ہیں دوسری روایت میں یہ ہے کہ عمر صاحب نے
کہا ابن عباس سے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمھارے صاحب
(علی بن ابی طالبؑ) مظلوم ہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے
اپنے دل میں کہا ہم پر کوئی انکے جواب میں سبقت نکر سکا
کہا کہ یا امیر المومنین پھر پھیر دیجیے اُسے جس سے اُن پر ظلم
ہوا۔ پس کھینچ لیا میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ اور ہمہمہ کرتے ہوئے
چلے گئے پھر ٹھہرے کہ میں بھی پہنچ گیا تو کہا اے ابن عباس

وقف فلحقته فقال یا ابن عباس ما اظنهم
منعهم الا انهم استصغر واسنه فقلت
فی نفسی هذا اشر من الاولی فقلت واللہ
ما استصغرہ اللہ ورسولہ حین امرہ
ان یاخذ برائۃ من صاحبک فاعرض
عنی واسرع فرجعت عنہ۔

میں جہاں تک گمان کرتا ہوں قوم نے انکو صغیر السن جانا
میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو پہلے سے بھی بدتر ہوا۔ پس کہا
میں نے واللہ کہ خدا اور رسول نے تو انکو کمسن نہ جانا جس وقت
انھیں حکم دیا کہ تمھارے صاحب سے سورۂ برات لے لیں۔ یہ
سُنکر منھ پھیر لیا اور جلدی سے واپس چلے گئے۔ میں
بھی واپس آیا۔

ان دونوں روایتوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہلبیت طاہرین اور صحابہ میں کیسے تعلقات تھے کہ خود عمر صاحب اقرار کرتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کو مظلوم پاتا ہوں اور یہ بھی کہتے تھے کہ قوم نے انکو کمسن سمجھ کر یہ کام کیا اور اسی وجہ سے ہم بغیر انکے اذن و مشورہ کے کوئی کام نہیں کرتے اور ابن عباس جو خاندان رسالت کے ہیں جواب دے رہے ہیں کہ رسولؐ انکو کیسے کیسے معرکوں میں بھیجتے اور وہ سر کرتے خدا اور رسولؐ نے تو انکو اس وقت کمسن نہ جانا جس وقت ابوبکر صاحب سے سورۂ برأت لینے کا حکم دیا اور تم لوگ انکو کمسن کہتے ہو۔؟

میں اس تقریر کو خلیفۂ دوم کی اس تقریر پر ختم کرتا ہوں جسے علامۂ ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل میں لکھا ہے:۔

(۱۲) فقال (عمر) یا ابن عباس اتدری ما منع قومکم منکم بعد محمد فکرهت
ان اجیبه فقلت ان لم اکن ادری فان امیر المومنین یدرینی فقال عمر کرهوا
ان یجمعوا لکم النبوة والخلافة فتبجحوا علی قومکم بجحا بجحا فاختارت
قریش لانفسها فاصابت و وفقت فقلت یا امیر المومنین ان تاذن لی فی الکلام
عنی الغضب تکلمت قال تکلم قلت اما قولک یا امیر المومنین اختارت قریش
لانفسها فاصابت و وفقت فلو ان قریشا اختارت لانفسها حین اختار الله
لها لکان الصواب بیدها غیر مردود ولا محسود و اما قولک انهم ابوا ان تکون
لنا النبوة والخلافة فان الله عز وجل وصف قوما بالکراهة فقال ذلک بانهم
کرهوا ما انزل الله فاحبط اعمالهم فقال عمر هیهات والله یا ابن عباس قد
کانت تبلغنی عنک اشیاء کنت اکره ان اقرک علیک فتزیل منزلتک منی
فقلت ما هی یا امیر المومنین فان کانت حقاً ینبغی ان تزیل منزلتی منک
وان کانت باطلا فمثلی اماط الباطل عن نفسه فقال عمر بلغنی انک تقول
انما صرفوها عنا حسداً وبغیا وظلما فقلت ما قولک یا امیر المومنین ظلما فقد
تبین للجاهل والحلیم اما قولک حسداً فان ادم حسد ونحن ولده المحسودون

فقال عمر هیهات هیهات ابت واللہ قلوبکم یا بنی ہاشم الا حسدا لا یزول فقلت مھلا یا امیر المومنین لا تصف قلوب قوم اذہب اللہ عنھم الرجس وطہرھم تطہیرا عن الحسد والغش فان قلب رسول اللہ من قلوب بنی ہاشم فقال عمر الیک عنی یا ابن عباس فقلت افعل فلما ذہبت اقوم استحیی منی فقال یا ابن عباس مکانک فواللہ انی لراع لحقک محب لما سرک فقلت یا امیر المومنین ان لی علیک حقا وعلی کل مسلم فمن حفظہ اصاب ومن اضاعہ فخطاہ اخطا ثم قام فمضی۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صت ۲۵ مطبوعہ مصر)

کہا عمر نے کہ اے ابن عباس کچھ جانتے ہو تمھاری قوم نے تم لوگوں کو کیوں محروم کیا؟ ابن عباس کو جواب دینا مکروہ معلوم ہوا کہا اگر ہم نہیں جانتے تو امیر المومنین بتلا دیں گے (اشارہ ہے طرف عمر کے)

عمر۔ تمھاری قوم نے نہ چاہا کہ نبوت و خلافت دونوں تمھارے خاندان میں رہیں جس سے تم اپنی قوم پر فخر و مباہات کرو مگر جس لب ولہجہ سے خلیفہ نے ان الفاظ کا استعمال کیا ہے اس کا مطلب اردو زبان میں پوری طرح سے ادا نہیں ہوسکتا جن لوگوں کو عربی سے موانست ہے وہ اسکا مطلب سمجھیں گے۔

لہذا قریش نے خلافت کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی طرف سے خلیفہ بنایا اس کارروائی میں قریش صواب پر رہیں اور نیک توفیق پائی۔

ابن عباس۔ اے امیر المومنین اگر اجازت کلام کی دیجیے اور غصہ کو دور کر ڈالیے تو کچھ میں بھی کہوں۔

عمر۔ کہو۔

ابن عباس۔ امیر المومنین کا یہ کہنا کہ قریش نے خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور با اختیار خود خلیفہ مقرر کرنے میں نیک توفیق پائی اور اچھا کیا۔ اگر مطابق حکم و اختیار خدا ایسا کرتے تو بیشک صواب ان کے ہاتھ لگتا اور نہ کوئی ان پر رد کرتا اور نہ کوئی ان سے حسد کرتا۔ باقی یہ کہ قریش نے ہم میں نبوت و خلافت کے جمع ہونے سے کراہت کی تو خدا ایک قوم کی کراہت کے بارے میں کہتا ہے (ترجمہ آیہ) اور یہ بسبب اسکے ہے کہ انھوں نے کراہت کی اس چیز سے جس کو نازل کیا خدا نے پس حبط کر دیا خدا نے ان کے اعمال کو الآیہ (اس آیت کی تلاوت اس مقام پر نہایت ہی قابل غور ہے)۔

عمر۔ ہیہات ہیہات افسوس ابن عباس ضرور مجھ کو تمھاری بہت سی باتوں کی خبریں ہوچکی تھیں جن کو اس وجہ سے تم سے نہ پوچھا کہ اسکے اقرار سے تمھارا مرتبہ میرے نزدیک زائل ہوجائے گا۔ (جس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ بادصف علم ان امور کے کہ یہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں از راہ ظاہرداری تعظیم و احترام کرتے تھے۔ یہی **تقیہ نفاق ہے**)

ابن عباس۔ وہ کونسی باتیں ہیں اے امیر المومنین اگر حق ہیں تو ضرور میری منزلت گھٹنی چاہیے اور اگر باطل خبریں بہو بختی بہتا تو میں اپنی برائت ثابت کروں گا۔

عمر۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو خلافت ہم لوگوں سے ازراہ حسد و بغاوت و ظلم چھینی گئی۔

ابن عباس۔ ظلم کا حال تو جاہل و حلیم سب کو معلوم ہے باقی رہا حسد پس حضرت آدمؑ سے حسد کیا گیا۔ (بجز شیطان کس نے انکا حسد کیا) اور ہم لوگ انھیں کی اولاد سے ہیں اور ہم سے بھی لوگ حسد رکھتے ہیں۔

عمر۔ ہیہات ہیہات اے ابن عباس واللہ تم بنی ہاشم کے دل نے بجز حسد کے ہر باتوں سے انکار کیا (یعنی بنی ہاشم کے دل میں محض حسد بھرا ہے۔

ابن عباس۔ بس بس اے امیر المومنین جس قوم کے دلوں کی تعریف خدا نے اذھب عنہم الرجس وطھرھم تطھیرًا سے فرمائی ہے (نکال دیا خدا نے اُن سے رجس ناپاکیزگی کو اور پاک کیا پورے طور پر) حسد اور کھوٹے پنے سے انکی طرف حسد اور غش کی نسبت نہ کرو کہ حضرت رسولؐ کا دل بھی انھیں بنی ہاشم سے ہے (وہ بنی کب مانتے تھے)

عمر۔ تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔

ابن عباس۔ ایسا ہی کروں گا جب اٹھنے لگے تو عمر شرمائے اور کہا اے ابن عباس ٹھہر جاؤ قسم بخدا میں تمھارے حقوق کی رعایت کرتا ہوں اور تمھاری خوشی کو دوست رکھتا ہوں، ابن عباس نے کہا اے امیر المومنین ضرور میرا حق تم پر ہے اور ہر مسلمان پر جس نے انکی حفاظت کی وہ اپنے نصیب کو پہونچا اور جس نے ضائع کیا اُسنے اپنا نصیب کھو یا بعد اس کے ابن عباس اُٹھ کر چلے گئے۔ (تاریخ کامل صفحہ ۲۵ جلد ۳ مصر)

یہ تقریر جو حضرت ... اور خلیفہ دوم کی ، آگئی تو نہ کسی ایسے موقع پر جہاں کسی ملکی مالی امر کی بحث ہو نہ خلافت کی حقیت وغیرہ پر بلکہ ایک قطعہ شعر کی تعریف پر یہ سارا قصہ چھڑ گیا جس کا اصلی واقعہ یہ ہے کہ عمر ابن خطّاب اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کچھ شعر و شاعری کا تذکرہ کر رہے تھے کہ فلاں زیادہ شاعر ہے فلاں خوب کہتا ہے اس پر ابن عباس آگئے عمر نے کہا بڑا جاننے والا شاعروں کا آگیا۔ پوچھا کہ سب شاعروں سے بڑھ کر کون شاعر گذرا ہے ابن عباس نے کہا زہیر بن ابی سلمیٰ عمر نے کہا کچھ اُس کے اشعار پڑھو ابن عباس نے یہ اشعار پڑھے:۔

لوکان یقعد فوق الشمس من کرم	قوم باولھم او مجد ھم تعدوا
قوم ابو ھم سنان حین تنسبھم	طابوا وطاب من من الاولاد ماولدوا
انس اذا السواجن اذا فزعوا	امازرون بھالیل اذا احشدوا
محسدون علیٰ ماکان من نعیم	لاینزع اللہ عنھم ماله حسدوا

اگر بیٹھ سکے آفتاب پر از روے کرم کے کوئی قوم تو بسبب اپنی پہلی بزرگی اور مجد کے بیٹھے گی۔ وہ قوم کہ باپ اُن کا سنان ہے جس وقت نسب اُن کا بیان ہو۔ پاکیزہ ہیں وہ لوگ اور پاک ہیں اولاد انکی جو انسے پیدا ہوئی آدمی ہیں جب وقت امن ہو۔ جن ہیں جب وقت خوف ہو۔ قوی دل ہیں اور ہنسنے والے ہیں جبکہ مجتمع ہوں۔ حسد کرتے ہیں لوگ انکی نعمتوں کا خدا نہ زائل کرے اُن سے وہ چیز جسکے سبب سے وہ محسود ہیں۔

عمر نے بھی ان اشعار کی تعریف کی اور کہا خدا کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں ان اشعار کا مصداق اولیٰ بجز

اس قبیلہ بنی ہاشم کے دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا بسبب فضل و قرابت رسول کے ابن عباس نے کہا اس سمجھ میں تم نے توفیق پائی اور ہمیشہ توفیق پاتے رہے اس پر عمر نے وہ تقریر کی جو نمبر کو رہوئی ص۲۴

ایک دوسرا واقعہ مؤید اس کا تاریخ مروج الذہب علامہ مسعودی میں ہے :-

(ذکر عبد اللہ بن عباس ان عمر ارسل الیہ فقال یا ابن العباس ان عامل حمص ھلک وکان من اھل الخیر واھل الخیر قلیل وقد رجوت ان تکون منھم وفی نفسی منک شیٔ لم ارہ منک واعیانی ذالک فما رایک فی العمل قال لن اعمل حتی تخبرنی بالذی فی نفسک قال وما ترید الی ذالک قال اریدہ فان کان شیٔ اخاف منہ علی نفسی خشیت منہ علیھا الذی خشیت وانکنت بریا من مثلہ علمت انی لست من اھلہ فقبلت عملک ھنالک فانی قلما رایت اوظننت شیئًا الاعاینۃ فقال یا ابن عباس انی خشیت ان یاتی علی الذی ھوات وانت فی عملک فتقول ھلم الیکم دون غیرکم (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل ج ۵ ص۱۳۵)

عمر نے ابن عباس سے کہا کہ حمص کا حاکم مرگیا اور وہ اہل خیر سے تھا اور اہل خیر ہمیشہ کم ہوتے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ تم بھی اہل خیر سے ہو مگر ہمکو تمھاری طرف سے ایک کھٹکا ہے جس کو تم سے دیکھا نہیں اور اُس نے ہمکو تھکا دیا ہے تو تمھاری رائے کیا ہے وہاں کا عمل قبول کرو گے؟ ابن عباس نے کہا جب تک تم اس خلش کو نہ بیان کرو گے اس منصب کو قبول نہ کرینگے عمر تمھیں اُس بات سے کیا غرض۔

(ابن عباس) غرض ہے اگر وہ بات وہی ہے جس کا خوف ہمکو اپنے نفس سے ہے تو بیشک اُس سے خوف کرنا چاہئے اور اگر جس کا خوف ہمکو ہے وہ نہیں ہے کوئی دوسری بات ہے جس سے ہم مُبرّا ہیں تو بیشک تمھارے حکم کو قبول کریں گے کیونکہ میں کمتر کسی بات کو دیکھتا یا گمان کرتا ہوں مگر یہ کہ اسکا مشاہدہ کرلیتا ہوں۔

(عمر) وہ بات یہ ہو کہ مجھ کو اس کا خوف ہو کہ اگر کہیں اجل معین اس زمانہ میں آگئی کہ تم ہماری طرف سے عامل ہو تو ضرور تم لوگوں کو اپنی طرف کھینچو گے کہ آؤ ہماری طرف اور نہ جائیں گے تم لوگوں کی طرف سوائے تم لوگوں گے۔

(دیکھو مروج الذہب ص۱۳۵)

(۱۲) اب میں اس تمہید کو اس عبارت پر ختم کرتا ہوں کہ علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں :-

وقام المقداد فقال ما رایت مثل ما اوذی بہ اھل ھذا البیت بعد نبیّھم فقال عبد الرحمن بن عوف ومالک وذالک یا مقداد فقال واللہ انی لاحبھم بحبّ رسول اللہ ؐ وان الحق معھم وفیھم یا عبد الرحمن اعجب من قریش وانت تطوھم علی الناس

حضرت مقداد نے کھڑے ہو کر کہا جیسی ایذا اہلبیت رسالت کو بعد رسول اللہ پہونچائی گئی کوئی ایسی ایذا میں نہیں مبتلا ہوا عبد الرحمن بن عوف نے کہا اے مقداد تم کو ان باتوں میں کیا دخل ہے مقداد نے کہا واللہ ہم انکو بسبب محبت رسول اللہ دوست رکھتے ہیں یہ لوگ حق کے ساتھ ہیں اور حق انھیں میں ہے اے عبد الرحمن

اهل هذا البیت قد اجتمعوا علی نزع سلطات رسول اللہ صبعدہ من اید یھم اما وایم اللہ یا عبدالرحمٰن لو اجد علی قریش انصار القاتلتھم کقتالی ایاھم مع رسول اللہ ۲ (مروج الذہب ص۱۶۶ برحاشیہ تاریخ کامل ج ۵)

تعجب ہے قریش سے کہ تو اوروں کو غلبہ دے رہا ہے خاندان رسالت پر اور تم لوگوں نے اتفاق کر لیا ہے کہ سلطنت رسُول اللہ کو بعد آں حضرت کے اہلبیت سے نکال لو اے عبد الرحمٰن قسم خدا کی اگر مجھ کو انصار و مددگار ملتے تو میں قریش سے پھر ویسا ہی جہاد کرتا جیسا رسُول اللہ کے ہمراہی میں ان سے جہاد کیا تھا (یہ کلام وقت بیعت عثمان کا ہے)

یہ چند واقعات جزئیہ ہیں جن سے اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ صحابہ کو اہلبیت رسُول سے کس قسم کی معاندت تھی کہ خود رسول اللہ نے اس پر گریہ و بکا کیا ہے اور جناب امیرؑ سے گلے ملکر روئے ہیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں تم سے کینے ہیں جسے بعد وفات میرے ظاہر کریں گے حضرت عباس عم رسول اللہ۔ اور ابن عباس نے اسکی شکایتیں کی ہیں کہ اہلبیت رسُول سے یہ سب منحرف ہیں جناب سیدۃ النساء بضعۃ الرسُول نے اس پر نوحہ وزاری فرمائی ہے کہ یہ قوم بدترین اقوام ہے جس نے وہ کام کیے جو آج تک کسی اُمت سے نہ ہوئے۔ خود عمر صاحب نے اقرار کیا کہ جناب امیرؑ مظلوم ہیں اور حضرت مقداد نے کہا جو خود ایک اعلیٰ درجے کے صحابی ہیں کہ اگر مجھے اعوان و انصار ملتے تو میں ان قریش سے اس طرح جہاد کرتا جس طرح عہد رسُول میں اُن سے جہاد کیا تھا تو اب کس کو تامل ہو سکتا ہے یہ کہ واقعہ کربلا انھیں مخالفوں کا نتیجہ تھا جس سے فرزند رسُول اس بیکسی اور ظلم سے شہید کیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ امام غزالی نے اسکی ممانعت کی کہ ذکر شہادت جناب امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نہ کرنا چاہیئے کہ موجب ہیجان بغض صحابہ ہوتا ہے۔

شہادت جناب امام حسینؑ اور صحابہ کی ایمانداری

اب میں اصل مطلب پر آتا ہوں کہ واقعہ شہادت جناب امام حسین علیہ السلام میں صحابہ نے اپنے اسلام اور ایمان کا کیسا ثبوت دیا ہے اور پھر اس ترک رفاقت کا نتیجہ کیا ملا۔ کیونکہ اس کے بعد اس ذلت کی موت سے وہ صحابہ ملے گئے کہ دنیا میں کوئی انکے نام کا روتے والا نہ رہا۔ اور میں جہاں تک جانتا ہوں جو حالات آج اصلاح کی بدولت ظاہر ہو رہے ہیں بڑے بڑے علمائے فریقین بھی اس سے ناواقف ہوں گے۔

اگر ان حالات پر ذرہ برابر بھی غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ جو روش صحابہ نے اہلبیت اطہار کے ساتھ بعد رسول اللہ اختیار کی تھی اُس کا لازمی نتیجہ یہی نہ تھا کہ خاندان رسالت تباہ و برباد ہو جسکا اثر باطنی موت اسلام ہے۔ بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ وہ صحابہ جو باقی تھے اور اُنکی اولاد ایسی ذلت اور مصیبت میں مبتلا ہوں کہ دنیا کو معلوم ہو جائے ترک حق کا یہی نتیجہ ہے اور یہی ہونا چاہیئے۔

اس میں کسی مؤرخ کو اختلاف نہیں کہ معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں اس کی کوشش کی تھی کہ اُس کا فرزند بیٹا یزید خلیفہ بنایا جائے جس کے نسبت علامۂ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:۔

قال الحسن البصری افسد امر الناس اثنان۔ عمرو بن العاص یوم اشار علی معاویہ

کہا حسن بصری نے مسلمانوں کے امر کو دو شخصوں نے فاسد کیا ایک تو عمرو عاص (صحابی) جس نے معاویہ کو مشورہ

برفع المصاحف فحملت وقال ابن الفراء فحكم الخوارج فلا يزال هذا التحكيم الى يوم القيمة والمغيره بن شعبه فانه كان عامل معاويه على الكوفة فكتب اليه معاوية اذا قرات كتابي فاقبل معزولا فابطاء عنه فلما ورد عليه قال ما ابطأبك قال امر كنت اوطيه واهيئه قال وما هو قال البيعة ليزيد من بعدك قال او قد فعلت قال نعم قال ارجع الى عملك فلما خرج قال له اصحابه ما وراءك قال وضعت رجل معاويه فى غرز غى لايزال فيه الى يوم القيمة قال الحسن فمن اجل ذلك بايع هولاء لابناءهم ولولا ذلك لكان شورى الى يوم القيمة (صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

دیا تھا جنگ صفین میں کہ مصحف نیزوں پر بلند کیے جائیں اور وہ بلند کیے گئے۔ کہا ابن فزار نے خوارج کا مسئلہ تحکیم اسی کی بدولت پیدا ہوا جو قیامت تک رہے گا۔ دوسرے مغیرہ بن شعبہ (صحابی دوست خلیفہ دوم) جو معاویہ کی طرف سے عامل کوفہ تھا۔ معاویہ نے اُس کو معزول کیا اور لکھا کہ تو حکومت کوفہ سے معزول ہو کر میرے پاس چلا آ۔ مغیرہ نے کچھ دیر لگائی اور بعد اس کے معاویہ کے پاس گیا تو معاویہ نے پوچھا کیوں دیر لگائی اس نے کہا میں ایک امر مہم کے سامان اور تہیہ میں تھا معاویہ نے پوچھا وہ کیا۔ کہا بیعت یزید بعد تیرے۔ کہا پھر کیا۔ کہا ہاں معاویہ نے کہا تو اچھا پھر اپنی جگہ پر بحال ہو کر چلا جا۔ جب مغیرہ وہاں سے نکلا اور لوگوں نے پوچھا تو کہا میں نے معاویہ کے پیر کو ضلالت و غوایت کے ایسے رکابوں میں ڈالدیا ہے جس سے قیامت تک نہ نکلے گا۔ کہا حسن بصری نے خلافت خاندانی کا سلسلہ اسی وقت سے قائم ہوا اگر یہ نہ ہوتا تو قیامت تک امر خلافت بذریعہ شوریٰ ہوتا رہتا۔

اس روایت سے بھی ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بنص امام حسن بصری آخری فساد کے بانی یہی دو صحابی ہیں ایک عمرو عاص دوسرا مغیرہ جو خود کہہ رہا ہے میں نے معاویہ کے پیروں کو ایسی ضلالت کے رکابوں میں ڈالا ہے جس سے قیامت تک نہ نکلے۔ پھر حیف ہے اُن صحابہ پرستوں پر جو معاویہ کی نجات کے قائل ہیں۔

موت معاویہ بہر حال اس کے بعد جو جو سامان بیعت یزید کے معاویہ نے کیے ہیں اُس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں مگر اس قدر اتفاقی امر ہے کہ اواخر رجب ۶۰ھ میں معاویہ مرا اور یزید خلیفہ ہوا جس نے اپنے عامل مدینہ کو خط لکھا کہ تمام قوم سے میری بیعت لے۔

بیعت یزید اس خط کو امام ابن قتیبہ نے کتاب الامامة والسیاست میں پورے طور سے نقل کیا ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے۔

وليكن اول من يبايعك من قومنا واهلنا الحسين وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس وعبد الله بن زبير وعبد الله بن

یعنی چاہیے کہ پہلا وہ شخص جو میری بیعت تیرے ہاتھوں پر کرے میرے قوم و قبیلہ سے حسینؑ ہوں اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ

جعفر ویحلفون علی ذلک بجمیع الایمان اللازمۃ ویحلفون بصدقۃ اموالھم غیر عشرھا وحریۃ رقیقھم وطلاق نساءھم بالثبات والوفاء بما یعطون من بیعتھم ولا قوۃ الا باللہ والسلام (صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ مصر)

بن جعفر اور حلف کریں اُس پر ساتھ کل قسموں کے جو لازم ہوں اور اس کا حلف کریں کہ اگر مخالفت کریں تو مال اُن کا صدقہ قرار پائے اور جتنے غلام اور لونڈی ہیں وہ سب آزاد ہو جائیں اور اُن کی عورتوں کو طلاق ہو اگر اس بیعت پر وفا نہ کریں۔

یہاں پہلا سوال یہ ہے کہ آیا خدا اور رسولؐ نے اس قسم کی بیعت اور حلف کو کبھی جائز کیا تھا جو کوئی مسلمان اُسے قبول کرتا؟ کیا خلفائے ثلاثہ نے اسی طرح سے بیعت لی تھی جو کوئی مسلمان قبول کرتا۔

اگر غور کرو تو غلامی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے جس میں نہ قسم ہے نہ عہد و پیمان۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ کوئی باغیرت مسلمان ایسا خلف کرتا اور ایسی قسم کھاتا جس کے بعد اُسکو کسی طرح کا اختیار نہیں رہتا کہ جس قسم کا چاہے ظلم کرے یا کفر و فسق مگر بیعت کرنے والا مجبور رہے کہ ایک کلمہ زبان سے نہیں نکال سکتا۔

چونکہ اہلسنت کو تعلیم خلفا ایک خاص طور کی خلش اہلبیت اطہار سے ہے لہذا بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ آخر جناب امیرؑ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت از راہ تقیہ کی تھی اور جناب امام حسنؑ نے معاویہ کی۔ پھر جناب امام حسینؑ نے بھی کیوں نہ اُسی طرح یزید کی بیعت کر لی جو اس مصیبت میں مبتلا ہوئے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جناب امام حسینؑ درجۂ امامت میں مساوی تھے جناب امیرؑ اور امام حسنؑ کے اُسی طرح یزید بھی مساوی تھا خلفائے ثلاثہ کا۔ اگر اس پر اہلسنت راضی ہیں اور خلفاء کا ہمسر یزید کو مانتے ہیں تو بھی جناب امام حسینؑ کے بیعت نہ کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی بیعت کا طریقہ یہ نہ تھا جس طرح یزید نے بیعت لینا چاہی کہ ہر شخص سے خط غلامی لکھواتا تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ کوئی سچا مسلمان اسکا اقرار کرتا چہ جائیکہ فرزند رسولؐ اسکا اقرار کرتے۔ حالانکہ خود بیعت جناب امیرؑ و امام حسنؑ محل نظر ہے کہ کسی طرح ثابت نہیں بجز اسکے کہ آں حضرتؑ نے صرف نزاع سیف و سنان کو بمصلحت اسلام ترک کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام نے اکثر فرمایا۔

لا اقرلکم اقرار العبید۔

یعنی یہ ممکن نہیں کہ ہم وہ قرار کریں جو غلاموں کا قرار ہے۔

ہاں بعض ہوا خواہان یزید نے یہ مضمون تراشا تھا کہ جناب امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا تھا کہ ہماری تین خواہشوں سے ایک خواہش قبول کر۔ ایک یہ کہ ہمکو چھوڑ دو کہ جہاں سے ہم آئے ہیں وہیں چلے جائیں۔ دوسری یہ کہ لے چلو یزید کے پاس وہاں جا کر سمجھا جائے گا۔ تیسری یہ کہ کسی سرحدی مقام پر ہم کو بھیجدو کہ ہم بھی ایک مجاہدین فی سبیل اللہ سے ہو جائیں مگر خود علمائے اہلسنت نے آخر اسکی تصریح کر دی کہ غلط ہے ہرگز امام نے یہ نہیں فرمایا چنانچہ تاریخ کامل یہ ہے۔

وقیل بل قال لہ اختار و امنی واحدۃ من ثلاث اما ان ارجع الی المکان الذی

یعنی کہا گیا ہے کہ جناب امام حسینؑ نے عمر سعد سے فرمایا تھا یا تو ہمکو جانے دو جہاں سے آئے ہیں وہاں چلے جائیں یا یزید کے پاس

اقبلت منه واما ان اضع یدی فی ید یزید
بن معاویه فیری فیما بینی و بینه رایه و
اما ان تسیرونی الی ثغر من ثغور المسلمین شئتم
فاکون رجلاً من اهله لی ما لهم و علیّ ما علیهم
وقد روی عن عقبه بن سمعان انه قال صحبت
الحسین من المدینة الی مکة ومن مکة الی العراق ولم افارقه
حتی قتل وسمعت جمیع مخاطباته الناس الی
یوم قتله فواللہ ما اعطاهم ما یتذ اکرہ الناس
من انه یضع یده فی ید یزید ولا ان یسیروه الی
ثغر من ثغور المسلمین ولکنه قال دعونی ارجع
الی المکان الذی اقبلت منه او دعونی اذهب
فی هذه الارض العریضة حتی تنظر الی ما یصیر
الیه امر الناس فلم یفعلوا۔ (صـ۲۲ جلد ۴
تاریخ کامل مطبوعہ مصر)

لیجلو کہ جو رائے ہوگی اُس پر عمل کیا جائے گا یا یہ کہ ثغور مسلمین کی طرف جانے دو۔ عقبہ بن سمعان راوی ہے کہ میں حضرتؑ کے ساتھ تھا مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے کربلا تک اور نہ جدا ہوا اُس وقت تک کہ حضرت شہید ہوئے اور حضرت کے کل خطبوں کو میں نے سنا جو آپ نے لوگوں سے فرمایا روز قتل تک مگر کبھی یہ کلمہ نہ فرمایا۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے کبھی کہا ہو کہ ہم کو یزید کے پاس لے چلو یا ثغور مسلمین کی طرف جانے دو۔ بلکہ حضرتؑ یہ فرماتے تھے کہ یا تو ہم کو جانے دو اپنے وطن کی طرف یا چھوڑ دو کہ ہم اس زمین پر کہیں چلے جائیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے امر ناس مگر کسی نے نہ مانا "

اسی واقعہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ طرفداران یزید نے کس کس طرح کی باتیں بنائی ہیں کہ حضرت سے اسکا اقرار کرائیں کہ کسی طرح ہو آپنے بیعت یزید کا اقرار کیا تھا جو ایک محال امر ہے۔

جناب امام حسینؑ کا ثبات قدم اور استقلال اس امر پر کہ اس بیعت یزیدی کو آپ بالکل ناجائز سمجھتے تھے۔ ایسا یقینی اور بدیہی ہے کہ خود عمر بن سعد نے اُس کو بیان کیا کہ یہ ناممکن ہے چنانچہ جب شمر ملعون نامہ ابن زیاد لایا ہے تو عمر بن سعد نے کہا جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے:۔

فلما اتی شمر بکتاب ابن زیاد الی عمر
قال له مالك وملك قبح اللہ ما جئت به
واللہ انی لاظنك انت ثنیته ان یقبل ما
کنت کتبت الیه به افسدت علینا امراً کنا
رجونا ان یصلح واللہ لا یستسلم الحسینؑ
ابداً واللہ ان نفس ابیه لبین جنبیه فقال
له شمر ما انت صانع قال اتولی ذلك فنهض
الیه عشیة الخمیس لتسع مضین من المحرم

کہ جب شمر خط ابن زیاد کا لایا تو عمر سعد نے کہا وائے ہو تجھ پر یہ کیا کیا تو نے ہم کو تو امید تھی کہ اصلاح ہو جائیگی مگر معلوم ہوتا ہے تو ہی نے ابن زیاد کو اس رائے سے برگشتہ کیا۔ خدا کی قسم امام حسینؑ ہرگز اطاعت اسکی قبول نہ کرینگے اُن کے باپ کا نفس عالی اُنکے پہلوؤں میں موجود ہے شمر نے پوچھا پھر تیرا کیا ارادہ ہے اُس نے کہا ہم لڑیں گے۔ ہم جہاں تک سمجھے ہیں ذاکرین چونکہ اس پہلو پر نظر نہیں کرتے اس لیے بے تامل اس روایت کو پڑھ دیتے ہیں کہ

ص۲۳ جلد ۴ حضرتؑ نے ان سے تین باتوں میں سے ایک کی خواہش کی تھی مگر اُسے بھی اُس نے نہ منظور کیا حالانکہ در اصل شان امام حسینؑ اس سے بہت ارفع ہے کہ کبھی آپ اس کا اقرار کرتے کہ ہم کو یزید کے پاس لے چلو یا کسی سرحد پر نکل جانے دو کیونکہ مقصود امام ہر فعل سے اتمام حجت ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو یہ کھلا ہوا باطل ہے اور مخالف اسلام۔

بیعت یزید ایک ایسی کھلی ہوئی ذلت اسلام تھی کہ ہر شخص جو کچھ بھی نور اسلام رکھتا تھا اُسے ناجائز اور ناروا جانتا تھا چنانچہ جب ابن عباس کو بیعت کے لئے لے چلے تو حاضرین جلسہ نے یہی اعتراض کیا چنانچہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ص۲۲۱ میں ہے:۔

جاء رسول خالد فقال يقول لك الامير لابد لك ان تاتينا قال فان كان لابد فلا بد مما لابد منه يا نوار هلمي ثيابي ثم قال وماينفعكم ايتان رجل ان جلس لم يضركم قال فقلت لهٗ اتبايع يزيد وهو يشرب الخمر ويلهو بالقيان ويستهتر بالفواحش قال فاين ما قلت لكم وكم بعده من ات ممن يشرب الخمر وهو شرمن شاربها انتم الى بيعته سراع اما والله انى لانبأكم وانا اعلم انكم فاعلون ما انتم فاعلون حتى يصلب مصلوب قريش مكة يعنى عبدالله بن الزبير

یعنی خالد ابن حکم امیر مکہ کا فرستادہ ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ امیر کہتا ہے ضرور ہے تمہارا آنا ہمارے پاس۔ ابن عباس نے کہا اگر ضرور ہے تو ضرور ہوگا وہ بھی جو ضرور ہے لے نوار (نام ہے لونڈی کا) لا میرا کپڑا۔ پھر کہا کیا فائدہ تم کو ایسے شخص کے لیجانے سے کہ اگر وہ بیٹھ رہے تو تم کو کوئی ضرر نہ ہو سکے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کیا تم یزید کی بیعت کروگے حالانکہ وہ شارب الخمر ہے اور زنا کار۔ اور فواحش کو علانیہ کرتا ہے۔ ابن عباس نے کہا چپ رہو وہ باتیں کیا ہوئیں جو میں نے بیان کی تھیں تم سے کہ کتنے لوگ اسکے بعد ایسے خلیفہ ہوں گے جو شارب الخمر ہونگے اور بدتر ہوں گے شارب الخمر سے۔ اور تم اُنکی بیعت میں جلد کرنے والے ہوگے یہاں تک کہ سولی دیا جائے مصلوب قریش یعنی عبداللہ بن زبیر مکہ میں۔

دیکھئے حضرت ابن عباس نابینا ہیں آنکھیں جا چکی ہیں کوئی کام نہیں کر سکتے کہہ رہے ہیں کہ ہم اگر مخالفت بھی کریں تو تمکو کوئی ضرر نہ ہوگا مگر کس طرح مجبور کیے جاتے ہیں۔ بیعت پر اس پر بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر آپ ایسے شخص کی بیعت کرتے ہیں جو شارب الخمر اور بدکار ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ حالت موجودہ میں یہ دو دانستہ حرمت اسلام کو ضائع کرتے اور یزید کی بیعت کر لیتے جس سے ہمیشہ کو اسلام تباہ و برباد ہو جاتا۔

اگر حضرات اہل سنّت جیسا کہ زبانی طرفداری صحابہ کا دم بھرتے ہیں دل سے بھی وہ طرفدار ہوتے تو اس واقعہ جانسوز کربلا میں اُنکی ہمدردی جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ زیادہ ہوتی کیونکہ خود امام حسینؑ صحابی رسول بھی ہیں اور بنص قرآن فرزند رسولؐ بھی ہیں لہٰذا وہ حضرت زیادہ مستحق حمایت و طرفداری تھے مگر اہل سنّت صرف زبانی دعوے محبت صحابہ کرتے

ہیں اور اصلی محبت اُنکی شیخین سے ہے اور اُن کے طرفداروں سے لہذا جناب امام حسین علیہ السلام سے بھی مخالفت ہے کیونکہ حضرتؑ نے اس بیعت کی مخالفت کی تھی جس کے موجد اور بانی شیخین تھے۔

ہم صرف اسی ایک واقعہ پر نہیں اکتفا کرتے بلکہ آئندہ چل کر بتادینگے کہ کتنے صحابہ اہل سنت نے بھی وہی کیا جو آج امام حسین علیہ السلام نے مردانہ وار کام کیا کہ حجت خدا کو تمام کیا اور اسلام کو بلند نام کیا۔ فرق ہے تو اس قدر کہ صحابہ نے اہلبیت رسُول کا ساتھ چھوڑ دیا جس سے وہ بایں بیکسی گو مارے گئے مگر اسلام کا نام روشن کر گئے اور صحابہ نے جو یزید کی مخالفت کی تو ذاتی اغراض کو شامل کر کے۔ لہذا خدا نے بہ انتقام ترک رفاقت امام اُن پر بلا نازل کی کہ ذلیل موت سے مارے بھی گئے اور عذاب خدا سے تا قیامت نجات نہ پائیں گے۔ اسی وجہ سے اہلسنت کو بھی کسی طرح کی ہمدردی اُن سے نہیں ہے۔

جناب امام حسین عؑ نے جس قوت ایمانی اور روحانیت حقہ سے محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اس بیعت یزیدی سے مخالفت کی ہے اگرچہ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ مگر اس طرح کی شجاعت اور جرأت اور مصلحت سے کام لیا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دلیل حقیت اسلام نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اسلام تو نام ہے محض اطاعت خدا و رسُول کا۔ اسکو دنیا داری۔ و مکاری۔ عیاری سے کیا واسطہ اس کا کام تو محض حقانیت و روحانیت پھیلانا ہے نہ درندگی و بہیمیت جو کار بہائم ہے۔

یہ تو عام حکم اسلام ہے اور امام کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے افعال و اقوال سے بتائے کہ رسُول اللہ کی شریعت کیا ہے وہ اس طریق سے حق کو رائج کرتا ہے کہ عقل و شرع میں منافات نہ ہو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہم غافل رہے حجت ہم پر ناتمام رہی۔ اسی وجہ سے حضرتؑ کے کل حرکات و سکنات اس مخالفت یزیدی میں ایسے رہے کہ حق سے ایک نقطہ برابر بھی علیحدگی نہ ہو۔

طلبی امام حسینؑ برائے بیعت

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مخالفت یزید میں تین آدمی کا نام پہلے سے مشہور تھا جناب امام حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عمر اگرچہ عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن عباس کی نسبت بھی حکم خاص تھا مگر زیادہ تشدد دو ہی آدمی پر تھا کیونکہ عبد اللہ بن عمر پہلے ہی بیعت کر چکے اور لاکھ درہم ہضم کر چکے تھے تو اب رہ گئے جناب امام حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیر ان دونوں آدمیوں سے بیعت لینے کے بارے میں علامہ ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں لکھتے ہیں۔

ولم یکن لیزید ھمہ الا بیعۃ النفر	یعنی تمامتر ہمت یزید یہ تھی کہ ان لوگوں سے
الذین ابوا علی معاویۃ بیعتہ فکتب الی الولید	بیعت لے جنھوں نے بعہد معاویہ انکار کیا تھا پس لکھا ولید
یخبرہ بموت معاویۃ وکتابا اخر صغیرا	عامل مدینہ کو خبر موت معاویہ اور دوسرا ایک چھوٹا رقعہ لکھا
فیہ اما بعد فخذ حسینا عبد اللہ بن عمر	کہ امابعد پس پکڑو حسینؑ کو اور عبد اللہ بن عمر اور ابن زبیر کو
وابن الزبیر بالبیعۃ اخذا لیس فیہ رخصۃ	یہ مواخذہ ایسا ہو کہ کسی قسم کی رخصت نہیں ہے
حتی یبایعوا والسلام (ص۵ جلد ۴)	یہاں تک کہ بیعت کریں۔

اس رقعہ میں حکم ہے تینوں آدمیوں کے لیے اگرچہ ابن عمر خود مستثنیٰ ہیں مگر ولید نے جو آدمی بھیجا وہ بھی صرف جناب امام حسینؑ اور ابن الزبیر کے پاس گیا تاریخ کامل میں ہے:۔

فارسل الولید عبد اللہ بن عمرو بن عثمان وھو غلام حدث الی الحسین وابن الزبیر فوجدھما فی المسجد وھما جالسان (ص)

یعنی ولید نے عبداللہ بن عمر بن عثمان (یعنی عثمان کے پوتے کو) بھیجا حالانکہ وہ ابھی تازہ جوان لڑکا تھا جناب امام حسینؑ اور ابن الزبیر کے طرف اُس نے پایا دونوں کو مسجد میں بیٹھے ہوئے۔

خود ابن الزبیر نے جناب امام حسینؑ سے پوچھا کہ آپ کہہ سکتے ہیں اس وقت رات کو کیوں ہم لوگوں کو بلاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔

اظن ان طاغیتھم قد ھلک فبعث الینا لیاخذ بالبیعۃ قبل ان یفشو فی الناس الخبر۔

کہ میں گمان کرتا ہوں کہ ان کا طاغیہ ہلاک ہوا اور اس لیے بلایا ہے کہ قبل فاش ہونے خبر کے ہم لوگوں سے بیعت لے لے

ابن الزبیر نے بھی اسکی تصدیق کی اور پوچھا کہ پھر آپ کیا کیجیے گا فرمایا کہ میں جاؤں گا۔ ابن الزبیر نے کہا مجھے خوف آتا ہے کہ آپکو کوئی صدمہ نہ پہونچے امامؑ نے فرمایا ہم اس طرح جائیں گے کہ اپنی حفاظت کا سامان کر لیں گے۔

فرق امام و غیر امام

یہیں سے امام و غیر امام کا فرق نمایاں ہوتا ہے کہ جو معاہدہ پہلے ہو چکا تھا بزبان امام حسنؑ و معاویہ حضرتؑ اُس کے پابند ہیں انکار نہیں کرتے بکمال شجاعت و جرأت تشریف لیجاتے ہیں اور آپکے اعزاء و اقربا بیرون در مستعد و آمادہ موجود ہیں۔ کہ اگر آواز بلند ہو تو وہیں فیصلہ کر لیا جائے۔

بیعت کے بارے میں فرمایا ہمارا سا آدمی نہ رات کو بیعت کر سکتا ہے نہ چھپ کر نہ تم اس پر راضی ہو سکتے۔ صبح کو جب سب جمع ہونگے دیکھا جائے گا یہ فرما کر چلے تھے کہ مروان نے ولید کو رائے دی یا اسی وقت بیعت لے لو یا قتل کرو۔ کہ پھر ان کی گرد بھی نہ ملے گی جس پر حضرتؑ نے بھی بکمال جرأت و جلالت جواب دیا کہ کیا تیری مجال ہے کہ تو مجھے قتل کرے واللہ یہ ممکن نہیں۔

یہ ہے حضرتؑ کی جرأت اور جلالت کہ وہاں تشریف لے گئے اور مردانہ وار گفتگو کی اور دولتسرا میں تشریف لائے کہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ خائف و ترساں ہو کر چھپ رہے نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حیلہ حوالہ کر رہے ہیں چور کی طرح دبک رہے ہیں بخلاف ابن زبیر کے کہ وہ گھر میں جا کر چھپ رہا ولید کے پیادہ پر پیادہ آرہے ہیں وہ گھر سے نکلتا نہیں آخر یہ حیلہ کیا کہ اپنے بھائی جعفر بن زبیر کو ولید کے پاس بھیجا اُسکی سفارش پر کہ عبداللہ بن زبیر خوف زدہ ہو رہا ہے آج کی شب مہلت ملے کل حاضر ہونگے۔ ایک شب کی مہلت ملی اور وہ اُسی شب کو جانب مکہ فراری ہوا۔

تاریخ کامل میں ہے:۔

واما ابن الزبیر فقال الآن آتیکم ثم اتی دارہ فکمن فیھا ثم بعث الیہ الولید فوجدہ

یعنی ابن زبیر نے کہا ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر گھر آیا اور چھپ رہا۔ پھر ولید نے اُس کے پاس لوگوں کو بھیجا تو دیکھا کہ وہ

قد جمع اصحابه واحترز فالح علیه الولید وھو یقول امھلونی فبعث الیه الولید موالیه فشتموه وقالوا له یا ابن الکاھلیة لتاتین الامیر او لیقتلنک فقال لھم واللہ لقد استربت لکثرۃ الارسال فلا تعجلوا بی حتی ابعث الی الامیر من یاتینی برائیه فبعث الیه اخاہ جعفر بن الزبیر فقال رحمک اللہ کف عن عبد اللہ فانک قد افزعته دوعرتہ وھو یاتیک غدًا انشاء اللہ فمر رسلک فلینصرفوا عنه فبعث الیھم فانصرفوا وخرج ابن الزبیر من لیلته فاخذ طریق الفرع ھو واخوہ جعفر لیس معھما ثالث وسار نحو مکة خرج الرجال فی طلبة فلم یدرکوہ (ص۶)

چھپ گیا ہے ولید نے اصرار کیا اور وہ کہتا ہے کہ مہلت دو پس ولید نے اپنے غلاموں کو بھیجا انھوں نے اگر خوب گالیاں دیں اور کہا کہ اے پسر کاہلیہ (انکی مادر بزرگ کا نام ہے) چلو امیر کے سامنے ورنہ وہ قتل کرے گا تب ابن زبیر نے کہا میں قاصدوں کی آمد سے پریشان ہو گیا اتنی مہلت دو کہ امیر کی رائے دریافت کرلوں پھر اپنے بھائی جعفر کو بھیجا اُس نے کہا عبد اللہ خوف زدہ ہو گیا ہے آجکی شب مہلت دو کل صبح کو ضرور حاضر ہوگا۔ ولید نے اپنے آدمیوں کو بلالیا اُسی شب کو عبد اللہ اور جعفر بھاگ گئے۔ براہ فرع کوئی تیسرا آدمی اُن کے ساتھ نہ تھا ولید نے لوگوں کو تعاقب میں دوڑایا مگر وہ نہ ملا۔

دیکھئے ابن زبیر بھی صحابی ہیں اور ابو بکر صاحب کے نواسے اور شجاعت کا بھی دعویٰ ہے یاور و انصار بھی رکھتے ہیں کیونکہ یہ اس قریش سے ہیں جن کا اتفاق و اتحاد معلوم ہے جس نے غصب خلافت کیا۔ انکے لیے اور جناب امام حسینؑ کے لیئے یزید کا ایک حکم ہے ولید دونوں کو بلا رہا ہے اور دونوں مخالف بیعت یزید ہیں دونوں کا فعل بھی ایک ہی مگر فرق دیکھو امام معصوم کیا کرتے ہیں کہ حاکم کے پاس بیخوف وخطر جاتے ہیں ابن الزبیر وعدہ کرکے روپوش ہوتا ہے۔ امام اپنے اعوان و انصار لیکر حاکم کے یہاں تشریف لے گئے ابن الزبیر نے بھی اپنے اعوان انصار کو جمع کیا مگر اپنے گھر میں وہ حاکم تک نہیں جاتے امام نے آنیکا وعدہ کیا اور ایفا فرمایا ابن زبیر نے خلاف وعدہ کی اور چھپ رہا۔ امام وہاں مروان سے رد و بدل ہوئی آپنے گلہ بلکہ جواب دیا اور گھر تشریف لائے۔ ابن زبیر غلامان ولید کی گالیاں سن رہا ہے اور خوشامد میں کرتا ہے۔ امام خود بنفس نفیس تشریف لیجاتے ہیں اور بکمال شجاعت وجرأت جواب سوال معقول کر رہے ہیں۔ ابن زبیر نے اپنے بھائی کو بھیجا وہ خوشامد کرتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ کل ضرور آئے گا۔ اور رات ہی کو فرار کر گیا۔

بخوف یزید و ولید دونوں نے مدینہ کا قیام ترک کیا اور مکہ کی طرف دار امن سمجھ کر روانہ ہوئے مگر کسی طرح امام مظلوم نے شاہراہ کو نہ چھوڑا اور ابن زبیر نے فرع کی راہ لی جو اُس زمانہ میں غیر معروف راہ تھی۔

امام مظلوم نے جب مدینہ چھوڑا اور مکہ کی راہ لی تو اس آیہ کی تلاوت کی جو حضرت موسیٰ نے مصر چھوڑتے وقت کہا تھا تاریخ کامل میں ہے۔ ولما سار الحسین نحو مکة قرء فخرج منھا خائفا یترقب۔

اور جب وارد مکہ معظمہ ہوئے فلما دخل مکة قرء ولما توجه تلقاء مدین۔

میری غرض اس تحریر سے صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں کو معلوم ہو آل و اصحاب کے افعال میں کیا فرق ہے کیونکہ

کیونکہ امام حسینؑ کا جو فعل ہے وہ مردانہ غیورانہ حکیمانہ روحانیت اور حقانیت لیئے ہوئے۔ ابن زبیر جو صنف صحابی ہے وہ بھی وہی کام کر رہا ہے مگر مکاری، عیاری رذالت لیئے ہوئے کیوں؟ اسی وجہ سے کہ امام کا جو فعل ہے بغرض رضائے باری تعالیٰ اور غیر معصوم کا جو فعل ہے وہ دنیاداری کہ کسی طرح دنیا ہاتھ آئے اگرچہ کیسی ہی ذلت و رذالت کے ساتھ ہو یہاں آپ کو جناب امیرؑ کی مخالفت پر خلافت خلیفہ اول سے بھی نظر کرنا چاہیئے کہ حضرت دیکھ رہے ہیں۔ یاران طریقت کس طرح اوچھل کود لگا رہے ہیں، سقیفہ کے جنگل میں کیسی گاؤ دوڑیاں ہو رہی ہیں۔ آپ مطلق اس کی پرواہ نہیں اپنے فرض دفن و کفن رسولؐ کو بکمال اطمینان انجام دے رہے ہیں حضرت عباس کہتے ہیں۔ لاؤ ہم بیعت کرلیں کہ کہنے کو ہو جائے عم رسولؐ نے بیعت کی مگر جس طرح جناب امام حسینؑ نے فرمایا تھا مثلی لایبایع مثلہ جناب امیرؑ نے بھی فرمایا اس امر خلافت میں کون شخص (مسلمان ہو کر) طمع کر سکتا ہے۔

بعد دفن رسولؐ جناب امیرؑ نے جمع قرآن کی طرف توجہ کی جو بحکم رسولؐ خاص آپکا کام تھا۔ جب ابو بکر نے حضرتؑ کو طلب کیا تو قنفذ نے جاکر کہا خلیفۂ رسولؐ بلاتے ہیں:

فقال علی لسریع ما کذبتم علی رسول اللّٰہ۔ — توجناب امیرؑ نے فرمایا کس قدر جلد افترا کیا تم نے رسول اللہ پر۔

دوبارہ ابو بکر نے بھیجا اور کہا:

امیر المومنین یدعوک فرفع علی صوتہ فقال سبحان اللّٰہ لقد ادعی ما لیس لہ۔ — کہ امیر المومنین تم کو بلاتے ہیں حضرتؑ نے آواز بلند فرمایا سبحان اللہ اُس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جو کسی طرح اسکے لیئے نہیں ہے۔

اس کے بعد خانۂ زہراؑ میں آگ لگائی یا آگ لکڑی لے کر عمر صاحب گئے اور حضرتؑ کو پکڑ لائے عمر صاحب تلوار نکال رہے ہیں قتل کی دہمکی دے رہے ہیں مگر کسی طرح نہ حضرت اُن سے عاجزی کرتے ہیں، نہ اُن کی خوشامد کر رہے ہیں نہ چھپ رہے ہیں۔

حکیمانہ حجت تمام کر رہے ہیں یہاں تک کہ بعد وفات جناب سیدہؑ مصالحت ہوئی۔

اگر غور کیجئے تو جو کام جناب امیرؑ نے کیا تھا وہی کام جناب امام حسینؑ نے کیا فرق ہے تو اسقدر کہ جناب امیرؑ نے اس وقت تلوار سے نہیں فیصلہ کیا جس کی وجہ بھی حضرتؑ نے خود بتادی کہ اگر میں ایسا کرتا تو دین اسلام مٹ جاتا اور کفر عود کر آتا اور جناب امام حسینؑ نے تلوار سے فیصلہ کیا کیونکہ ایسا نہ کرتے تو اسلام ہمیشہ کے لیئے مٹ جاتا پس مقصود اصلی دونوں حضرات کا حفاظت اسلام ہے۔

ہاں اگر جناب امیرؑ اُس روز تلوار نکالتے تو ظاہر اسباب نتیجہ یہی ہوتا کہ جناب امیر شہید ہوتے اور خاندان رسالت مٹ جاتا کیونکہ حضرتؑ نے بچشم خود دیکھ لیا تھا کہ قوم نے دوسرے شخص کو خلیفہ بنایا اور بضعۃ الرسولؐ کے درپے آزار ہوئے حالانکہ ابھی تک نہ آپنے صف کشی کی تھی نہ جہاد کا کوئی ساماں کیا تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ

آپ یا حسنین علیہم السلام قتل سے بچتے۔ حالانکہ بقائے اسلام و بقائے عالم کے لیئے وجود نسل آل محمد ضروری تھا۔ نبی یا امام کوئی ایسا فعل نہیں کرتے جس سے کسی قانون مروجہ کی مخالفت کا الزام آئے اور وہ کسی حیثیت سے مجرم کہلائیں اس لیئے بالخصوص جناب امیرؑ نے اُس وقت خاص طور پر طرح دیا کیونکہ آپ جانتے تھے بغاوت اور ارتداد کا بازار گرم ہو رہا ہے اگر حضرتؑ جنگ کرتے تمام مخالفین آپکے نہ صرف آپکے دفعیہ کو سب پر مقدم سمجھتے بلکہ عام طور پر وہی جرائم حضرتؑ پر عائد کیئے جاتے اور عام طور سے مشہور کیا جاتا اسی لیئے آپ نے تلوار کے فیصلہ کو عمداً موقوف کیا۔

یہی وجہ تھی کہ جناب امام حسینؑ نے تا حیات معاویہ سکوت کیا کیونکہ ایک طرح کا معاہدہ جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ہو چکا تھا جسکی پابندی اگرچہ آپ پر لازم نہ تھی کیونکہ خود معاویہ نے اس معاہدہ کی قطعی پابندی نہ کی۔ مگر حضرتؑ نے اسکو مکروہ سمجھا کہ جس امر کا معاہدہ برادر بھائی کر چکا ہو اُسکے خلاف کریں اور یہ فعل امام خالی از مصلحت نہیں ہوتا لہذا اس وقت بالکل سکوت کیا اور جب خود معاویہ نے اُس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے یزید کو ولیعہد بنایا اور مر کر زمانہ معاہدہ کو تمام کیا تو حضرت نے نئے معاہدہ کی ابتدا ہی میں نہایت جرأت و شجاعت و ہمت سے مخالفت کا اعلان کیا اور مردانہ وار حاکم کے گھر سے چلے آئے

ہاں ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ جناب امیرؑ کے گھر میں عرب کے بدمعاش گھس آئے اور آگ لگا دی کیونکہ جناب امیرؑ بالکل تنہا تھے خاندان بنی ہاشم میں صرف تین مرد تھے ایک جناب امیرؑ دوسرے حضرت عباس عم رسول تیسرے حضرت عقیل برادر جناب امیرؑ مگر یہ دونوں آدمی بوجہ پیرانہ سالی یا ضعف جسمانی ایسے تھے کہ جنگ بدر میں مشرکین قریش نے مجبور کر کے ان لوگوں کو اپنے ساتھ اس غرض سے لیا کہ جناب رسالت مآبؐ سے جنگ کریں اور وہ یہاں آ کر اسلام کے قیدی بنے۔

پھر وہ جناب امیرؑ کی کیا حمایت کر سکتے۔ پس اگر جناب امیرؑ اُس وقت جنگ کرتے تو مخالفت لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ لازم آتی۔ اور جناب امام حسینؑ خود حاکم مدینہ کے گھر گئے اور اُس سے کلّہ بکلّہ جواب و سوال کیا۔ اور بصحت و سلامت واپس تشریف لائے کیونکہ خود آپ کے اعزا ۱۸ جوانان بنی ہاشم آپکے ساتھ تھے جنھوں نے اپنی جان امام پر بروز عاشورہ قربان کی علاوہ ۵۰ یا ۶۰ جان نثار کے جو دوست احباب تھے۔

اب آپکے سامنے دو امام معصوم کی مخالفت ایک ناجائز خلافت سے موجود ہے نیز ایک دوسرے صحابی غیر معصوم کی مخالفت جس سے آپ خود تصفیہ کر سکتے ہیں کہ دونوں میں کیا فرق ہے کیونکہ میرا مقصود اسی قدر ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے ایک ہی فعل حقدار اور غیر حقدار یا معصوم و غیر معصوم سے واقع ہوتا ہے تاکہ جن کو ایسا موقع پیش آئے وہ اسی راہ کو اختیار کریں جو امام معصوم کا فعل ہوتا ہے کہ انشاءاللہ اس میں مخالفت یا عدول امر حق سے نہ لازم آئے گا۔

مصلحت سفر امام حسینؑ بجانب مکہ معظمہ

اس واقعہ کے بعد جناب امام حسینؑ نے خانہ کعبہ کا قصد کیا جو بحکم خدا و رسول امن ہے تمام خلائق کے لیئے ومن دخلہ کان امنا۔ مگر آپ کی تشریف آوری ابن الزبیر کے ایک روز بعد ہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہوں ابن الزبیر اسی شب کو یکہ و تنہا روانہ ہوا۔ اور آپ بکمال جرأت و استقلال بعد تہیہ اسباب دوسرے روز

چونکہ اصلی مقصود امام یا نبی اتمام حجّت ہے کہ پیش خدا کسی کو عذر نہ رہے۔ اس لیئے حضرتؑ نے اپنے سفر سے جہاں اپنی مظلومیت اور صحابہ کی ناخدا ترسی دکھائی وہاں یہ بھی ثابت کیا کہ یہ اشقیا جنھیں صحابہ خلیفۂ رسولؐ بنا رہے ہیں کیسے ظالم اور بے دین ہیں کہ حرمت خانہ کعبہ کی رعایت نہیں کرتے جو مسلمات اسلام سے ہے جس سے اُس زمانہ کے مسلمان جو تمامتر صحابی تھے یا تابعی اگر کچھ بھی اپنے قلب میں نور اسلام رکھتے تو ایسے فاسق فاجر کی حکومت سے علیحدہ ہو جاتے مگر کہاں تھا کوئی مسلمان جو حق کا جویا ہوتا اور حق کی طرف مائل ہوتا خلفاء ثلاثہ نے اپنی خلافت سے اُنکو ایسا گمراہ کیا تھا کہ کسی کو اسکی فکر نہ تھی کہ کوئی کام آخرت کا کرے۔

جناب امام حسین علیہ السلام کو اس سفر میں تین رائے دی گئی تھی۔ ایک تو عبداللہ بن عمر نے رائے دی تھی کہ آپ کیوں مخالفت کرتے ہیں جماعت مسلمین میں تفرقہ نہ کیجئے مدینہ میں قیام فرمایئے اسکو میں آئندہ دیکھونگا دوسری رائے محمد بن حنفیہ کی تھی کہ خانہ کعبہ میں قیام فرمائیے تیسری رائے یہ دی گئی کہ آپ جانب یمن نکل جایئے رائے اوّل۔ حضرتؑ نے تو پہلے ہی سے مکّہ کا قصد کیا تھا۔ اور محمد بن الحنفیہ کی رائے بھی موافق ہوئی مگر آپنے وہاں کا قیام بالاستقلال نہ پسند کیا جن کے وجوہات بعد اسکے ظاہر ہونگے۔

پہلی مصلحت۔ اس قصد خانہ کعبہ کی تو بہت ظاہر ہے کہ خدا کا گھر ہے یہاں کسی کو کسی پر ظلم کرنیکا حق نہیں نہ یہاں جنگ ہو سکتی ہے نہ قتال۔ لہذا الغرض اثبات حقیت حکم خدا و اظہار مظلومیت آپنے یہاں کا قصد کیا۔ چنانچہ تاریخ کامل علامہ ابن اثیر جزری میں ہے:۔ فلما سار الحسینؑ نحو مکۃ قرء فخرج منہا خائفا یترقب فلما دخل دخلہ قرء ولما توجہ تلقاء مدین صٓ جلد ۴۔

یعنی جناب امام حسینؑ نے توجہ کیا طرف مکہ کے تو پڑھا آیۂ فخرج منہا خائفا یترقب قال ربِّ نجنی من القوم الظلمین اور جب داخل مکہ ہوئے تو پڑھا آیۂ ولما توجہ تلقاء مدین قال عسی ربی ان یھدینی سواء السبیل یہ دونوں آیتیں سورہ قصص کی ہیں قصۂ حضرت موسیٰؑ کے متعلق کہ جب آپ مصر سے نکلے ہیں تو اسکی حکایت خداوند عالم یوں فرماتا ہے کہ پس نکلے موسیٰ اُس سے ڈرتے اور انتظار کرتے ہوئے اور کہا خدایا نجات دے مجھے قوم ظالمین سے اور جب رُخ کیا طرف مدین کے تو کہا قریب ہے اللہ ہدایت کرے مجھے سیدھی راہ کی۔

جس سے اس قدر تو یقینی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ نے اُس وقت کے صحابہ و تابعین اہل مدینہ کو قوم ظالمین سے یاد کیا اور مکہ میں تشریف لاتے وقت اسکی امید کی کہ سواء السبیل حاصل ہو۔

اب میں نہیں کہہ سکتا کہ جن صحابہ و تابعین کو جناب امام حسینؑ مصداق قوم ظالمین فرمائیں کہ یہ لوگ فرعونیوں کے مانند ہیں کون مسلمان پھر انکو مسلمان کہہ سکتا ہے۔

ہاں چونکہ امامؑ کا مقصود اصلی ہدایت خلق تھا اس لیئے اتمام حجت کے لیئے آپنے مدینہ منورہ کے قیام کو ترک کیا اور اُنکو مصداق قوم ظالمین فرمایا اور اُس وقت تک خانہ کعبہ میں مقیم رہے جب تک آپ وہاں سے علیحدہ ہونے پر مجبور نہ ہوئے۔
یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خانہ کعبہ کی کیا عظمت تھی اور حضرت اسلام نے اس خانۂ خدا کی تعظیم و احترام کو تمامی اہل اسلام پر

لازم کیا۔ یہاں تک کے حضرت نے خود فرمایا خدا نے صرف ایک ساعت کے لئے مجھے اس میں قتال کو جائز کیا ورنہ ہمیشہ کیلئے اس میں جنگ و پیکار حرام ہے بلکہ کفار بھی قدیم الایام اس کا احترام کرتے اور ہر طرح کے ظلم و ستم سے باز رہتے۔ پھر کیوں نکر جناب امام حسینؑ اسے محل امن سمجھ کر نہ قیام کرتے حالانکہ اس میں بھی یہ مصلحت تھی کہ حضرتؑ اپنے قیام سے تمام عالم پر احکام خدا و رسولؐ کی تصدیق ظاہر کریں کہ دیکھو جب وقت خوف ہوا ہم نے بھی یہاں آکر پناہ لی اور اسکو محل امن قرار دیا۔

مگر خدا نہ بخشے ان مسلمان نما کافروں کو جنھوں نے اپنی دنیا داری سے بتا دیا کہ خدا و رسولؐ کے احکام کے ہم پابند نہیں نہ اس پر عمل کرتے ہیں بلکہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور اسی کا نام اسلام ہے پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ صحابہ مسلمان تھے۔

دیکھو جب ابن الزبیر بھاگ کر مدینے سے مکہ میں آئے اور اسکے دوسرے روز جناب امام حسینؑ نے بھی مدینہ چھوڑ کر حرم خدا میں پناہ لی۔ تو اسی زمانہ میں یزید کی فوج مدینے سے چلی ہے اور مکہ میں آکر خونریزی کی۔

تاریخ کامل ابن اثیر جزری میں ہے کہ وفات معاویہ اوایل ۶۰ھ میں ہوئی اور جناب امام حسینؑ اوایل ماہ شعبان میں وارد مکہ معظمہ ہوئے ماہ رمضان میں ولید بن عتبہ جو پہلے سے حاکم مدینہ تھا معزول ہوا (اس جرم پر کہ امام حسینؑ و ابن زبیر کو بلا اخذ بیعت کیوں چھوڑا) عمرو ابن سعید اشدق حاکم مدینہ ہو کر آیا عمرو بن زبیر کو اس نے کوتوال بنایا کیونکہ اس میں اور اس کے بھائی عبداللہ بن زبیر میں قدیم سے عداوت تھی اسی خیال سے عمر بن سعید اشدق نے اسے کوتوال بنایا کوتوال نے اپنے بھائی منذر بن زبیر اور اس کے بیٹے محمد بن منذر اور عبدالرحمن بن اسود بن عبدیغوث عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام (اسی خاندان سے تھا) اور محمد بن عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو اسی جرم پر گرفتار کیا کہ یہ سب ہوادار عبداللہ بن زبیر تھے اور ۴۰۔ ۵۰۔ ۶۰ کوڑے سب کو لگوائے۔ جلد ۴ صفحہ ۲

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر جناب امام حسینؑ مدینہ منورہ میں رہتے۔ یا عبداللہ بن زبیر بھی نہ فرار کرتا تو مدینہ میں کیا نتیجہ ہوتا۔ چونکہ عبداللہ بن عمر نے جناب امام حسینؑ کو بھی رائے دی تھی کہ آپ مدینہ ہی میں قیام کریں اس لئے اسقدر اشارہ کیا گیا۔ کیونکہ اس کا تو اہلسنت کو بھی اقرار ہے "مدینہ میں جسقدر انصار و مہاجر تھے اس میں وہ مثل اپنے پدر بزرگوار کے ہر دل عزیز تھے۔ (خارجی گزٹ ۲۳ جنوری ۱۹۱۰ء)

ہمارا مطلب اس سے تخاطب کرنا ایسے ذات شریف سے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اسقدر ہے کہ معلوم ہو اہلسنت کو بھی اس کا اقرار ہے کہ صحابہ کو اہلبیت اطہار سے محبت نہ تھی جس کے صریحی مطلب یہ ہوئے کہ اگر رسول اللہ صادق تھے تو یہ صحابہ یقیناً صفت ایمان سے خالی تھے کیونکہ احادیث رسولؐ یہی کہہ رہے ہیں کہ جس میں محبت اہلبیتؑ نہیں وہ مومن نہیں۔ اور اگر معاذ اللہ وہ حضرت صادق نہ تھے تو بیشک مذہب اہلسنت حق ہے۔

بہر حال ان سب انتظاموں کے بعد اسکی فکر ہے کہ عبداللہ بن زبیر جو مکہ میں پناہ گیر ہے اسکی نسبت کیا کرنا چاہیئے فوج بھیجی جائے قتل ہو کیا تدبیر کیجائے (تاریخ کامل میں ہے)

فاستشار عمرو بن سعید الاشدق عمرو بن الزبیر فیمن یرسلہ الی اخیہ فقال لا

توجہ الیہ رجلاً انکالہ منّی فجہز معہ النّاس وفیھم انیس بن عمرو الاسلمی نحو
سبعمائۃ فجاء مروان بن الحکم الی عمر بن سعید فقال لہ لا تغز مکۃ واتق اللہ ولا تحل
حرم البیت واتی ابو شریح الخزاعی الی عمر فقال لا تغز مکۃ فانّی سمعت رسول اللہ
انّما اذن لی بالقتال فیھا ساعۃ من نھار ثم عادت کحرمتھا بالامس فقال لہ عمر
ونحن اعلم بحرمتھا منک ایّھا الشیخ ۔(ص ۷ جلد ۴)

ہم نے اصل عبارت عربی کو بخیال طول مختصر کر دیا ہے مگر ترجمہ بلفظہ کیا جاتا ہے۔

عمر بن سعید اشدق (حاکم مدینہ) نے عمر بن زبیر سے مشورہ کیا کہ قتل ابن الزبیر کے لیئے کسے جانب مکہ روانہ کریں عمر بن زبیر (برادر عبد اللہ بن زبیر) نے کہا ہمارے سوا کسی کو نہ بھیجو کہ عبد اللہ بن زبیر کے لیئے ہم سے بہتر عذاب دینے والا کوئی نہ ہوگا (یہاں خیال رہے کہ حاکم مدینہ نے اسکو کوئی حکم نہیں دیا تھا بلکہ خود اسنے خواہش کی یہی حال عمر بن سعد کا بھی ہوا کہ ابن زیاد نے اسکو کوئی خاص حکم نہیں دیا تھا بلکہ اُس نے خود اپنی خواہش سے اسکی درخواست کی۔ اور یہ دونوں عمر مہاجرین کی اولاد سے ہیں کیونکہ سعد بن وقاص بیر دوں صحابی اور مہاجر عشرہ مبشرہ بالجنۃ سے تھے جنہیں سے زبیر کا بیٹا از خود عازم قتال مکہ اور اپنے حقیقی بھائی کے قتل پر آمادہ ہوا اور عمر بن سعد نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا) پس حاکم مدینہ نے اُنکے ساتھ سات سو سپاہیوں کو ہمراہ کیا جن میں انیس بن عمر اسلمی بھی تھا یہ خبر سن کر مروان بن حکم (جو پہلے حاکم مدینہ بھی تھا) آیا اور کہا کہ مکہ پر چڑھائی نہ کر خدا سے خوف کر ابن زبیر کو چھوڑ دے کہ بڑھا ہوا ساٹھ برس کا سن ہے اور وہ لجوج (ضدی) بھی ہے (یہ سفارش ہے مروان کی درباره ابن الزبیر۔ اور یہی مروان وہ ہے جس نے ولید کو رائے دی تھی کہ امام حسینؑ سے اسی وقت بیعت لے یا قتل کر۔ جس پر امام حسینؑ نے فرمایا تھا یا ابن الزرقا انت تقتلنی ام ھو کذبت واللہ ولومت (کامل) اے پسر زرقا (خاندان بنی امیہ کی ماں جو ذوات الاعلام سے تھی) کیا تو مجھے قتل کرے گا یا وہ جھوٹا ہے تو قسم خدا کی اگرچہ میں مر جاؤں۔ اس سے آپنے سمجھ لیا کہ صحابہ کس درجہ کے ایمان دار تھے کیونکہ مروان بھی صحابی ہے جو امام حسینؑ کے قتل کی رائے دیتا ہے ابن الزبیر کی سفارش کرتا ہے کہ اسکو چھوڑ دو) مروان کی اس رائے پر عمر بن زبیر نے کہا قسم خدا کی ہم اُس سے جنگ کریں گے جوف کعبہ میں اگرچہ کسی کی ناک رگڑ دی جائے (اشارہ ہے مروان کیطرف) اسکے بعد آئے ابو شریح خزاعی اور کہا حاکم مدینہ سے کہ مکہ پر چڑھائی نہ کر کہ ہم نے خود رسول اللہ سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے صرف ہمکو اجازت دی گئی تھی کہ دن کی ساعت قتال کریں۔ مکہ میں پھر حرمت ویسی ہی ہوگئی جیسی کہ پہلے تھی۔ عمر نے جواب دیا کہ ہم تجھ سے زیادہ واقف ہیں حرمت خانہ کعبہ سے اے شیخ۔ اسکے بعد عمرو روانہ ہوا دو ہزار فوج لیکر اور مقدمہ لشکر میں انیس تھا"

اب حضرات اہلسنت خود انصاف کریں کہ یہ صحابہ وتابعین کیسے ایمان دار تھے کہ حدیث رسولؐ بیان کی جاتی ہے حرمت خانہ کعبہ بتائی جاتی ہے مگر کوئی نہیں مانتا۔ کیا اسکے بعد بھی آپ انکو مسلمان کہیں گے۔ مزہ تو یہ ہے کہ عبد اللہ ابن زبیر

کو بھی خلیفہ مانتے ہیں اور اُنکے قاتلین کو بھی مسلمان کہتے ہیں کیونکہ اُسی کا بھائی عمرو بن زبیر تو لڑ رہا ہے پھر حضرت زبیر کو کیا منھ دکھائیں گے جو اُسکے کفر کے قائل ہوں۔

اے مدعیان اسلام اگر تم کو رسول اللہ سے محبت نہیں ہے تو خدا اور خانۂ خدا کی تعظیم و احترام ہے تو نہ دست بردار ہو۔ اُن کو کافر سمجھو جس نے حرمت خانہ خدا برباد کی اب نتیجہ اسکا سنیئے کہ اُسی کامل میں ہے۔

انیس مقدمہ لشکر وارد مکہ ہوا ذی طوی میں اُس نے منزل کیا اور عمر بن زبیر نے ابطح میں (یہ دونوں مقام حدود مکہ میں داخل ہیں) عمر نے اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر کو پیام بھیجا کہ یزید نے چونکہ قسم کھائی ہے کہ جب تک تم قید نہ کرکے تمھاری بیعت قبول کرے لہذا تم ہمارے پاس چلے آؤ کہ چاندی کی زنجیر میں قید کرلیں اُس کے بعد بیعت کرلو پھر چلے جاؤ کہ خونریزی نہ ہو کیونکہ تم حرم خدا میں ہو۔

عبد اللہ بن زبیر نے اُدھر سے اپنی فوج بھیجی جس نے پہلے انیس کا خاتمہ کیا جو لشکر مدینہ کا مقدمہ تھا اور مصعب بن عبد الرحمن نے عمر بن زبیر کو گرفتار کیا پہلے تو وہ ابن علقمہ کے مکان میں پناہ گزیں ہوا۔ مگر عبد اللہ بن زبیر نے نہ مانا اور اس کو پکڑ کر اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ مرگیا (صـ تاریخ کامل جلد ۴)

دیکھئے یہ سب صحابہ و تابعین سے ہیں مہاجرین و انصار ہیں اور اُنکی اولاد جو اس طرح مکہ معظمہ میں خونریزی کر رہی ہیں نہ کسی کو اُنکے اسلام میں عذر ہے نہ اُنکے ایمان میں بلکہ اہلسنت خوشی سے یزید کو بھی اپنا خلیفہ برحق مانتے ہیں جسکے حکم سے خانہ کعبہ پر فوج کشی ہوئی اور عبد اللہ بن زبیر کو بھی خلیفہ مانتے ہیں جو خاص حرم خدا میں خونریزی کر رہا ہو اور لشکر مدینہ کو قتل کرکے اپنے بھائی کو کوڑوں سے مارتا ہے جو مرگیا۔ یہ سب کیوں مانتے جاتے ہیں اس لیئے کہ صحابی ہیں اور صحابی زادے یزید معاویہ کا بیٹا ہے عبد اللہ زبیر کا بیٹا ابوبکر صاحب کا نواسا۔ مگر جناب امام حسینؑ سے کسی کو ہمدردی نہیں کیونکہ آپ تو اہلبیت رسول اللہ میں داخل ہیں اور اہلسنت کا مذہب محبت صحابہ پر ہے۔

اب بتائیے کہ جناب امام حسین علیہ السلام جو فرزند رسول ہیں اور شریعت اسلام کے حافظ و حامی کیونکر اس قسم کے بے دینوں کو قبول فرماتے اور آپ اس کے باعث ہوتے کہ آپکی وجہ سے حرمت خانہ خدا ضائع ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جتنے صحابہ و تابعین ہیں جو غیر معصوم ہیں وہ تو یہ رائے دے رہے ہیں کہ آپ مکہ میں قیام کریں اور وہیں اپنی خلافت قائم کریں۔ مگر حضرت سب کا ایک ہی جواب دیرہے ہیں۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حفاظت احکام شریعت کو سب پر مقدم سمجھتے ہیں اور بمقابل اسکے اپنی جان دینا گوارا ہے۔

عبد اللہ بن مطیع کی رائے۔

لما خرج الحسین من المدینة الی مکة لقیه عبد الله بن مطیع فقال له جعلت فداك این ترید قال اما الآن فمكة واما بعد فانی استخیر الله قال خار الله لك وجعلنا فداك

جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے قصد مکہ کیا تو عبد اللہ بن مطیع (صحابی) سے ملاقات ہوئی اُس نے کہا کہاں کا ارادہ ہے آپ نے فرمایا ابھی تو مکہ جاتا ہوں وہاں جا کر استخارہ کروں گا۔ عبد اللہ نے کہا خدا آپ کو خیر دکھائے

فاذا اتيت مكة فاياك ان تقرب الكوفه
فانها بلدة مشومة بها قتل ابوك وخذل
اخوك واغتيل بطعنة كادت تاتي على نفسه
الزم الحرم فانك سيد العرب لا تعدل
بك اهل الحجاز احدا ويتداعى اليك الناس
من كل جانب لا تفارق الحرم فداك عمي
وخالي فوالله لئن هلكت لنسترقن
بعدك (تاریخ کامل ص۶)

اور مجھے آپ پر فدا کرے جب مکہ ہو پہنچے تو ہرگز کوفہ کا قصد
نہ کیجئے کہ وہ بلد شوم ہے اس میں آپ کے والد بزرگوار شہید
کیئے گئے اور آپ کے برادر بزرگ کو محروم کیا بلکہ ایسا زخم لگایا کہ
قریب تھا اس سے ہلاک ہوں۔ آپ حرم میں قیام کیجئے
کیونکہ آپ سید عرب ہیں۔ اہل حجاز آپ کا ہمسر کسی کو نہیں
جانتے اور ہر طرف سے لوگوں کو دعوت دیجئے۔ مگر حرم سے
نہ نکلیئے کیونکہ اگر آپ ہلاک ہوئے تو پھر ہم سب غلام
بنالیئے جائیں گے۔

بنظر مصالح ملکی تو یہ رائے انسب معلوم ہوتی ہے کہ آپ حرم خدا میں یہ کارروائی کیجئے جس کے یہ مطلب ہوئے
کہ جس طرح عبداللہ بن زبیر فوج یزید سے لڑے آپ بھی لڑئے، جو شرعاً کسی طرح جائز نہ تھا ہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ
عبداللہ بن مطیع یہ رائے دے رہے ہیں مگر یہ نہیں ہوتا کہ حضرت کی بیعت اختیار کریں اور حق اسلام ادا کریں۔
یہی رائے عمر بن عبدالرحمن بن حرث بن ہشام نے بھی دی ہے اور بہت مبالغہ کیا ہے پھر حضرت ابن عباس
تشریف لائے ہیں اور یہی مشورہ دیا ہے اور محمد بن حنفیہ نے بھی یہی رائے دی تھی اسکے بعد عبداللہ بن زبیر آئے اور
اُن سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

اخبرني ما تريد ان تصنع فقال الحسين
لقد حدثت نفسي باتيان الكوفة ولقد كتبت
الى شيعتي بها واشراف الناس واستخير الله
فقال له ابن الزبير اما لو كان لي بها مثل
شيعتك لما عدلت عنها ثم خشي ان يتهم فقال
له اما انك لو اقمت بالحجاز ثم اردت
هذا الامر ههنا لما خالفنا عليك وساعدناك
وبايعناك ونصحنا لك فقال له الحسين
ان ابي حدثني ان بها كبشا يستحل
حرمتها فما احب ان اكون ذالك الكبش
قال فاقم ان شئت وتوليني انا الامر فتطاع
ولا تعصى قال ولا اريد هذا ايضا ثم انهما
اخفيا كلامهما والتفت الحسين الى من

ابن زبیر نے پوچھا بتائیے آپ کا کیا ارادہ ہے
حضرتؑ نے فرمایا میرے دل میں تو یہ ہے کہ میں کوفہ جاؤں
میں نے اپنے شیعوں کو لکھا بھی ہے اور استخارہ بھی کروں گا۔
ابن الزبیر نے کہا اگر وہاں میرے اسقدر شیعہ ہوتے تو میں اُسے
چھوڑ کر دوسری جگہ نہ جاتا پھر ڈرا وہ اس سے کہ کہیں حضرت
اُس کو متہم نہ کریں کہ مشورہ خلاف دیتا ہے تو کہا اگر آپ مکہ
میں قیام کریں اور اسکا قصد کریں تو ہم لوگوں سے کوئی بھی آپکے
خلاف نہ ہوگا۔ سب آپ کی مدد کریں گے بیعت کرینگے
اور خیر خواہی۔ جناب امام حسینؑ نے فرمایا کہ میرے پدر
بزرگوار نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ مکہ کے لیے ایک
مینڈھا ہے (سردار) جس سے حرمت خانہ کعبہ حلال کر دی
جائے گی پس میں کسی طرح نہیں پسند کرتا کہ وہ مینڈھا میں ہوں
عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ آپ یہیں قیام فرمائیے اور چاہئے تو مجھ

هنالك وقال اتدرون ما قال قالوا لا ندری جعلنا الله فداءك قال انه يقول اقم فی هذا المسجد اجمع لك الناس ثم قال له الحسين والله لان اقتل خارجاً منها بشبرا حب الی من اقتل فيها ولان اقتل خارجاً منها بشبرين احب الی من ان اقتل خارجاً منها بشبر وايم الله لو كنت فی جحر هامة من هذه الهوام لاستخرجونی حتی يقضوا حاجتهم والله ليعتدن علیّ كما اعتدت اليهود فی السبت فقام ابن الزبير فخرج من عنده فقال الحسين ان هذا ليس شیء من الدنيا احب اليه من ان اخرج من الحجاز وقد علم ان الناس لا يعدلونه بی فودّ انی خرجت حتی يخلو له

(صـ۱۶ تاریخ کامل جلد ۴)

متولی امر بنائے کہ ہر طرح آپ کی اطاعت کی جائے گی اور کسی قسم کی نافرمانی نہ ہوگی۔ حضرت نے فرمایا میں یہ بھی نہیں چاہتا پھر کچھ کلام مخفی کیا دونوں نے، پھر ملتفت ہوئے امام حسینؑ ان لوگوں کی طرف جو وہاں تھے اور فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا نہیں حضرت نے فرمایا یہ کہتا ہے کہ آپ یہیں قیام کیجئے لوگوں کو آپ کے لئے جمع کردوں گا۔ پھر کہا امام حسین علیہ السلام نے قسم خدا کی اگر میں ایک بالشت علٰحدہ ہوکر خانہ کعبہ سے قتل کیا جاؤں گا تو یہ زیادہ مجھے محبوب ہے بہ نسبت اسکے کہ خانہ کعبہ میں قتل ہوں اور اگر دو بالشت علٰحدہ قتل ہوں تو زیادہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک بالشت کے فرق سے مارا جاؤں قسم خدا کی اگر میں کسی سوراخ میں کیڑوں مکوڑوں کے چھپ رہوں تو یہ اس سے بھی ہم کو باہر نکالیں گے اور اپنی غرض پوری کریں گے قسم خدا کی یہ ہم پر اُسی طرح کی تعدی کریں گے جس طرح کی تعدی کی یہود نے سبت میں پس کھڑے ہوئے ابن الزبیر اور چلے گئے پس حضرت نے فرمایا اس کے نزدیک دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ نہیں کہ میں چلا جاؤں حجاز سے کیونکہ اس کو خوب معلوم ہے کہ کوئی اسکو کوئی چیز نہیں سمجھے گا جب تک میں یہاں رہوں گا لہذا یہ چاہتا ہے کہ میں خالی کردوں اس کے لیے اس ملک کو۔

یہ ہے جواب جناب امام حسین علیہ السلام جو کس وضاحت سے فرما رہے ہیں کہ میرے پیش نظر رسول اللہ کی یہ حدیث ہے جس میں حضرت یہ خبر دے گئے ہیں کہ خانہ کعبہ کا ایک مینڈھا ہے جس سے اسکی حرمت برباد ہوگی میں کسی طرح نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔ جہاں تک ہو سکے اس سے دور ہوکر قتل ہوں تو وہ ہم کو پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ قرب خانہ کعبہ میں قتل ہوں۔

اس جواب میں حضرتؑ نے یہ بھی فرما دیا کہ میرا قتل ہونا یقینی ہے کہ اگر حشرات الارض کے سوراخ میں بھی میں چھپوں گا تو یہ مجھے نکال کر قتل کر دیں گے تاکہ یہود کے مماثل نہیں۔

جس حدیث کا جناب امام حسینؑ نے ابن زبیر سے تذکرہ کیا ہے ایک ایسی حدیث مشہور و معروف ہے کہ اس زمانے کے کل صحابہ قریب قریب اس سے واقف تھے چنانچہ سابقاً حضرت ابن عباس کا اشارہ اس حدیث کی طرف مذکور ہو چکا (دیکھو صـ۲۵ ، صلاح ۵ جلد ۱۱ اور کنز العمال میں ہے :-

يلحد رجل من قريش بمكة يقال له
عبد الله عليه شطر عذاب العالم ط عن
ابن عمر انه ليلحد في الحرم رجل من قريش
لو توزن ذنوبه بذنوب الثقلين
لرجحت طب حمرك عن ابن عمر يحلها
ويحل به رجل من قريش لو وزنت ذنوبه
بذنوب الثقلين لوزنتها حم عن ابن عمر
يلحد بمكة كبش اى سيد من قريش اسمه
عبد الله عليه مثل وزار نصف الناس حم
عن عثمان يلحد رجل من قريش بمكة يكون
عليه نصف عذاب العالم حم عن عثمان
ورجال الحديثين ثقات۔

خلاصہ ان سب روایات کا یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا:۔
ایک شخص الحاد کرے گا حرم خانۂ کعبہ میں جس سے اس کی حرمت برباد ہوگی۔ اور نام اُس کا عبد اللہ ہوگا اُس پر نصف عالم کا عذاب ہوگا۔ اگر اُس کے گناہ وزن کیے جائیں تو اس کا پلہ بھاری ہوگا۔ اور دونوں جہان کے گناہ سے گناہ اُس کا زیادہ ہوگا۔

یہیں سے آپکو اہلبیت اور اصحاب کا فرق اچھی طرح معلوم ہوگا کہ جناب امام حسین ع چونکہ اہلبیت نبی سے ہیں اور امام بحق اور وصی رسول رب العالمین محافظ شریعت خیر المرسلین لہٰذا کس احتیاط سے آپ کام لے رہے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے مصداق نہ بنیں حالانکہ بالیقین آپ کو معلوم تھا کہ ہم اسکے مصداق نہیں ہیں اور ہم سے ان احادیث کو کسی قسم کا تعلق نہیں مگر تاہم بنظر احتیاط کسی طرح آپ اسکے روادار نہیں ہیں کہ ایک شائبہ بھی ان احادیث وعیدیہ کا آپ پر آنے پائے بلکہ آپ بمال تقویٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ایک بالشت علیحدہ اس سے مارے جائیں تو یہ بہتر ہے اس سے کہ خاص حرم میں شہید ہوں اور اگر دو بالشت علیحدہ ہوں تو یہ بہتر ہے اس سے کہ ایک بالشت قریب ہوں۔

بخلاف ابن الزبیر کے جو صحابی ہے اور غیر معصوم خود اس کے سامنے جناب امام حسین ع اس حدیث کو یاد دلا رہے ہیں اور یقیناً وہ بھی واقف تھا مگر اُس کو مطلق پروا نہیں اور بمقابلہ اسکے کہ چند روزہ سلطنت ہاتھ آجائے عذاب ابدی قبول ہے۔

جناب معصوم نے اس حدیث میں اسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ قتل ہونا یقینی ہے کیونکہ ظاہر ہے امام معصوم کبھی قبائح شرعیہ پر تا حد اختیار سکوت نہیں کر سکتا اور عدم سکوت پر یہی نتیجہ ہوگا تو جب یہ یقینی ہے پھر ایسا امر کرنا جس سے ملحد قرار پائیں اور عذاب اُخروی میں مبتلا ہوں کون عاقل قبول کر سکتا ہے۔

جناب امام حسین ع نے صرف اپنے ہی شہادت کو نہیں ظاہر کیا کہ یقینی ہے بلکہ ابن الزبیر کو بھی بتا دیا کہ تو بھی ضرور مارا جائے گا — کیونکہ حضرت خبر دے رہے ہیں کہ اس کے لیے ایک کبش ہے اور اپنے اس قول سے کہ میں

اگر ایک بالشت دور قتل ہوں۔ اسکی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ کبش مارا بھی ضرور جائے گا ہم نہیں پسند کرتے کہ وہ کبش ہم ہوں۔

یہیں سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ ان صحابہ کو کس درجہ حضرتؐ کے احادیث و اقوال پر اعتماد تھا کہ ابن الزبیرؓ یہ حدیث آں حضرتؐ کی سنتا ہے مگر ذرہ برابر ایمان نہیں لاتا اور جناب امام حسینؑ اس درجہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں کہ گویا ہمہ وقت مکاشفہ ہو رہا ہے۔

یہ جواب تو حضرتؑ نے ابن الزبیر کو دیا تھا جس سے اُسکی ہدایت اور اصلاح منظور تھی کہ کسی طرح وہ بھی اپنے اس ارادہ سے باز آئے اور حرمت خانۂ کعبہ کو ضائع نہ کرے مگر وہ ایک دنیا دار آدمی تھا کب اس کی پروا کرتا۔

اب آخری جواب سنئے کہ جب جناب امام حسینؑ نے مکہ بروز ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو سفر کیا ہے جس روز سے اعمال حج شروع ہوتے ہیں تو عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید حاکم مکہ سے ایک خط امان کا لیا ہوا اور یحییٰ [illegible] حاکم مکہ یحییٰ بن سعید روانہ خدمت اقدس امام ہوئے:۔

فلحقاه وقرأعليه الكتاب وجهدا ان يرجع فلم يفعله وكان مما اعتذر اليهما ان قال اني رأيت رؤيا رأيت فيها رسول الله وامرت فيها بامر انا ماض له على كان اولي فقالا ما تلك الرويا فقال ما حدثت بها احدا وما انا محدث بها احدا حتى القى ربي۔ (تاریخ کامل ص [illegible] جلد ۴)

یعنی عبداللہ بن جعفر و یحییٰ بن سعید حاضر خدمت ہوئے اور خط ابن سعید حاکم مکہ کا سنایا اور کوشش کی کہ آپ پلٹ چلیں مگر حضرتؑ نے نہ مانا اور منجملہ اُس کے جو حضرتؑ نے اپنا عذر عدم مراجعت میں ظاہر کیا یہ بھی تھا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس میں رسول اللہ نے ایک حکم دیا ہے میں اس کو انجام دوں گا خواہ اس میں میرا نفع ہو یا میرا ضرر اُن دونوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے حضرتؑ نے فرمایا نہ میں نے اسکو کسی سے بیان کیا ہے نہ بیان کروں گا یہاں تک کہ اپنے رب سے ملاقات کروں۔

اس زمانہ کے خوارج تو اس خواب پر ضرور مضحکہ کریں گے اور اس کو خواب و خیال بتائیں گے مگر جو شخص وارث ابراہیم خلیل اللہ ہو اور سارے انبیاء کا وارث وہ تو اس خواب کو ویسا ہی واجب التعمیل سمجھے گا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے فرزند اسمٰعیل کے ذبح میں اُسکی تعمیل کی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر کی نظر بھی ظاہری امور پر ہے اور انکے اختیار میں یہی تھا کہ حاکم مکہ سے خط امان لیں جس کو انجام دیا مگر وہ علم آپ کو کیونکر ہو سکتا تھا جو جناب امام حسینؑ کو ہر طرح سے حاصل تھا کیونکہ اگر حاکم مکہ کچھ کر سکتا تھا تو یہی کہ کسی وجہ سے حضرتؑ پہ تشدد نہ کرتا اور آپ کو تکلیف نہ دیتا مگر یزید کا حکم جو دوسری طرح سے انجام پاتا اس کو کیونکر روک سکتا تھا کیونکہ سب کو معلوم ہے یزید نے حاجیوں کے لباس میں کچھ لوگوں کو شام سے روانہ کیا تھا جو حضرت کو حالت حج میں اسیر کریں یا قتل پھر اس کو وہ کیونکر روک سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرزدق نے حضرتؑ سے وجہ تعجیل پوچھا ہے تو آپ نے فرمایا لولم اعجل لاخذت کہ اگر میں جلد نہ نکلتا تو گرفتار ہو جاتا۔

یہاں ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ یوں تو عموماً مکہ میں جنگ و پیکار کی ممانعت ہے، اور حالت حج میں تو بجز کپڑوں کے کہ ایک ردا ہو ایک لنگ کسی شے کے ساتھ رکھنے کا حکم نہیں ایسی حالت میں جناب امام حسین علیہ السلام اپنے کو کیونکر بچا سکتے تھے کیونکہ یہ لوگ وہی ہیں جن کو بجز دنیا کوئی مطلب نہیں۔ ابھی ابن الزبیر سے جنگ ہو چکی ہے۔ پھر دو ہی صورت تھی یا امام حسینؑ جنگ کرتے جو خلاف شریعت تھا یا بے اختیار ہو کر قید ہوتے یا قتل ایسی ذلت کی موت یا قید کو کون عاقل قبول کر سکتا ہے۔

لہٰذا ہر عاقل یہی کہے گا کہ جناب امام حسینؑ نے جو کام کیا وہی حکم عقل و شرع تھا اور کوئی شخص دیندار ہو کر ایسے حال میں نہیں رہ سکتا تھا۔ جس سے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ حرمت خانۂ کعبہ ضائع ہو۔

رہا یہ خیال کہ حرمت خانۂ کعبہ کہاں باقی رہی جب ابن الزبیر نے وہ کام کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسکے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو اسکے مرتکب ہوئے نہ امام دنیا میں تو ہزاروں قسم کے فسق و فجور ہوتے ہیں انبیاء و رسل پر اسکا کیا الزام۔

یہی وجہ تھی کہ جب ابن الزبیر نے حضرتؑ سے اسکی خواہش کی کہ آپ مجھے اپنا نائب بنائیں تو آپنے بالکل انکار کیا کیونکہ اگر وہ نائب قرار پاتا تو اُسکے کل افعال کے ذمہ دار حضرت ہی قرار پاتے حالانکہ حضرت خوب جانتے تھے کہ یہ بھی یزید ثانی ہے کیونکہ واقعات جنگ جمل و صفین سب آپکے پیش نظر تھے کہ جناب امیرؑ کی بیعت سب سے پہلے طلحہ و زبیر نے کی اور سب سے پہلے انھیں دونوں نے نکث بیعت کیا اور زبیر کا بہکانے والا یہی عبداللہ تھا پھر کیونکر آپ اس کے مشورہ کو قبول کرتے۔ آپ تو جانتے تھے کہ اس کو قابو ملے گا تو کسی طرح یزید سے کم نہ ہو گا پھر کیونکر آپ اسکی رائے مان سکتے تھے۔

ہم جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں نبی اور امام کا کام خلق اللہ کی ہدایت ہے خواہ ملکی اقتدار حاصل ہو یا نہ ہو اگر سلطنت ہے یا جہاد تو اس میں بھی اسکی نظر رضائے باری پر رہے گی نہ ذاتی منافع پر جو ناجائز طریقہ سے حاصل ہو اگر اسکا نمونہ تم دیکھنا چاہتے ہو تو جناب امام حسینؑ کی سیرت و اخلاق پر نظر کرو کہ کس طرح آپ اسلام کی حقانیت اور روحانیت کا ہر پہلو سے لحاظ رکھتے ہیں۔

آپ کو خوب معلوم تھا کہ جب تک ہم مکہ میں ہیں ابن الزبیر کی خلافت نہیں چل سکتی ہمارے مقابلہ میں کوئی فروغ اس کو نہ ہو گا جس کو آپنے ظاہر کر دیا جس کے یہی مطالب ظاہر ہیں کہ اگر ہم زمام خلافت کو اپنے ہاتھ میں لیں تو کم سے کم اہل حجاز ضرور مطیع و منقاد ہوں گے مگر اس کا بھی آپ کو علم ہے کہ بغیر جنگ کے مکہ معظمہ میں چارہ نہیں جس سے حرمت اس کی برباد ہوگی۔ پھر جو شخص ناریٔ سوال ہے وہ خلاف شریعت کیونکر اسکو گوارا کر سکتا ہے۔

دوسرے حضرت یہ بھی جانتے ہیں کہ اہل مکہ گو اس وقت مطیع ہوں گے مگر کہاں تک وہ سچے مطیع ہو سکتے ہیں کیونکہ اُنکے آباؤ اجداد تو سب جناب امیرؑ کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں وہ مادہ انتقام ان کے دلوں سے کہاں گیا ہے کیونکہ یہی وجہ سے تو جناب امیرؑ کو لوگوں نے خلیفہ نہ ہونے دیا۔

تیسرے آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ سے اُنکے اخلاق و عادات بگڑے ہوئے ہیں، حق کی طرف کسی طرح مائل نہیں ہوتے فتنہ و فساد مخالفت شرع پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر اُن سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ یہ حق کی

رفاقت کریں گے۔

چوتھے یہ بھی تو آپ کو معلوم تھا کہ یہ ملک زرخیز نہیں ذریعۂ معاش یہاں کوئی نہیں اگر کچھ لوگ فراہم بھی ہونگے تو نتیجہ کیا ہوگا چند روز کے بعد ساتھ چھوڑ دیں گے اور وہی نتیجہ ہوگا جو ہوا چنانچہ عبد اللہ ابن زبیر کو بھی یہی معاملہ پیش آیا پھر کیونکر آپ وہاں قیام کرتے۔

نظر برین حالات حضرت نے اُسوقت تک یہاں قیام کیا جو اتمام حجت کے لیئے ضروری تھا اور جب آپ ہر طرح مایوس ہوئے کہ صحابہ کسی طرح حق کی طرف نہ راجع ہوں گے اور آپ کا یہ خیال کہ اگر یہاں میں رہا تو گرفتار ہو جاؤں گا حد یقین پہونچا تو آپ نے یہاں کے قیام کو ترک کیا اور جانب منزل مقصود روانہ ہوئے۔

مصالح قیام امام علیہ السّلام مکّہ میں

امام مظلوم کا یہ قیام اور اس مجبوری سے قیام خانہ کعبہ کو ترک کرنا اس قدر مصالح پر مبنی تھا کہ احاطہ اُن مصالح کا ناممکن ہے مختصرا بعض مصالح کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مگر یہ ملحوظ رہے کہ اصل الاصول مصالح امام اتمام حجت ہے نہ حصول سلطنت لہذا پہلی مصلحت یہ بھی کہ جو صحابہ اور تابعین اُس وقت موجود تھے۔ کیونکہ سوائے صحابہ و اُس زمانہ میں کوئی نہ تھا وہ اس اختلاف اور مخالفت کو سمجھے کہ جب فرزند رسول اس خلافت اور اس بیعت سے ناراض ہیں۔ لہذا یہ خلافت کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ عمر صاحب کے بیٹے عبد اللہ نے اسی عذر پر جناب امیرؑ کی بیعت نہیں کی تھی کہ بوجہ مخالفت معاویہ ابھی پورا اجماع نہیں نہیں ہوا۔ پس اگر وہ لوگ امام مظلوم کو عیاذاً باللہ معاویہ کے درجہ کا بھی صحابی جانتے تو اس خلافت سے پرہیز کرتے اور ساتھ نہ دیتے تو حضرت نے اپنے طول قیام سے یہ حجت بھی تمام کر دی کہ بموجب قاعدہ تم نے بنایا ہے اُس سے بھی یہ خلافت ناجائز ہے۔

دوسرے حضرتؑ نے مدینے سے کوچ کر کے اور مکّہ میں پناہ لے کر بتا دیا تھا کہ آپ پر کیسا ظلم ہوا کہ آپنے وطن چھوڑا گھر بار چھوڑا۔ روضۂ رسولؐ کو چھوڑا خانۂ خدا میں پناہ گزیں ہوئے صرف یہی دینداروں کے تنبیہ کو کافی تھا کہ آخر فرزند رسولؐ پر کیا ظلم ہوا کہ آپنے وطن چھوڑ کر خانۂ خدا میں پناہ لی ہے۔

تیسرے طول قیام سے لوگ نتیجہ نکلتے کہ آخر اتنے عرصہ تک آپنے کیوں مکہ میں قیام کیا حالانکہ حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ مسلم الثبوت حدیث بین الفریقین ہے جس سے یا تو امام حسین علیہ السلام کی شان میں عیاذاً باللہ سوء ظن ہوتا کہ معاذ اللہ حضرتؑ نے امام زماں سے مخالفت کی یا ان مسلمانوں کے ایمان میں کلام ہوتا ہے جو اُس وقت موجود تھے اور کسی نے حضرت کی نصرت نہ کی

چوتھے اس طول قیام میں یہ بھی مصلحت ہو سکتی ہے کہ صحابہ اور تابعین کو کوئی عذر کا موقع نہ رہے کہ یہ واقعہ دفعتہً بلا اطلاع و بلا علم واقع ہوا۔ اس لیئے آپنے اپنا قیام کیا کہ اب بھی صحابہ سمجھیں حق کدھر ہے اور کیا ہے؟۔

پانچویں یہ کہ اس عرصہ میں پورا سامان جنگ مہیا ہو سکتا تھا اطراف و جوانب سے لشکر جمع ہو سکتا تھا الآت حرب فراہم ہو سکتے تھے جس کے بعد پورے طور سے حق کی نصرت کی جا سکتی تھی۔ مگر افسوس بجز اُن چند

نفس کے جو حضرتؑ کے ساتھ تھے ایک صحابی یا تابعی میں حمیت اسلامی نہ تھی جو اس طرف توجہ کرتا۔

یہاں جواب دے سکتے ہیں۔ کہ صحابہ اُس وقت کمزور تھے یا تعداد انکی ناکافی تھی جو نصرت کرتے مگر وقعات مابعد اسکو غلط ثابت کرتے ہیں کیونکہ یہی صحابہ تھے جنھوں نے ایک سال بعد یزید کو خلافت سے خلع کیا اور مدینہ میں پوری طور سے لڑائی ہوئی۔ اگر آج وہی لوگ فرزند رسولؐ کا ساتھ دیتے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے یہ واقعہ اس آسانی سے ہو جاتا۔

اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُس زمانہ کے صحابہ و تابعین کے دلمیں کسقدر ایمان تھا اور کسقدر اسلام کی محبت کہ سب کے سامنے فرزند رسول اس طرح دن دوپہر قتل کیا گیا۔ اور کسی نے اُف نہ کیا۔

جناب امام حسین علیہ السلام کا قصد عراق کرنا بروز ترویہ ۸ ذی الحجہ جس روز سے اعمال حج شروع ہوتے ہیں کہ حاجی لوگ احرام باندھ کر جانب منیٰ روانہ ہوتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام جانب عراق خونبار ہاہے کہ آپؑ پر کیا گذرتی تھی۔

کیونکہ ماہ شعبان سے مقیم خانہ کعبہ تھے جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کس درجہ آپ کو شوق حج کا ہوگا۔ اور صرف دو روز تمام حج کو باقی ہے کہ ۸ ذی الحجہ کو آخر وقت منیٰ جائیں شب کو وہاں قیام ہے صبح کو عرفات جائیں دسویں کو منیٰ میں قربانی کر کے محل ہو جائیں۔ اور دو روز وہاں قیام ہے۔ مگر فرزند رسولؐ کو اتنی مہلت نہ ملی اور بہ مجبوری آپ کو خانہ کعبہ چھوڑنا پڑا۔

مگر غور کیجیے تو اس میں بھی عجب مصلحت تھی کیونکہ تمام حاجیوں کا مجمع ہے صحابہ و تابعین جمع ہیں مسلمانوں کے سوا ایک متنفس بھی نہیں۔ سب اسلام کے مدعی ہیں اعمال حج کے لئے زحمتیں اُٹھا رہے ہیں اور فرزند رسول اس جبر و تشدد سے خانۂ کعبہ کے حج کو چھوڑ کر اپنے قتل گاہ کی طرف جا رہا ہے۔ مگر ان حاجیوں اور صحابیوں اور تابعین میں کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کے دل میں رسول کی اتنی محبت ہوتی کہ وہ فرزند رسولؐ کی حمایت اور نصرت کو جزو ایمان سمجھتا اور نصرت کرتا بجز اُن چند نفس کے جو امام مظلوم کے ساتھ تھے۔

اگر اہل فہم صرف اس واقعہ پر غور کریں اور اُسکے نتیجہ پر پہونچیں تو انکو معلوم ہو سکتا ہے صحابہ کیسے مسلمان تھے اور کیسے ایماندار کہ فرزند رسولؐ کی اس مصیبت پر کسی کو رحم نہ آیا اور کسی کے ایمان نے اتنا اثر نہ دکھایا کہ وہ حج کو ترک کر کے نصرت امام مظلوم کرتا جس کو سب جانتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک فرزند رسول ہے۔

نہ اُن صحابہ کے دل سے وہ حدیثیں فراموش ہوئی تھیں جنھیں خود اپنے کانوں رسول اللہ صؐ سے سنا تھا نہ وہ آیتیں قرآن کی بھولے تھے جو خدا نے بذریعہ روح الامین نازل کیے اور حضرتؐ نے اُن کی تبلیغ کی نہ وہ واقعات اور وہ حالات بھولے تھے جنھیں بچشم خود دیکھا تھا کہ کس طرح رسول اللہ ان حضرات سے محبت کرتے اور تمام عالم پر اُن کی محبت و اطاعت کو فرض بتاتے۔

اگرچہ صحابہ کا فرض تو یہی تھا کہ جس وقت یزید کا پیغام بغرض طلب بیعت آیا تھا اور امام نے مدینہ

چھوڑنے کا مصمم ارادہ کیا اُسی وقت وہ نصرت فرزند رسولؐ پر آمادہ ہوتے اور اپنی جانوں کو نثار کرتے اور مدینہ سے نہ نکلنے دیتے۔ مگر وہاں اگر چوکے تھے تو یہاں اُس کی تلافی کرتے کہ مکہ سے نہ جانے دیتے اور اگر یہ نہ ہوسکتا تھا کہ حج ترک کرتے حالانکہ آخر امام نے بھی بدرجۂ مجبوری حج کو ترک کیا تھا تو بعد حج وہ پہونچ سکتے تھے اور عین معرکہ میں امداد کرسکتے تھے چنانچہ جن مسلمانوں کے دل میں دردِ دین تھا وہ پہونچے اور اُنھوں نے سعادت حاصل کی اور امام پر اپنی جان قربان کی۔

مگر ہائے کس دل میں دردِ ایمان تھا کس دل میں محبت رسول تھی سب بندہ درہم و دینار تھے جب تک حصول دنیا کی امید تھی یہی صحابہ لڑاتے رہے اور جان دیتے رہے جب اسطرف سے ناامید ہوئے تن آسانی اور خواہش زندگانی نے کل سعادتوں سے محروم رکھا اور شقاوت ازلی سے کامیاب ہوئے۔

جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کا اس اعلان اور اس جہاد سے خانہ کعبہ سے تشریف لے جانا محض بغرض تمام حُجّت تھا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمکو آپ آتے کے سفر غربت کی خبر نہ معلوم ہوئی ہم کو یہ نہ معلوم ہوا امام پر کس نے ظلم کیا اور کون ستا رہا تھا اسی لیئے حضرتؑ نے ایسے موقعہ پر یہ سفر پرخطر اختیار فرمایا کہ کوئی عذر نہ کرسکے کوئی اپنی لاعلمی و واقفیت کو حیلہ نہ قرار دے بلکہ سب کو معلوم ہو کہ فرزند رسولؐ خانہ کعبہ میں بھی جو عام خلائق کے لیئے جائے امن ہو نہ رہنے پایا۔

اب مختصراً اصحاب کے وہ حالات بھی سُن لیجئے کہ جس سے احترام خانہ کعبہ کے لیئے امام علیہ السلام نے اس تعجیل سے ترک قیام فرمایا اُسی خانہ کعبہ کو صحابہ اہلسنتؓ نے محض حصول دنیا کے لیئے کس طرح بے حرمت کیا کیونکہ عبداللہ بن زبیر کا حال سُن چکے ہیں جو زبیر کا بیٹا ہے اور ابوبکر صاحب کا نواسہ وہ کس بیچینی سے اسکا منتظر ہے کہ امام علیہ السلام جلد اس ملک کو خالی کریں کہ ہم اپنا جال پھیلائیں۔

خطبہ ابن الزبیر و بیعت اہل مکہ

قبل از واقعۂ کربلا جو کچھ ابن الزبیر نے خانہ کعبہ میں خونریزی کیا تھا اُسکا حال تو آپ کو معلوم ہو چکا۔ جناب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو اب خاصا موقع کامیابی کا اسے حاصل ہوا کہ اس ذریعہ سے لوگوں کو یزید سے برگشتہ کرکے اپنے حلقہ میں لائے چنانچہ تاریخ کامل علامہ ابن اثیر میں ہے:۔

ذکر بیعۃ بمکۃ بعد قتل الحسین فانہ لما بلغہ قتل الحسین قام فی النّاس فعظم قتلہ وعاب اھل الکوفۃ خاصّۃ واھل العراق عامۃ فقال بعد حمد اللہ و الصّلوۃ علی رسول اللہ ان اھل العراق غدر اء فجزاء الاقلیلًا و انّ اھل الکوفۃ شرار اھل العراق و انھم دعوا الحسینؑ

کہ ابن الزبیر کی بیعت مکہ میں کی گئی۔ بعد قتل امام حسینؑ کیونکہ جب ابن الزبیر کو حضرتؑ کے شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو خطبہ دینے کھڑا جس میں اس واقعہ کی عظمت بیان کی اور تمامی اہل عراق کی عام طور پر اور اہل کوفہ کی خاص طور پر مذمت کی۔ چنانچہ بعد حمد و نعت کہا کہ اہل عراق غادر و فاجر ہیں مگر قلیل اور اہل کوفہ بدترین اہل عراق ہیں۔ انھوں نے دعوت کیا امام حسینؑ کو

لينصروه ويولوه عليهم فلما اقدم عليهم
ثاروا عليه فقالوا اما ان تضع يدك في
ايدينا فنبعثك الى ابن زياد بن سمية فيمضي
فيك حكمه واما ان تحارب فرأى والله انه
هو واصحابه قليل في كثير وان كان الله لم يطلع
على الغيب انه مقتول ولكنه اختار الميتة
الكريمة على الحياة الذميمة فرحم الله الحسين
واخزى قاتله لعمري لقد كان من خلافهم
اياه وعصيانهم ما كان في مثله واعظ وناه
عنهم ولكنه ما قدر نازل واذا اراد الله
امرا لم يدفع افبعد الحسين نطمئن الى
هؤلاء القوم ونصدق قولهم ونقبل لهم
عهدا لا والله لا نراهم لذلك اهلا
اما والله لقد قتلوه طويلا بالليل قيامه
كثيرا في النهار صيامه احق بما هم فيه
منهم واولى به في الدين والفضل اما والله
ما كان يبدل بالقرآن غناء ولا بالبكاء من
خشية الله حداء ولا بالصيام شرب الخمر ولا
بالمجالس في حلق الذكر الركض في طلب الصيد يعرض بيزيد
فسوف يلقون غيا فثار اليه اصحابه فقالوا
اظهر بيعتك فانك لم يبق احد اذ هلك
الحسين ينازعك هذا الامر وقد كان يبايع
سرا ويظهر انه عائذ بالبيت فقال لهم لا تعجلوا

(صـ ۴۰ ج ۴)

نصرت کرینگے اور والی اپنا بنائیں گے جب وہ وہاں تشریف لے گئے تو سب مخالف ہو گئے کہنے لگے یا تو ہماری اطاعت کرو کہ ابن زیاد کے پاس بھیجدیں وہ جو چاہے حکم جاری کرے یا ہم سے جنگ کرو۔ پس امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ وہ بہت ہی قلیل ہیں بمقابلہ کثیر۔ اگرچہ خدا نے کسی کو غیب پر نہیں مطلع کیا تھا کہ وہ ضرور قتل ہوں گے۔ لیکن امام حسینؑ نے بزرگانہ موت کو اختیار کیا اس ذلیل زندگی پر پس خدا اُن پر رحم کرے اور اُن کے قاتلوں پر عذاب قسم اپنی زندگی کی۔ لوگوں کی مخالفت اور نافرمانی امام حسینؑ سے ایسا امر ہے کہ لوگ اس سے عبرت لیں اور نصیحت پکڑیں مگر جو تقدیر ہے وہ جاری ہوتی ہے اور ارادہ خدا کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

کیا بعد شہادت امام حسینؑ ہم اس قوم پر اطمینان کر سکتے ہیں اور اُنکے قول و عہد کو قبول کر سکتے ہیں لا واللہ ہرگز وہ اس کے اہل نہیں ہیں قسم خدا کی اُنھوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو راتوں کو عبادت خدا کے ساتھ قیام کرتا اور تمام روز روزہ رکھتا ہر طرح سے وہ مستحق اور لائق تھے اس خلافت کے نہ وہ قرآن کو تبدیل کر کے گمراہی کی بات کرتے نہ خوف خدا سے گریہ و بکا کو بیہودہ باتوں سے بدلتے نہ روزہ کے بدلے شراب پیتے نہ بجائے ذکر خدا شکار کی لغو بازی کرتے اس تقریر سے ابن الزبیر نے تعریض کیا یزید پر پس کھڑے ہوئے اصحاب ابن الزبیر اور کہا تم اپنی بیعت ظاہر کرو جب شہید ہو گئے امام حسینؑ تو اب کوئی مخالف نہیں رہا۔

ابن الزبیر حالانکہ مخفی طور سے لوگوں سے بیعت لیتے تھے مگر ظاہر یہ کرتے تھے کہ وہ تو خانۂ خدا میں پناہ گزیں ہیں لہٰذا اپنے اصحاب کے جواب میں کہا ابھی جلدی نکرو۔

اس عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ ابن الزبیر نے شہادت امام حسین کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیا کہ خطبہ

بڑھ بڑھ کے لوگوں کو یزید سے نفرت دلانا شروع کیا کہ وہ ایسا ظالم و سفاک ہو کہ اُس نے فرزند رسولؐ کو شہید کر ڈالا پھر اُس پر کیونکر کوئی اعتماد کر سکتا ہے یا اسکے قول و قرار پر اعتبار ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ ابھی تک یہ خلیفۂ اہلسنت جنکی صحت خلافت میں کسی کو عذر نہیں تقیہ بازی اور جعلسازی کر رہا ہے کہ چپکے چپکے تو لوگوں سے بیعت لے رہا ہے اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ ہم تو خانۂ خدا میں پناہ گزین ہیں اس پر بھی اہلسنت کا اعتراض تقیہ پر عجیب ہے۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ عبد اللہ بن زبیر اہلسنت کے نزدیک صحابی رسولؐ ہو اور زبیر کا بیٹا ہے جس کو حواری رسولؐ کا خطاب دیا گیا ہے زبیر کی ماں صفیہ بنت عبد المطلب ہیں اور عبد اللہ بن زبیر کی ماں اسما بنت ابوبکر ہیں کیا ان پر محبت و ولایت اہلبیت طاہرین لازم نہ تھی جو امام حسین علیہ السلام کی نصرت کرتے اور حضرت کے ساتھ سفر عراق اختیار کرتے کیونکہ یہ تو خود وہ اپنے خطبہ میں بیان کرتے ہیں کسی کو یہ غیب نہیں معلوم تھا کہ حضرت امام حسینؑ ضرور شہید ہوں گے لہذا جس طرح امور تقدیر تابع تدبیر ہوتے ہیں اسی طرح امام کی شہادت بھی تابع تدبیر تھی کہ اگر کل صحابہ آپ کی نصرت کرتے اور آپ کا ساتھ دیتے تو جس طرح رسول اللہ اپنے غزوات میں مظفر و منصور ہوئے امام حسینؑ بھی مظفر ہوتے مگر یہ صحابہ کی ایمان داری تھی کہ انھوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور فرزند رسولؐ کو تنہا ذبح ہونے دیا اور اُس کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیا کیا اس کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہ مسلمان تھے حضرت کے قیام مکہ کو اپنی کامیابی میں مخل پا کر ناگوار مان رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو آپ مکہ خالی کریں رائے دے رہے ہیں مشورے دے رہے ہیں یہاں تک کہ حضرت نے سفر غربت اختیار کیا اور شہید ہوئے اور وہی شہادت اُن کی کامیابی کا ذریعہ ہوا۔

یہاں پھر دیکھو معصوم و غیر معصوم کا فرق معلوم ہو گا کہ امام حسینؑ نے اول ہی روز مردانہ وار بیعت یزید سے جو خلاف شرع تھا انکار صریح کیا اور ولید کے پاس سے حجت تمام کر کے اُٹھ آئے اور ابن الزبیر نے یہی کام مکر و حیلہ کیا کہ اب آتا ہے تب آتا ہے ہزاروں گالیاں سنیں اور سفارشیں بہم پہونچائیں قسمیں کھائیں کہ آتا ہوں آخر مدینہ سے فراری ہوا۔ کیا یہ فرق بیّن نہیں ہے

جناب امام حسین عؑ نے مکہ میں قیام فرما کر نہ کسی قسم کی سازش کی نہ مکر و فساد اور ابن الزبیر جس روز سے آیا انواع و اقسام کا فساد کر رہا ہے اپنے بھائی عمرو کو کوڑوں سے مروا دیا۔ ہزاروں کا خون کیا جس سے حرمت خانۂ کعبہ ضائع و برباد ہوئی۔

جناب امام حسینؑ تابع مرضی باری ہیں جو حکم خدا و رسولؐ ہے اسکو انجام دے رہے ہیں نہ کسی کا مشورہ سنتے ہیں نہ کسی کی رائے بلکہ عزم مستقل پر ثابت قدم ہیں کہ جب تک دین اسلام پر کوئی آفت نہیں آتی خانۂ کعبہ میں مقیم ہیں۔ ادھر رخنہ پڑنے کا خطرہ ہوا اور آپنے بالاعلان سفر کیا۔

ابن الزبیر سب کو دھوکا دے رہا ہے نہ بیعت یزید سے بالکل انکار کر رہا ہے نہ اقرار بلکہ ہر طرح کا مکر و حیلہ کر رہا ہے اور تمامی مخلوقات کو دھوکا دیتا ہے۔

جناب امام حسینؑ احکام خدا کو بیان کر رہے ہیں کہ ایک مینڈھے کی ذریعہ سے حرمت اس خانۂ خدا کی برباد

ہو گی خود ابن الزبیر سے صاف صاف کہہ دیا کہ حضرت رسولخداؐ کا یہ ارشاد ہے۔

ابن الزبیر خود امامؑ کو بھی دھوکا دیرہا ہے کہ نہ حدیث رسولؐ کی سماعت کرتا ہے نہ اُس کے وعید کی بلکہ کبھی تو یہ مشورہ دیتا ہے کہ اگر جیسے دوست آپکے کوفہ میں ہیں میرے ہوتے تو میں کہیں نہ جاتا سیدھا وہیں چلا جاتا۔ پھر بخوف تہمت کہتا ہے کہ آپ یہیں قیام فرمائے ہمکو نائب بنائیے ہر طرح سے ہم امداد کریں گے جس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ حضرتؑ کو دھوکہ دیں۔

جناب امام حسینؑ کل حالات پوست کندہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے قیام سے خار کھاتا ہے چاہتا ہے کہ ہم نکل جائیں کیونکہ جب تک ہم رہیں گے کوئی اسے نہ پوچھے گا۔

ابن الزبیر جانتا ہے حضرت اُسکے مکر و حیلہ سے بے خبر ہیں حالانکہ سب حال آپ کو معلوم ہے مگر چونکہ مصلحت آپ کو داعی ہے کہ جان جائے تو جائے مگر احکام الٰہی نہ مٹنے پائیں وہ آپ کو مجبور کرتے ہیں کہ آپ وہ راہ اختیار کریں جس سے حکم خدا اور رسولؐ کی تعمیل ہو اور تمام عالم پر کفر و اسلام کا فرق منکشف ہو جائے کہ یہ مسلمان نما کافر صحابہ اُن کافروں سے بھی بدتر ہیں جنھوں نے علانیہ خدا اور رسولؐ کو نہ مانا کہ وہ دوسرے سے مخالف رہے اور یہ اقرار و اظہار اسلام کے بعد وہی کام کرتے ہیں جو اُن کافروں کا کام تھا اسی لئے عین روز ترویہ آپ نے سفر عراق اختیار کیا کہ اگر کوئی مسلمان ہوگا تو وہ حکم اسلام کی تعمیل کرے گا۔ اور نصرت فرزند رسولؐ میں کوشش کرے گا۔

مگر کہاں تھا کوئی مسلمان اسلام تو زمانۂ خلافت خلیفۂ اول سے رخصت ہو چکا تھا اور ہر شخص کو دنیا کی فکر تھی۔

مکر عبداللہ بن زبیر

اب ہم کچھ مختصر حالات ابن الزبیر یہاں لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ اُس نے جو خلافت چند روزہ خانۂ کعبہ میں رہ کر حاصل کیا بھی تو کس ذلت و خواری اور فریب و مکاری سے تاکہ معلوم ہو کیا کوئی مسلمان ایسی خلافت حاصل کر سکتا ہے؟

علامۂ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتے ہیں کہ بعد شہادت امام حسینؑ ابن الزبیر کی بیعت شروع ہوئی مگر مخفی کارروائی ہوئی:۔

وعمر بن سعید یومئذ عامل مکۃ وھو اشد شئ علی ابن الزبیر وھو مع ذالک یداری و یرفق (صـ)

یعنی اس زمانہ میں عمر بن سعید اشدق حاکم مکہ تھا اور ابن الزبیر پر نہایت سخت گزرتا تھا اُسکا قیام حالانکہ وہ رفق و مدارا کرتا۔

آخر ابن الزبیر نے کچھ ایسے مکر و حیلے کئے کہ یزید نے عمرو بن سعید اشدق کو معزول کیا اور اس کی جگہ پر پھر ولید کو حاکم مقرر کیا:۔

فدخل علی یزید و اعلمہ ما کان فیہ من مکایدہ ابن الزبیر فعذرہ و

یعنی جب عمرو بن سعید معزول ہو کر یزید کے پاس گیا تو اس نے سارا حال مکر ابن الزبیر کا بیان کیا جس پر

وصدقہ (تاریخ کامل) یزید نے اُس کا عذر قبول کیا اور تصدیق کی۔

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ابن الزبیر کس طرح کا دنیا دار تھا کیا امام معصوم اس طرح کے مکر و حیلہ سے کام لیسکتے تھے ہرگز نہیں۔

وصیت معاویہ در بارۂ ابن الزبیر

ہاں یہاں آپکو یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ وہی یزید جس نے امام حسینؑ کو اس بیرحمی سے شہید کرایا۔ ابن الزبیر کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے حالانکہ معاویہ نے اسکے بارے میں وصیت کی تھی تاریخ کامل میں ہے:-

واما الذی یجثم لک جثوم الاسد ویراوغک مراوغۃ الثعلب فان امکنتہ فرصۃ وثب فذاک ابن الزبیر فان ھو فعلھا بک فظفرت فقطعہ اربا واحقن دماء قومک۔ (صفحہ ۱)

معاویہ نے کہا جو شخص مثل شیر کے حملہ کرے گا اور مثل لومڑی کے فریب دیگا وہ ابن الزبیر ہے اگر تجھے اُس پر ظفر حاصل ہو تو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا اور اپنی قوم کی حفاظت کرنا۔

یہ ہے معاویہ کی وصیت اور وہ ہے ابن الزبیر کی شرارت کہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ گیا اور وہاں یزید کے لشکر کو جو مدینے آیا تھا قتل کیا مگر اس پر بھی یزید کا برتاؤ اسکے ساتھ یہ ہے کہ تاریخ کامل میں ہے:-

فلما استقر عند یزید ما قد جمع ابن الزبیر بمکۃ من الجموع اعطی اللہ عھدا لیوثقنہ فی سلسلۃ فبعث الیہ سلسلۃ من فضۃ مع ابن عطاء الاشعری وسعد واصحابھما لیاتوہ بہ فیھا وبعث معھم برنس خز لیلبسوہ علیھا لئلا تظھر للناس (صفحہ ۲۰)

کہ جب یزید کو بخوبی معلوم ہوا کہ ابن الزبیر نے مکہ میں کچھ فوج جمع کی ہے اُس نے خدا سے عہد کیا کہ ابن زبیر کو قید کرے گا۔ پس چاندی کی زنجیریں نبو بکر ابن عطار اشعری اور سعد کے ساتھ بھیجا کہ انکو گرفتار کر کے اُسمیں لائے اور ایک ٹوپی دی کہ اوپر سے پہنا دیں تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو کہ اُسکے ہاتھ پاؤں اور گلے میں زنجیر پڑی ہے۔

اس برتاؤ سے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ابن الزبیر کی آخر یہ عزت کیوں کی گئی اسی وجہ سے کہ وہ صحابی ہو اور صحابی زادہ حضرت ابوبکر کا نواسہ اس لئے اس کے واسطے یہ سامان کیا گیا اور جناب امام حسینؑ کے واسطے جو فرزند رسولؐ تھے وہ سامان کیا گیا جس سے تمام عالم مطلع ہے کہ کس بیرحمی سے شہید کیے گئے اور کس طرح آپ کے اہل حرم قید و اسیر کیے گئے۔

ہیں۔۔ آپکو اسکی بھی وجہ معلوم ہوگی کہ حضرات اہلسنت میں جو اسقدر جوش حمایت یزید پھیلا ہوا ہے اُسکی یہی وجہ ہے کہ جہاں نواسہ رسولؐ کو اُس نے اس بیرحمی سے شہید کیا وہاں نواسۂ ابوبکر کی اُس نے یہ عزت کی حالانکہ اگر عیاذاً باللہ امام حسینؑ پر مخالفت یزید کا جرم قائم کیا گیا تو اس میں دونوں مساوی تھے۔

بلکہ ابن الزبیر کا جرم نہایت وزنی تھا کہ ہزاروں آدمیوں کو یزید کے خاص حرم خدا میں اُسنے قتل کیا اور سال بھر سے فریب و مکر کر رہا ہے تاہم اُسکی یہ عزت کی جاتی ہے صرف اسوجہ سے کہ اہلسنت کے خلیفۂ اول کا نواسہ ہے بخلاف امام حسینؑ کے جو فرزند رسولؐ اللہ ہیں کہ نہ کوئی شخص اس وقت ملت رسول اللہ پر تھا نہ کوئی مسلمان تھا جو فرزند رسولؐ کی حمایت کرتا اور اُن کے خیال سے یزید کو کچھ حسن سلوک کی ضرورت ہوتی اور آگے چلکر آپکو یہ بھی معلوم ہوگا۔ دربار شام میں جہاں امام حسینؑ کا سر کاٹکر اشقیائے امت لے گئے ہیں ہاں ابن الزبیر کا سر بھی گیا ہے مگر امام کے سر سے کیا برتاؤ ہوا اسکا بیان بھی نہیں ہوسکتا اور ابن الزبیر کے سر کے ساتھ کیا سلوک ہوا کہ عورات بنی امیہ نے غسل دیا ہے گود میں لیا ہے روئی ہیں دفن کیا ہے کیا اس کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُس زمانہ کے مسلمانوں میں جو سب صحابہ تھے یا تابعین کسی قسم کی محبت رسول اللہ سے تھی۔

اس کے ساتھ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ایک طرف اہلبیت رسولؐ غل و زنجیر میں گرفتار ہیں اور سر امام حسینؑ طشت میں رکھا ہوا ہے یزید بے ادبی کر رہا ہے۔ (تاریخ کامل صـ۳۵) ہاں ابو برزہ اسلمی صحابی اعتراض کرتے ہیں کہ اے ملعون یہ کیا ظلم کرتا ہے۔ تو ابو برزہ اس وجہ سے چھوڑ دیے جاتے ہیں کہ صحابی رسولؐ ہیں اور اہلبیت کی نسبت کسی کو یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ وہ فرزند رسول ہیں یہی معاملہ دربار زیاد میں بھی ہوا ہے زید بن ارقم صحابی کے ساتھ (تاریخ کامل صـ۳۲) جس سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ کے صحابہ و تابعین کا ایمان کیسا تھا کہ اہلبیتؑ رسولؐ کی تو یہ توہین کی جاتی اور اصحاب کی یہ حرمت۔

دوسرا مکر ابن الزبیر

جب عمرو بن سعید مکہ سے بمکر ابن الزبیر معزول ہوا تو یزید نے ولید بن عتبہ کو حاکم مکہ مقرر کیا اور اس نے آکر انتظام کیا تو ابن الزبیر نے اسکے ساتھ بھی فریب کیا تاریخ کامل میں ہے:۔

ثم ان ابن الزبیر عمل بالمکر فی امر الولید فکتب الی یزید انک بعثت اجلا اخرق لایتجہ لرشد و لا یرعوی لعظۃ الحکیم فلو بعثت رجلا سھل الخلق رجوت ان یسھل من الامور ما استوعر منھا وان یجتمع ما تفرق فعزل یزید الولید وولی عثمان بن محمد بن ابی سفیان وھو فتی حدث لم یجرب الامور ولم یحنکہ السن لایکاد ینظر فی شیٔ من سلطانہ ولا عملہ (صـ۲۱)

ابن الزبیر نے ولید کے بارے میں پھر مکر سے کام لیا کہ یزید کو لکھا کہ یہ آدمی سخت اور تند خو ہے جو نہ کسی کی رائے مانتا ہے نہ مصلحت پر نظر کرتا ہے اگر کوئی شخص نرم مزاج آئے تو ممکن ہے یہ ساری خرابیاں دفع ہوں۔ یزید نے ولید کو معزول کیا اور عثمان بن محمد بن ابو عثمان کو حاکم مقرر کیا جو بالکل نوجوان تھا اور ناتجربہ کار کہ نہ سلطنت کے امور سے واقف تھا نہ حکومت کے امور سے۔

اہلسنّت اپنے اس صحابی اور صحابی زادہ بلکہ خلیفہ وقت کے اس جعل و فریب سے تو بہت خوش ہوں گے کہ اُس نے اہل مکہ کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر یزید کے پاس بھیجا اور اُسے دھوکا دیا کہ وہ اسکے مغالطہ میں آگیا اور ولید کو فوراً معزول کر کے ایک ناتجربہ کار لونڈے کو حاکم بنایا۔

مگر اس سے انکو سخت ملال ہوگا کہ یزید جو اُنکے یہاں نبی بھی مانا گیا ہے علاوہ اور اقسام فسق و فجور و انواع کفر و نفاق کے خود امور سلطنت میں بھی ایسا خام اور کم عقل تھا کہ ابن الزبیر سے مغالطہ پر مغالطہ کھاتا رہا ایک سال میں دو حاکم معزول کیا اور آخر ایک ایسے ناتجربہ کار کو حاکم بنایا جس سے ابن الزبیر کی ساری مرادیں بن آئیں۔

ہاں یزید کا یہ احسان اہلسنت کی گردن پر ایسا ہے کہ جو کچھ نہ اسکی حمایت و طرفداری کریں وہ کم ہے کہ اُس نے فرزند رسولؐ کو اس بیرحمی سے شہید کیا ورنہ جس حیثیت سے دیکھا جائے وہ کسی طرح قابل ہمدردی نہیں ہے: نہ صاحب دین ہے نہ صاحب عقل و تدبیر مگر اہلسنت اُس پر جان دے رہے ہیں۔

محاصرۂ ابن الزبیر اب میں بخیال طول ان حالات کو یہیں چھوڑ کر محاصرۂ ابن الزبیر پر آتا ہوں کہ یزید نے اُسکے محاصرہ کو لشکر بھیجا اور اُس نے آکر محاصرہ کیا ہو تو ابن الزبیر نے کس طرح خانۂ خدا کی حرمت برباد کی ہے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب امام حسینؑ کیونکر مکہ میں قیام کرتے اور کیونکر ان امور کے مرتکب ہوتے جو کسی مسلمان سے نہیں ہو سکتا سنہ ۶۲ ہجری میں عثمان بن محمد بن ابوسفیان جب حاکم مکہ ہوا تو اُس نے ایک وفد بزرگان مدینہ معین کیا جو دربار شام میں یزید کے پاس روانہ کیا گیا یزید نے کچھ انعام و جائزہ دیا مگر وہ لوگ جب واپس آئے تو یزید کے فسق و فجور کو عام طور سے مشتہر کیا اور آخر سب نے یزید کو خلافت سے خلع کیا جس پر یزید نے ایک فوج بھیجا اور سنہ ۶۳ ہجری میں مدینہ میں قتل عام ہوا اور روضۂ رسولؐ بے حرمت کیا گیا جس کو کچھ تفصیل سے ہم آئندہ بیان کریں گے۔

سنہ ۶۴ھ وہ یزیدی سپہ سالار مسلم بن عقبہ جس کا نام بعد اس واقعہ کے مسرف بن عقبہ قرار پایا قتل اہل مدینہ سے فارغ ہو کر جانب مکہ روانہ ہوا کہ ابن الزبیر سے جنگ اور خانۂ کعبہ کا محاصرہ کرے اثنائے راہ میں مسلم ملعون واصل جہنم ہوا جسکے وقت موت کا حال تاریخ کامل میں اسطرح ہے۔

فلما حضرہ الموت احضر الحصین بن النمیر وقال لہ یا برذعۃ الحمار لو کان الامر الی ما ولیتک ھذا الجند ولکن امیر المومنین ولاک خذ عنی اربعا اسرع السیر وعجل المناجزۃ ولا تمکن قریشا من اذنک ثم قال اللھم

کہ جب مسلم کی موت کا وقت آیا تو اُس نے حصین بن نمیر کو بلا بھیجا (جو اُسی لشکر کا ایک سردار تھا) اور کہا اے بردعۃ الحمار اگر میرا اختیار ہوتا تو میں تجھے ہرگز افسر نہ بناتا مگر کیا کروں کہ یزید کا یہی حکم ہے دیکھ چار باتیں یاد رکھنا (۱) جلد کوچ کرنا (۲) لڑائی میں جلدی کرنا (۳) قریش کی باتیں

انی لم اعمل قط بعد شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ عملاً احب الیّ من قتلی اہل المدینۃ ولا ارجی عندی فی الاخرۃ فلما مات سار الحصین بالناس فقدم مکۃ لاربع بقین من المحرم سنۃ اربع وستین (ص ۴۹)

نہ سنا۔ پھر کہا خدایا تو گواہ رہنا کہ میں نے بعد اقرار شہادتین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کوئی عمل بہتر اس سے نہیں کیا کہ اہل مدینہ کو قتل کیا نہ اس سے زیادہ محبوب کوئی عمل مجھ سے ہوا جس سے تمام تر آخرت میں امید اجر ہے۔

اس کلام سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیسا مسلمان تھا جس نے مدینہ کو غارت کیا روضۂ رسول کو بیحرمت کیا اور وہ اپنے اس عمل کو تمامی اعمال سے بہتر سمجھتا ہے اور آخرت کی ساری امیدیں اسی عمل سے وابستہ مانتا ہے اس پر بھی وہ اہلسنت کے یہاں مسلمان ہے اور نہایت واجب الاحترام کیونکہ صحابی ہے یا تابعی پھر یہ لوگ فرزند رسول کے قتل کو کب کار ثواب نہ مانتے ہوں گے

بہر حال حصین بن نمیر ۲۱ محرم کو مکہ پہونچا اور ابن الزبیر نے اس سے جنگ شروع کی ابن الزبیر کا بھائی منذر اس میں مارا گیا اُسکے بعد فوج شام حملہ آور ہوئی جس سے ابن الزبیر کے لشکر نے شکست کھائی اور خود ابن الزبیر گھوڑے سے گرا مگر اُس کی آواز پر مسور بن مخرمہ اور مصعب جنگ کو نکلے جو دونوں مارے گئے پھر رات ہوگئی اور دونوں فوجیں اپنی اپنی جگہ پر ساکن ہوئیں۔

یہ پہلی لڑائی تھی جس میں ابن الزبیر کے تین آدمی مارے گئے اور فرار کر کے خانہ کعبہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ محاصرہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ محرم۔ صفر اسیطرح جنگ ہوتی رہی جس سے فوج شام بہت تنگ آئی۔ ۳ ربیع الاول سے اہل شام نے منجنیق نصیب کی خانہ کعبہ پر آگ برسنے لگی یہاں تک کہ خانہ کعبہ جل گیا اور اہل شام یہ رجز پڑھتے تھے۔

خطارہ مثل الضیق المزید   فرمی بہا اعواد ہذا المسجد

خانہ کعبہ کے جلنے میں اختلاف

علامہ ابن اثیر یہاں دو قول لکھتے ہیں ایک تو یہ کہ خود عبد اللہ ابن الزبیر کی فوج جو گرد خانہ کعبہ تھی اسی کی بدولت خانہ کعبہ میں آگ لگی اور پردہ اور لکڑیاں اُس کی سب جل گئیں دوسرا قول یہ ہے کہ اہل شام نے جو منجنیق نصب کی تھی اسکی بدولت خانہ کعبہ جلا اور اسی قول کی وہ تائید کرتے ہیں کیونکہ بخاری نے صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ابن الزبیر نے خانہ کعبہ کو اُسی طرح جلا ہوا اس لئے چھوڑ دیا کہ لوگ دیکھیں خانہ کعبہ جل گیا ہے جس سے مسلمانوں کے دل اہل شام سے برگشتہ ہوں اور ان سے جنگ پر آمادہ ہوں۔

محاصرہ ابھی قائم ہی تھا کہ یزید کے موت کی خبر آئی اور حصین بن نمیر روانہ شام ہوا (صفحہ ۴۹)

اگرچہ اس مؤرخ نے صحیح بخاری کی روایت کو زیادہ مستند سمجھا ہے مگر جن لوگوں کو بخاری کی حالت معلوم ہے کہ وہ کس طرح اپنے خلفا اور صحابہ کی طرفداری میں وضعی حدیثیں لاتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مؤرخ نے جو پہلا قول لکھا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ خانہ کعبہ کے ہر چار طرف بدوعرب کے ڈیرے پڑے ہوئے ہیں جو بے تمیزی سے کھانا پکاتے ہیں لہذا انکی شرارت سے اسکا جلنا نہایت قرین قیاس ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابن الزبیر نے قصداً خانہ کعبہ کو جلوا دیا اور یہ مشہور کیا ہو کہ یزیدیوں نے جلایا کیونکہ اسکی مکاری اور حیلہ گری سب کو معلوم ہے اور حضرت عائشہ کے سامنے پچاس گواہ جھوٹے تیار کئے تھے اس پر کہ یہ چشمہ حوائب نہیں ہے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ میں خانہ کعبہ کی چھت جل گئی اور اُس کے پردے بھی اور دونوں شاخیں اُس دنبہ کی جو فدیہ حضرت اسمٰعیل میں ذبح ہوا اور سقف خانہ کعبہ پر بغرض یادگاری آویزاں تھا وہ بھی جل گیا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۴۲)

مسلمانو اہلسنت کو تو اس واقعہ سے کوئی عبرت نہ ہوگی کیونکہ انکا اسلام تو تمامتر خلفاء و صحابہ سے متعلق ہے لہذا خانہ کعبہ پر جو کچھ گذرا انکو کوئی ہمدردی نہیں کیونکہ دونوں طرف تو صحابی زادہ ہے اور خلیفہ وقت یزید خال المومنین معاویہ کا بیٹا ہے ابن الزبیر حضرت ابوبکر کا نواسہ پھر کہیں تو کیا کہیں مگر جو شخص اہل اسلام ہوگا اُسکے دل میں تو ہوک اُٹھے گی اور درد دل سے آہ کرے گا کہ ان مسلمان نما کافروں نے کس طرح اسلام کو تباہ کیا قرآن کو عثمان صاحب نے جلایا خانہ کعبہ کو ابن الزبیر اور یزیدیوں نے جلایا مدینہ اور روضۂ رسول صلعم کو یزید نے غارت کیا اور اس درجہ بے حرمت کیا کہ کوئی کافر بھی اسکی جرأت نہ کرے گا۔

پھر بتاؤ امام حسین علیہ السلام کیونکر مکہ میں قیام کرتے اور کن آنکھوں سے ان حالات کو ملاحظہ کرتے کہ خانۂ خدا اس طرح بے حرمت کیا جائے اور امام دیکھتے رہیں بلکہ خود اُسکے باعث ہوں۔ اسی لئے حضرت نے کمال حقانیت و صداقت سے فرمایا کہ جہاں تک دور اس سے میں شہید کیا جاؤں مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ اس قریب ہوں میں کسی طرح اسکو جائز نہیں رکھتا کہ میرے سبب سے اسکی حرمت برباد ہو۔

نہیں نہیں تم اس کا یقین کرو کہ اگر جناب امام حسین علیہ السلام اس قیام فرماتے تو شاید کیا یقیناً اس سے زیادہ بے حرمتی خانہ کعبہ کی کیجاتی بلکہ کیا عجب ہے کہ بالکل خانہ کعبہ گرا دیا جاتا اور معدوم کر دیا جاتا کیونکہ تم پہلے پڑھ آئے ہو کہ خود ابن الزبیر کے ساتھ کیا برتاؤ کیا کیسی اسکی عزت کی ہے کہ چاندی کی زنجیریں اسکی گرفتاری کو بھیجیں اور تین برس تک کی مہلت دی مگر جناب امام حسین ع کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا وہ بھی سب کو معلوم ہے کہ نہ ایک روز کی مہلت ملی نہ ایک دفعہ بھی مہربانی کی باتیں کی گئیں۔ اور واقعات مابعد سے بھی ظاہر ہے کہ ابن الزبیر کا سر جب شام میں گیا ہے تو کیا سلوک کیا گیا اور سر امام حسین ع سے کیا سلوک ہوا۔

لہذا یہ امر نہایت درجہ قرین قیاس ہے کہ اگر جناب امام حسین ع وہاں قیام فرماتے اور آپ اُس کو

ابنا دار الخلافہ قرار دیتے تو یقیناً خانہ کعبہ کا نشان مٹا دیا جاتا کیونکہ آخر وہ سب مکانات بھی اہلبیت اطہار کے متصل مسجد رسُول تھے اور سب کی راہ مسجد رسُول سے تھی مٹادی گئی کہ آج زائرین روضہ رسُول کو ہرگز نہیں معلوم ہوسکتا اُن حضرات طیبات کے مکانات کہاں تھے اور کیسے تھے حالانکہ بعد بنائے مسجد بھی ان حضرات کا قیام مدینہ منورہ میں تھا مگر ان مکانات کے نشان کہیں نہیں ملتے تو پھر بھلا خانہ کعبہ کیونکر باقی رہتا اب بھی جو لوگ حج خانہ کعبہ کو جاتے ہیں اُنکو معلوم ہوتا ہے کہ حضرات طیبات کے متعلق جو کچھ آثار تھے کس طرح مٹا دیئے گئے تمام عالم کو معلوم ہے جناب امیرؑ کی ولادت اندرون خانہ کعبہ ہوئی۔ دیوار اُس کی شق ہوئی اُس کے کل نشانوں کو مٹا دیا ہے صرف اختلاف الوان سنگ سے واقفکار مطوفوں سے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں۔

پارہ پارہ ہونا حجر اسود کا

ابن الزبیر کا یہ فتنہ جس سے خانہ کعبہ اس طرح برباد ہوا ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ آج تک حجر اسود جس کو بوسہ دینا چومنا داخل ارکان حج ہے ان ظلموں پر فریاد کرتا ہے نوادر الاصول حکیم ترمذی میں ہے:۔

ورمی الحجر الاسود بالمنجنیق فانصدع حتّیٰ صبت بالفضة فهو الی یومنا کذالك وسمع للبیت انین آه آه کما فی الاستقصاء (ص۱۲۹)

یعنی حجر اسود پر منجنیق سے سنگ باری کی گئی جس سے وہ پارہ پارہ ہوگیا اور پھر چاندی میں جڑا گیا جو آج تک اسی حال میں ہے اور خانہ کعبہ سے آہ آہ کی آواز بلند ہوئی۔

جن لوگوں کا اعتراض جناب امام حسین کے سفر عراق پر ہے اُن کا مطلب یہی ہے کہ امام حسینؑ نے مکہ میں کیوں نہ قیام کیا اور اسی کو معرکۂ رزمگاہ کیوں نہ قرار دیا کہ خانہ کعبہ تباہ ہوتا مگر آپ کو چند روزہ خلافت تو مل جاتی مگر جو شخص حامل اسرار الٰہی ہو اور حافظ شرع رسالت پناہی ہو وہ کیونکر ایسا کام کر سکتا ہے جس سے احکام اسلام کے تباہ و ضائع ہو گیا خوف ہو کیونکہ حضرت کو تو معلوم تھا جو سبق خلفائے ثلاثہ اپنی امت کو دے گئے ہیں وہ کبھی بھولنے والا نہیں اگر میں اندرون خانہ کعبہ بھی چھپوں تو بھی ممکن نہیں کہ ان یہودان امت سے نجات ملے جسکو کن لفظوں سے حضرت نے بیان فرمایا کہ اگر میں چیونٹی کے سوراخ میں جا چھپوں تو یہاں سے مجھے نکال لینگے اور اپنی غرض کو پورا کریں گے آپنے حالات صلح حدیبیہ میں دیکھا ہوگا کہ جب جناب رسالت آب بغرض حج تشریف لے گئے ہیں جس میں کفار قریش نے حضرت کو روکا اور آخر مصالحہ ہوا تو بوقت روانگی حضرت نے یہ اہتمام کیا تھا کہ کسی طرح الات جنگ ساتھ نہ جائیں جس سے اسکا شبہ ہو کہ آپ بغرض جہاد آئے ہیں بلکہ ہر شخص کو معلوم ہو کہ آپ بہ نیت حج تشریف لائے ہیں مگر عمر صاحب چپکے چپکے فوج کشی کا سامان کرتے تھے کہ وہاں جنگ ہو جائے۔

حضرت نے جب حدیبیہ میں صلح کیا ہے تو عمر صاحب کو بہت ناگوار ہوا اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ صلح برہم ہو جانے کیلئے وہ آہستہ آہستہ تلوار بڑھا رہے تھے مگر ناکامیاب رہے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو خیال خلیفہ دوم کا تھا وہی آج تک اہلسنت کا خیال ہے کہ نہ احکام شرع

کوئی چیز ہیں: دین اسلام کوئی شئے جو کچھ ہے وہ دنیا ہے اور اُس کی حکومت کہ جس طرح بنے اسکو حاصل کرنا چاہئیے۔

انھیں وجوہ سے امام حسینؑ نے راہ خدا میں شہادت کو قبول کیا کہ بغیر اسکے حفاظت دین ناممکن ہے اور صحابہ اہلسنت نے وہ راہ اختیار کی جس سے دنیا ہاتھ آئے۔

محاصرۂ ثانیہ خانہ کعبہ وقتل ابن الزبیر

یہاں تک تو پہلے محاصرہ کا اجمالی حال تھا کہ یزید کی ابتدائی خلافت سے شروع ہوا اور اس کی موت پر اُس کا خاتمہ ہوا۔

سنہ ۷۲ھ میں عبد الملک بن مروان نے جو شام میں خلیفہ ہوا تھا حجاج بن یوسف ثقفی کو قتل ابن الزبیر پر نامزد کیا دو ہزار یا تین ہزار فوج لیکر روانہ کعبہ ہوا پہلے وارد مدینہ ہوا جہاں اُس نے ایک شخص گورنر مدینہ بنایا جس کی یہ حالت تھی کہ منبر رسولؐ پر بیٹھ کر بکری بھیڑ کا کلہ توڑ کر مغز اس کا نکالتا اور منبر ہی پر بیٹھا کھاتا۔ پھر اُس پر تانے خرمے کھاتا کہ اہل مدینہ کو غصہ آئے۔

اس انتظام کے بعد حجاج نے حج کا احرام باندھا اور لشکر سمیت اا ذیقعدہ میں داخل مکہ ہوا وہاں ابن الزبیر بھی آمادہ بیکار تھے نہ خود حج کیا اور نہ حجاج کو اس کی مہلت دی کہ پورے ارکان حج بجالاوے تب عبد اللہ بن عمر نے امارت حج اپنے ہاتھ میں لی کیونکہ حجاج نے عین زمانۂ حج میں منجنیق کو کوہ ابو قبیس پر نصب کردیا تھا اور خانۂ کعبہ پر سنگباری ہو رہی تھی لہذا ابن عمر نے کہلا بھیجا کہ حاجی لوگ دُور دُور مقام سے بغرض حج آئے ہیں اور تیری منجنیق اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ لوگ ارکان حج بجالاسکیں لہذا زمانۂ حج تک یہ سنگباری موقوف کیجائے حجاج نے قبول کیا اور آتشباری موقوف ہوئی جب سب حج سے فارغ ہوئے منادی حجاج نے ندا دینی شروع کی:-

انصرفوا الی بلادکم فانا نعود بالحجارۃ الی ابن الزبیر الملحد۔ (ص ۱۳۶ تاریخ کامل)

کہ اے حاجیو! اپنے اپنے گھر چلے جاؤ کہ ہم پھر ابن الزبیر ملحد پر سنگ باری کریں گے۔

حجاج کی یہ ندا جو حاجیوں کے لیے تھی اگرچہ خاص اس ضرورت سے کہ ابن الزبیر پر بغرض فتح مکہ سنگ باری کرنی تھی مگر درحقیقت اس میں بھی حجاج بیچارہ مقلد تھا حضرت عمر کا چنانچہ عقد الثمین میں مرقوم ہے:-

کان سیدنا عمر بن الخطاب یدور علی الحجاج بعد قضاء النسك بالدرۃ و یقول یا اھل الیمن یمنکم ویا اھل الشام شامکم ویا اھل العراق عراقکم ولذلك ھم عمر یمنع الناس من کثرۃ الطواف (ص ۲۰ مطبوعہ مصر)

کہ عمر صاحب بعد فراغ حج درہ ہاتھ میں لیکر کہا کرتے تھے کہ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عام طور پر ارادہ کر لیا تھا کہ لوگ کو کثرت طواف سے منع ہوں۔

جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی دنیا کا کوئی فساد کوئی عمل شنیع ایسا نہیں ہے جس کے موجد یہ ملاعنہ ہوں جن کا نام حجاج و ابن زیاد وغیرہ ہے بلکہ ہر ایجاد کی تعلیم خلفائے ثلاثہ اور صحابہ دے گئے ہیں جنھیں حضرات اہلسنت اپنے دین و دنیا کا مقتدا اور روحانی پیشوا مانتے ہیں۔

بہر حال اس عبارت سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اس وقت بھی ایسا اقتدار رکھتے تھے کہ بمقابلہ حجاج اور ابن الزبیر خود امیر حاج بنے اور سب کو بآرام حج کرایا پس اگر جناب امام حسینؑ کی ہمراہی میں یہ بھی ہوتے تو آپ ... ہیں کہ فرزند رسولؐ اس بیکسی وغربت سے نہ شہید ہوتا۔ مگر صحابہ پر تو محبت دنیا نے ایسا قبضہ کیا تھا کہ اسلام وایمان سے انکو سروکار ہی نہیں رہا۔

قتل ابن الزبیر آخر نتیجہ ان کارروائیوں کا عبداللہ ابن الزبیر کی یہ ہوا کہ تاریخ کامل میں ہے:۔

تفرق الناس عنہ وخرجوا الی الحجاج بالامان خرج من عندہ نحو عشرۃ الآف وکان ممن فارقہ ابناہ حمزہ وحبیب اخذا لانفسھما امانا۔ (ص ۱۳۶)

کہ کل ہمراہیان ابن الزبیر نے رفاقت اسکی ترک کی اور حجاج کے امان میں چلے گئے قریب دس ہزار آدمیوں کے نکل گئے اور منجملہ انکے جنھوں نے ابن الزبیر کی رفاقت ترک کی خود اسکے بیٹے حمزہ اور حبیب ہیں کہ ان دونوں نے حجاج سے امان مانگی اور باپ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

اس مورخ نے صرف دو ہی آدمیوں کا نام فرزندان ابن الزبیر سے لکھا ہے جنھوں نے اپنے باپ کی ترک رفاقت کی حالانکہ عقد الثمین تاریخ بلد الامین سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الزبیر کے آٹھ بیٹے بعد قتل ابن الزبیر باقی رہے چنانچہ اصل عبارت یہ ہے:۔

وخلف من الاولاد عبداللہ حمزہ و حبیب وثابت وعباد وقیس وعامر وموسیٰ

اور تاریخ کامل میں ہے:۔

وکان ممن فارقہ ابناہ حمزہ و حبیب اخذ الانفسھما امانا فقال عبداللہ لابنہ الزبیر خذ نفسک کما فعل اخوک فواللہ انی لاحب بقاءکم فقال ما کنت لارغب بنفسی عنک فصبر معہ فقتل۔ (ص ۱۳۶ جلد ۴)

یعنی جب ابن الزبیر کے بیٹے حبیب وحمزہ نے حجاج سے امان لی تو ابن الزبیر نے اپنے بیٹے زبیر سے کہا کہ تونے بھی کیوں نہ اپنے بھائیوں کی طرح امان لی تو زبیر نے کہا کہ ہم اپنی جان بچانا نہیں چاہتے پس وہ ساتھ رہ گیا [illegible] گیا جس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک بیٹا ابن [illegible] کا زبیر نامے اپنے باپ کے کام آیا اور باقی آٹھ [illegible]ڈوں نے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیوں نہ ہو آخر سب حضرت ابو بکر کی دختری اولاد سے تھے پھر کیوں نہ بیوفائی کرتے۔

یہاں پہلے آپ کو جناب امام حسینؑ کی دور اندیشی پر نظر کرنا چاہیئے کہ کس مصالح سے آپ نے پہلے ہی قیام مکہ کو ترک کیا کیونکہ آپ جانتے تھے اگر بفرض محال مثل ابن الزبیر ہر قسم کے مکر وحیلہ سے بھی کام لیا جائے اور حرمت خانہ کعبہ بھی برباد کی جائے تو چونکہ ان صحابہ وتابعین میں کسی طرح کی دینداری نہیں ہے بلکہ تمامتر دنیادار و مکار وغدار ہیں لہذا کبھی راہ حق پر نہ آئیں گے اور وہی کرینگے جسکی عادت انکہیں عہد خلفائے ثلاثہ سے پڑ چکی ہے

اس لیئے جناب امام حسینؑ نے محض حفظ اسلام کے لیئے قیام مکہ کو ترک کیا اور اُس کے حدود سے باہر نکل گئے۔ کہ
کسی طرح یہ الزام نہ آسکے کہ امام حسینؑ کی بدولت حرمت خانہ کعبہ برباد ہوگئی

اس سے آپ کو اچھی طرح معلوم ہوا کہ اصحاب و اہلبیتؑ طاہرین میں کیا فرق ہے۔ اصحاب کی غرض محض
دنیا ہے اگرچہ چند روزہ ہو اور نہایت ذلت سے حاصل ہو جیسا کہ ابن الزبیر کے حالات سے آپ کو معلوم ہوا کہ سارے
امور فسق و فجور کے ارتکاب پر بھی وہ محروم ہی رہا اور نہایت ذلت کی موت سے مارا گیا مگر چند روزہ سلطنت
کے لیئے سب گوارا کیا یہاں تک کہ خانہ کعبہ کو بیحرمت کیا۔ گرایا۔ جلایا۔ حجر اسود کو پارہ پارہ کرایا اور حدیث
رسولؐ پر مطلق ایمان نہ لایا کہ اس شخص پر نصف اہل عالم کا عذاب ہوگا۔ بخلاف فرزند رسولؐ کے کہ جناب
امام حسینؑ نے حفاظت اسلام اور بقاء دین کو جملہ اغراض نفسانی پر مقدم سمجھا اور نہایت جرأت و استقلال سے دنیا پر
ایسا لات مارا کہ ہزار درجہ کا مخالف بھی آپ پر یہ الزام نہیں دے سکتا کہ آپ نے بغرض تحصیل دنیا یہ کام کیا دوسرا
فرق آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ صحابہ و اہلبیتؑ میں کیا فرق ہے کیونکہ ابن الزبیر صحابی ہے اور اسکے لشکر والے سب
صحابی ہیں یا تابعی جب تک منافع دنیوی کی امید تھی ابن الزبیر کے ساتھ رہے اور جب اس کا گمان غالب ہوا کہ
ابن الزبیر اب مغلوب ہوگا دس ہزار صحابہ و تابعین نے ساتھ چھوڑ دیا یہاں تک کہ خود ابن الزبیر کے آٹھ بیٹے باپ سے
علٰحدہ ہوگئے۔ بخلاف جناب امام حسینؑ کے اگرچہ دنیا دار صحابہ و تابعین نے پہلے ہی سے حضرت کی بیعت نہ قبول کی
مگر جن مومنین نے حضرت کی رفاقت قبول کی تھی وہ ایسے مومن کامل اور صادق الایمان تھے کہ جس روز سے رفاقت
اختیار کی تادم مرگ علٰحدہ نہ ہوئے اور وہ مصائب سہے جو دنیا میں آج تک کسی پر نہ پڑے ہوں گے۔

جب امام حسینؑ کے اصحاب باوفا کی یہ وفاداری اور ہمت ہے تو آپکی اولاد یا اعزا و اقربا کا کیا ذکر
کہ آٹھ۔ نو برس کے بچے بلکہ شش ماہہ بچہ نے بھی ترک رفاقت کو ایسا ننگ و عار سمجھا کہ مرگئے مگر ساتھ نہ چھوڑا۔
یہی فرق ہے صحابہ اور اہلبیتؑ میں کہ جب تک دنیا موافق ہے صحابہ ساتھ ہیں ادھر دنیا نے منھ موڑا اور یہ بھی
علیحدہ ہوئے خواہ وہ رسول اللہ کے ساتھ ہوں یا کسی صحابی کے ساتھ

آپ کو غزوات رسول اللہ کا حال تو بخوبی معلوم ہوگا کہ جنگ بدر میں جب قافلۂ ابوسفیان سامنے سے نکل گیا
تو عمر و ابوبکر صاحبان کی رائے ہوئی کہ پلٹ چلنا چاہیئے کہ یہ قریش ہیں جو کبھی ذلیل نہیں ہوئے۔ حضرت کو سخت رنج و
ملال بھی ہوا مگر یہ لوگ اسی رائے پر اڑے رہے یہاں تک کہ جناب امیرؑ اور حضرت حمزہ کی بدولت یہ جنگ
سر ہوئی تو ان لوگوں کی ہمت بڑھی اور جنگ اُحد میں شریک رہے مگر طمع دنیا نے اُنکو مجبور کیا کہ قبل تکمیل فتح
یہ لوگ بطمع مال غنیمت ٹوٹ پڑے اور اُس درہ کو خالی چھوڑا جس کی حفاظت پر مامور تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر
کفار ادھر سے ٹوٹ پڑا اور مسلمانوں کو شکست ہوئی حضرت حمزہ شہید ہوئے اب صرف تنہا جناب امیرؑ ہیں جو ایک
طرف رسول اللہ کی حفاظت کرتے ہیں اور دوسری طرف حملہ کفار کو روکتے ہیں اس شکست میں دوسرے صحابہ کا جو
فرار تھا وہ تو تھا ہی مگر حضرت ابوبکر اور عمر اور عثمان صاحب کا فرار ایسے سنہری حرفوں میں مرقوم ہے کہ قیامت

تک بھول نہیں سکتا حضرت ابوبکر تو فخریہ یہ کہتے ہیں کہ فراریوں میں سب سے پہلے ہم پلٹ کر آئے اور عمر صاحب فرماتے ہیں میں بز کوہی کی طرح پہاڑ پر اوچکتا تھا اور عثمان صاحب کا تو تین روز تک پتہ ہی نہ ملا کہ کہاں گئے۔

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمراہیان ابن الزبیر نے جو فرار کیا تو اس میں وہ انھیں صحابہ و خلفاء کے تعلیم یافتہ تھے نہیں بلکہ خاندانی اثر تھا کیونکہ ابن الزبیر کے آٹھ فرزند حضرت ابوبکر کی اولاد دختری تھے پھر ان میں وفا کہاں سے آتی جب ابوبکر صاحب نے خود رسول اللہ کے ساتھ بیوفائی کی اور جنگ احد و حنین میں بافیہ پیمائے فرار ہوئے اور ہمراہیان امام حسین ع اپنے بزرگان دین جناب امیرؑ اور سائر اہلبیت طاہرین کے تعلیم یافتہ تھے کہ جہاں جناب امیرؑ کل فتوحات کے فاتح ہیں وہاں جنگ حنین و طائف میں جب سب صحابہ نے فرار کیا ایک آپ ہی ثابت قدم تھے اسی کا یہ اثر تھا کہ رفقائے جناب امام حسینؑ نے اس درجہ کی رفاقت و ثبات قدم کو انجام دیا کہ یہ دونوں لفظ آج تک دنیا میں قائم ہیں ورنہ خلفائے ثلاثہ اور صحابہ نے تو اسکی مٹی ایسی پلید کی تھی کہ ان لفظوں کا بھی وجود نہ رہتا۔

یا وفا خود نبود در عالم یا مگر ہیچ کس وفا ننمود

انتشار ابن الزبیر

صحابہ و تابعین کی ترک رفاقت سے ابن الزبیر کی وہی حالت ہوئی جو عام طور پر دنیا داروں اور صاحبان تدبیر کی ہوتی ہے کہ حواس پریشان، خیال پراگندہ نفس متردد، دل مضطرب، چنانچہ تاریخ کامل میں ہے:۔

فدخل علی امہ فقال یا اماہ قد خذلنی الناس حتی ولدی واھلی ولم یبق معی الا الیسیر ومن لیس عندہ اکثر من صبر ساعۃ والقوم یعطوننی ما اردت من الدنیا فما رایک فقالت انت اعلم بنفسک ان کنت شئت تعلم انک علی حق والیہ تدعو فامض لہ فقد قتل علیہ اصحابک ولا تمکن من رقبتک تلعب بھا غلمان بنی امیہ الی اخرہ۔

(صہ ۱۳۶ تاریخ کامل)

کہ ابن الزبیر اپنی ماں کے پاس گیا اور کہا اے ماں مجھے لوگوں نے مخذول کر دیا (ساتھ چھوڑ دیا) یہاں تک کہ خود میرے اہل اور اولاد نے اور اب بہت تھوڑے لوگ رہ گئے ہیں جو ایک ساعت سے زیادہ صبر نہیں کر سکتے اور قوم (لشکر حجاج و عبد الملک وغیرہ) ہم کو وہی دے رہی جو ہم چاہتے ہیں دنیا سے تو اب تمھاری کیا رائے ہے اسماء مادر ابن الزبیر نے کہا تو اپنے نفس کے حال سے خوب واقف ہے اگر تو جانتا ہے کہ حق پر ہے اور حق کی طرف لوگوں کی دعوت کرتا ہے تو اسکو کر گذر کہ اسی پر تیرے ساتھی مارے گئے اور اپنی گردن پر بنی امیہ کے لونڈوں کو نہ مسلط کر جو اسکے ساتھ بازی کریں اور اگر

تو نے یہ کام دنیا داری کے لئے کیا ہے تو کیسا برا بندہ ہے تو کہ خود بھی ہلاک ہوا اور ان لوگوں کو بھی ہلاک کیا جو تیرے

ساتھ قتل ہوئے اور اگر تو یہ کہے کہ ہم برسر حق تھے مگر ہمراہیوں کے ضعف سے ہم کمزور ہوگئے۔ تو یہ فعل احرار نہیں ہے نہ اہل دین کا کام ہے آخر کب تک دنیا میں رہیگا قتل ہونا نہایت عمدہ ہے۔

ابن الزبیر نے جواب دیا اے ادر ہمکو اس کا خوف ہے کہ اہل شام اگر ہمکو قتل کردینگے تو دار پر چڑھائیں گے اور ہاتھ پیر کاٹ ڈالیں گے۔ مادر ابن الزبیر نے کہا اے بیٹا بکری کو کھال چھڑانے سے نہیں تکلیف ہوتی (یعنی جب مرگیا تو پھر اسکا کیا خیال ہے) تو اپنی بصیرت پر چل اور خدا سے طالب اعانت ہو۔ ابن الزبیر نے ماں کا سر چوما اور کہا کہ یہی میری بھی رائے ہے۔ (صفحہ ۱۳۶ تاریخ کامل جلد ۴)

اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ابن الزبیر کو کس درجہ کا خوف اور انتشار ہے کہ جاکر اپنی بڑھیا ماں سے مشورہ کر رہا ہے جو بتقاضائے فطرت مجبور ہے کہ ایسی رائے دے کہ یہ قتل سے محفوظ رہے اور صلح ہو جائے۔

مگر آپ تمامی واقعات کربلا میں کہیں ایک جملہ بھی ایسا نہ پائیں گے کہ جناب امام حسینؑ کو کسی طرح کا خوف یا انتشار پیدا ہوا جسکی تصدیق اس عبارت تاریخ کامل سے بھی ظاہر ہے :-

وحمل الناس علیہ عن یمینہ وشمالہ فحمل الذین عن یمینہ فتفرقوا ثم حمل علی الذین عن یسارہ فما رؤی مکسور قط قد قتل ولدہ واہلبیتہ واصحابہ اربط جاشا منہ ولا امضی جنانا ولا اجرء مقدما منہ ان کانت الرجال تنکشف عن یمینہ وشمالہ انکشاف المعزی اذا اشد فیھا الذئب۔ (ص ۳۲ جلد ۴)

یعنی جناب امام حسینؑ پر ہر طرف کے لوگوں نے حملہ کیا جانب یمین وشمال سے پس حضرتؑ نے پہلے حملہ کیا جانب یمین پر اور سب کو بھگادیا پھر حملہ کیا جانب شمال پر اور بھگادیا۔ نہیں دیکھا گیا کوئی شخص جو ایسا شکستہ خاطر ہو کہ اُسکی اولاد اور اہلبیتؑ اور اصحاب سب قتل کئے گئے ہوں اور پھر وہ ایسا قوی دل ہو اور اپنے ارادہ پر ثابت قدم ہو اور ایسا جری ہو کہ اس طرح حملہ کرے کہ سوار و پیادہ اُسکے سامنے سے اس طرح فرار کرے کہ جیسے بھیڑیے سے دُنبیاں بھاگتی ہوں۔

اور پہلے اس سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ عقبہ بن سمعان نے بیان کیا کہ کبھی نہ حضرتؑ نے اس کا اقرار کیا کہ ہم یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دیں گے نہ اس کا اقرار کیا کہ ہم کو کسی سرحد کی طرف بھیجدو بلکہ آپنے اسیقدر فرمایا ہماری راہ چھوڑ دو کہ ہم اپنے وطن چلے جائیں یا جس طرف چاہیں چلے جائیں۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کس اطمینان اور استقلال سے جنگ فرماتے تھے کہ نہ کسی طرح کا اضطراب ہے نہ انتشار نہ تردد نہ خوف بلکہ جو حکم خدا ورسول ہے اُس پر اسطرح ثابت قدم ہیں کہ ذرہ برابر بھی تزلزل نہیں بخلاف ابن الزبیر کہ جب ابواب حیلہ اُسکے مسدود ہو گئے تو وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنی جان بچالے مگر اُسکی ماں اسکو غیرت دلا رہی ہے کہ یہ کس قسم کی بیحیائی ہے کہ اب اپنی جان بچاتا ہے۔

ہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ خود ابن الزبیر بیان کرتے ہیں ہمارے مخالف ہماری دینوی خواہش پوری کرنے پر تیار رہیں کہ جو شرائط صلح ہم پیش کریں وہ منظور کرلیں گے مگر امام حسینؑ کی اتنی بات بھی کسی نے نہ مانی کہ ہم کو گھر پلٹ جانے دو حالانکہ اگر یہ منظور کرلیتے اور حضرت کسی طرح اپنے وطن تشریف جاتے تو بھی اُنکے قبضہ سے باہر نہ ہوتے کیونکہ مدینہ پر بھی یزید ہی کا تسلط تھا جس سے بمجبوری نکلے تھے۔ بس بجز اسکے کہ کچھ دنوں کی شاید مہلت ملتی اور کوئی نتیجہ نہ ہوتا مگر ان صحابہ اور تابعین نے اتنا بھی گوارا کیا کہ جناب امام حسینؑ کو چند روز کی بھی مہلت ملے۔

اس سے بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اُس زمانہ کے صحابہ و تابعین کے دل میں کس درجہ محبت اہلبیت طاہرینؑ تھی کہ چند روز کی مہلت پر بھی کوئی راضی نہ ہوا برخلاف اس کے ابن الزبیر کے لئے یہ سامان کیا گیا کہ چاندی کا طوق و زنجیر پہنا کر بھیجا گیا کہ یزید کی قسم اُتارنے کو وہ اس اعزازی قید کو قبول کرے کئی سال تک لڑائی ملتوی رہی۔ حجاج ایسا ظالم بھی اُس کی ہر طرح خاطر مدارات کرنے پر تیار رہے کہ ابو بکر کا نواسہ زبیر کا بیٹا قتل ہونے سے بچ جائے مگر فرزند رسولؐ، فرزند علیؑ، فرزند فاطمہ زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیھم کو اتنی مہلت نہ دی گئی کہ دو روز کے لئے بھی زندہ رہ سکے۔

ارادۂ جنگ ابن الزبیر

جب ابن الزبیر کی ماں اسمار نے غیرت دلائی اور انتہا درجہ کی لعنت ملامت کی کہ آخر کب تک زندہ رہے گا یہ فعل احرار نہیں کہ اپنے اصحاب کو کٹوا کر خود اپنی جان بچائے ایسی زندگی نہایت بیحیائی کی زندگی ہے لڑکر مرنا بہتر ہے اس سے کہ بنی امیہ کے لونڈے تیرے ساتھ بازی کریں تو بادل ناخواستہ آمادہ جنگ ہوئے اور ماں کے جواب میں کہا ہماری بھی یہی رائے تھی پہلے تو صرف تمہارے امتحان کے لئے یہ کہا تھا اسکے بعد ابن الزبیر مصافحہ کے لئے بڑھے اسماء نے اُنکو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا اُس وقت اسمار کا ہاتھ جو ابن الزبیر پر پڑا تو معلوم ہوا کہ زرہ پہنے ہوئے ہیں چنانچہ تاریخ کامل میں ہے۔

فوقعت یدھا علی الدرع فقالت ماھذا صنع من یرید ما ترید فقال مالبستہ الا لاشد متنک قالت فانہ لایشد متنی فنزعھا۔ (ص ۱۳۷)

کہ جب اسمار کا ہاتھ زرہ پر پڑا تو اسمار نے کہا یہ ترکیب تو اُسکی نہیں ہے جس کا تو نے ارادہ کیا ہے ابن الزبیر نے کہا پہلے تو صرف تمہاری تسکین کے لئے پہنا تھا اسماء نے کہا اس سے ہماری تسکین نہیں ہوتی تب اُس نے زرہ اتار دی۔

یہاں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ابن الزبیر کا اصلی ارادہ کیا تھا۔ یہ بھی اُسکا حیلہ تھا ماں سے کہا ہم مرنے جاتے ہیں ورنہ وہ تو پورے طور سے مسلح تھا کہ پورے طور سے جنگ کریں اگر موقع پائیں تو کسی طرف نکل جائیں ورنہ بقول اسمار جو شخص آمادہ مرگ ہوتا ہے اس کو زرہ سے کیا کام۔

یہاں آپ کو اصحاب امام حسینؑ کی حالت ملاحظہ کرنی چاہئیے تاریخ کامل میں ہے:۔

وجاء عابس بن ابی لیث الشاکری و

یعنی اصحاب امام حسینؑ سے عابس بن ابی لیث

شوذب مولیٰ شاکر الی الحسین فسلما علیہ وتقدما فقاتلا فقتل شوذب واما عابس فطلب البراز فتحاماہ الناس لشجاعتہ فقال لھم عمر ارموہ بالحجارۃ فرموہ من کل جانب فلما رای ذالک القی درعہ ومغفرہ وحمل علی الناس فھزمھم بین یدیہ ثم انھم رجعوا علیہ فقتلوہ وادعی قتلہ جماعۃ۔ (صنــ۳ ج ۲)

شاکری اور شوذب حاضر ہوئے اور جناب امام حسینؑ پر سلام کرکے جہاد کے لیئے آگے بڑھے۔ شوذب نے پہلے شہادت پائی مگر عابس کے مقابلہ میں کوئی نہ نکلا کیونکہ ان کی شجاعت مشہور تھی اسی لیئے سب نے ان کے مقابلہ سے اپنی جان بچائی تب عمر نے تیر بارانی کا حکم دیا اور ہر طرف سے تیر اُن پر برسنے لگا تب اُنھوں سنے اپنی زرہ اور مغفر اُتار دی اور حملہ کیا تو سب کو بھگا دیا پھر وہ سب پلٹ آئے اور اُن کو قتل کیا اور ایک جماعت نے دعویٰ کیا کہ ہمنے اُنھیں قتل کیا۔

اس واقعہ سے بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دونوں کے ایمان اور دونوں کی شجاعت میں کیا فرق تھا عبداللہ بن زبیر تو اپنی بڑھیا ماں کے غیرت اور ہمت دلانے پر آمادۂ جنگ و پیکار ہوتا ہے اور یہاں جناب امام حسینؑ عام طور سے اپنے اصحاب باوفا کو اجازت دیتے ہیں بلکہ اصرار فرماتے ہیں کہ تم سب چلے جاؤ ان اشقیا کو بجز ہمارے قتل کے اور کوئی مطلب نہیں اور وہ سب اپنی جانیں نثار کر رہے ہیں۔

ابن الزبیر ماں کے اصرار سے خود اُتارتا ہے اور حضرت عابس صحابی امام حسینؑ یہ دیکھ کر کہ کوئی ہم سے جنگ کرتے نہیں آتا زرہ اور خود اُتار رہے ہیں جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُنکو کس درجہ کا یقین حاصل تھا اور ابن الزبیر کا یقین کس پایہ کا تھا۔

دنیاداری ابن الزبیر

اگرچہ یہ واقعات بجائے خود کافی شہادت ہیں اس پر کہ ابن الزبیر کی غرض محض تحصیل دنیا تھی جسکے لیئے اُس نے خانۂ کعبہ کو جائے پناہ بنایا اور بے طرح اسکی توہین کی کہ اصحاب الفیل سے بھی نہ ہو سکی مگر اسکی ماں اسما کا یہ قول:۔ وانکنت انما اردت الدنیا فبئس العبد وانت اھلکت نفسک ومن قتل معک عجب بلیغ قول ہے جس سے پوری دنیاداری اس کی ظاہر ہے۔ کیوں نہ ہو آخر حضرت اسما بڑی بیٹی ابوبکر صاحب کی ہیں جن کے ہر راز سے واقف ہیں اُن کی ہر چال کو جانتی ہیں اور اپنے فرزند کو تعلیم دے رہی ہیں۔ جب دیکھا کہ وہ سب تدبیریں بیکار گئیں ابن الزبیر کے بخل نے تمامی مجمع کو متفرق کر دیا تو اسما نے اُسی طرف اشارہ کیا۔ ان کنت انما اردت الدنیا فبئس العبد انت۔

مگر میں اس سے زیادہ واضح تصریح اس کی دکھاتا ہوں کہ ابن الزبیر کی یہ جنگ محض بغرض دنیاداری تھی چنانچہ خود صحیح بخاری میں ہے:۔

کتاب الفتن حدثنا احمد

ابو المنہال راوی ہیں کہ جب ابن زیاد و مروان

بن یونس قال حدثنا ابو شہاب عن
عوف عن ابی المنہال قال لما کان
ابن زیاد و مروان بالشام وثب ابن الزبیر بمکۃ و
وثب القراء بصرہ فانطلقت مع ابی الی ابی برزہ
الاسلمی حتی دخلنا علیہ فی دارہ جالس فی ظل
علیہ لہ من قصب فجلسنا الیہ فانشا
ابی یستطعمہ بالحدیث فقال یا ابا برزہ الا
تری ما وقع فیہ الناس فاول شئ سمعتہ
یتکلم بہ انی احتسب عند اللہ انی اصبحت
ساخطا علی احیاء قریش
انکم یا معشر العرب کنتم علی الحال
التی علمتم من الذلۃ والقلۃ والضلالۃ
ان اللہ انقذکم بالاسلام وبمحمد
حتی بلغ بکم ما ترون وھذہ الدنیا
التی افسدت بینکم ان ذلک الذی
بالشام واللہ ان یقاتل الا علی الدنیا
وان ذلک الذی بمکۃ ان یقاتل
الا علی الدنیا وان ھولاء الذین بین
اظہرکم واللہ ان یقاتلون الا علی
الدنیا۔

نے شام میں اپنی اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور ابن الزبیر
نے بمقام مکہ خلافت قائم کرنا چاہا اور قرّا نے بصرہ میں
تو ہم اپنے باپ کے ساتھ ابو برزہ اسلمی صحابی رسول اللہ
کے پاس گئے اور بات چیت ہونے لگی میرے باپ نے
ان سے کہا اے ابو برزہ تم دیکھتے ہو کہ لوگ کس مصیبت
میں مبتلا ہیں تو ابو برزہ نے کہا ہم خدا سے امید کرتے ہیں
کہ اس مصیبت کا اجر ہم کو عطا فرمائے میں ان قبائل
قریش پر سخت غضبناک ہوں اے معشر عرب! تم کو معلوم
ہے کہ تم پہلے کس حال پر تھے تمھاری ذلت تمھاری قلت
تمھاری ضلالت سب تم کو معلوم ہے اور یہ بھی جانتے ہو
کہ خدا نے بذریعۂ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو
اس سے نجات دی۔ جس سے جس درجہ پر تم پہونچے
وہ بھی معلوم ہے اسی دنیا نے سارا فساد کیا تم لوگوں
میں شخص جو شام میں ہے اس کے تمام حرب وقتال
دنیا کے لئے ہیں اور یہ شخص جو مکہ میں ہے یہ بھی
صرف دنیا کے لئے لڑ رہا ہے اور ان دونوں کے
علاوہ جو اور لوگ ہیں وہ بھی سب دنیا کے لئے
لڑ رہے ہیں۔

شہادت جناب امام حسینؑ کی نسبت تو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں خواجہ معین الدین چشتی کی رباعی
سب کو معلوم ہے ؎

شاہ است حسینؑ و بادشاہ است حسینؑ — در کشور شرع دیں پناہ است حسینؑ
سر داد و نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

اگرچہ ابن الزبیر کی دنیاداری تو اس روایت سے مثل آفتاب تاباں نمایاں ہے مگر غور کیجیے تو ابو برزہ
اسلمی نے صرف انھیں لوگوں کی دنیاداری نہیں دکھائی بلکہ خلفائے ثلاثہ کی دنیاداری کی طرف بھی ایک اشارہ
کر دیا کیونکہ عرب کی حالت قبل از اسلام بتا کر اور بذریعۂ اسلام و جناب رسالت مآب ان کی ترقی دکھا کر بتایا

کہ دنیا ہی نے سب امروں کو فاسد کیا جس سے ان حالات پر اجمالی روشنی پورے طور سے پڑگئی کیونکہ آپ کو معلوم ہے ابوبرزہ اسلمی وہ صحابی ہیں جنھوں نے اپنے مکان پر ایک علم گاڑا تھا کہ ہم تو بجز حضرت علیؑ کے کسی کی بیعت نہ کرینگے کیونکہ حضرت فرما گئے ہیں من کنت مولاہ فعلی مولاہ مگر خلفائے ثلاثہ وغیرہ دنیاداروں نے اُن کو اس مخالفت سے روکا۔

یہیں سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرات اہلسنّت جو ہمہ تن طرفداری و ہواداری صحابہ میں سرگرم اور منہمک رہتے ہیں اس کی وجہ بھی وہی دنیاداری ہے کہ جس کو وہ صاحب تخت و تاج دیکھتے ہیں اُس کو اپنا پیشوا اور مقتدا جانتے ہیں حالانکہ مذہب کو دنیاداری سے کیا واسطہ۔ مذہب خدا کے لیئے ہے اُس میں مکر و فریب دغا و فساد کو کیا دخل۔ ہاں جو لوگ دنیادار ہوتے ہیں وہ ہزاروں مکر و فریب کرتے ہیں اور کہیں کامیاب ہوتے ہیں کہیں ناکامیاب۔ ایسوں کو روحانی پیشوا ماننا بجز ضلالت کیا ہو سکتا ہے۔

آپ کو کیا نہیں معلوم کہ حضرت نے فرمایا تھا یہ دین (اسلام) ہمیشہ عزیز و منیع رہے گا جب تک اُن میں بارہ خلیفہ ہوں گے اس سے اہلسنت نے کس کو مراد لیا ہے۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ حضرت علیؑ۔ معاویہ۔ یزید۔ عبداللہ بن زبیر۔ مروان۔ عبدالملک۔ ولید بن عبدالملک۔ ہشام بن عبدالملک۔ سلیمان بن عبدالملک وغیرہ۔ خلفاء ثلاثہ کی نسبت تو ہم لکھ چکے مگر یہ تو بتایئے کہ کیا کوئی عاقل اسکو مان سکتا ہے کہ حضرت نے معاویہ۔ یزید ابن الزبیر۔ مروان۔ عبدالملک وغیرہ کی خلافت کی بشارت دی تھی۔ اور حضرت نے انھیں کو باعث اعزاز اسلام قرار دیا تھا اگر ایسا ہے تو اس اسلام سے کفر یقیناً بہتر ہے۔

معاویہ و یزید کے حالات تو اکثر حضرات کو معلوم ہیں۔ ابن الزبیر کے حالات دیکھ رہی ہے ہیں اسی ضمن میں عبدالملک کے حالات اجمالی بھی قابل ملاحظہ ہیں تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ لاہور۔

قال بکر بن عبداللہ المزنی اسلم یھودی اسمہ یوسف وکان قرأ الکتب فمر بدار مروان فقال ویل لامۃ محمد من اھل ھذہ الدار فقلت لہ الی متی قال حتی تجئ رایات سود من قبل خراسان وکان صدیقا لعبدالملک بن مروان فضرب یوماً علی منکبہ وقال اتق اللہ فی امۃ محمدؐ اذا ملکتھم دعنی ویحک ماشانی و شان ذالک فقال اتق اللہ فی امرھم قال وجھز یزید جیشا الی اھل مکۃ فقال

یعنی بکر بن عبداللہ مزنی راوی ہے کہ ایک یہودی اسلام لایا جس کا نام یوسف تھا اور وہ عالم تھا کتب یہود کو اُس نے پڑھا تھا اس کا گذر مروان کے گھر پر ہوا تو کہا والے ہے اُمّت محمدؐ کے لیئے اس گھر والوں سے راوی نے پوچھا یہ کب ہوگا تو کہا سیاہ علم جب جانب خراسان سے آئیں گے یوسف مذکور عبدالملک کا دوست تھا ایک روز اُس کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور کہا جب اُمّت محمدؐ کا تو مالک ہو تو اُن کے بارے میں خدا کا خوف کرنا۔ عبدالملک نے کہا اس قسم کی باتیں کیوں کرتے ہو ہمکو اور ان باتوں سے کیا واسطہ تب یوسف نے کہا کہ امت کے بارے میں خدا کا خوف

عبد الملك اعوذ بالله ایبعث الی حرم
رسول الله فضرب یوسف منکبه وقال
جیشك الیهم اعظم وقال یحییٰ الغسانی
لما نزل مسلم بن عقبه المدینة دخلت
مسجد رسول الله ؐ فجلست الی جنب عبد الملك
فقال لی عبد الملك امن هذا الجیش
انت قلت نعم قال ثکلتك امك ما تدری
الی من تسیر الی اول مولود ولد فی
الاسلام والی ابن حواری رسول الله ؐ
والی ابن ذات النطاقین والی من
حنکه رسول الله اما والله ان جئته
نهارا وجدته صائما ولئن جئته
لیلاً لتجدنه قائماً فلو ان اهل الارض
اطبقوا الی قتله لاکبهم الله جمیعاً
فی النار فلما صارت الخلافة الی عبد الملك
وجهنا مع الحجاج حتی قتلناه وقال ابن
ابی عائشه افضی الامر الی عبد الملك و
المصحف فی حجره فاطبقه وقال هذا
اخر العهد بك۔

کرنا۔ یزید نے جب اہل مکہ کے قتل کو لشکر بھیجا تھا
(ابن الزبیر سے لڑنے کے لیے) تو عبد الملک نے کہا
اعوذ باللہ کیا حرم رسول خدا پر لشکر بھیجا جاتا ہے تو
یوسف مذکور نے اُسکے شانہ پر ہاتھ مارا اور کہا تیرا لشکر
اس سے کہیں زیادہ عظیم ہوگا یحییٰ غسانی راوی ہے کہ
جب مسلم بن عقبہ (سپہ سالار یزید جو اہل مدینہ اور ابن الزبیر
سے لڑنے گیا تھا) وارد مدینہ ہوا تو میں اپنے لشکر سے نکل کر
بغرض زیارت داخل مسجد رسولؐ ہوا اور عبد الملک کے
پاس بیٹھا۔ تو اُسنے پوچھا کیا تو بھی اسی لشکر سے ہے میں نے کہا
ہاں۔ عبد الملک نے (گالی دی) کہا تیری ماں تیرے ماتم میں
بیٹھے کیا نہیں جانتا کس سے لڑنے آیا ہے ابن الزبیر
پہلا مولود ہے جو اسلام میں ہوا۔ حواریٔ رسولؐ کا بیٹا ہے
یہ ذات النطاقین کا بیٹا ہے (لقب اسمار بنت ابوبکر
ہے) یہ وہ ہے جس کی تحنیک رسول اللہ نے کی قسم بخدا
اگر تو اُسکے پاس دنکو آئے گا تو اُسکو روزہ دار پائے گا اور اگر
شبکو اُس کے پاس جائے تو عبادت خدا میں اُسکو کھڑا
پائے گا اگر تمامی اہل زمین اتفاق کرکے اُسکو قتل کریں تو
خدا سب کو جہنم میں ڈالے گا جب خود عبد الملک کو خلافت
ملی تو ہم سب کو اُسی حجاج کے ساتھ اُسی ابن الزبیر سے
لڑنے کو بھیجا یہاں تک کہ ہم سب نے اسکو قتل کیا ابن ابی عائشہ کہتے ہیں کہ جب خلافت کی خبر عبد الملک کو
پہونچی تو اُس وقت قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ خبر خلافت سنتے ہی اُس نے بند کر دیا اور کہا کہ اے قرآن یہ آخری
ملاقات ہے ہماری اور تیری۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے واقعات از قبیل احکام قضا و قدر ہیں جنکی اطلاع منجموں، کاہنوں، رمالوں یہود کو بھی
تھی جو اپنے قواعد سے واقف تھے مگر مسلمانوں کو کوئی علم اس کا قبل سے نہ تھا کہ کون خلیفہ ہوگا چنانچہ خود عبد الملک
کس مایوسی سے کہا کہ ہم کو اور خلافت سے کیا علاقہ جس سے ہر شخص جانتا ہے کہ اُسکو کسی طرح اسکی امید نہ تھی بلکہ
اس کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر حیف ہے شاہ ولی اللہ صاحب پر جو ایسے اخبار یہود و اہل کتاب سے خلافت ابوبکر ثابت کرنا
چاہتے ہیں اگر غور کرتے تو سمجھتے کہ اس سے بڑھ کر کیا دلیل بطلان ہو سکتی ہے کہ حضرت کو از روئے واقعات تقدیری

معلوم تھا کہ یوں ہونے والا ہے مگر اپنی زبان مبارک سے کبھی نہ ارشاد فرمایا اسی خیال سے کہ مبادا اس قسم کی پیشنگوئی کو یہ لوگ دلیل حقیقت بنا لیں اور نص خلافت قرار دیں اگرچہ سب کچھ کیا گیا مگر پھر وہ روایات ایسے موضوع ہیں کہ خود سمجھدار ان کے موضوع ہونیکو بتاتے ہیں۔ دوسرے اس خاندان کی شقاوت ازلی اور خسارت ابدی تھی کہ اہل کتاب بھی قدیم الایام سے واقف تھے مگر اہلسنت آج تک ایسے ملاعنہ کو اپنا امام اور خلیفہ اور امیر المومنین جانتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہود کس طرح اپنے روایات و موضوعات کو مسلمانوں میں رائج کرتے اور مسلمان اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ چوتھے جب یزید نے لشکر بھیجا ہے تو عبد الملک نے کس کس طرح کی تعریف کی ہے ابن الزبیر کی اور سب کو جہنمی بتایا ہے مگر جب خود خلیفہ بنا تو سب سے زیادہ اُسکا کی فکر کی کہ جس طرح ہو سکے ابن الزبیر کو قتل کرنا چاہیئے۔

اسی سے آپ حضرات روایات شیخین اور خلفائے ثلاثہ کو فضائل جناب امیرؑ میں تصور فرمائیے کہ سب کچھ جانتے تھے اور پورے طور سے آنحضرتؐ کے مدارج و فضائل و مناقب سے واقف تھے مگر حب سلطنت اور خواہش دنیا نے ایسا مجبور کیا کہ جنکی خلافت پر بروز غدیر خم خود عمر صاحب نے بخ بخ لک یا بن ابی طالب اصبحت مولائی و مولیٰ کل مومن و مومنہ فرمایا تھا انھیں حضرت علیؑ کو بروز خلافت خلیفۂ اول کس طرح کشاں کشاں لا رہے ہیں قتل کی دھمکی ہے اخوت رسول سے انکار ہے۔

پانچویں جس طرح عبد الملک نے اسکا اقرار کیا ہے کہ ابن الزبیر کے قاتلین سب جہنم میں جائینگے عمر صاحب اور کل صحابہ کو اسکا اقرار تھا اور معلوم تھا اور جانتے تھے کہ معاندین جناب امیر جہنمی ہیں مگر محبت دنیا سب پر غالب ہوتی ہے اور وہی ہوتا ہے جو عبد الملک نے کیا تھا۔

چھٹے عبد الملک کا قرآن کو خلافت پاتے ہی بند کرنا اور یہ کہنا کہ یہ عہد آخر ہے ہمارے اور تیرے درمیان اہل سنت کو بتا سکتا ہے کہ خلفاء کو اسلام اور قرآن سے کیا واسطہ تھا اسی قدر کہ اسلام اور قرآن کی بدولت دنیا ہاتھ آئے پھر کہاں کا قرآن اور کہاں کا اسلام، آپ کو عمر صاحب کا حسبنا کتاب اللہ کہنا بھی معلوم ہے اور پھر احکام قرآن کی تبدیلی بھی معلوم ہے۔

ہم چونکہ آل و اصحاب کے روابط اور تعلقات دکھا رہے ہیں اسلئے ضمناً تذکرہ عبد الملک کا بھی آگیا جو خود صحابی تو نہیں مگر تابعی ضرور ہے اور کیسا تابعی کہ خود اسی تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے۔

قال ابو الزناد فقهاء المدينة سعيد بن المسيب وعبد الملك بن مروان وعروة بن الزبير وقبيصة الذهب وقال الشعبي ما جالست احداً الا وجدت عليه الفضل الا عبد الملك بن مروان فانى ما ذاكرته حديثاً الا زادنى فيه ولا شعراً

(یعنی کہا ابو الزناد نے کہ مدینہ کے فقیہ چار ہیں) سعید بن مسیب۔ عبد الملک بن مروان۔ عروہ بن الزبیر قبیصہ بن الذوہب اور امام شعبی فرماتے ہیں کہ مجھے جس جس سے ملاقات کی نوبت آئی اسکے بہ نسبت اپنے نفس میں میں نے فضیلت پائی مگر عبد الملک بن مروان سے جب سابقہ پڑا تو اس کی فضیلت ظاہر ہوئی اگر حدیث میں

الاذراد فی فیہ ۔ (صفحہ ۱۴۷) بات چیت کی تو اُس نے کچھ زیادہ ہی کیا اسی طرح جب شعر شاعری کا تذکرہ ہوا تو اُس کی معلومات سے مجھے فائدہ ہوا۔

جس سے معلوم ہوا کہ عبدالملک صرف بحیثیت خلیفہ ہی نہیں مانا جاتا بلکہ علمی حیثیت سے بھی اُس کا وہ درجہ ہے جو کمتر کسی صحابی کو حاصل ہو۔ پھر جب ایسے عالم متبحر خلیفہ وقت سے یہ افعال ظہور میں آئیں تو ان حضرات کے افعال و حرکات پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جن کا مقولہ تھا۔ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال تمام لوگ عمر سے زیادہ فقہ جاننے والے ہیں یہاں تک کہ گھر کے اندر رہنے والی خواتین بھی۔

قتل ابن الزبیر

یہ جملہ معترضہ تھا جو بمناسبت مقام بالاجمال لکھا گیا اب ہم واقعہ قتل ابن الزبیر کو لکھتے ہیں جس سے اصل مطلب پر پوری روشنی پڑے۔

ابن الزبیر کا انتشار بوقت جنگ اور رفقا و اولاد کا فرار تو آپ سُن چکے اور پھر انکی مادر گرامی قدر اسماء بنت ابوبکر کا غیرت دلانا اور خود زرہ اتروانا پڑھ چکے اب سنئے اُن کی تیاری جو اس مرگ کے لئے تھی تاریخ کامل میں ہے:۔

کان ابن الزبیر قبل قتلہ یقی ایاما یستعمل الصبر والمسک لئلا ینتن فلما صلب ظہرت منہ رایحۃ المسک فقیل ان الحجاج صلب معہ کلبا میتا فغلب علی ریح المسک وقیل بل صلب معہ سنورا (صفحہ ۱۳۰ جلد ۴)

یعنی ابن الزبیر نے قبل قتل مشک اور مصبر کا استعمال شروع کیا کہ بدبو نہ پھیلے جب سولی دی گئی تو بجائے بدبو اُسکے بدن سے بوئے مشک آنے لگی تب حجاج نے ایک مردار کتا یا ایک بلی کو بھی اُس کے ساتھ دار پر چڑھایا جس کی بدبو نے بوئے مشک کو بھی چھپا دیا۔

کہئیے اس سے بڑھ کر کونسی چالاکی ہو سکتی ہے کہ خود تو مر رہے ہیں طلب دنیا میں جان جا رہی ہے مگر اپنے مریدوں کو بہکانے کے لئے یہ سامان کر رہے ہیں کہ مرنے پر بلکہ دار پر چڑھ کر بھی اپنی کرامت دکھادیں کہ مریدوں میں ہمیشہ چرچا رہے کہ خلیفہ اہل سنت کے مُردہ سے بوئے مشک آتی تھی مگر افسوس کوئی راز اُسکا نہ چھپ سکا سب کو معلوم ہو گیا حضرت کا یہ مکر تھا جو مرنے سے پہلے مشک اور مصبر کھاتے تھے یا دوسرے طریقہ سے اندر پہونچاتے۔

حق یہ ہے کہ حجاج بھی عجب چلبلا بدمعاش تھا کہ جب اُس نے دیکھا آپ کی کرامت مشہور ہوا چاہتی ہے جھٹ ایک مردار کتا یا بلی کو بھی ساتھ لٹکا دیا جس کی بدبو نے ساری مکاریوں کو ابن الزبیر کی چھپا دیا۔

اب کیا میں جناب امام حسینؑ کا حال بھی یہاں لکھوں کہ حضرت نے قبل قتل کیا سامان کیا ہے ؎

وقت مرگ کربلا کارے عجب کرد لباس کہنہ از زینب طلب کرد

حضرتؑ کے تہیہ شہادت میں کوئی واقعہ اس قسم کا نہیں ملتا۔ بجز اس کے کہ حضرتؑ نے بخیال ستر ایک جامہ کہنہ حضرت زینبؑ سے طلب کیا تھا کہ اشقیائے کوفہ و شام لباس کہنہ دیکھ کر آپ کے جسم کو عُریاں نہ کریں۔

یہی فرق ہے آل و اصحاب میں کہ آل رسولؐ کا مقصد بجز اظہار حق و اتمام حجت کچھ نہیں ہوتا اور صحابہ کے جو افعال دیکھو ان میں دنیاداری ہے مکاری ہے اور فریب دہی کہ امت محمدیہ ہمیشہ گمراہ ہوتی رہے۔

آپ کو دفن جناب سیدالشہداء کا حال بھی معلوم ہوگا کہ عمر سعد نے حضرت کو بے گور و کفن چھوڑ دیا اور اُن مسلمانوں سے جو سب سنّی تھے کسی نے حضرتؑ کو دفن نہ کیا بلکہ ایک عرصہ کے بعد اہل غاضریہ نے دفن کیا مگر نہ اُن اجساد مقدسہ سے بوئے بد آئی نہ تعفن پھیلی کیونکہ اُس کا محافظ تو خدا تھا بہت سی روایتیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اُن اجساد مطہرہ سے عام طور پر بوئے مشک و عنبر آتی تھی جس کے ظہور کرامات نے اہل غاضریہ کو اس پر مجبور کیا کہ حضرت کو دفن کریں ورنہ بخوف ابن زیاد کسی کو اسکی جرأت نہ ہوتی کہ حضرت کو دفن کریں۔

قطع راس

عبداللہ بن زبیر کی یہ ترکیب کہ مشک و مصبر کے استعمال سے بعد مُردن اپنے جسم کو معطر کریں تاکہ اُسکی خوشبو سے مریدوں کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ ہمارے خلیفہ ایسے تھے ویسے تھے درحقیقت باعتبار حقیقت دگی(?) عرب نہایت عجیب معلوم ہوتا ہے مگر وہ ایک تجربہ کار آدمی تھے۔ مصر۔ روم۔ شام۔ فارس تمام گھوم چکے تھے اُن کو معلوم تھا یہود کے رہبانی نصاریٰ کے پادری ہنود کے پنڈت مریدوں کے پھانسنے کی کیا کیا ترکیبیں کرتے ہیں پھر وہ کب اس سے چوکنے والے تھے۔

مگر افسوس ابن الزبیر کی یہ کاروائی کسی طرح نہ چلی اور حجاج نے سب چالاکیوں کا ناس کر دیا کیونکہ پہلے تو اُس نے سر تن سے جدا کیا اور پھر اُلٹا سولی پر چڑھایا بعدہٗ اسکے ساتھ ایک مُردار کتا یا بلی لٹکا دیا جس کی بدبو نے مشک کی ساری خوشبو کو دبا لیا۔

تاریخ خمیس میں ہے۔

ولما قتل صلب بعد قتله منكسا على الثنية اليمنى بالحجون وبعث براسه لعبد الملك بن مروان فطيف به البلدان۔ (ص ۳۴۲ جلد ۲)

یعنی ابن الزبیر بعد قتل اُلٹا دار پر لٹکا دیا گیا اور سر اُس کا کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیجا گیا جو تمام شہروں میں تشہیر کیا گیا پہلے مدینہ پھر خراسان۔

ع۵ یہاں ہم کو ایک اور واقعہ یاد آیا کہ اہل حدیث اس کے مدعی ہیں کہ امام بخاری کی قبر سے بھی بوئے مشک آتی تھی اُس پر جناب مولوی عمر کریم صاحب جو حنفی علماء سے ہیں اخبار الفقہ مورخہ ۲۸ ربیع الاول میں لکھتے ہیں وھذہ عبارتہ اے امام المحدثین۔ ہاں تمہارے مجتہد مطلق۔ ہاں تمہارے مشکل کشا بلکہ حاجت روا جن کی کتاب کو تم مشکلوں اور مصیبتوں میں روز و شب ختم کیا کرتے ہو اور اس ختم کو دافع الحاجات اور برآرندہ مرادات سمجھتے ہو ہاں جن کی قبر مشک کی ہوگئی تھی کہ جو درجہ کسی پیغمبر کو بھی نصیب نہ ہوا اور مدت

جناب امام حسینؑ کے فرق مبارک کے ساتھ بھی یہی ظلم کیا گیا کہ تن اطہر سے سر مبارک جدا کیا گیا مگر خداوند عالم نے اس فرق مبارک کو وہ کرامتیں عطا کیں کہ آج تک کتب تواریخ اس سے الامال ہیں چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں لکھتے ہیں:۔

ولما قتل الحسين ارسل راسه و رؤس اصحابه الى ابن زياد مع خولى بن يزيد وحميد بن مسلم الازدى فوجد خولى القصر مغلقا فاتى منزله فوضع الراس [illegible] اجانة منزله ودخل فراشه وقال لامرته النوار جئتك بغنى الدهر هذا راس الحسين معك فى الدار فقالت ويلك جاء الناس بالذهب والفضة وجئت براس ابن رسول الله والله لا يجمع راسى وراسك بيت ابدا وقامت من الفراش فخرجت الى الدار قالت فما زلت انظر الى نور يسطع مثل العمود من السماء الى الاجانة ورايت طيرا ابيض يرفرف حولها فلما اصبح غدا بالراس الى ابن زياد۔ (ص ۳۳ جلد مطبوعہ مصر)

جب امام حسینؑ کو شہید کیا تو حضرت کے سر مبارک کو اور دیگر شہدا کے سروں کو ہمراہی خولی بن یزید و حمید بن مسلم ابن زیاد کے پاس بھیجا قصر ابن زیاد اُس وقت بند تھا لہٰذا خولی ملعون سر مبارک کو اپنے گھر لے گیا اور چولھے کے اندر رکھ دیا اور فرش خواب پر گیا اور اپنی زوجہ سے کہا جس کا نام نوار تھا۔ آج میں ایسی دولت لایا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو کیونکہ امام حسینؑ کا سر تیرے گھر میں ہے تو اُس زوجہ خولی نے کہا وائے ہو تجھ پر کہ سب تو سونا چاندی لائیں اور فرزند رسولؐ کا سر لایا ہے۔ قسم خدا کی اب میں اور تجھ میں کوئی واسطہ نہیں رہ سکتا۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ باہر نکل کر کیا دیکھتی ہے کہ اس چولھے سے جہاں حضرت کا سر مبارک رکھا ہوا تھا ایک عمود نور بلند ہے آسمان تک اور ایک طائر سفید رنگ کو دیکھا جو حضرت کے فرق مبارک پر سایہ فگن ہے جب صبح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱)

تک لوگ اُس مشک کو مصرف میں لاتے رہے تھے افسوس کہ ہم اس وقت وہاں موجود نہ ہوسکے ورنہ بہت سا مشک مفت جمع کرتے ہاں جن کے انتقال کے وقت خود رسول اللہ کی زندگی میں تو غیب داں نہ تھے مگر تعجب ہے کہ بعد انتقال کے کیونکر غیب داں ہو گئے اور تمہیں کو غیب کا حال کیونکر معلوم ہوا کہ فلاں وقت فلاں شخص مرنے والا ہے اس واسطے مع صحابہ کے منتظر کھڑے رہے یہ بزرگ کون ہیں سنو حضرت مولانا امام بخاری رحمہ اللہ آں حضرت پر امام ذہبی رحمہ اللہ نے جو اُن کے استاد اور ارباب شیوخ سے ہیں بدعتی ہونے کا فتوی دیا ہے اور یہ حکم دیا تھا کہ امام بخاری ہمارے یہاں نہ آیا کریں اور جو شخص بخاری کے یہاں آمد و رفت کریں وہ بھی ہمارے یہاں نہ آئیں کس واسطے کہ مبتدع اور بے دین کے پاس نہیں جائے گا مگر وہ شخص جو اسی عقیدہ اور خیال کا ہو اور یہ واقعہ مقدمہ فتح الباری اور دیگر کتب متعددہ میں موجود ہے صفحہ ۶ اہل فقہ ص ۳۵ ہماری غرض اس واقعہ سے صرف یہ ہے کہ بخاری کی قبر مشک کی ہو گئی تھی نہ معلوم حضرات اہل حدیث نے یہاں کیا ترکیب کی تھی۔

ہوئی تو خولی وہ سر لے کر دربار میں ابن زیاد کے گیا"۔

دیکھئے یہ ہے نور خدا جس کی وہ خود اس طرح عظمت ظاہر کرتا ہے کہ مخالف سے مخالف دشمن کو بھی یہ مجال نہیں ہوتی کہ اخفا کر سکے۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جن دشمنان خدا نے اس طرح مجبور کر کے حضرت کو شہید کیا وہ یا اُنکے طرفدار کب چاہتے ہونگے کہ اُنکے انوار مقدسہ کی عظمت ظاہر ہو چہ جائیکہ ایسے واقعات جزئیہ درج تواریخ ہوں جو ہمیشہ کو یادگار رہیں مگر بفوائے واللہ متم نورہ خداوند عالم خود اپنے انوار کی عظمت و جلالت کا محافظ ہے۔

دیکھیں عمر فاروق کا باپ اس واقعہ کو کیا کہتا ہے اور اپنے ایسے علامۂ روزگار ابن اثیر جزری کو جو اس قدر جید کا مورخ و محدث ہے کہ آج تاریخی دنیا کا آفتاب مانا گیا ہے کیا خطاب دیتا ہے۔ بوستان خیال کہتا ہے یا داستان امیر حمزہ یا چڑا چڑیا کی کہانی بتاتا ہے۔

اللہ اللہ یہ اشقیائے امت جو اس طرح آفتاب پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں کسی طرح اُن اشقیا سے کم نہیں جن کی شقاوت کو علامۂ ابن اثیر جزری ان لفظوں سے لکھتے ہیں:-

ثم نادی عمر بن سعد فی اصحابہ من ینتدب الی الحسین فیوطئہ فرسہ فانتدب عشرۃ منہم اسحٰق بن حیوۃ الحضرمی وھو الذی سلب قمیص الحسین فبرص بعد فاتوا فداسو الحسین بخیولھم حتی رضوا ظھرہ وصدرہ وکان عدۃ من قتل من اصحاب الحسین ع اثنین وسبعین رجلاً۔ (ص ۳۳ جلد ۴ تاریخ کامل)

کہ عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو آواز دی کہ کون تم سے ایسا بہادر ہے جو امام حسین ع کے جسم اطہر پر اپنے گھوڑے دوڑائے دس آدمی اس پر آمادہ ہوئے جن میں ایک اسحٰق بن حیوہ حضرمی تھا یہ وہ شخص ہے جس نے قمیص امام حسین ع کو بعد شہادت جسم اقدس سے اتار لیا تھا جس سے ہمیشہ کے لئے اُس کا جسم مبروص ہوگیا ان سبھوں نے جسد اطہر امام حسین ع کو روند ڈالا یہاں تک کو ریزہ ریزہ کیا حضرت ع کی پشت اور سینہ کی ہڈیوں کو۔

کب تواریخ عالم میں ایسی نظیر ملسکتی ہے کہ کسی مذہب کے مدعی نے اپنے نبی کے فرزند کے ساتھ یہ بیحرمتی کی ہو؟ نہیں ہرگز نہیں یہ شرف اگر حاصل ہے تو اُن مسلمانوں کو جنھوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ رسول اللہ ان سے کیسی کچھ محبت کرتے ہیں اور اس زمانہ کے وہ مسلمان اس شرف سے مشرف ہیں جو سب سے بڑھ کر اسلام کے مدعی ہیں اور انکار شہادت سے اور توصیف و تمجید معاویہ و یزید سے اپنے نبی آخر الزماں یزید کی روح کو خوش کر رہے ہیں بلکہ میں تو کہہ سکتا ہوں کہ کسی دشمن نے اپنے ایسے سخت دشمن سے اس طرح کا انتقام نہ لیا ہوگا جسے کسی قسم کا مذہبی اتحاد نہ ہو۔ باستثناء حضرت ابوبکر کہ انھوں نے البتہ اپنے باغیوں سے ایسا انتقام لیا کہ آگ سے جلایا ہے اور پہاڑ سے گرایا ہے اور کنوؤں میں ڈالا ہے اور سروں کو پتھروں سے کچلا ہے پھر یزید انکا جانشین کیوں نہ ایسا کرتا۔

جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کی شہادت سے عالم میں جو انقلاب آیا ہے اور آثار قہر الٰہی ظاہر ہوئے اور

خود سر مبارک سے جو کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں اُنکو بخوف طوالت میں یہاں نہیں لکھتا اور نیز اس خیال سے کہ عمر فاروق کا باپ کہیں اپنے مذہب کی کتابوں سے بھی منکر ہو جائے کہ پھر کہیں دین میں ٹھکانا نہ رہے نہ دنیا میں

مگر ایک واقعہ ضروری ہے جسے غالباً وہ کرامات سر ابن زیاد سے محسوب کرے گا بشرطیکہ اپنی کتب تواریخ کو بھی بوستان خیال نہ کہے تاریخ خمیس میں ہے۔

وفی اسد الغابہ عن عثمان بن عمر قال لما جیئ براس ابن زیاد واصحابہ قصدت فی المسجد فانتہیت الیہم وھم یقولون قد جاءت قد جاءت وقد جأت تخلل الروس حتی دخلت فی منخر عبید اللہ بن زیاد فمکثت ھنیئۃ ثم خرجت فذھبت حتی تغیبت ثم قالوا قد جأت ففعلت ذلک مرتین او ثلاثا قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح اخرجہ الثلاثہ

(ص ۲۳۵ جلد ثانی)

یعنی اسد الغابہ میں ہے کہ جب ابن زیاد کا سر لایا گیا مسجد (کوفہ) میں تو میں بھی گھس پس کر وہاں پہونچا لوگوں کو سنا کہ کہتے ہیں وہ آیا اتنے میں ایک سانپ آیا جو سروں کے درمیان میں ہو کر آتا تھا یہاں تک کہ پہونچا ابن زیاد کے سر کے پاس پس اُس کے نتھنوں میں گھسا ایک نتھنے میں داخل ہوا اور دوسرے نتھنے سے خارج ہوا ایسا ہی دو مرتبہ ہوا یا تین مرتبہ۔ کہا امام ترمذی نے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اصحاب ثلاثہ نے روایت کی ہے۔

یہ عبید اللہ بن زیاد ہی ہے جس کی امامت کو اہل حدیث صحیح جانتے ہیں اور جہاں ابن حزم قول لکھا ہے کہ اہل سنت کے صحابہ اُسکے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے وہاں مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ حاشیہ چڑھایا ہے۔ "قاتل امام حسین" دیکھو اہل حدیث مؤرخہ ۹ صفر نمبر ۹

پس جب ابن زیاد کی امامت کے قائل ہیں تو نبوت یزید میں کیا عذر ہو سکتا ہے یہ تحفہ صرف عمر فاروق باپ کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

نماز جنازہ

چونکہ ابن الزبیر کے قتل کا حال مذکور ہو چکا لہذا اب موقع ہے کہ اُسکو بے گور و کفن چھوڑ دیں اگرچہ اہلسنت اُسکو جائز رکھتے ہیں کہ کیسا ہی مسلمان ہو بلکہ خود اپنا خلیفہ برحق ہو تو بوقت مخالفت نہ نماز کی ضرورت ہے، نہ گور و کفن کی بلکہ یوں ہی مار کر چھوڑ دینا چاہئیے۔

اگرچہ اسکی ابتدا تو وقت رحلت رسول اللہ ہی سے کی گئی کہ چونکہ حضرتؐ اُن کے خلیفہ اور صحابہ کو بحکم قوموا عنّی دور ہو جاؤ میرے پاس سے نکالا تھا جس کے بعد پھر نہ خلفاء ثلاثہ شریک تجہیز و تکفین ہو لئے نہ رسول اللہؐ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے بلکہ مہم خلافت کو انجام دیتے رہے مگر خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ سے تو اس سنت نے ایسا رواج پایا کہ نہ حضرت عثمان پر نماز جنازہ پڑھی گئی نہ عبد اللہ بن زبیر پر تو بھلا امام حسینؑ پر یہ کب نماز پڑھتے۔ تاریخ کامل میں ہے:۔

ودفن الحسینؑ اهل الغاضریۃ من بنی اسد بعد قتلھم بیوم وقتل من اصحاب عمر بن سعد ثمانیۃ وثمانون رجلاً سوی الجرحی علیھم ودفنھم۔ (ص ۳۳ جلد ۳)

یعنی امام حسینؑ کو اور اُنکے اصحاب کو ایک روز بعد اہل غاضریہ نے دفن کیا جو قبیلہ بنی اسد سے تھے اور عمر بن سعد نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور اُن پر نماز پڑھی اور دفن کیا جس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ عمر بن سعد نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے نماز پڑھی اور دفن کیا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ پر نماز نہ پڑھی گئی نہ عمر نے حضرت کو دفن کیا۔

چونکہ عمر بن سعد بھی ارکان مذہب اہلسنت سے ہے کیونکہ اس کا باپ سعد بن ابی وقاص مہاجرین اولین میں سے ہے اور حضرت عمر نے جن چھ آدمیوں کو اپنے بعد قابل خلافت بتایا ہو ان میں سے سعد مذکور بھی ہے لہذا حضرات اہلسنت کو جہاں تک عمر بن سعد سے ہمدردی ہو کم ہے مگر درحقیقت عجب مصلحت خداوندی ہے کہ اس نے اسقدر احسان بھی اس کافر کا نہ گوارا کیا کہ خدا کے نور پر اسکا یہ احسان ہو کہ اُس نے نماز جنازہ پڑھی یا قبر میں دفن کیا اس لیئے خداوند عالم نے اہل غاضریہ کو آمادہ کیا جو قوم بنی اسد سے تھے جس سے ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ ان مسلمانوں نے ضرور نماز جنازہ بھی پڑھی ہوگی دد، حضرالامام بالا عجاز مگر اہلسنت کے خلیفہ ثالث عثمان کا حال جہاں تک دیکھا جاتا بیچارے بے نماز دفن ہوتے ہیں تاریخ خمیس میں ہے:۔

عن عروہ انّہ قال ارادوان یصلّوا علی عثمان فمنعوا فقال رجل من قریش وھو ابوجھم بن ابوحذیفہ دعوہ فقد صلّی علیہ رسول اللہ اخرجہ القلعی صفحہ ۲۹۵ ج ۲

یعنی عروہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے چاہا عثمان پر نماز پڑھیں تو لوگ مانع ہوئے ایک شخص نے قریش سے کہا وہ ابوجہم بن حذیفہ تھا کہ چھوڑ دو کہ اس پر رسول اللہؐ نے نماز پڑھی۔

جس سے اسقدر تو معلوم ہوا کہ دنیا میں نماز نہیں پڑھی گئی اور بلا نماز دفن ہوئے۔ ہاں بعض خوش عقیدہ نے تو یہ بھی تراشا ہے کہ رسول اللہ نے انکی نماز پڑھی تھی دشاید قبل از وفات خود آں حضرت نے پڑھی ہو) اور بعض نے یہ ترقی کی کہ خود خدا نے پڑھی چنانچہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

وذکر الجندی انّہ قام فی حش کوکب ثلاثاً مطروحاً لا یصلّی علیہ حتّی ھتفھم ھاتف ادفنوہ ولا تصلوھا علیہ فان اللہ عزّوجل قد صلّی علیہ۔

یعنی حضرت عثمان حش کوکب (پائخانہ یہود) میں تین روز پڑے رہے کوئی ان پر نماز نہ پڑھتا تھا یہاں تک کہ ہاتف نے آواز دی یونہی دفن کر دو کہ خود خدا نے ان پر نماز پڑھی ہے۔

اب اس سے بڑھ کر کیا ترقی ہو سکتی ہے کہ خدا نے اُن پر نماز پڑھی مگر اس قدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ صحابہ تابعین سے کوئی ایسا باتوفیق نہ تھا جو اُن پر نماز پڑھتا۔

اب انھیں کے حال پر عبداللہ بن زبیر کے حال کو قیاس کرنا چاہیئے کہ وہ بھی صحابی اور خلیفہ اول کے نواسے اور اہل سنت کے خلیفہ جو بحکم خلیفہ وقت عبدالملک مارے گئے ان پر بھی کسی سنی نے نماز پڑھی نہ صحابی نے تابعی

نے تابعی نے تاریخ کامل میں ہے۔

وان عبد الله لم یصل علیه احد منعه الحجاج من الصلوٰة علیه وقال انما امر امیر المومنین بدفنه وقیل صلی علیه غیر عروة والذی ذکره مسلم فی صحیحه ان عبد الله بن زبیر القی مقابر الیهود۔ (صفحہ ۱۳۹ جلد ۴)

یعنی عبد اللہ بن زبیر پر نماز میت نہیں پڑھی گئی۔ حجاج نے روک دیا اور منع کیا ان پر نماز پڑھنے سے اور کہا کہ امیر المومنین عبد الملک نے صرف دفن کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس پر غیر عروہ نے نماز پڑھی اور صحیح مسلم میں یہ ہے کہ عبد اللہ بن زبیر ڈال دیے گئے مقبرۂ یہود میں۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آخر حضرات اہلسنت کس دین کس ملت کے تابع ہیں کہ مدعی تو ہیں صحابہ کی ہواداری اور خیر خواہی کے مگر طرز عمل یہ ہے کہ خود ہی تو خلیفہ بناتے ہیں اور جب تک منافع دنیوی ملتے رہتے ہیں ساتھ رہتے ہیں ادھر نفع فوت ہوا اور دوسری طرف پھر اپنے پہلے خلیفہ کو ایسا ذلیل و حقیر کرتے ہیں کہ کوئی اسکا بھی روادار نہیں ہوتا کہ اس کو مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کریں یا نماز جنازہ پڑھیں پھر ان کیا کوئی امید کر سکتا ہے۔ یہ کس سلطنت کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں انکو تو اپنے نفع سے کام ہے جب تک ہوا بنی ہے سیفہ بھی ہیں رسول بھی ہیں امام بھی ہیں پھر کہاں کہ تم کہاں کہ ہم تھے ہی ان ہوئے خلیفہ عبد الحمید ترکی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

مدفن ابن الزبیر

اگرچہ مدفن کا حال ابھی سن چکے ہیں کہ وہ مقابر یہود میں دفن ہوئے جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انکا رشتہ یہود سے کیسا قریبی ہے کہ انکے خلفا کا مدفن بھی بنتا ہے تو مقبرہ یہود میں مگر گفتگو اس میں ہے کہ آخر یہ شرف ان کو حاصل کیونکر ہوا کیونکہ باپ انکے زبیر تو جنگ جمل میں مارے گئے بصرہ میں دفن ہوئے جو آبادی شہر بصرہ سے بہت دور مقام پر واقع ہے۔ نانا ان کے حضرت ابوبکر تو روضۂ رسول میں بلا اجازت ورثہ دفن ہوئے پھر انکو یہ ترکہ ملا تو کہاں سے ملا۔

یہ میراث انکو حضرت عثمان سے ملی کیونکہ انکا مدفن حش کوکب میں ہے چنانچہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

ودفن فی حش کوکب فلما ظهر معاویة بن ابی سفیان علی الناس امر بذلك الحائط فهدم وادخل فی البقیع وامر الناس فدفنوا موتاهم حول قبره حتی اتصل المدفن بمقابر المسلمین۔ (ص ۲۷۰ جلد ۳)

یعنی عثمان دفن کئے گئے حش کوکب میں۔ جب معاویہ کو تسلط اور غلبہ ہوا تو حکم دیا کہ یہ دیوار توڑ دی جائے اور بقیع (مدفن اہل اسلام در مدینہ) میں ملا لی جائے اور لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے مردے گرد قبر عثمان دفن کریں یہانتک کہ وہ مقام بھی مقبر مسلمین سے متصل ہو گیا۔

اگرچہ یہ عبارت بطور خود کافی ہے یہ بتلانے کے لئے کہ عثمان کا مدفن کہاں ہے اور وہ کہاں دفن ہوئے کیونکہ معاویہ کا بعد تسلط اس دیوار کو توڑنا اور بقیع میں اسکا ملانا اور لوگوں کو حکم دینا کہ یہاں اپنے مردے دفن کرو جس سے مقبرہ

مسلمین سے متصل ہو جانے کافی شہادت ہے، یعنی کہ وہ مسلمانوں کے دفن کی جگہ نہ تھی مگر مزید تحقیقات کے لئے لغت کی طرف رجوع کرنے سے اسکی پوری تشریح ہو جاتی ہے مجمع بحار الانوار گجراتی میں ہے۔

وفیہ ان ھذہ الحشوش محضرۃ یعنی الکنف دمواضع تضاء الحاجۃ الواحد حش بالفتح واصلہ من الحش البستان لانھم کانوا کثیرا مایتغوطون فی البساتین وفی ح عثمان انہ دفن فی حش کوکب وھوبستان بظاھر المدینۃ خارج البقیع۔ (ص ۲۷۰ جلد اول)

یعنی حدیث میں ہے کہ یہ باغ سب جگہ پاخانہ کی ہے۔ واحد اسکا حش ہے یعنی باغ کیونکہ ان لوگوں کا قاعدہ تھا کہ پاخانہ اکثر باغ میں پھرا کرتے اور حدیث عثمان میں ہے کہ وہ دفن کیئے گئے حش کوکب میں وہ باغ تھا یعنی پاخانہ پھرنے کی جگہ، ظاہر مدینہ میں خارج از بقیع۔

جس سے معلوم ہوا کہ جہاں حضرت عثمان دفن ہوئے وہ ایک جگہ تھی جہاں لوگ قضائے حاجت کو جاتے اور پاخانہ پھرا کرتے اور چونکہ تاریخ کامل سے مذکور ہو چکا کہ معاویہ نے مقابر مسلمین سے متصل کر دیا لہذا معلوم ہوا کہ اصل میں وہ مقبرۂ مسلمین نہ تھا بلکہ یہود کا مقبرہ تھا۔

اس زمانہ میں آپ کو ہزاروں سلاطین کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں کہ وہ کیسے کیسے احکام اپنے رعایا پر صادر کرتے ہیں مگر آپنے کوئی حکم ایسا نہ سنا ہو گا کہ اپنے مردوں کو فلاں جگہ دفن کرو مگر یہ بھی خصوصیات اہلسنت سے ہے کہ معاویہ نے بزور حکومت مسلمانوں کے مرگھٹ مزبلہ میں دفن کرائے۔ کیوں؟ صرف اس غرض سے کہ کسی طرح عثمان صاحب کی قبر مقبرۂ مسلمین سے ملجائے۔ پھر اگر روضۂ رسولؐ میں اسی طرح کی زبردستی کی گئی تو آپ کو کیوں تعجب ہوتا ہے۔

مدفن عثمان کا مزبلہ ہونا اور کتابوں سے بھی ثابت ہے چنانچہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

عن مالک قال لما قتل عثمان القی علی المزبلۃ ثلاثۃ ایام فلما کان فی اللیل اتاہ اثنا عشر رجلا منھم حویطب بن معاویۃ وحکیم بن خزام وعبد اللہ بن الزبیر وجدی فاحتملوا فلما صاروا بہ الی المقابر لیدفنوہ فاذا ھم بقوم من بنی مازن قالوا واللہ لئن دفنتموہ ھھنا لنخبرن الناس غدا فاحتملوہ وکان علی باب وان راسہ علی الباب یقول طق طق حتی صار وابہ الی حش کوکب

یعنی عثمان بعد قتل تین روز تک مزبلہ پر پڑے رہے جب رات ہوئی تو بارہ آدمی آئے جن میں عبد بن زبیر بھی تھے اُٹھا کرلے چلے کہ مقبرہ (بقیع) میں دفن کریں کہ کچھ لوگ بنی مازن سے آگئے اور کہا کہ اگر یہاں تم نے دفن کیا تو ہم سب کو خبر کر دینگے پس وہاں سے لوگ اُٹھالائے حالانکہ وہاں اُنکا سر ایک تختہ پر تھا جو طق طق کر رہا تھا (یعنی لٹکا تھا اور جو لٹکنے سے ٹھک ٹھک کر رہا تھا یہ اہلسنت کے خلیفہ کا حال ہے خود سنیوں کے ہاتھوں فاعتبروا یا اولی الابصار) جب اُنھوں نے رد کا تو حش کوکب

میں لے گئے وہیں ایک گڑھا کھود کر گاڑ دیا اُس وقت عائشہ دختر عثمان چراغ دکھا رہی تھی چیخ کر رونے لگی ابن الزبیر نے جھڑکا اور کہا کہ اگر چپ نہ رہے گی تو تیری بھی گردن اڑا دیں گے پس وہ خاموش ہوئی اور عثمان دفن ہوئے۔

ظہور مشہد امام حسین علیہ السلام

آپ کو یاد ہوگا کہ ابتدائے تحریر اس مطلب سے ہے کہ جب جناب امام حسین علیہ السلام نے بیعت یزید سے انکار کیا ہے تو بعض لوگوں نے حضرت ؑ کو یہ رائے دی تھی کہ آپ مکہ معظمہ میں قیام فرمائیں جس کو حضرت نے نہ مانا اور فرمایا کہ جہاں تک (ہو) مردن خانہ کعبہ سے دہی مجھے سب سے زیادہ پسند ہے جن کی تصدیق ان حالات سے بخوبی معلوم ہوئی کہ وہاں قیام میں کیا کیا مفاسد تھے کس کس طرح خانہ کعبہ کی توہین کی گئی کس طرح خود خانہ کعبہ جلا۔ پردہ جلا۔ حجر اسود پاش پاش ہوا پھر ان مفاسد کو کوئی شخص اہل اسلام سے ہو کر کیونکر قبول کر سکتا ہے چہ جائیکہ وہ امام ہو فرزند رسول ہو۔ محافظ اسلام ہو۔

اسی لیئے آپ اس نتیجہ پر بھی پہونچ سکتے ہیں کہ چونکہ ان لوگوں کے جملہ افعال میں اغراض ذاتی شامل تھے کہ جو کام کیا محض دنیا کے لیئے اس لیئے خدا نے یہ نتیجہ دیا کہ گو چند روزہ دنیا ہاتھ لگی مگر خدا نے اس طرح مٹایا اور اُن کے آثار کو محو کیا کہ آج دنیا میں انکا نہ کہیں مزار ہے نہ اسکی کوئی عظمت بخلاف مزار جناب سید الشہداء روحی لہ الفدا کے کہ خدا نے اس طرح اس کو ظاہر اور نمایاں کیا کہ آج تمام اسلام کا وہ ملجا و ماوی ہے یہ ہیں معنی آیہ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون کے۔

میں یہاں عبداللہ بن زبیر کا نام نہیں لیتا جیسے حجاج ایسے سفاک نے جو اگرچہ صحابی نہ تھا اہلسنت کا مقتدا اور امام تھا مگر ایسا ظالم تھا کہ نہ نماز میت پڑھنے دی نہ مقبرہ مسلمین میں دفن ہونے دیا بلکہ مقبرہ یہود میں دفن کروایا بلکہ حضرت عثمان کا نام لیتا ہوں جنکے لیئے معاویہ نے یہ کوشش کی کہ دیوار اُسکی توڑوا دی مسلمانوں کو وہاں دفن کرایا کہ مسلمانوں کے مقبرہ سے ملجائے مگر آج بھی وہ اسی ذلت میں ہے جو پہلے تھی حالانکہ یہ قبر خاص مدینہ منورہ میں واقع ہے۔ جس پر ہمیشہ سلاطین اہل سنت کا تسلط ہوا اور آج بھی سلطان ابن سعود کی ماتحتی میں ہے۔

ان واقعات سے بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ امام معصوم نے جو محض رضائے خدا کے لیئے ظلم ظالمین سے تنگ آ کر قیام مدینہ اور قیام مکہ کو چھوڑا اور اسکو نہ گوارا کیا کہ ہمارے سبب سے مکہ و مدینہ میں خونریزی ہو کہ ان اماکن مقدسہ کی توہین ہو تو خدا نے آپکے روضہ اقدس کو کیسا جلوہ دیا اور ان لوگوں کو کیسا ذلیل و خوار کیا جنھوں نے دنیا کے لیئے مدینہ کو بے عزت کرنا چاہا۔ دفن عثمان کو تو یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ وقت دفن ہی اُسکے آثار محو کر دیئے گئے تھے کہ کسی کو نہ معلوم ہو مگر معاویہ نے از راہ چالاکی ایک فرضی قبر بنوا دی جو دکھائی بھی دیتی۔ مگر کوئی سنی بھی وہاں نہیں جاتا اور نہ فاتحہ پڑھتا تاریخ خمیس میں

قال الواقدی دفن لیلاً لیلة السبت فی موضع اوقال فی ارض یقال له حش کوکب واخفی قبره وقیل ان الذین تولوا تجهیزه کانوا خمسة او ستة جبیر بن مطعم وحکیم بن حزام و

یعنی کہا واقدی نے کہ سنیچر کی رات عثمان دفن ہوئے زمین حش کوکب میں اور چھپا دیگئی قبر اُن کی اور کہا گیا ہے کہ پانچ آدمی اُنکے دفن میں شریک ہوئے تین مرد جبیر، حکیم، نیار اور دو عورتیں نائلہ، ام البنین

بسار بن مکرم . وزوجۃ عثمان بن نائلہ بنت الفرافصۃ وام البنین بنت غفلۃ ونزل بسار وابو جہم وجبیر فی قبرہ وکان فلما دفنوہ غیبوا قبرہ (ص ۹۵)

جو دونوں زوجہ عثمان تھیں ۔ یسار ابو جہم ۔ جبیر تو قبر میں اوترے اور دونوں زوجہ عثمان اور حکیم قبر میں اُتارتی تھیں پھر غائب کردی گئی وہ قبر ۔

جس سے معلوم ہوا کہ اصل قبر تو اُسی وقت بعد دفن چھپا دی گئی تھی کہ کسی کو معلوم نہ ہو حضرت عثمان کہاں دفن ہیں مگر بعد کو معاویہ نے ایک فرضی قبر بنا کر لوگوں کو اسکے گرد دفن کرنیکا حکم دیا کہ کسی طرح مسلمانوں کے مقبرہ سے ملجائے مگر آج بھی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ قبر مذکور بقیع سے خارج ہے ۔ وہاں دیوار ٹیڑھی کی گئی ہی ۔ اور صرف اسی طرف کو کچھ قبریں نظر آتی ہیں عثمان صاحب کے اُس طرف ایک بھی قبر نہیں ۔

اب آپ ہی غور فرمائیے کہ جب ابن الزبیر کی قبر مکہ میں اس بیحرمتی سے بنائی گئی کہ مقبرۂ یہود میں ڈالے گئے اور حضرت عثمان مزبلہ یہود پر ڈالے گئے تو جناب امام حسین علیہ السلام کیونکر اسکو گوارا فرماتے کہ خاص مکہ یا مدینہ میں قیام فرما کر اس طرح کے الحاد کو جاری کرتے ۔

اسی خشیت الٰہی کا خداوند عالم نے یہ نتیجہ دیا کہ آج روضۂ جناب امام حسین علیہ السلام اس طرح مشہور و معروف ہو رہا ہے کہ تمام اسلام کا مرجع اور مزار ہے حالانکہ ہزاروں سلاطین اہلسنت نے اسکو نیست و نابود کرنا چاہا مگر خدا کا نور روز بروز اپنا جلال دکھا رہا ہے اور اسطرح کی عظمت اس کی نمایاں ہو رہی ہے کہ بجز روضۂ رسولؐ کوئی اُسکی ہمسری نہیں کر سکتا ۔

افسوس کہ باقتضائے مقام میں تفصیلی مظالم سلاطین اہلسنت کو نہیں لکھ سکتا کہ اس ارض مقدس پر انھوں نے کیا کیا ظلم کئے ۔ اگر آپ کو شوق ہو تو کتاب مرقع کربلا مصنفہ جناب مولوی اعجاز حسین صاحب مرحوم امروہہ ملاحظہ کریں ۔ مگر متوکل کا حال تو سب کو معلوم ہے جسے اہلسنت نے خلفاء راشدین سے ملحق کیا ہے کہ اس نے اس مشہد پر کیا ظلم کیا نہر کاٹ کر لایا کہ نشان قبر معدوم ہو جائے مگر خود پانی وہاں آ کر گرد قبر اقدس چکر کھانے لگا جس سے اس مقام کا نام حائر قرار پایا تو اب بجز خدا کون تھا جو ایسے ظالموں کے شر سے اُس قبر اطہر کو محفوظ رکھتا فصدق اللہ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون ۔

اس مزار مقدس سے حضرات نواصب کو جو عداوت ہے اُسکی تفصیل تو یہاں نہیں ہو سکتی مگر عمر فاروق کے باپ کا یہ جملہ کافی ہے جو اپنے اخبار خارجی گزٹ مؤرخہ یکم مئی ۱۹۰۸ء میں لکھتا ہے کہ " جب تک حسین کا طلائی بت یہاں سے مثل بتان کعبہ کے پارہ پارہ نہ کر دیا جائے خدائے بے ہمتا کی سچی پرستش مخلوق میں جاری نہ ہوگی ۔

مگر ہائے افسوس اس کو معلوم نہیں کہ یہی آرزو لیکر محمد بن عبد الوہاب نجدی بھی انہدام روضہ رسولؐ کے لیے گیا تھا جس کو اُس نے صنم اکبر کا خطاب دیا تھا اور کربلائے معلّٰی پر بھی اُس نے حملہ کیا تھا مگر خائب و خاسر رہا کیونکہ اگر خدائے بے ہمتا کی پرستش ہو سکتی ہے تو اسی طریق سے ۔

احوال اجمالی ابن الزبیر

چونکہ سلسلہ کلام یہاں تک پہونچا کہ ابن الزبیر مقبرۂ یہود میں دفن ہو چکے لہذا اجمالی نظر ان کے دیگر حالات پر بھی مناسب ہے کہ کس طبیعت کے آدمی تھے ۔ ان کا نام عبد اللہ ہے ۔ باپ کا نام زبیر ۔ ماں کا نام اسماء بڑی بیٹی ابو بکر کی ۔ خالہ حضرت عائشہ ۔ جد مادری ابو بکر صدیق ۔

رسول اللہ کے خون کے ایسے پیاسے تھے کہ ایک دفعہ حضرت نے حجامت فرمائی (پچھنا یا پاچھہ) اور ان کو وہ خون دیا کہ کہیں ایسی جگہ جاکر دفن کرو کہ کوئی نہ دیکھے یہ اُسے نوش جان کر گئے۔ مستدرک امام حاکم میں ہے۔

انہ اتی النبی وھو یحتجم فلما فرغ قال یا عبد اللہ اذھب بھذا الدم فاھرقہ حیث لا یراک احد فلما رجعت الی النبی قال ما صنعت یا عبد اللہ قال جعلتہ فی مکان ظننت انہ اخفی علی الناس قال فلعلک شربتہ قلت نعم قال ومن امرک ان تشرب الدم ویل لک من الناس وویل الناس منک۔

یعنی عبد اللہ بن زبیر خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور وہ حضرت حجامت لے رہے تھے جب فارغ ہوئے تو اُن سے کہا یہ خون ایسی جگہ جاکر گرا دو کہ کوئی نہ دیکھے یہ باہر گئے اور پی ڈالا جب واپس آئے تو حضرت نے پوچھا کیا کیا کہا میں نے ایسی جگہ رکھا ہے جس کی نسبت مجھے گمان ہو کہ سب سے مخفی ہوگا حضرت نے فرمایا کہ شاید پی گیا کہا ہاں۔ حضرت نے فرمایا تجھے کس نے حکم دیا کہ خون پی جاؤ ویل ہو تیرے لئے آدمیوں سے اور ویل ہے آدمیوں کو تجھ سے۔

حضرات اہلسنت عموماً نظر غائر سے ملاحظہ کریں کہ خون رسول کو کس نے حلال جانکر پیا ہے اگر خون کی تجارت اس قوم میں رائج ہو تو کہاں تک مناسب ہے کیونکہ خون کو حلال جاننا خاص اُنکے صحابی بلکہ خلیفہ کا فعل ہے۔ آیۂ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر کی صریحی مخالفت ہے یا نہیں پھر ویل ہے اُن پر جو ایسے خونخوار پر ایمان لاتے ہیں اور اُسکو ارکان اہلسنت سے شمار کرتے ہیں۔

باپ پر جو اُن کا تسلط تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ اسد الغابہ اور استیعاب میں ہے:۔

وکان علیؑ یقول مازال الزبیر منّا اھل البیت حتی نشا لہ عبد اللہ۔

یعنی حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ ہمیشہ زبیر کا شمار ہم اہلبیت رسالت سے ہوتا تھا یہاں تک کہ نشو و نما پایا عبد اللہ نے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ زبیر کا درا صل بہکانے والا یہی شخص ہے جس نے زبیر کو بھی دشمن جناب امیرؑ بنا دیا۔

آپکو قصہ سقیفہ میں تو معلوم ہوگا کہ جناب امیرؑ کے ساتھ زبیر بھی تھے جو خلافت خلیفۂ اول سے کارہ تھے اور جناب سیدہ عؑ کے مکان میں صلاح و مشورہ کیا کرتے جس پر شاہ عبد العزیز نے انکو بد معاش کا خطاب دیا ہے جب لوگ گرفتاری جناب امیرؑ کو آئے ہیں تو یہی زبیر تلوار کھینچ کر نکلے تھے مگر اُنکی تلوار چھین گئی یا چھین لی گئی۔

اُس وقت تک عبد اللہ بن زبیر بہت کمسن بچہ تھے اس وجہ سے کوئی اثر نہ پڑا جب جوان ہوئے تو ایسا مجبور کیا کہ پورا دشمن بنا یا چنانچہ تذکرہ خواص الائمہ میں ہے۔

ان علیا لما التقی بالزبیر قال لھو کنا نعدک من خیار بنی عبد المطلب حتی بلغ ابنک السوء ففرق بیننا الیس رسول اللہ قال لک کذا وکذا۔

یعنی جب جمل میں زبیر لڑنے کے لئے نکلے ہیں اور حضرت علیؑ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا پہلے تو ہم تم کو خاندان عبد المطلب کے نیکو کاروں سے شمار کرتے تھے یہاں تک کہ تمہارا بیٹا بڑا جوان ہوا پس جدا کر دیا اُس نے تجھے ہم سے

کیا رسول اللہؐ نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ تم علیؑ سے لڑو گے درحالیکہ تم ظالم ہوگے)

تو اب بجز اسکے کیا کہا جا سکتا ہے کہ مادری اثر غالب آیا جس نے یہ اثر دکھایا کہ خود بھی دشمن اہلبیتؑ ہوئے اور اپنے باپ کو بھی دشمن بنایا۔

اپنے مادر گرامی قدر اسماء بنت ابوبکر ذات النطاقین کے ساتھ جو سلوک کیا کس قلم میں طاقت ہے کہ اسکو بیان کرسکے اور کس دل میں یہ قوت ہے کہ اُس پر ضبط کرسکے علامہ ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں بعد ذکر قتل ابن الزبیر لکھتے ہیں :۔

واسماء بنت ابوبکر بعد ابنها بقليل و کانت قد عميت وكانت مطلقة ابن الزبير قبل ان ابنها عبد الله قال له مثلی لاتوطأ امه نطلقها - (صفحہ ۱۴۱ جلد ۴)

یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کے چند روز بعد اسماء بنت ابوبکر نے بھی انتقال کیا۔ یہ اندھی ہو چکی تھیں اور انکو انکے شوہر زبیر نے طلاق دیدیا تھا جسکی وجہ یہ ہوئی کہ عبداللہ ابن الزبیر نے اپنے باپ سے کہا تھا میری شان اب ایسی نہیں ہے کہ اُس کی ماں کے ساتھ وطی کیجائے لہٰذا زبیر نے طلاق دیا۔

کہئے ایسی غیرت آپ نے کسی غیور میں دیکھی ہو کہ جب ماشاءاللہ جوان ہوئے کچھ ہاتھ پیر نکالا تو باپ سے فرمائش کرے اب میری شان یہ نہیں ہے کہ میری ماں کے ساتھ وطی کی جائے۔

اللہ رے غیرت اللہ ری حیا کہ اس پر تو نہ خیال کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپکی ولادت کیونکر ہوتی۔ مگر اس شرم وحیا کے قربان کہ باپ سے فرمائش کرتے ہیں میری ماں کیساتھ وطی نہ کرو پھر حضرت زبیر کب ایسے احمق تھے کہ .... مگر دانہ کھانس دیتے رہیں اُنھوں نے بھی نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ طلاق دیدیا کہ لے اب کھانا جر چلا۔

میں نہیں کہتا عورت اور مرد میں تقاضائے فطرت کہاں تک اور کب تک رہتا ہے کیونکہ دنیا کو معلوم ہے زبیر اور اسماء کا تعلق بذریعہ متعہ تھا اور حضرت اسماء ہمیشہ متعہ کے جواز کی قائل تھیں مگر زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آخر کوئی ایسی ہی بات دیکھی تھی جس پر عبداللہ ایسے غیور کو غیرت آئی کہ باپ سے رو در رو کہا اب میں اس لائق نہیں ہوں کہ میری ماں .... آہ کوئی اُس دل سے پوچھے جسے محروم کیا گیا نہ معلوم اب بھی کوئی ایسا غیرت مند اہلسنت میں پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔

خالہ کے ساتھ کیا سلوک کیا اسکیلئے صحیح بخاری کی کتاب الادب باب الہجرۃ وقول رسول لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث، جلد ۴ صفحہ ۹۳ مطبوعہ مصر ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابو اليمان اخبرنا شعيب عن الزهری وقال حدثنی عوف بن مالك بن الطفيل هو ابن الحرب وهو ابن اخی عائشة زوج النبی لامها ان عائشة حدثت

خود حضرت عائشہ اپنے برادر زادے ابن الحرث سے بیان کرتی ہیں کہ عائشہ نے کوئی چیز بیع کی تھی یا کسیکو کچھ دیا تھا اُس پر ابن الزبیر نے کہا عائشہ اس کام سے باز نہ آئیں تو ہم اُن کو حجر کرینگے (یعنی جس طرح بچوں یا مجنون

ان ابن الزبیر قال فی بیع او عطاء اعطته
عائشه واللہ لتنتهن عائشۃ او لاحجرن
علیها فقالت اهو قال هذا قالوا نعم
قالت هو للہ نذر ان لا اکلم ابن الزبیر
ابداً فاستشفع ابن الزبیر الیها حین
طالت الهجرۃ فقالت واللہ لا اشفع
فیه ابداً ولا اتحنث الی نذری فلما طال
ذلک علی ابن الزبیر کلم المسور بن
مخرمه وعبد الرحمن بن الاسود بن عبد
یغوث وهما من بنی زهرہ وقال لهما
انشدکما اللہ لما ادخلتمانی علی عائشه
فانها لا یحل لها ان تنذر قطیعتی فاقبل
به المسور وعبد الرحمن مشتملین باردیتهما
حتی استاذنا علی عائشه فقالا السلام
علیک ورحمۃ اللہ وبرکاته اندخل قالت
عائشه ادخلوا قالوا کلنا قالت نعم ادخلوا
کلکم ولا تعلم ان معهما ابن الزبیر فلما
دخلوا دخل ابن الزبیر الحجاب فاعتنق عائشه
وطفق یناشدها ویبکی وطفق المسور
وعبد الرحمان یناشدانها الا ما کلمته وقبلت
منه ویقولان ان النبی نهی عما قد علمت من
الهجرۃ فانه لا یحل لمسلم ان یهجر اخاہ
فوق ثلث لیال فلما اکثروا علی عائشه من
التذکرۃ والتحریج طفقت تذکرهما وتبکی و
تقول انی نذرت والنذر شدید فلم یزالا
بها حتی کلمت الزبیر واعتقت فی نذرها
ذالک اربعین رقبۃ وکانت تذکر نذرها

کی جائداد کورٹ کر دی جاتی ہے کہ کوئی اختیار اس کو
نہیں رہتا اسی طرح عائشہ کے تصرف کو روک دیں گے)
یہ خبر جب عائشہ کو پہونچی تو کہا کیا ابن الزبیر نے ایسا کہا ہے
لوگوں نے کہا ہاں (دکیا اسکا نام چغلی نہیں ہے کہ صحابہ خالہ
بھانجی میں لگا بجھا رہے) اس پر عائشہ نے کہا تو میں نذر
کرتی ہوں قسم کھا کر کہ کبھی بھی ابن الزبیر سے بات نہ کرونگی
(پہلی قسم ہے) جب زمانہ ترک سلام وکلام کو عرصہ گذرا
تو ابن الزبیر نے سفارش کرانی چاہی اس پر عائشہ نے کہا
واللہ نہ میں کسی کی سفارش سنوں گی اور نہ اپنی نذر توڑونگی
(یہ دوسری قسم ہے) جب اسکو بھی عرصہ گذرا تو ابن الزبیر
نے مسور ابن مخرمہ اور عبد الرحمن بن اسود سے جو قبیلہ
بنی زہرہ سے تھے کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ کسی طرح عائشہ
کے پاس ہمکو لے چلو کہ جائز نہیں ہے اُن کو قطع رحم کرنا
ہمارے ساتھ۔ (یہ الزام خود عائشہ پر ہے کہ وہ فعل حرام
کے مرتکب ہوئیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے) مسور عبد الرحمان
ابن الزبیر کو لیکر عائشہ کے پاس اور بعد السلام علیک
طالب اذن ہوئے عائشہ نے اجازت دی۔ ان لوگوں نے
پوچھا کہ کیا ہم سب داخل ہوں۔ عائشہ کو معلوم نہ تھا کہ
ابن الزبیر بھی ساتھ ہے کہا کہ ہاں سب داخل ہوں جب
سب داخل ہوئے تو ابن الزبیر پردہ کے اندر گئے اور
عائشہ کے گلے سے چمٹ گئے اور قسمیں دینے لگے اور روتے جاتے تھے مسور
اور عبد الرحمان بھی عائشہ کو قسمیں دینے لگے کہ ابن الزبیر سے کلام کریں کیونکہ خوب
معلوم ہو جناب رسول خدا نے فرمایا ہے "نہیں حلال ہے کسی آدمی
کے لیے کہ تین رات سے زیادہ کسی سے ترک سلام وکلام کرے"
جب ان لوگوں نے بہت اصرار کیا تو عائشہ بھی کہنے لگیں
کہ ہم نے ایسی قسم کھائی ہے اور روتی جاتی تھیں آخر عائشہ
نے ابن الزبیر سے کلام کیا اور کفارہ قسم میں ۴۰ غلام آزاد

فتبکی حتیٰ تبل دموعھا خمارھا۔ کیے۔ مگر اس کے بعد بھی جب اپنے نذر وعہد کو یاد کرتیں تو اسقدر روتیں کہ مقنعہ اُن کا آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ (صحیح بخاری ص۱۰۳ ج ۴)

اس واقعہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ابن الزبیر کس فطرت کے آدمی تھے کیونکہ اگرچہ دنیا میں ہزاروں بخیل ہوئے ہیں جنمیں ابن الزبیر اور عبد الملک کا خاص طور پر نام لیا جاتا ہو مگر یہ بخالت بھی اپنی آپ نظیر ہے کہ کسی دوسرے کی سخاوت بھی انکو نہیں بھاتی۔ کس جرأت اور شوخ چشمی سے حضرت عائشہ کے نسبت کہہ رہے ہیں۔ اگر اُنھوں نے اپنی فیاضی نہ چھوڑی تو میں کورٹ کر دوں گا۔

یہ بھی قابل غور ہو کہ حضرت عائشہ اُنکی حقیقی خالہ ہیں اور سب کی ام المومنین۔ مگر کس بے حرمتی سے نام لے رہے ہیں لتنتھین عائشۃ یعنی ضرور چاہیے کہ عائشہ باز رہیں۔ کیا اس سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ انکی عظمت اُس زمانہ میں کتنی تھی کہ خود اُنکے بھانجے ان لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے امام بخاری نے نہ اس حدیث کو باب الہجر میں لکھا ہے نہ کتاب الایمان النذور میں جہاں اسکو زیادہ مناسبت تھی۔ بلکہ کتاب الادب میں لکھا کہ معلوم ہو یہ کیسے بے ادب تھے کہ اپنی خالہ کے ساتھ ایسی بے ادبی کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کے پاس اس بے ادبی کی سزا اسکے سوا کیا تھی کہ بھانجے سے روٹھیں اور قسم کھائیں۔ اب یہ نہ بولنگی کیونکہ تیر۔ تلوار۔ نیزہ تو صرف جناب امیرؑ کے لئے تھا جو جنگ جمل میں خرچ ہو گیا تیر بھی جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام پر خرچ کر چکی تھیں (اگر واقعہ اسکے بعد کا ہو) اور اگر تھا بھی تو کس دل سے گوارا کرتیں کہ ابن الزبیر پر صرف کیا جائے جو پیاری بہن کا بڑا بیٹا ہے اور اسکی محبت میں ایمان و دین تک کی پروا نہ تھی۔

علامہ سمہودی مع جرغصہ یہ لکھتے ہیں:۔

فان فی قولہ ذلک جرءۃ عظیمۃ وتنقیصاً لقدرھا ونسبھا الی ارتکاب التبذیر الموجب لمنعھا من التصرف مع کونھا ام المومنین۔

یعنی اس قول میں اس نے بڑی جرأت کی جس سے انکی شان کی تنقیص اور توہین ہوئی کیونکہ حضرت عائشہ کی طرف ایسی تبذیر و اسراف جسکی نسبت خدا فرماتا ہو ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین کی نسبت کی کہ ضرور ہوا اس سے روکی جائیں حالانکہ وہ ام المومنین تھیں۔

فتح الباری میں ہے:۔

وفی روایۃ عروہ ینبغی ان یوخذ علی یدھا۔ (ص۵۵ ج ۵)

یعنی روایت عروہ میں ہے کہ ابن الزبیر نے کہا کہ چاہیے کہ ان کا ہاتھ پکڑا جائے"

جس سے معلوم ہوا کہ عائشہ کا اسراف اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ ابن الزبیر نے یہ تجویز کیا کہ اُن کے ہاتھ پکڑ لیے جائیں اب حضرات اہلسنت غور کریں کہ جو شخص اس درجہ مخالف قرآن و حدیث ہو اُس کے قول و فعل پر کون مسلمان عمل کر سکتا ہے؟۔ اس روایت میں جو حضرت عائشہ کی قسم درج ہو اسکے نسبت فتح الباری میں ہے:۔

وفی روایۃ الاسمعیلی من طریق

یعنی روایت اسماعیلی میں ہے کہ حضرت عائشہ

الاوزاعی یدل تولھا ابن احتیؓ نے یہ قسم کھائی تھی، میں تادم مرگ ان سے کلام
تفرق الموت بینی وبینہ۔ نہ کروں گی۔

اب تو معلوم ہوا کہ ابن الزبیر کس خصلت وعادت اور طبیعت کے تھے کہ باپ، ماں، بھائی، اولاد، خالہ بھی ان سے نالاں تھے۔ اب مجھے اس سے بحث نہیں کہ حضرت عائشہ کا یہ فعل جو فضول خرچی وہ کرتی تھیں کہاں تک جائز تھا اور ابن الزبیر نے جو اُن کے تصرفات ناجائز کو روکنا چاہا کہاں تک جائز .... تھا نہ اس سے بحث ہے کہ عائشہ صاحبہ نے قسم بھی کھائی اب میں ابن الزبیر سے کلام نہ کروں گی پھر ہمکلام ہوئیں جس پر علماء اہلسنت نے کیسی کیسی گاوزوری کی ہے ایک طرف ابن الزبیر کی حمایت ہے کیونکہ خلیفہ ہیں اور خلیفہ اول کے نواسے۔ دوسری طرف حضرت عائشہ کی خاطرداری ہے کیونکہ انھیں کے فیوض ناقتناہی سے مذہب اہلسنت کا وجود ہے مگر یہ تو یقیناً معلوم ہوا کہ ابن الزبیر کے خیال میں حضرت عائشہ ہی خطاء ار تھیں کیونکہ وہ کہتے ہیں:-

فانھا لایحل لھا ان تنذر قطیعتی کہ اُن کو حلال نہیں کہ قطع رحم کریں۔

اور جن بزرگوار صحابہ یا تابعین کو ابن الزبیر نے شفیع بنایا ہے اور حضرت عائشہ کے یہاں لے گئے ہیں وہ بھی حضرت عائشہ ہی کو ملزم بنا رہے ہیں کہ تم نے حکم رسول کی مخالفت کی کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے مسلمان کو جائز نہیں کہ تین رات سے زیادہ کسی مسلمان سے ترک سلام وکلام کرے اب دیکھئے حضرات اہلسنت کس کو اسلام سے خارج کرتے ہیں اور کس کو داخل، کیونکہ عائشہ نے ابن الزبیر سے ترک سلام وکلام کیا ہے۔

یہاں ناظرین کو صحیح بخاری کی وہ حدیث بھی یاد کرنا چاہئے فلم تکلم حتیٰ ماتت کہ جناب سیدہ نے تا وقت وفات ابوبکر سے کلام نہ کیا یہاں تک کہ دنیا سے انتقال کیا اور انکی اجازت دی کہ ابوبکر شریک نماز و دفن ہوں۔ اس سے بھی آل واصحاب کا فرق معلوم ہو سکتا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ جس سے ناراض ہوتے ہیں محض خدا کیلئے اسی وجہ سے رضاء فاطمہؑ علامت ایمان ہے اور غضب فاطمہؑ علامت کفر کہ یہ حضرت اس حالت کو تادم مرگ برقرار رکھتے ہیں اور اس طرح اپنے نذر کی ایفا کرتے ہیں کہ تادم مرگ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا

یعنی یہ لوگ اہلبیت طاہرینؑ ایفا کرتے ہیں ساتھ نذر کے اور ڈرتے ہیں اُس روز سے کہ شر اُسکا تمام پھیلنے والا ہوگا۔

بخلاف اصحاب کے اگرچہ وہ زوجۂ نبی ہی کیوں نہ ہوں کہ اُنکا جو کام ہوتا ہے دنیا کے لئے۔ اگر دوسرے لوگ موافق ہیں تو پھر سب کچھ ہے چنانچہ اسی وجہ سے ابوبکر وعمر کی مداح رہیں کہ بارہ ہزار کا سالانہ مقرر کیا تھا عثمان نے کچھ رکاوٹ کی تو فوراً قتل کا فتویٰ ہوا جس سے آخر وہ مارے گئے وہی دنیا یہاں ایک دفعہ ابن زبیر کی عاشق بناتی ہے جب اُس نے چاہا کہ انکی فضول خرچیوں کو روکیں، اختیارات کو محدود کریں تو بگڑ گئیں کیسی کیسی قسمیں کھائیں کہ نہ مرتے دم تک بولونگی نہ کسی کی سفارش مانوں گی دھڑا دھڑ قسمیں کھا رہی ہیں جب اس سے اطمینان ہوا کہ ہمارے عیش وآرام میں یہ خلل انداز

نہ ہوگا تو راضی ہوگئیں قسمیں وغیرہ سب توڑ دیں۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے:۔

ثم بعث الی الیمن بمال فابتیع لها اربعون رقبة فاعتقتها کفارة لنذرها ووقع فی روایة عروة المتقدم فارسل الیها بعشر رقاب فاعتقتهم فظاهره ان عبدالله بن الزبیر ارسل الیها بالعشرة (ص۱۵۰)

یعنی اس کے بعد عائشہ نے مال بھیجکر یمن سے غلام خرید وایا اور سب کو آزاد کیا کفارہ نذر کے لیئے اور روایت عروہ میں ہے کہ ابن الزبیر نے دس غلام اُن کے پاس بھیجے جنھیں عائشہ نے آزاد کیا۔

جس سے آپ خود قیاس کرسکتے ہیں کہ ابن زبیر نے پھر اور کچھ خاطرداری بھی کی ہوگی چونکہ عائشہ کا خلاف قسم کرنا صحیح بخاری سے مذکور ہوا اسلیئے جناب سیدہ کی ناراضی ابوبکر سے اور ترک سلام وکلام کرنا بھی صحیح بخاری ہی سے دکھاتا ہوں اصل حدیث صحیح بخاری یہ ہے:۔

حدثنا یحیی بن بکیر حدثنا اللیث عن عقیل ابن شهاب عن عروه عن عائشه ان فاطمة علیها السلام بنت النبی صلی الله علیه وسلم ارسلت الی ابی بکر تسألہ میراثها من رسول الله صلی الله علیه وسلم مما افاء الله علیه بالمدینة وفدك وبقی من خمس خیبر فقال ابوبکر ان رسول الله صلعم قال لا نورث ما ترکناه صدقه انما یاکل آل محمد صلی الله علیه وسلم فی هذا المال وانی والله لا اغیر شیئاً من صدقة رسول الله صلی الله علیه وسلم عن حالها التی کان علیها فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولاعملن فیها بما عمل به رسول الله صلی الله علیه وآلہ فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمة منها شیئاً فوجدت فاطمة علی ابی بکر فی ذلك فهجرتہ فلم تکلمہ حتی توفیت وعاشت بعد النبی صلی الله علیه وآلہ وسلم ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلاً لم یوذن بها ابابکر وصلی علیها وکان لعلی من الناس وجہ حیاة فاطمة فلما توفیت استنکر علیؑ وجوه الناس فالتمس مصالحه ابی بکر ومبایعته ولم یکن یبایع تلك الاشهر فارسل الی ابی بکر ان ائتنا ولا یاتنا احد معك کراهیة لمحضر عمر (صفحہ ۳۵ جلد ۳ مطبوعہ مصر)

اس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جناب سیدہ نے اپنی میراث مانگی ترکہ رسول اللہ سے ابوبکر صاحب نے انکار کیا۔ آپ ناراض ہوئیں اور ترک کلام کیا ابوبکر سے۔ بس تا وقت وفات کلام نہ کیا حالانکہ اس کے بعد چھ مہینہ تک زندہ رہیں اور آپ کو جناب امیر نے شب کے وقت دفن کیا اور ابوبکر کو اجازت نہ دیگئی۔ اور خود حضرت علیؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور حضرت علیؑ کے لیئے حضرت فاطمہؑ کی زندگی سے ایک طرح کی آبرو تھی جب اُنھوں نے وفات

یائی تو رب کے منہ پھر گئے حضرت سے، پس آپ نے ابوبکر سے مصالحت کے لیئے التماس کیا اور تنہا بلایا اس کراہت سے کہ عمر اُن کے ساتھ نہ آئیں۔

پس دیکھئے یہی فرق ہے آل و اصحاب کا کہ آل رسولؐ جس سے ناراض ہوئے خدا کے لیئے کہ چونکہ ابوبکر صاحب نے شریعت رسولؐ میں یہ تغیر دینا چاہا تھا کہ بیٹی کو میراث پدر سے محروم کریں اس لیئے جناب سیدہ ایسی ناراض ہوئیں کہ تادم مرگ کلام نہ کیا، بخلاف عائشہ کے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ ابن الزبیر ہماری خراجی اور بیجا اسراف کو روکنا چاہتے ہیں تو بگڑ بیٹھیں جھٹ جھٹ قسمیں کھانے لگیں اب میں نہ بولوں گی جب ابن الزبیر اپنے ارادہ سے باز آیا تو نہ قسم کا خیال رہا نہ عہد کا

ظلم ابن الزبیر بر بنی ہاشم

اخراق محمد بن الحنفیہ

اگرچہ ان حالات کے بعد اب اسکی ضرورت نہ تھی کہ ہم ان مظالم کو بھی لکھیں جو انھوں نے خاندان بنی ہاشم پر اپنے دوران حکومت میں کیئے..... کیونکہ جو شخص اپنی ماں باپ خالہ بھائی اولاد کے ساتھ یہ بَرتاؤ کرے اُس سے اسکی کب توقع ہو سکتی ہے کہ خاندان رسالت کے ساتھ بحسن سلوک پیش آئے چنانچہ ان کا پہلا سلوک یہی تھا کہ اپنے باپ کو خاندان رسالت سے الگ کر دیا ورنہ پہلے وہ بھی اسی خاندان عالیشان کے متوسلین سے سمجھے جاتے اور جو کچھ ہست و بود تھا اسی خاندان کی بدولت، جناب امیرؑ سے زبیر کو انھیں نے لڑوایا۔ جناب امام حسینؑ کا قیام مکہ میں ان پر ایسا شاق تھا کہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہو سکے حضرتؑ کو یہاں سے علیحدہ کر دیں۔ یہ اپنی چالاکی سمجھتے تھے اور امام حسینؑ صاف فرما دیتے یہاں تک کہ جناب امام حسینؑ کی شہادت نے انکو موقع دیا کہ یزیدیوں کا ظلم دکھا کر مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ جب اسمیں کامیابی ہوئی تو جناب امام حسینؑ کے بھائی محمد بن الحنفیہ کے ساتھ جو سلوک کیا اسکو علامہ ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں ان لفظوں میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:-

"ابن الزبیر نے محمد بن الحنفیہ کو بلایا اور اُنکے اہل خاندان اور شیعوں کو اور سترہ آدمیوں کو بزرگان کوفہ سے

منهم ابو الطفیل عامر بن واثلہ لہ صحبتہ لیبایعوہ فامتنعوا وقالوا لا نبایع حتی تجتمع الامہ فاکثر الوقیعة فی ابن الحنفیه وسبّه فاغلظ له عبدالله بن هانی الکندی وقال لئن لم یضرك الا ترکنا بیعتك لا یضرك شیء وان صاحبنا یقول لو بایعنی الامہ کلها غیر سعد مولی معاویه ما قبلته وانما عرض بذکر سعد لان ابن الزبیر ارسل الیه فقتله فسبه عبد الله وسب اصحابه واخرجهم من عنده

جن میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ صحابی رسولؐ بھی تھے (جو علمدار لشکر مختار تھے) اس غرض سے بلایا تھا کہ سب ابن الزبیر کی بیعت کریں ان لوگوں نے امتناع کیا اور کہا کہ جب تک تمام امت کا اجماع نہ ہوگا ہم بیعت نہ کریں گے ابن الزبیر نے نہایت سختی سے اسکا جواب دیا اور محمد بن حنفیہ کے نسبت بہت سے سخت و درشت کلمات کہے جس پر عبداللہ بن ہانی کندی (یہ وہی ہانی ہیں جو محبت سید الشہداء میں برفاقت حضرت مسلم کوفہ میں شہید ہوئے اور آج تک انکی قبر بھی

بمجاورت قبر حضرت مسلم زیارت گاہ مومنین ہے) نے نہایت سختی سے جواب دیا کہ اگر ہمارے ہی بیعت نہ کرنے سے تمھارا نقصان ہوتا ہے تو پھر سمجھ رکھو اب کچھ تمھیں ضرر نہیں پہونچے گا۔ اور ہمارے صاحب محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر تمامی امت ہماری بیعت کرے باستثنائے سعد غلام معاویہ کو بھی ہم اس خلافت کو نہ قبول کرینگے عبداللہ بن ہانی نے اس سعد غلام معاویہ کا نام اسوجہ سے لیا کہ عبداللہ بن زبیر نے مخفی طور سے ایک شخص کو بھیجکر اُسے قتل کرا دیا تھا۔ اس کلام سے عبداللہ بن زبیر بہت برہم ہوئے اور ابن ہانی کو گالی دی اور انکے ساتھیوں کو اپنے مکان سے نکلوا دیا۔

ان لوگوں نے آکر سارا ماجرا محمد بن حنفیہ سے بیان کیا اُنھوں نے کہا صبر کرو اور ابن الزبیر بھی پھر کچھ سختی نہ کی جب مختار کوفہ پر پورے طور سے تسلط ہو گیا اور اہل کوفہ کی بنام محمد بن حنفیہ دعوت کرنے لگے تو ابن الزبیر کو اسکا خوف ہوا کہ کہیں لوگ اُن کی طرف مائل نہ ہوں لہٰذا محمد بن الحنفیہ پر پھر تشدد کرنا شروع کیا۔

فحسبهم بزمزم وتوعدهم بالقتل والاحراق واعطاه الله عهدا ان لم يبايعوا ان ينفذ فيهم ما توعدهم به وضرب لهم في ذالك اجلا۔

پس قید کیا اُن سب کو گرد چاہ زمزم اور دھمکی دی قتل کی۔ اور جلانے کی اور قسم کھائی اسکی کہ اگر ان لوگوں نے بیعت نہ کی تو جن باتوں کی دھمکی دی ہے اُس کو کر گذرینگے اور زمانہ معین کیا اس کے لیئے کہ فلاں وقت تک بیعت کرو ورنہ قتل کرینگے اور جلا دیں گے۔

جو لوگ محمد بن حنفیہ کے ساتھ تھے اُن میں سے بعض نے یہ مشورہ دیا کہ مختار کو اس حال کی اطلاع دینی چاہیئے چنانچہ اُنھوں نے اس خط کو اپنے تمامی اہل لشکر کو سنایا جس پر ہر طرف سے شور واویلا قائم ہوا اور ہر طرف سے آواز آنے لگی کہ جلد بھیجو۔ چنانچہ ابو عبداللہ جدلی کو ستر سوار دیکر روانہ کیا پھر ظبیان بن عمرہ کو ۴ سو سوار کے ساتھ روانہ کیا پھر ابو المعتمر کو سو سوار دے کر روانہ کیا اسی طرح ہانی بن قیس کو سو سوار کے ساتھ اور عمر بن طارق اور یونس بن عمران کو چالیس چالیس سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔

ابو عبداللہ جدلی جب ذات عرق پر پہونچے جو اہل کوفہ کا میقات ہے کہ وہاں سے وہ احرام باندھ کر خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو وہاں انتظار کیا کہ پورا لشکر آجائے چنانچہ ۵۵۰ سوار جمع ہوئے تو ایک دفعہ سب کے سب یالثارات الحسینؑ (انتقام خون حسینؑ) کہتے ہوئے داخل مسجد الحرام ہوئے۔

حتى انتهوا الى زمزم وقد اعد ابن الزبير الحطب ليحرقهم وكان قد بقي من الاجل يومان فكسروا الباب ودخلوا على ابن الحنفية۔

یہاں تک کہ وہ چشمۂ زمزم پر پہونچے جہاں ابن الزبیر نے لکڑیاں اکٹھا کر رکھی تھیں اس ارادہ سے کہ سب کو جلا ڈالیں مُدت مقررہ میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے ان لوگوں نے دروازہ توڑ دیا اور سب کے سب ابن حنفیہ کے پاس پہنچے

اور کہا کہ ہمکو اجازت دیجئے ہم اس دشمن خدا سے سمجھ لیں محمد ابن الحنفیہ نے روکا اور کہا میں حرم خدا میں جدال وقتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔

ابن الزبیر نے کہا تعجب ہے ان خشبیہ سے کہ حسینؑ کا ماتم کرتے ہیں گویا ہم ہی نے قتل کیا حالانکہ اگر ہمکو قدرت ہے تو ان سب کو قتل کر ڈالیں۔

ابن الزبیر نے کوفہ والوں کو خشبیہ اس وجہ سے کہا کہ وہ لوگ جب مکہ میں داخل ہوئے تو حرمت خانہ کعبہ کا لحاظ کرتے ہوئے بجائے تلوار ہاتھ میں لکڑیاں لیئے ہوئے تھے۔ دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اہل کوفہ جب مکہ میں داخل ہوئے تو سب نے ایک ایک لکڑی ہاتھ میں لے لی جسے ابن الزبیر نے محمد بن حنفیہ کو جلانے کے لیئے جمع کیا تھا۔

ابن الزبیر نے کوفہ والوں سے کہا کیا تم اس خیال میں ہو کہ میں محمد بن حنفیہ کو بغیر بیعت لیئے چھوڑ دوں گا ابو عبداللہ سپہ سالار لشکر مختار نے جواب دیا ہاں خدا کی قسم تم کو ان سے دست بردار ہونا پڑے گا ورنہ ہم اپنی تلواروں سے ایسا جدال کریں گے کہ اہل باطل کا ہوش جاتا رہے گا محمد ابن حنفیہ نے ان سبکو روکا اور فتنہ و فساد سے باز رہنے کی تاکید کی یہاں تک کہ باقی لشکر بھی آگیا سب تکبیر کہتے ہوئے اور نعرۂ یالثارات الحسینؑ بلند کرتے ہوئے داخل مسجد الحرام ہوئے اور محمد بن حنفیہ کو اپنے ساتھ لے کر شعب علیؑ میں چلے گئے اور ابن الزبیر کو گالیاں دیتے جاتے تھے اور وہ چپ چاپ سن رہے تھے محمد بن حنفیہ نے جب جاکر شعب علی میں قیام کیا ہے تو انکے ساتھ ۴ ہزار آدمی تھے اور وہ سب اذن جہاد طلب کرتے تھے کہ ابن الزبیر سے جنگ کریں مگر وہ مانع ہے۔

جب مختار قتل کیئے گئے اُسکے بعد پھر اُن پر آثار ضعف طاری ہوئے کیونکہ اب ہر طرف ابن الزبیر کی حکومت ہے لہٰذا ابن الزبیر نے پھر کہلا بھیجا کہ اب بیعت کرو ورنہ جنگ کریں گے۔ یہ پیغام لیجانے والا ابن الزبیر کا بھائی عروہ بن الزبیر تھا محمد بن حنفیہ نے جواب دیا کہ خدا برا کرے تیرے بھائی کا کہ اُسکو کس درجہ اصرار ہے اُن باتوں میں جس سے خدا غضبناک ہو اور اُسے غافل کر دیا خدا سے اور اپنے اصحاب سے کہا کہ ابن الزبیر پھر آمادۂ فساد ہے لہٰذا ہم تم لوگوں کو اجازت دیتے ہیں کہ جدھر چاہو چلے جاؤ نہ کسی قسم کا ہم پر اعتراض ہے نہ ملامت ہم یہیں رہیں گے جب تک ہمارے اور ابن الزبیر کے درمیان میں خدا فیصلہ کرے۔ یہ کلام سنکر ابو عبداللہ جدلی اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم لوگ تو آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے چاہے جو نتیجہ ہو۔ (یہ خاص طریقہ اہلبیتؑ رہا ہے کہ کبھی کسی کو مجبور نہ کرتے چنانچہ جب جناب امیرؑ بقصد جنگ جمل نکلے ہیں تو بمقام ربذہ اذن عام دیا کہ جس کا جی چاہے ساتھ رہے اور جس کا جی چاہے چلا جائے اسی طرح جناب امام حسینؑ نے خود کربلائے معلےٰ پہونچ کر اور اُسکے قبل چند مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی پر جبر نہیں ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں کہ جو چاہے چلا جائے کیونکہ ان لوگوں کا کوئی کام دنیا داری کے لیئے نہیں ہوتا بلکہ محض رضائے خدا کے لیئے اسی سے مجبور کر کے کوئی کام نہیں لیتے)

یہ خبر جب عبدالملک کو ملی جو شام میں خلیفہ بن رہا تھا تو اُس نے ایک خط لکھا کہ آپ شام میں تشریف لائیں اور جب تک امور الناس درست ہوں آپ قیام فرمائیں میں خدمت کے لیئے حاضر ہوں محمد بن حنفیہ نے اس خط پر قصد شام کیا جب بمقام مدین پہونچے تو وہاں عبدالملک کا غدر عمرو بن سعید کے ساتھ معلوم ہوا لہٰذا قصد شام ترک کیا اور بمقام ایلہ قیام کیا۔ یہاں آپ کا فضل اور کثرت عبادت اور حسن رفتار اس درجہ مشہور ہوا کہ عبدالملک کو خوف ہوا کہ لوگ آپ کی طرف مائل نہ ہو جائیں لہٰذا اُس نے ایک خط لکھا کہ شام میں وہی آکر رہ سکتا ہے جو ہماری بیعت کرے۔

محمد بن الحنفیہ نے پھر وہاں سے کوچ کیا اور شہر مکہ میں آکر شعب ابوطالب میں قیام پذیر ہوئے ابن الزبیر نے نے پھر بیعت لینے کی خواہش کی اور محمد بن حنفیہ کے ساتھیوں نے اس کا قصد کیا کہ ابن الزبیر سے لڑکر فیصلہ کرنا چاہیے مگر محمد بن حنفیہ مانع رہے۔

وقال اللھم البس الزبیر لباس الذل وسلط علیہ وعلی اشیاعہ من یسومھم الذی سوم الناس ثم سار الی الطائف۔

یعنی یہ بددعا کی کہ خداوندا ابن زبیر کو لباس ذلت پہنا اور ایسے شخص کو اس پر مسلط کر جو اس طرح عذاب کرے جس طرح یہ لوگوں پر عذاب کرتا ہو اسی کا نتیجہ ہوا کہ خدا نے اس پر حجاج کو مسلط کیا جس کا حال مذکور ہو چکا پھر طائف کی طرف چلے گئے۔

اسکے بعد ابن عباس ابن زبیر کے پاس آئے۔

واغلظ لھم فجری بینھما کلام کرھنا ذکرہ وخرج ابن عباس ایضا فلحق بالطائف۔

اور اس درجہ سخت گفتگو کی اُن سے اور دونوں میں اس درجہ سخت گفتگو ہوئی کہ ہمکو مکروہ معلوم ہوتا ہے ذکر اس کا دکیا اسکو کتمان امر حق نہ کہیں گے اور ابن عباس بھی طرف طائف کے چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

ان پر ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور چار تکبیر کہی (غلط ہے) اور رہے محمد بن حنفیہ وہیں اُس وقت تک کہ حجاج نے ابن زبیر کا محاصرہ کیا تب وہ طائف سے مکہ آئے اور شعب ابوطالب میں قیام کیا حجاج نے بھی اُنکو طلب کیا اور عبدالمطلب کی بیعت چاہی اُنھوں نے انکار کیا اور کہا کہ جب تک امت کا اجتماع نہ ہوگا اُس وقت تک بیعت نہ کرینگے بعد قتل ابن زبیر اُنھوں نے ایک خط عبدالملک کو لکھا بطلب امان اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے حجّاج نے جب پھر بیعت کا مطالبہ کیا تو جواب دیا کہ ہم نے عبدالملک کو خط لکھا ہے بعد حصول جواب بیعت کریں گے ادھر عبدالملک نے حجاج کو خط لکھا کہ محمد بن حنفیہ سے متعرض نہ ہونا اور اُن کے حال پہ چھوڑ دینا جب محمد بن حنفیہ کا قاصد شام سے آیا جس میں محمد بن حنفیہ کی تعظیم لکھی تھی اور اس کا حکم دیا تھا کہ اُنکے ہمراہیوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ دے تو محمد بن حنفیہ نے بیعت کی اور شام کی طرف تشریف لے گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ابن الزبیر نے ابن عباس اور محمد بن حنفیہ سے بیعت طلب کی اُنھوں نے کہا کہ جب تک سب کا اتفاق نہ ہو جائے ہم بیعت نہ کرینگے کیونکہ تم فتنہ میں ہو اس بیچ دونوں میں امر عظیم ہوا اور ابن الزبیر نے محمد بن حنفیہ کو زمزم میں قید کیا اور ابن عباس پر اُسی مکان میں تشدد کیا جہاں وہ رہتے تھے اور یہ قصد کیا کہ دونوں کو جلادیں۔ اسکے بعد مختار رض نے لشکر بھیجا اور دونوں کی جان بچائی۔ بعد قتل مختار رض پھر ابن الزبیر نے اُن پر سختی شروع کی جس پر دونوں آدمی طائف چلے گئے۔

ابن عباس نے اپنے بیٹے علی کو عبدالمطلب کے پاس بمقام شام روانہ کیا۔

ولما وصل علی بن عبداللہ بن عباس الی عبدالملک سئلہ عن اسمہ وکنیتہ فقال اسمی علی والکنیۃ

یعنی جب ابن عباس کے بیٹے علی داخل شام ہوئے تو عبدالملک نے نام اور کنیت پوچھا اُنھوں نے کہا میرا نام

ابوالحسن فقال لا یجتمع ھذا الاسم و
ھذہ الکنیۃ فی عسکری انت ابومحمد۔

علی ہے اور کنیت ابوالحسن۔ عبدالملک نے کہا یہ نام اور کنیت میرے لشکر میں نہیں جمع ہو سکتا تمھاری کنیت ابومحمد ہے۔

(تمام ہوا ترجمہ تاریخ کامل از صفحہ ۷۰ و لغایۃ صفحہ ۹۹ جلد ۴)

اس واقعہ سے آپ کو اچھی طرح معلوم ہوا کہ ابن الزبیر کا سلوک بنی ہاشم کے ساتھ کیسا تھا کہ چند روز کی حکومت پاتے ہی کس طرح خاندان رسولؐ کی ایذادہی پہ آمادہ ہوئے کہ محمد بن حنفیہ کو چاہ زمزم میں قید کیا اور ابن عباس کو ایک مکان میں اور اُنکے گرد لکڑیاں جمع کیں کہ اگر فلاں وقت تک بیعت نہ کریں گے تو جلاکر خاک سیاہ کر دینگے۔ کیا آپنے بجز اس خاندان کے جسکے ہیرو حضرت ابوبکر تھے اور بھی کسی وحشی خاندان میں ایسا ظلم سنا ہے کہ صرف اس جرم پر کہ وہ بیعت نہیں کرتا یہ سزا تجویز کرے کہ اسکو جلادینا چاہیئے۔

ابوبکر صاحب کی تجویز حرم رسول اللہ میں تھی بضعۃ الرسولؐ کے لیئے کہ جناب امیرؑ جناب سیدہؑ اور جناب حسنینؑ کو جلاکر خاص مسجد رسولؐ میں اپنی خلافت جمائیں اور ابن الزبیر کی یہ تجویز خاص حرم خدا میں ہے جہاں پشہ مارنے کا بھی حکم نہیں وہاں محمد بن حنفیہ اور ابن عباس کے لیئے یہ تجویز ہو رہی ہے کہ خاص چاہ زمزم میں اُنکو جلاکر خاک کردینا چاہیئے حالانکہ خود چاہ زمزم عطیہ خداوند تعالیٰ حضرت عبدالمطلب کے لیئے تھا جو جدّ محمد بن حنفیہ تھے۔

اس مضمون کو خود ابن الزبیر کے بھائی عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں جیسا کہ تاریخ مروج الذہب مسعودی میں ہے جو حاشیہ تاریخ کامل پہ چھپی ہے ملاحظہ ہو صـ۱۵۹ جلد ۲)

کان عروۃ بن الزبیر یعذر اخاہ اذا جری ذکر بنی ھاشم وحصرہ ایاھم فی الشعب وجمعہ الحطب لتحریقھم ویقول انما اراد بذالک ارھابھم لیدخلوا فی طاعتہ کما ارھب بنوھاشم وجمع لھم الحطب اذھم ابوالبیعۃ فیما سلف وھذا خبر لایحتمل ذکرہ ھنا۔

یعنی جب اس واقعہ کا ذکر آتا تھا جو ابن زبیر نے بنی ہاشم کے ساتھ کیا کہ اُنکو شعب میں قید کیا اور لکڑیاں جمع کیں جلانے کے لیئے تو عروہ بن زبیر برادر عبداللہ بن زبیر کہتے تھے اس سے صرف ان لوگوں کا ڈرانا دھمکانا منظور تھا کہ اطاعت ابن الزبیر قبول کریں۔ جیسا کہ پہلی دفعہ بھی جب انھیں بنی ہاشم نے بیعت سے انکار کیا تھا تو لکڑیاں جلانے کو جمع کی گئی تھیں یہ ایسی خبر ہو کہ اسکے ذکر کا یہ مقام متحمل نہیں

جس سے معلوم ہوا کہ ابن الزبیر دراصل نقال تھے اپنے آبا کے کہ جس طرح اُنھوں نے جناب سیدہ جناب امیرؑ اور حسنین علیہم السلام کے لیئے آگ لکڑیاں جمع کی تھیں اُسی طرح ابن الزبیر نے لکڑی جمع کی۔

اس انبار کا حال ابن مسعودی یہ لکھتے ہیں:۔

وقد کان ابن الزبیر عمد الی من بمکۃ من بنی ھاشم فحصرھم فی الشعب وجمع لھم حطباً عظیما لو وقعت فیہ شرارۃ من نار لم یسلم

یعنی ابن الزبیر نے محمد بن حنفیہ وغیرہ کے جلانے کیلئے بمقام شعب اسقدر لکڑیاں جمع کی تھیں کہ اگر آگ کی ایک چنگاری بھی پڑجاتی تو اُن میں سے ایک متنفس

من القوم احد دنی القوم محمد بن الحنفیۃ   بھی نہ بچا۔

یہاں ناظرین کو اس سلوک پر بھی نظر کرنی چاہیئے جو جناب امیرؑ نے اپنے تارکین بیعت کے ساتھ کیا تھا حالانکہ یقیناً اُن کو معلوم تھا کہ جناب امیرؑ بحکم خدا و رسول روزِ اظہارِ نبوت رسالت مآبؐ سے خلیفۂ رسولؐ تھے اور اسی کی تاکید روزِ غدیر خم کیگئی تھی۔ اور اب تمام مہاجرین و انصار کا اجماع بھی آپ پر ہے مگر چند نفوس سے بیعت کنندہ نہیں ان کے ساتھ حضرت کیا برتاؤ کرتے ہیں؟۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے کہ۔

اتی (عمار) سعد بن ابی وقاص فکلمو فاظهر الکلام القبیح فانصرف عمار الی علیؑ فقال لہ علیؑ دع ھؤلاء الرھط اما ابن عمر نضعیف واما سعد فحسود و دینی الی محمد بن مسلمۃ انی قتلت اخاہ یوم خیبر مرحب الیھودی۔ (صفحہ ۹)

یعنی حضرت عمار نے جاکر سعد بن ابی وقاص کو سمجھایا تو انھوں نے جواب میں کلام غلیظ ظاہر کیا پس عمار حضرت علیؑ کی طرف آئے اور حضرت علیؑ نے کہا کہ چھوڑ دو ان لوگوں کو۔ ابن عمر تو ضعیف ہے اور سعد بن ابی وقاص حسود۔ اور محمد بن مسلمہ کی خدمت میں میرا قصور صرف اسقدر ہے کہ بروز خیبر اُس کے بھائی مرحب یہودی کو میں نے قتل کیا تھا۔

---

۵۱ حضرات اہلسنت کی ایمانداریاں کچھ ایسی ہیں کہ زبان قلم ان کے بیان سے عاجز ہے۔ یہ تحریر میں لکھ چکا تھا کہ اتفاقاً سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴۳ پر نظر پڑی جس میں اُنھوں نے مرحب کے قاتل کو اختلافی بتایا ہے اور اپنے علماء کا اس مضمون کا بیان لائے ہیں کہ یہی بن مسلمہ اس کے قاتل تھے حالانکہ جناب امیرؑ کے وہ اسی وجہ سے دشمن ہوئے کہ حضرتؑ نے مرحب کو قتل کیا تھا چنانچہ اس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

فقال رسول اللہ من ھذا فقال محمد بن مسلمۃ یا رسول اللہ انا الموتور ای الذی قتل لہ قتیل فلم یوخذ بثارہ الثائر قتل اخی بالامس فقال فقم الیہ اللھم اعنہ فقاتلہ محمد بن مسلمہ ای فان مرحبا حمل علی محمد بن مسلمہ فالقاہ بدرقتہ فوقع سیف مرحب فعضت بہ و امسکتہ فضربہ محمد فقتلہ ویدل لذالک قول الامام المزنی فی المختصر ان النبیؐ یوم خیبر نفل محمد بن مسلمۃ سلب مرحب سیفہ و رمحہ و مغفرہ و بیضتہ ووجد علیؑ سیفہ مکتوب ھذا سیف مرحب من یذقہ یعطب وقیل القاتل لہ علی کرم اللہ وجھہ وبہ جزم مسلم فی صحیحہ قال بعضھم والاخبار متواترۃ بہ وقال ابن الاثیر الصحیح الذی علیہ اھل السیر والحدیث ان علیا قاتلہ ویروی ان علیا کرم اللہ وجھہ لما خرج الیہ ارتجز لقولہ انا الذی سمتنی امی حیدرہ ضرغام آجام ولیث قسورہ (صفحہ ۴۳ جلد ۳)

دیکھئے نہ دھر پکڑ ہے نہ قتل و قصاص ہے نہ آگ لکڑی جمع کیجاتی ہے صرف اتمام حجت ہے اور اسکے بعد چھوڑ دیئے جاتے ہیں کیونکہ آپ تو سنت رسول اللہ صلعم کے تابع اور پیرو ہیں جب حضرتؐ نے صرف اس جرم پہ کوئی کلمۂ توحید نہیں کہتا یا آپکی رسالت کو نہیں مانتا قتل نہیں کرتے۔ جبتک کہ وہ جرائم نہ ثابت ہولے جن کیلئے قتل ہر مذہب حق میں ضروری ہو تو جناب امیرؑ صرف اس جرم پر کیونکر قتل کر سکتے تھے۔ یہی باعث ہے کہ جو حضرتؑ کا سب سے زیادہ دشمن تھا وہ بھی آپکے عدل سے ایسا مطمئن تھا کہ کہتا ہے (جیسا کہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے)۔

فقال لھم رجل من اھل مکۃ ایاک و علیا فقد طلبک ففر من بین یدیہ فقال مروان لھم فواللہ ما یجد الی ذالک سبیلا اما ھو فقد علمت انہ لا یاخذ فی بظن ولا ینصب علی الا بالیقین۔ (ص۹۱)

یعنی بعد بیعت جناب امیرؑ جب مروان بھاگ کر مکہ آیا ہے تو ایک شخص نے اہل مکہ سے کہا کہ یہ علیؑ سے بھاگ کر آیا ہے تو مروان نے کہا کہ قسم خدا کی وہ ہم پر راہ نہیں پا سکتے کیونکہ جہاں تک ہم جانتے ہیں وہ صرف گمان پر نہیں کام کرتے بلکہ یقین پر کام کرتے ہیں۔

یہی فرق ہے آل و اصحاب میں کہ اہلبیت طاہرینؑ کا عدل ایسا مسلم الثبوت ہے کہ دشمن سے دشمن کو بھی یہی اطمینان ہے ہزار مخالفت ہو کبھی ظلم نہ ہوگا بخلاف دوسروں کے اس عبارت نے یہ بھی بتلادیا کہ آل و اصحاب کے پیروؤں میں بھی یہی فرق ہے کیونکہ پہلے دیکھ آئے ہو کہ یہی عبداللہ ابن زبیر نے پہلے فوج یزیدی سے اسی مکہ میں جنگ کی جسمیں اپنے بھائی کو گرفتار کرکے اسقدر پٹوایا کہ وہ مرگیا پھر جب مسرف لڑنے آیا اس سے اسی خانہ کعبہ میں خونخوار جنگ کی پھر حجاج سے لڑے اور محمد بن حنفیہ اور ابن عباس کو خانہ کعبہ میں جلانا چاہا۔

بخلاف اسکے جب لشکر مختار آیا تو تہ وہ ہتھیار بند ہے نہ نیزہ و تلوار ہے بلکہ صرف چند لکڑیاں ہاتھ میں لئے ہیں جنکو خشبیہ کا خطاب ملا حالانکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱)

یعنی جب مرحب نے ھل من مبارز کی آواز بلند کی تو حضرتؐ نے فرمایا کون ہے اسکے مقابلہ کے لئے تو محمد بن مسلمہ نے کہا میں ہوں یا حضرت کیونکہ کل میرا بھائی مارا گیا جسکا بدلہ نہیں لیا گیا حضرتؐ نے کہا اچھا جاؤ خدایا اسکی مدد کر پس محمد بن مسلمہ مرحب سے لڑنے گیا مرحب نے وار کیا تلوار اسکے سپر میں پھنس گئی پس محمد بن مسلمہ نے اسے قتل کیا اس روایت کی یہ بھی دلیل ہے کہ امام مزنی نے مختصر میں روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے اس کی زرہ وغیرہ سب محمد بن مسلمہ کو بخشدی دوسری روایت یہ ہے کہ قاتل مرحب حضرت علیؑ ہیں۔ چنانچہ امام مسلم نے یقینی طور پر اس کی روایت کی ہے صحیح مسلم میں اور بعض علماء نے تو کہا ہے احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ قاتل اسکے جناب امیرؑ ہیں اور ابن اثیر کہتے ہیں کہ صحیح یہی ہے جو مذہب اہل سیر و حدیث ہے کہ حضرت علیؑ نے قتل کیا اور روایت ہے کہ جب حضرتؑ اس سے لڑنے چلے تو یہ رجز پڑھتے تھے انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ علماء اہلسنت کیسے کیسے اظہار کرتے ہیں کہ اخفائے فضائل جناب امیرؑ کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر خدا کے نور کو کون چھپا سکتا ہے ؏ مگر کاش یہ غیرت دار اتنا تو خیال کرتے کہ جب محمد بن مسلمہ کو صرف اس وجہ سے جناب امیرؑ سے عداوت تھی کہ حضرتؑ نے مرحب کو قتل کیا تو اتنا ظلم تو نہ کرتے کہ اس محمد بن مسلمہ کو قاتل مرحب بناتے کسی دوسرے کا نام لیتے۔

مختار وہ ہیں جن کے نسبت علمائے اہل سنت کفر کا فتویٰ دیتے ہیں جس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے قاتلان امام حسینؑ کو چن چن کر قتل کیا تھا۔

مگر چونکہ یہ سب شیعہ تھے اس وجہ سے خانہ خدا کا اُن کے دل میں یہ احترام تھا کہ کوئی تلوار نہ نکالتا بخلاف ہمراہیان ابن الزبیر کہ جو دنیاوی تعلیم میں ایسے پختہ ہیں کہ تحصیل دنیا کے لیے نہ کعبہ کا خیال ہے نہ قبلہ کا۔

اس واقعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ خلفائے اہل سنت کو جناب امیر المومنینؑ سے یہ عداوت تھی کہ عبد الملک نے عام طور سے حکم دیا ہے ہمارے لشکر میں وہ شخص نہیں رہ سکتا جس کا نام علی اور کنیت ابو الحسن ہو جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اہلسنت میں جو نام عبد الرحمن و عبد العزیز وغیرہ جاری ہے اسی سبب سے کہ منجانب سلطنت ممانعت تھی کہ علی نام نہ رکھا جائے علامہ محمد بن اسمٰعیل بن صلاح امیر روضہ ندیہ میں لکھتے ہیں

حتی بلغ من عداوتہم کرہتہ التسمی باسمہ الشریف کما حکی عن جد الاصمعی انہ شکی علی الحجاج بن یوسف فقال ان اہلی عقونی قال بماذا قال سمونی علیا فولاہ الحجاج بعض عمالہ وغیر اسمہ مکافاۃ علے ما تلطف بہ الیہ ص ۱۵۵

یعنی بنی امیہ کی عداوت جناب امیرؑ سے اس درجہ تھی کہ وہ مکروہ سمجھتے تھے نام رکھنا اس نام سے جیسا کہ اصمعی کے جد کی حکایت مشہور ہے کہ اُس نے حجاج سے کہا ہمارے خاندان والوں نے ہم پر ظلم کیا۔ پوچھا کیونکر کہا کہ میرا نام علی رکھا پس حجاج نے اُس کو ایک مقام کی حکومت عطا کی اور نام اُس کا بدل دیا۔

اس سے زیادہ عجیب واقعہ یہ لکھتے ہیں قال ابو جعفر و قد صح ان بنی امیۃ منعوا من اظہار فضائل علی علیہ السلام وعاقبوا علی ذلک حتی ان الرجل کان اذا روی عنہ حدیثا لا یتعلق بفضائلہ بل بشرائع الدین لا یتجاسر علی ذکر اسمہ بل یقول عن ابی زینب و ما زال ذلک ایضا فی الدولۃ العباسیۃ سیما ایام الملقب بالمتوکل الذی بلغ من شقاوتہ و بغضہ لامیر المومنین علیہ السلام و اولادہ ان ہدم قبر الحسین السبط سلام اللہ علیہ و اعفی اثرہ و اجری علیہ الماء ص ۱۵۷۔

یعنی کہا ابو جعفر نے کہ بروایت صحیح ثابت ہے کہ بنی امیہ نے منع کیا تھا اظہار فضائل حضرت علی سے اور عقاب کرتے تھے اس پر یہاں تک کہ کوئی شخص اگر کسی حدیث روایت کرتا تھا جس کو تعلق اُن کے فضائل سے نہ ہوتا تھا بلکہ وہ حدیث متعلق بامور دین ہوتی تو اس میں بھی اس کی جرأت نہ ہوتی کہ حضرت کا نام لے سکے بلکہ عن ابی زینب کہتا تھا چونکہ حضرت امیر کی بیٹی جناب زینب تھیں تو اُن کی طرف منسوب کرتے نہ علی کہہ سکتے نہ ابو الحسن، یہ حالت صرف زمانہ بنی امیہ ہی تک نہیں رہی بلکہ زمانہ بنی عباس تک یہی حالت رہی خاص کر زمانہ متوکل میں جس کی شقاوت اور عداوت جناب امیرؑ اور آپکی اولاد سے یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے منہدم کیا قبر امام حسینؑ کو اور مٹا دیا اُس کے نشان کو اور جاری کیا اس پر پانی۔

ترک صلوٰۃ و سلام بر رسول اللہؐ	ابن الزبیر کی عداوت بنی ہاشم سے اس درجہ ترقی پر تھی کہ اُس نے

رسول اللہ پر صلوۃ وسلام بھیجنا خطبہ میں ترک کر دیا تھا اور ایک دو روز نہیں بلکہ چالیس روز تک اس سنت کے تارک رہے
تاریخ مروج الذہب مسعودی میں ہے ان ابن الزبیر خطب اربعین یوما لا یصلی علی النبی قال
لا یمنعنی ان اصلی علیہ الا ان تشمخ رجال بآنافھا حاشیہ تاریخ کامل ص ۱۶۳
کہ ابن الزبیر نے چالیس روز تک صلوۃ وسلام بھیجنا رسول اللہ پر ترک کر دیا تھا اور کہتا تھا کہ ہم نے اس لئے صلوۃ رسول اللہ کو ترک کیا کہ کچھ لوگوں لوگوں کا تکبر ٹوٹے۔

زیادہ تعجب تو اُن صحابہ و تابعین پر ہے جو اس خطبہ میں شریک رہتے اور کسی کے منھ سے یہ نہ نکلتا تھا کہ تو کیا غضب کر رہا ہے جس رسول کی خلافت کا تو مدعی ہے اسی رسول پر صلوۃ وسلام کو قطع کرتا ہے مگر ہائے یہ صحابہ وہ تھے جنھوں نے وقت وفات رسول سے آج تک جو سلوک آل رسول کے ساتھ کیا، تمام عالم کو معلوم ہے اگر یہی لوگ صاحب اسلام ہوتے۔ ان کے دل میں دین کی محبت ہوتی تو آج اس کی نوبت ہی کیوں آتی اور اسلام اس طرح کیوں غارت ہوتا۔

اس سے زیادہ تعجب اہلسنت کے حال پر ہے کہ وہ یہ سب حال لکھتے ہیں مگر اُن کی اطاعت و فرمانبرداری پر اس طرح جان دیتے ہیں کہ اُن کے قول و فعل کے مقابلہ میں حکم خدا و رسول کو بھی نہیں مانتے اور خلیفہ بحق جانتے تھے۔

ابن الزبیر کے جس قدر حالات مذکور ہوئے عبرت کو کافی ہیں اور اہل فہم کے لئے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ خدا و رسول سب اس سے بیزار رہے اس کے مکر کے حال میں مسعودی لکھتے ہیں و اظہر ابن الزبیر الزھد فی الدنیا و العبادۃ مع حرص الخلافۃ وقال انما بطنی شبر فما عسی ان یسع ذلک من الدنیا وانا العائذ بالبیت و المستجیر بالرب و کثرت اذیتہ لبنی ھاشم مع شحۃ بالدنیا لبنی سائر الناس ص ۱۵۷

یعنے ابن الزبیر نے اپنا زہد ظاہر کیا کہ تارک دنیا ہے اور عبادت زیادہ کرنے لگے حالانکہ سب سے زیادہ حریص تھے خلافت پر اکثر کہا کرتے کہ ہمارا پیٹ تو صرف ایک بالشت کا ہے اس سے زیادہ دنیا کو اُس میں کہاں گنجائش ہے اور میں تو خانہ خدا میں پناہ گزیں اور خدا کی پناہ میں آیا ہوں اس کے ساتھ بنی ہاشم کو ایذا دینا اس کا ترقی کرتا جاتا اور تمامی اہل دنیا کے ساتھ بخیل تھا۔

ان حالات کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں رہی کہ کچھ زیادہ حالات لکھے جائیں کیونکہ جس شخص کا برتاؤ رسول اللہؐ کے ساتھ یہ تھا کہ صلوۃ وسلام کو چالیس روز تک اُس نے ترک کر دیا اور خانہ خدا کو خود اس غرض سے جلایا کہ لوگوں سے یہ کہنے کا موقع ملے کہ یزیدیوں نے یہ ظلم کیا کہ لوگ اُس سے منحرف ہو کر اس کی طرف مائل ہوں اور ماں باپ بھائی خالہ کے ساتھ اُس کا یہ برتاؤ تھا جو مذکور ہوا تو بنی ہاشم کی ایذا دہی اُس کے سامنے کیا وقعت رکھتی ہے۔

حضرت ابن عباس جو کبھی کبھی اس کے فضایح ورذایل کو بیان کرتے تو ایک روز ان سے ملاقات ہوئی پوچھا انت الذی تونبنی وتعجلنی قال ابن عباس نعم سمعت رسول اللہؐ یقول لیس المسلم الذی یشبع ویجوع جارہ فقال ابن الزبیر انی لاکتم بغضکم اھل ھذا البیت منذ اربعین سنۃ جرے بینھم خطب طویل فخرج ابن عباس من مکہ خوفا علی نفسہ فنزل الطائف فتوفی ھنالک ص ۱۶۳ مروج الذھب۔

یعنے تم ہی ہم کو ملامت کیا کرتے ہو اور بخیل کہتے ہو ابن عباس نے کہا ہاں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے وہ شخص مسلمان نہیں جو خود تو شکم سیر ہو اور اُس کا ہمسایہ بھوکے رہیں ابن الزبیر نے جواب دیا کہ ہم تو تم اہلبیت کی عداوت آج چالیس برس سے اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں اس کے بعد نہایت سخت واقعات پیش آئے جس پر ابن عباس نے بخوف ابن الزبیر مکہ چھوڑا اور جاکر طایف میں قیام کیا اور وہیں وفات پائی۔

اس عبارت سے نہ صرف چہل سالہ عداوت ابن الزبیر معلوم ہوئی بنی ہاشم سے بلکہ یہ بھی کہ اس عداوت کو چھپاتے تھے مگر نہان کے ماند آن رازے کز وسازند محلھا۔ مگر زیادہ تعجب اس پر ہے کہ یہ کلام ابن الزبیر بمقابلہ اُس حدیث کے ہے جیسے حضرت ابن عباس نے رسول اللہ سے بیان کی تھی کہ حضرت نے فرمایا وہ شخص مسلمان ہی نہیں جو خود تو شکم سیر ہو اور ہمسایہ اُس کے بھوکے رہیں جس سے ابن الزبیر کا خارج الاسلام ہونا بھی ظاہر ہے پھر کیونکر اہلسنتہ اُس کو خلیفہ برحق مانتے ہیں میری غرض ان حالات سے نہ ابن الزبیر کی سوانحعمری لکھنا ہے نہ اس کے معائب کا بیان کرنا بلکہ چونکہ جناب امام حسینؑ کے حالات میں ان کا ذکر ضمناً آگیا تھا اور سیرت آل واصحاب مجھے لکھنا تھا اس قدر اُن کے حالات لکھے گئے تاکہ معلوم ہو آل رسول اور اصحاب رسول کے عادات واخلاق میں کیا فرق ہے کیونکہ آل رسول کا جو کام ہے خواہ جنگ ہو یا صلح محض رضائے خدا و رسول کے لیے اور اصحاب رسول کا جو کام ہے حصول دنیا کے لیے۔ الامن شذ منھم۔

اب میں اصل مطلب پر آتا ہوں کہ جناب امام حسینؑ کو جو یہ رائے دی گئی کہ آپ خانہ کعبہ میں قیام فرمائیں اور وہیں سے یزید سے مقابلہ کریں اُسے کن مصالح سے حضرت نے نہ قبول کیا اور فرمایا اگر مکہ سے میں ایک بالشت علیحدہ ہو کر مارا جاؤں تو اُس سے زیادہ یہ پسند ہے کہ دو بالشت ہٹ کر کیونکہ خود رسول اللہ سے میں سن چکا ہوں یہاں ایک شخص قریش کا مدفون ہوگا جس پر نصف عالم کا عذاب ہوگا۔

یہ پیشینگوئی رسول اللہ کی مانع تھی کہ آپ وہاں قیام کرتے اور اپنی خلافت قائم کرتے اور یزیدیوں سے مقابلہ کرتے لہذا آپ نے نہایت تعجیل سے یہاں سے سفر کیا اور جانب کوفہ روانہ ہوئے اس پر بعض نادان بعقلی کا الزام لگاتے ہیں کہ حضرت نے خلاف عقل یہ کام کیا مگر حضرت نے دکھلا دیا کہ یہی فعل مقتضائے عقل تھا کہ یہاں سے علیحدہ ہو جائیں کہ خانہ خدا کی بے حرمتی نہ ہو نہ ملحد کا خطاب ملے نہ مقبرہ یہود میں دفن ہوں جو سب باتیں ابن الزبیر کو نصیب ہوئیں۔

جن حضرات اہلسنتہ کو اہلبیت طاہرین سے عداوت ہے اور ان کے بغض و عناد سے اُن کی خمیر ہوئی
اُن کو تو کسی امر سے ہدایت نہیں ہو سکتی مگر جن کے دل خارجیت سے پاک ہیں اور بوجہ صحبت شبہات سے
مکدر ہوئے ہیں اُن کے سمجھنے کو کافی ہے کہ یہ فعل جناب امام حسینؑ ایسا قرین مصلحت تھا کہ خلیفہ سوم نے
بھی یہی کیا تھا چنانچہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے و دخل المغیرۃ ابن شعبۃ فقال
لی یا امیر المومنین ان ھولاء قد اجتمعوا علیک فان احببت فالحق بمکۃ وان احببت ان
نخرق لک بابا من الدار تلحق بالشام ففیھا معاویہ وانصارک من الشام وان شئت
خرج وتحاکم القوم الی اللہ فقال عثمان اما ما ذکرت من الخروج الی مکۃ فانی سمعت
رسول اللہ یقول یلحد بمکۃ رجل من قریش علیہ نصف عذاب ھذہ الامۃ من الانس
والجن فلن اکون ذلک الرجل انشاء اللہ ص ۲۶

یعنی مغیرہ ابن شعبہ داخل ہوا عثمان پر اور کہا کہ لوگوں نے اجماع کیا ہے تمہاری مخالفت پر پس اگر چاہو
تو مکہ چلے جاؤ نہیں تو ہم دروازہ ایک توڑ دیتے ہیں تم شام کو چلے جاؤ کہ وہاں معویہ ہے اور تمھارے سب ہوا خواہ
ہیں نہیں تو نکلو قوم سے لڑیں پھر جو فیصلہ خدا کردے۔

عثمان نے کہا مکہ تو ہم نہ جائیں گے کیونکہ ہم رسول اللہؐ سے سُن چکے ہیں وہاں ایک شخص قریش سے دفن ہوگا
جس پر نصف امت کا عذاب ہوگا جن و انس سے پس میں وہ شخص نہیں بن سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایسی مشہور و معروف تھی کہ حضرت عثمان بھی اس کو جانتے تھے حالانکہ خلفا
کو عام طور پر احادیث رسول سے دلچسپی کم تھی تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اس کو قبول فرماتے۔

رہا یہ شبہہ کہ جناب امام حسینؑ کو تو اپنی شہادت اور نجات کا حال معلوم تھا پھر آپ کو کیوں اس کا خوف ہوا
اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں آپ کو وہ حالات معلوم تھے وہاں اپنی شہادت گاہ بھی معلوم تھی پھر کیونکر اُس کے
خلاف کرتے اور رسول اللہؐ نے چونکہ یہ پیشین گوئی عام لفظوں میں فرمائی تھی لہذا اُن لوگوں کا کیا جواب ہوتا
جو اس حدیث سے استدلال کرتے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام کا جو فعل ہے وہ بمقتضائے حکمت ہو کام ہے مطابق مصلحت سارے مصائب
اُٹھاتے ہیں تمامی شدائد کو برداشت کرتے ہیں مگر وہ کام نہیں کرتے جس سے کوئی الزام آسکے جناب رسول اللہ
نے وقت وفات فرمایا تھا قد اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم صفحہ ۱۲۱ جلد ۲ کامل۔

یعنی ایسے فتنوں نے رخ کیا ہے جن کی تاریکی مثل شب تار ہے جناب امیرؑ سُن چکے تھے اس طرح
اُس سے بچتے رہے کہ جہاں یہ فتنے ہوئے یعنی سقیفہ میں آپ تشریف بھی نہ لے گئے چھوڑ دیا کہ یہ لوگ
فتنہ کریں۔

کم سے کم یہ ممکن تھا کہ حضرت اُس وقت لڑ کر اظہار حق کے لیے جان دیتے مگر خلاف عقل تھا اور

مصلحت اسلام کے بالکل خلاف کیونکہ آپ جانتے تھے اگر ہم جنگ کرتے ہیں تو ہمیشہ کے لیے اسلام برباد ہوتا ہے لہٰذا اس تحمل وایثار نفس سے کام لیا کہ تمام جہان پر آپ کی حقیت مسلم ہوئی اگرچہ قبضہ دوسروں کو ہی کہاں کیا ممکن تھا کہ جناب امیرؑ اگر اُس وقت شہید ہوتے تو طرفداران خلافت پھر کبھی آپ کے اسلام کا بھی اقرار کرتے اور کوئی حکم صحیح اسلام کا جاری ہوتا حاشا وکلا ہرگز نہیں کیونکہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر جناب امیرؑ کا حق تھا تو تلوار سے کیوں نہ فیصلہ کیا۔ وہی لوگ اُن کو بھی تو نہیں کافر کہتے جن سے حضرت نے تلوار سے فیصلہ کیا۔ سب تو عائشہ۔ طلحہ۔ زبیر۔ معویہ۔ عمرو عاص کی حقیت کے بھی اُسی طرح قائل ہیں۔

غرض جناب امام حسینؑ نے نہ صرف اس مقام پر بلکہ سفر مکہ ویمن اور قیام مدینہ دونوں موقع پر رسول اللہ کی ان پیشین گوئیوں کا خیال کیا جو حضرت نے مختلف اوقات میں اُن کے نسبت فرمائے تھے جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا۔

ہاں ہمارے بعض احباب کی یہ رائے بہت قابل قدر ہے کہ خدا نے اُن لوگوں کا نام ایسا مٹایا کہ اب دنیا میں خواہ سنی ہو یا شیعہ ابن الزبیر وغیرہ کا نام بھی نہیں جانتا اور یہ بھی کوئی نہیں سمجھتا کہ وہ کون تھے کیا ہوئے کیونکہ دنیا میں جہاں نام ہے وہاں امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام کا کہ شاید ہی کوئی مسلمان ہو جو ان ناموں سے ناواقف ہو۔

مگر حق یہ ہے کہ جس طرح روز روشن کے بیان میں شب تاریک کا ذکر آنا ضروری ہے مشک وعنبر کے مقابلہ میں گندہ وناپاک چیزوں کا ذکر آہی جاتا ہے اُسی طرح یہاں بھی مجبوری تھی۔

اور ہماری غرض صرف عوام کے افہام وتفہیم سے نہیں متعلق ہے بلکہ خواص بھی مخاطب ہیں کہ شاید ہدایت پائیں بیشک جس طرح نور رسالت مآبؐ نے اُن لوگوں کو چھپا لیا جنھوں نے بعد دفن حضرت کو ایذا دینے کے لیے ناجائز طور پر اپنے کو وہاں دفن کرایا اُسی طرح انوار مقدسہ ائمہ اطہار علیہم السلام نے ان لوگوں کو مخفی کر دیا مگر جن لوگوں نے انہیں اُبھارنا چاہا تھا وہ اب تک موجود ہیں اور اپنی کوشش میں مصروف ہیں آپ کو معلوم ہوگا کہ چونکہ شیعہ نواسہ رسول اللہ کے عاشورا اور قیامۃ عزا کو ضروری سمجھتے ہیں اُس کے مقابلہ میں اہلسنۃ نے بھی خلیفہ اول کے نواسہ مصعب بن زبیر کا عاشورا قائم کیا تھا اور چند روز تک بڑا زور شور رہا مگر وہی ہوا جو اور اہل ضلالت کی بدعتوں کا نتیجہ ہوا تاریخ کامل میں ہے جلد ۹ ص ۵۴ بذیل واقعات سنہ ۳۸۹۔

وفیہا عمل اہل البصرۃ یوم السادس والعشرین من ذی الحجۃ زینۃ عظیمۃ وفرحا کثیرا وکذلک عملوا ثانی عشر المحرم مثل ما یعمل الشیعۃ فی عاشوراء وسبب ذلک ان الشیعۃ بالکرخ کانوا ینصبون القباب وتعلق الثیاب ازینۃ الیوم الثامن عشر من ذی الحجۃ وھو یوم الغدیر وکانوا یعملون یوم عاشوراء من الماتم والنوح واظہار الحزن ما ھو مشہور فعمل اہل البصرۃ فی مقابل ذلک بعد یوم الغدیر بثمانیۃ ایام مثلہم

وقالوا هو یوم دخل النبی و ابوبکر الی الغار وعملوا بعد عاشورا بثمانیة ایام مثل ما یعملون یوم عاشورا وقالوا هو یوم قتل مصعب بن الزبیر۔

یعنی ۳۸۹ھ میں اہل بصرہ نے ۲۰ ذیحجہ کو عید منائی کہ آج کے روز رسول اللہ اور ابوبکر داخل غار ہوئے یہ عید انھوں نے بمقابلہ عید غدیر قائم کی تھی اسکے آٹھ روز بعد یہی طرح ۸ محرم کو انھوں نے عاشور قائم کیا کہ مصعب بن زبیر اس روز مارے گئے یہ عاشور بمقابل اُس عاشور کے بناہے جو شیعہ ۱۰ محرم کو بوجہ شہادت جناب امام حسینؑ کرتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ قدیم زمانہ میں اہلسنت نے عید غدیر کے مقابلہ میں عید غار بنایا اور عاشور کے مقابلہ میں ۸ محرم کو اپنا عاشورا الگ قائم کیا جس کی مناسبت بھی ظاہر ہے کہ عید غدیر تو اس خوشی میں ہے کہ خداوند عالم نے رسول اللہ کو حکم دیا کہ تم اپنا قائم مقام مقرر کرو۔ جس پر خدا نے آیہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا نازل کیا لہذا ہر طرح کی مسرت اس روز مناسب ہے کہ خدا نے رسول اللہ کو تمامی عرب پر تسلط دیا دین اسلام پھیل گیا۔

بخلاف عید غار کہ وہ روز ہے جس روز رسول اللہ ظلم کفار سے عاجز آ کر غار میں پوشیدہ ہو رہے ہیں لہذا اُس روز عید کرنا اہل سنت کو نہایت زیبا تھا کہ آج رسول اللہ اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ غار میں بھی آپ کو آرام نہ ملا ؎

ترا اژدہا گر بود یار غار ازان بہ کہ جاہل بود غمگسار

آخری نتیجہ اس زور و شور کا سنئے کہ اُسی تاریخ کامل میں ہے۔

۵۰۲ھ میں درمیان شیعہ و اہلسنت مصالحہ ہوا حالانکہ فریقین میں ایک زمانہ سے جنگ قائم تھی اور خلفا و سلاطین کوشش کرتے کرتے تھک گئے کہ دونوں میں صلح ہو مگر نہ ہوئی اس سال خود بخود دونوں فریق میں صلح ہو گئی جس کی وجہ یہ ہے کہ سیف الدولہ صدقہ امیر عرب جو شیعہ تھا جب بصرہ میں قتل ہوا تو شیعیان کرخ بہت خوف زدہ ہوئے کہ اب پھر اہلسنت کا ظلم تیز ہوگا اور کوئی ایسا شخص نہیں رہا جو حمایت کر سکے۔ اہلسنت نے ان پر طعن و تشنیع شروع کی کہ صدقہ کے مرنے پر مغموم ہو رہے ہیں مگر چونکہ سلطان محمد خود سنی اور تمام سنیوں کا زور تھا لہذا شیعیان کرخ اس قسم کے طعن و تشنیع کو سنتے اور مارے خوف کے خاموش رہتے ماہ شعبان تک ان کی یہی حالت رہی کہ ہر قسم کے باتوں کو سن کر خاموش ہو جاتے۔

اہلسنت نے جب دیکھا کہ ان باتوں پر بھی شیعہ نہیں بولتے نہ کچھ تعرض کرتے ہیں تو یہ سوچا کہ اشتغال طبع کے لیے مصعب بن زبیر کی قبر (پر میلہ لگائیں) کی زیارت کو چلیں حالانکہ ایک مدت سے منجانب خلافت ممنوع تھی کہ اس سے فریقین میں اشتعال ہوتا ہے اور فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے لہذا روک دیا گیا تھا اس دفعہ شیعوں کے چڑانے کو خاص طور پر اس کا تہیہ کیا جب اس پر بھی شیعہ خاموش رہے تو اہلسنت نے یہ سوچا کہ کرخ کی راہ سے چلنا چاہیے اور اس

ارادہ کو اپنے ظاہر بھی کیا مگر وہاں اہل کرخ نے باخود ہا مشورہ کیا کہ کسی طرح نہ بولنا چاہیے۔
اہل سنت نے ہر ہر محلہ سے علٰحدہ علٰحدہ اپنا جلوس نکالا اور اُسی راہ سے چلے کہ کبھی تو اہل کرخ بولیں گے مگر وہ خاموش رہے۔
محلہ باب المراتب کے سنیوں نے ایک نئی ترکیب نکالی کہ لکڑی کا ایک مصنوعی ہاتھی طیار کیا جس پر بہت سے سنی ہتھیار بند مسلح و مکمل سوار تھے اور اُسی راہ سے چلے جو کرخ میں واقع تھی۔
اہل کرخ نے اُن کے لیے یہ سامان کیا کہ ہر طرف سے بخور (خوشبودار چیزیں جو جلائی جاتی ہیں) حاضر کی اور عطر و آب سرد ہر طرف سے مہیا کیا اور ہر طرح پر اُن کے عیش و سرور میں شریک رہے اور نہایت خوشی سے ہر محلہ میں اُن کا استقبال کیا گیا اور خوش خوش وہ لوگ چلے گئے اور کسی قسم کا فساد نہ ہوا۔
شیعوں نے بھی ۱۵ شعبان کو قصد زیارت امام موسی کاظم علیہ السلام کیا اور بعافیت وہ بھی چلے گئے۔ سنیوں نے اُن سے بھی کوئی تعرض نہ کیا مگر نہ اُن کے ساتھ کوئی زینت تھی نہ آرائش سادہ طریق سے گئے اور واپس آئے جس سے ہر شخص متعجب تھا کہ کیونکر ان میں ایسی صلح ہو گئی۔
اہلسنت جب مصعب بن زبیر کی زیارت سے فارغ ہو کر بصرہ سے آئے تو آتے وقت بھی اپنی گزرگاہ کرخ کو بنایا شیعیان کرخ پھر بہ نہایت فرح و سرور سے پیش آئے اور ہر طرح کی تواضع و خاطر داری کی۔
فاتفق اهل ادباب المراتب انکسر فیلهم عند قنطرة باب حرب فقرأ لهم قوم الم ترکیف فعل ربك باصحٰب الفیل الی اخره السودة ص ۲۱۶
تو اتفاقاً یہ حادثہ پیش آیا کہ باب مراتب والے سنیوں کا وہ مصنوعی ہاتھی باب حرب کے پل پر ٹوٹ گیا جس پر کچھ لوگوں نے الم ترکیف فعل ربك باصحٰب الفیل کی تلاوت کی۔ پورا سورہ (ترجمہ) کیا نہ دیکھا تو نے کیا کیا تیرے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ۔
یہاں مجھے وہ شعر یاد آگیا جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے کہ بحق حضرت عائشہ فرمایا تھا۔

تجمّلت تبغّلت ولو عشت تفیّلت۔

کہ تم اونٹ پر چڑھیں۔ خچر پر سوار ہوئیں اور اگر زندہ رہتیں تو ہاتھی پر بھی سواری کرتی گویا۔
بقول شاعر اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ اہلسنت نے اپنی مادر نامہربان کے اس حق کو ادا کر دیا۔
شاید یہی وجہ ہے کہ حضرات اہلسنت نماز میں زیادہ تر اسی سورہ فیل کو پڑھتے ہیں جس سے اُن کی مناسبت ظاہر ہے۔
اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو معلوم ہو صدر اول میں اصحاب کا سلوک آل رسول کے ساتھ کیسا تھا کیونکہ جس طرح محسن سے محبت فطری امر ہے اُسی طرح محسن زادہ کے ساتھ حسن سلوک فطری امر ہے۔

مگر چونکہ اصلی وجہ اُس کی ذاتی منفعت ہے جس کی وجہ سے محسن سے اُسی وقت تک محبت رہتی ہے جب تک کہ اغراض ذاتی پورے ہوں اس لیے خود ماں باپ اولاد اُس وقت میں قتل کر ڈالے جاتے ہیں جب یہ غرض پوری نہ ہو تو محسن زادہ کے ساتھ یہ سلوک بدرجہ اولیٰ خود غرضوں کے نزدیک زیادہ پسند ہے۔

یہی وجہ ہوئی کہ جناب امام حسینؑ اس بے دردی سے بالاعلان شہید کیے گئے کہ تاریخی دنیا کوئی نظیر اُس کی نہیں لاسکتی کیونکہ یہ ممکن نہ تھا جناب امام حسینؑ اُن امور کو جائز رکھتے جو خلاف شریعت تھے اور پھر آپ میں اور دوسروں میں فرق ہی کیا رہتا۔

اسی سبب سے حضرت نے بیعت یزید فاسق سے انکار کیا کیونکہ اُس کا فسق و فجور تمام عالم میں مشہور تھا اگر اُس کی بیعت کر لیتے تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ یہی اسلام ہے حالانکہ وہ کفر تھا۔

یہاں یہ اعتراض بہت آسانی سے کر دیا جاتا ہے کہ جناب امیرؑ نے کیوں خلفائے ثلثہ سے جہاد نہ کیا اور جناب امام حسنؑ نے معویہ سے کیوں صلح کی۔ کیا آپ اُن حضرات سے افضل تھے۔

مگر معترض یہ نہیں سوچتا کہ کیا خلیفہ اوّل اور یزید مساوی تھے یا خلیفہ دوم و سوم بھی یزید کی طرح فاسق و فاجر مشہور تھے یہ سچ ہے کہ ان لوگوں کا ایمان ثابت کرنا بہت مشکل ہے مگر یہاں بحث ایمان و نفاق کی نہیں ہے بلکہ فسق و فجور ظاہری پر نظر ہے کہ شیخین کی کیا حالت تھی اور یزید کی کیا حالت تھی۔

جناب امیرؑ نے کب خوشی و رضا سے یہ قبول کیا۔ جناب امام حسنؑ نے کب دل سے اس کو اچھا سمجھا مگر جو مجبوریاں اُن حضرات کو تھیں حضرت کو کہاں تھیں جناب امیرؑ کے زمانہ میں قبیلہ بنی ہاشم میں تین آدمی ایسے تھے جو ایسے وقت میں کام آسکتے ایک خود جناب امیرؑ جنھیں ضرورت ہے کہ کچھ لوگ مددگار ہوں دوسرے حضرت عباس تیسرے عقیل جن کی شجاعت اسی سے ظاہر ہے کہ کفار پکڑ کر ان لوگوں کو خود رسول اللہ سے لڑنے کو لائے حالانکہ وہ کسی طرح اس پر راضی نہ تھے اور یہاں آکر اسلام کے قیدی بنے پھر ان سے جناب امیرؑ کو کیا مدد ملتی۔

بخلاف جناب امام حسینؑ کے کہ کم سے کم آپ کے ساتھ سترہ اٹھارہ جوان تھے جو سب ایک خاندان سے تھے اور جنھوں نے جو کیا وہ سب پر ظاہر ہے پھر جناب امیرؑ اور جناب امام حسینؑ کی حالت میں کس قدر فرق ہے۔

جناب امیرؑ کا بار بار حضرت حمزہ و جعفر طیار کو یاد کرنا اور اُن کی شہادت پر افسوس کرنا سب کو معلوم ہے عاقلوں کی جو ان مردی شجاعت کہلاتی ہے کیونکہ مطابق عقل ہوتی ہے احمقوں کی بہادری تہور کہلاتی ہے جس میں اونچ نیچ نہیں دیکھا جاتا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ تیرہ برس مکہ میں رہے جہاں آپ کا وطن تھا ہزار ہا نمک پروردہ خاندان عالیشان تھے ہزار ہا مسلمان جن میں شیخین اور عشرہ مبشرہ اور مہاجرین اولین سبھی

داخل ہیں اور جنھوں نے آگے چل کر کیسے کیسے فتوحات کئے مگر جب تک آپ مکہ میں رہے کبھی آمادۂ جنگ نہ ہوئے نا عاقبت اندیشوں نے بعض دفعہ ایسی شرارتیں بھی کیں کہ جنگ ہو مگر آپ نے اُس کی مصلحت سمجھ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ۳۱۳ مسلمان بھی حضرت کے ساتھ مکہ میں نہ تھے جو آپ جہاد فرماتے حالانکہ ان ہی ۳۱۳ مسلمانوں سے آپ نے پہلی جنگ بدر فتح کی۔ اس سے زائد مسلمان مکہ میں تھے اور وہی شخص آپ کا ہاں بھی دست و بازو تھا جس نے بدر کی لڑائی سر کی یعنی جناب امیرؑ مگر ہاں عقلی مصلحت نہ تھی کہ آپ وہاں جہاد کرتے۔

یہی حالت جناب امیرؑ کی تھی کہ آپ گو وہی شجاع ہیں جس نے اتنے معرکے سر کئے مگر یہاں مصلحت بدلی ہوئی ہے مخالفین خلافت کا نام باغی رکھا جاتا ہے مرتد کا خطاب دیا جاتا ہے پھر آپ جنگ کرتے تو کیونکر کیا اسلام کو ارتداد کا لقب دلواتے کیونکہ خلیفہ بھی تو مدعی اسلام و خلافت ہے جناب رسالتمآب نے محض اس وجہ سے کبھی نہیں جہاد کیا کہ لوگ آپ کی نبوت پر ایمان لائیں جب تک اور اسباب عقلی نہ فراہم ہوئے تو جناب امیرؑ صرف اس غرض سے کیونکر جہاد کرتے کہ تم ہماری خلافت اور حکومت کیوں نہیں مانتے کیا آپ کفار کے اس عقیدہ کی تصدیق کرتے کہ مذہب ہے نہ دین صرف ایک سلطنت قائم کی جاتی ہے۔

جناب امام حسینؑ اُس زمانہ میں ہیں جب اسلام۔ کفر و نفاق کا فیصلہ ہو چکا ہے نہ ارتداد کا جھگڑا ہے جو مخالفین خلافت کے لیے محض اس غرض سے تراشا گیا تھا کہ مسلمانوں میں جوش پیدا ہو اور پورے طور سے کام لیں ورنہ ان مسلمانوں کو کون مرتد کہہ سکتا ہے جو خلیفہ ناجائز کی خلافت نہ مانے۔

جس طرح جناب رسالتمآب کی صلح حدیبیہ نے بہ نسبت جنگ کے اسلام کی حقیقت کو زیادہ پھیلایا تھا جس کو خدا نے انا فتحنا لک فتحا مبینا سے تعبیر کیا ہے اُسی طرح جناب امام حسنؑ کے مصالح نے بھی ان حضرات کی حقیقت کو دوبالا کر دیا کیونکہ امن و اماں کے قائم ہو جانے سے ہر شخص کو غور و فکر کا موقع ملا ادھر احادیث رسول اللہؐ نے اپنی حقیقت دکھانی شروع کی اُدھر اس ظالم تخت نشین کے ظلموں نے تمام عالم کی آنکھیں کھول دیں کہ حق کیا ہے کیونکہ اب تک خلفائے ثلثہ بطور ایک دیوتا کے مانے جاتے تھے اور اب وہ بھی بطور معویہ کے ایک ناجائز خلیفہ سمجھے جانے لگے۔

ہاں اگر جناب امام حسینؑ بھی اب صلح کر لیتے تو پھر وہ ثابت شدہ حقیقت معرض تزلزل میں پڑ جاتی کیونکہ شرائط صلح میں یہ بھی تھا کہ بعد معویہ جو خلیفہ ہو وہ بمشورہ مسلمین۔ یہ خبر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع ہو چکی تھی اگر جناب امام حسینؑ اس وقت سکوت کرتے اور کار فرمائے تقیہ ہوتے تو عالم پر حقیت یزید مسلم ہو جاتی کیونکہ سب جانتے تھے جناب امام حسینؑ اس وقت موجود تھے جب صلحنامہ ہوا اور اس شرط سے سب تمام عالم کو خبر ہو چکی تھی تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ امام حسینؑ اس سے ناواقف ہوں لہذا اس وقت کا سکوت صاف بتا دیتا کہ آپ بھی اس خلافت پر راضی ہیں اور یہ خلیفہ باجماع مسلمین ہوا ہے لہذا جو شخص

اس کا ہوتا وہ حکم شریعت سمجھا جاتا۔

یہی باعث تھا کہ کسی طرح جناب امام حسینؑ اس وقت سکوت کر نہیں سکتے تھے کیونکہ ان حضرات کا سکوت یا جہاد جو کچھ تھا وہ بغرض حفاظت اسلام ورنہ اس خاندان نے تو موت کا کبھی خیال ہی نہیں کیا کہ موت کیا چیز ہے۔

یہاں ایک مکالمہ جناب امیر المومنینؑ کا بعد جنگ صفین تاریخ کامل علامہ ابن اثیر جزری سے درج کیا جاتا ہے جو اہل فہم کے لئے کافی ہے جب حضرت جنگ صفین سے جانب کوفہ روانہ ہوئے تو عبداللہ ابن ودیعہ انصاری سے ملاقات ہوئی اُن سے حضرت نے اس معاملہ میں دریافت کیا کہ اہل الرائے کیا کہتے ہیں۔

قال یقولون ان علیا کان لہ جمع عظیم ففرقہ وکان لہ حصن حصین فہدمہ فمتی یبنی ما ہدم ویجمع ما فرق ولو کان مضی بمن اطاعہ اذ عصاہ من عصاہ فقاتل حتی یظفر او یہلک کان ذلک الحزم قال علی انا ہدمت ام ہم ہدموا انا فرقت ام ہم فرقوا اما قولہم لو کان مضی بمن اطاعہ فقاتل حتی یظفر او یہلک فواللہ ما خفی ہذا عنی وانکنت لسخیا بنفسی عن الدنیا طیب النفس بالموت لقد ہممت بالاقدام علی القوم فنظرت الی ہذین قد بادرانی یعنی الحسن والحسین ونظرت الی ہذین قد استقدمانی یعنی عبداللہ بن جعفر ومحمد بن علی فعلمت ان ہذین ان ہلکا انقطع نسل رسول اللہ من ہذہ الامۃ وکرہت ذلک واشفقت علی ہذین ان یہلکا وایم اللہ لئن لقیتہم بعد یومی ہذا لالقینہم ولیسوا معی فی عسکر ولا دار۔ ص ۱۲۹

تو عبداللہ بن ودیعہ نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت علیؑ کے لیے ایک جمع عظیم تھا جس کو انھوں نے متفرق کر دیا اور ایک قلعہ مستحکم تھا جس کو توڑ دیا۔ اگر وہ ان لوگوں کے ساتھ جو مطیع تھے اپنے قصد پر چلے جاتے اور مخالفین سے جنگ کرتے خواہ ظفریاب ہوتے یا ہلاک ہوتے تو ہر آئینہ عقل کی بات تھی حضرت نے اُس کے جواب میں فرمایا مجمع کو انھوں نے متفرق کیا یا ہم نے اس قلعہ کو انھوں نے توڑا یا ہم نے۔

رہا یہ قول اُن کا کہ ہم اُن لوگوں کی معیت میں جنگ کرتے جو ہمارے مطیع تھے یہاں تک کہ یا ظفر پاتے یا ہلاک ہوتے قسم بخدا یہ رائے مجھ سے مخفی نہ تھی اور نہ مجھے اپنی جان کی کبھی پرواہ تھی بلکہ میں جان دینے میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور موت کو راحت اپنی جانتا ہوں اور میں نے اس کا قصد بھی کیا کہ اقدام کروں مگر کیا کرتا کہ ان دونوں امام حسنؑ و امام حسینؑ کو دیکھا کہ آگے بڑھے جاتے ہیں اور ان دونوں عبداللہ بن جعفر طیار اور محمد بن الحنفیہ کو دیکھا میرے پیش پیش ہیں لہذا میں نے خیال کیا کہ اگر وہ دونوں قتل کیے گئے تو نسل رسول اس امت سے منقطع ہو جاتی ہے جو مجھے مکروہ معلوم ہوا اور

ان دونوں کی ہلاکت کا خوف ہوا قسم بخدا اب اگر کبھی قوم سے ملاقات کا موقع ملا تو ایسی حالت میں جنگ کروں گا کہ یہ دونوں میرے ساتھ جنگ میں ہوں گے نہ گھر میں"۔ اس کلام سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت نے اپنے درد دل کو کن لفظوں میں ظاہر کیا ہے اور پھر امت کی شقاوت پر کیونکر حضرت اپنا یقین کامل ظاہر فرماتے ہیں کہ اگر میں ثبات قدم کو اختیار کرتا اور ان سے جنگ کو قائم رکھتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ جناب امیرؑ ہوتے اور حسنین علیہم السلام اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور محمد بن حنفیہ جو ضرور شہید ہوتے کیونکہ عبداللہ بن ودیعہ نے کہا تھا کہ آپ اُن لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر لڑتے جو آپ کے مطیع ہیں اسی کو آپ نے ظاہر کر دیا کہ مطیعین کی اصلی تعداد یہی ہے جن میں تین تو آپ کے صاحبزادے ہیں جناب امام حسنؑ و امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ چوتھے برادر زادہ عبداللہ بن جعفر جن کی شہادت ایسی حالت میں ضروری تھی چنانچہ تصدیق اس کی واقعہ کربلا میں ظاہر ہوئی۔

اس کلام سے آپ کو جناب امیرؑ کی اُس مصیبت یا مصلحت کا پتہ بھی چلے گا جو بعد وفات رسول اللہ سقیفہ کے معرکہ میں پیش آیا کہ اُس وقت حسنین علیہم السلام آٹھ نو برس کے تھے اس قابل بھی نہ تھے جو تلوار سنبھالتے تو بتایئے اگر جناب امیر اُس وقت جنگ کرتے تو نتیجہ کیا ہوتا اگر فتحیاب ہوتے تو کفار کا یہ الزام کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا اور قوی ہو جاتا۔ یہی معرکہ پیش کیا جاتا کہ بعد رحلت رسول اُن کے داماد و وصی نے سارے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اس کا کیا جواب ہو سکتا تھا اور پھر بجز عفیر اہل اسلام کی تباہی کے بعد کفار کس طرح کا ہجوم کرتے کیونکہ صحابہ تنہا نہ تھے اُن کی ایسی جمعیت تھی کہ رسول اللہ کے ہزاروں ارشادات ایک طرف رہے۔ اُن کی جمعیت ایک طرف تھی پس اگر اُن پر فتحیاب بھی ہوتے تو کفار تباہ کر ڈالتے جس سے اسلام کا نام ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہو جاتا

اب دوسرا پہلو لو جو یقینی ہے کہ حضرت قتل کیے جاتے کیونکہ آپ کے قبیلہ میں بجز حضرت عباس و عقیل دو بوڑھے کمزور کے سوا تیسرا آدمی نہ تھا تو بتایئے کیا حضرت کی شہادت کے بعد حسنینؑ محفوظ رہتے جن کی حفاظت کا خیال معرکہ صفین میں آپ کو روک رہا ہے، اگر وہ ایسے ہی ایمان دار ہوتے تو پھر خلافت ہی کیوں لیتے اور جناب سیدہؑ کی کیا حالت ہوتی کیا ممکن تھا کہ جس طرح حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ اسیر ہوئیں جناب سیدہؑ اسیر نہ ہوتیں جن کے گھر میں آگ لگائی گئی تھی اور در گرایا گیا جس سے حضرت محسن کا اسقاط ہوا۔

تو پھر تباہیٔ اسلام پر کیسا الزام آتا کہ یہ وہ مذہب ہے جس نے رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اُن کے داماد اور نواسوں کو قتل کیا اور اُن کی پیاری بیٹی کو قید کیا۔

کیا ممکن تھا جناب امیرؑ حتی المقدور اس الزام کو اسلام پر آنے دیتے لا واللہ جب اسلام کے وہ مربی تھے جس اسلام کے وہ باپ تھے کیونکہ گوارا کرتے کہ اتنے امر کے لیے کہ ہماری حکومت مانی جائے ایسا کام کرتے

جس سے بہر حال اسلام داغدار ہوتا اور ایسا الزام قائم ہوتا کہ قیامت تک نہ اٹھ سکتا اور پھر اسلام
کہاں رہتا کیونکہ اسلام کے ہادی اور مربی تو حضرت ہی تھے۔

یہ واقعہ کربلا ان مدعیان اسلام کی نگاہوں میں خود غرضی کی وجہ سے گو اہمیت نہ رکھتا ہو
مگر مخالفین اسلام کی تحریروں کو دیکھئے اور اہل فہم سنی سے پوچھئے کہ کس طرح وہ اس واقعہ سے شرماتے
ہیں اور مخالفین اسلام اسلام پر بے وفائی اور غدر کا کیسا الزام قائم کرتے ہیں کہ غیرت دار
مسلمان تو شرم سے گڑ جاتا ہے کیونکہ اگر یہ جواب دیا جائے کہ معاذ اللہ امام حسینؑ اسی قابل تھے کہ شہید
کر دیے جاتے جیسا کہ بعض نواصب اہل سنت کا خیال ہے کہ قتل بسیف جدہ۔ تو رسول اللہ پر
کیسا الزام آتا ہے کہ ان کا حقیقی فرزند معاذ اللہ ایسا تھا جو خود ان کی شریعت سے واجب القتل
قرار پایا صحابہ کے کفر و نفاق پر اہلسنت بھی اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی تعلیم ناقص ٹھہرتی
ہے اور جب خود حضرت کی صلبی اولاد ایسی ہوتی تو یہ الزام کیسا وقیع ہوتا۔

اگر یہ جواب دیا جائے کہ نہیں وہ حقدار تھے مظلوم ہو کر قتل کئے گئے تو پھر یہ سوال ہوتا ہے
کہ کیا اُس زمانہ میں کوئی مسلمان نہ تھا جو آپ کی مدد کرتا اور اگر مدد نہیں کی گئی تو اب کیوں نہیں
اُن کے قاتل پر عام طور سے لعنت کی جاتی بلکہ اُس کے عوض قاتل سے ہمدردی کی جاتی ہے اور
قتل کا جشن منایا جاتا ہے۔

جناب امیرؑ نے جو تقریر فرمائی ہے اگر اُس پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو کہ حضرت اس امت جفاکار
سے ایسا مایوس تھے کہ آپ کو علم الیقین اس کا حاصل تھا کہ کبھی یہ قوم ثابت قدم نہیں رہ سکتی اس لئے
آپ نے صاف صاف فرمایا افاهدمت ام هدما یعنی یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ خود تو اس
قلعہ مستحکم کو گرائیں اور ہم پر الزام دیں۔ خود تو اس مجمع کو متفرق کریں اور الزام ہم پر لگائیں اس کے
بعد آپ نے اس کو بھی ظاہر کر دیا کہ اگر ہم لڑتے تو نتیجہ یہی ہوتا کہ حسنؑ و حسینؑ شہید ہوتے اور عبد اللہ
بن جعفر اور محمد بن الحنفیہ (جو آپ کے فرزند تھے) مارے جاتے کیونکہ کوئی ساتھ نہ دیتا سب مخالف
ہو جاتے چنانچہ ہو ہی گیا کہ اُسی وقت سب آمادہ قتل تھے کہ اگر آپ جہاد موقوف نہ کریں گے تو
ہم پکڑ کر معویہ کے حوالہ کر دیں گے۔ جب لشکر کا یہ رنگ تھا تو حضرت لڑتے کن سے خود آپ ہی کی فوج
آپ سے جنگ کرتی تو کیا ممکن تھا ہزاروں آدمی کے مقابلہ میں جناب امیرؑ سربر ہوتے اگر آپ سربر نہ
ہوتے تو یہ غیر ممکن تھا کہ حسنینؑ زندہ رہتے اور آپ مارے جاتے کیونکہ حضرت فرما رہے ہیں یہ دونوں
تو ہر وقت ہمارے پیش پیش ہیں۔

اب بتائیے کہ اگر حسنینؑ شہید ہو جاتے تو جناب امیرؑ کو یہ زندگانی کیسی معلوم ہوتی اور اس خلافت
میں کیا مزہ آتا پھر یہ جو الزام قائم ہوتا کہ حسنینؑ کو شہید کرا دیا کہ دنیا نسل رسول سے خالی ہو گئی

یہ کیسا الزام تھا کیونکہ آپ دیکھ چکے ہیں حضرت عمار جو جنگ صفین میں مارے گئے جن کے بارے میں حدیث متواتر رسول اللہ کی ہے کہ عمار کو فرقہ باغیہ قتل کرے گا اُس کا جواب معویہ نے کیا دیا یہی کہ ہم نے قتل نہیں کیا۔ علی نے قتل کیا کیونکہ وہی لائے تھے انہیں نے قتل کرایا جس کا جواب حضرت نے دیا تو پھر حضرت حمزہ کے قاتل رسول اللہ ہوئے اس سوال وجواب کو میں نے اس لیے لکھا کہ آج تک اہل سنت اُس حدیث کی بھی تاویل کرتے ہیں اور کسی طرح اس کا اقرار نہیں کرتے کہ معویہ باغی تھا تو اگر جناب حسنین ؑ اس معرکہ میں شہید ہو جاتے تو طرفداران معویہ کیا یہ الزام نہ قائم کرتے کہ حضرت ہی نے حسنین علیہم السلام کو قتل کرایا۔ افسوس کہ تمہید میں طول ہوا ورنہ ہماری غرض یہاں اُن تین رایوں سے بحث کرنی ہے جو جناب امام حسین ؑ کو بوقت بعیت طلبی یزید رائے دی گئی تھی کہ آپ مکہ میں قیام کریں یا آپ مدینہ ہی میں قیام فرما کر اظہار مخالفت کریں یا یمن تشریف لے جائیں کہ وہاں آپکے شیعوں کی تعداد زیادہ ہے۔

پہلی رائے کے نتائج ہم پوری وضاحت اور تفصیل لکھ چکے کہ وہ نہایت خطرناک رائے تھی کہ آپ مکہ میں قیام فرما کر مخالفین کو دفع کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت کو قیام کی رائے دی تھی اُن کا یہ گمان تھا کہ یزید کم سے کم اتباع شریعت ضرور کرے گا کہ خدا نے جس خانہ کعبہ کی نسبت فرمایا ہے من دخلہ کان امنا اُس کی حرمت تو مسلم ہے مگر حضرت نے چند روز قیام فرما کر دکھا دیا کہ اس یزید کے ہاتھوں حرمت خانہ کعبہ کا محفوظ رہنا محالات سے ہے اس لیے آپ نے اس کو نہ گوارا کیا کہ حرمت خانہ کعبہ کی ضایع ہونے میں کسی طرح بھی ہم شریک ہوں اس لیے آپ بار بار فرماتے رہے کہ اگر خانہ کعبہ سے ایک بالشت دور ہٹ کر شہید ہوں تو دو بالشت علیحدہ ہونا زیادہ پسند ہے۔

اس امر کو حضرت نے بارہا حدیث رسول اللہ سے بتایا اور آپ نے ایسی تعمیل فرمائی کہ عین اُس روز کہ حج شروع ہوتا ہے آپ نے سفر عراق اختیار کیا کیونکہ آپ کو اس کا یقین تھا کہ میں یہاں رہا تو ضرور قتل ہوں گا یا گرفتار۔

اس کے علاوہ اور جو مفاسد تھے وہ سابق تحریر میں مرقوم ہو چکے کہ ابن الزبیر نے بخلاف حکم رسول یہاں خلافت قائم کی تو اُسے کیا نتیجہ ملا۔

اب دوسری رائے کے مفاسد ملاحظہ ہوں کہ عبداللہ بن عمر نے یہ رائے دی تھی کہ آپ مدینہ منورہ میں قیام فرمائیں اگرچہ اصلی رائے تو اُن کی یہ تھی کہ آپ یزید کی بعیت کر لیں جو ایک ایسی بیہودہ رائے تھی کہ اُس پر بحث کی ضرورت ہی نہیں۔

مگر ہاں یہ امر ممکن تھا کہ حضرت مدینہ میں قیام فرماتے جو آپ کا وطن ہی تھا اور جد امجد کا

مزار بھی وہیں تھا جس کے آپ مجاور تھے نبوت کا بھی یہی مرکز تھا تین خلیفہ بھی یہیں خلافت کر چکے تھے دشمن کے حدود ملکی سے بھی دور تھا جہاں چڑھ کر اُس کا آنا ملک شام سے آسان نہ تھا۔
یہ سب مصالح ایسے ہیں جو بادی النظر میں ہر طرح قابل اطمینان ہیں کیونکہ گو لاکھوں دشمن ہیں تو ہزاروں دوست بھی ہیں کہاں تک وہ امداد نہ کرتے۔

مگر ہم حضرت کے علم امامت اور مصالح حکمیہ سے بھی قطع نظر کر لیں جو حضرت کے پیش نظر تھے اور ہم کو اُن پر اطلاع بھی نہیں ہو سکتی تو معمولی امور پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی طرح شہر مدینہ اس قابل نہ تھا کہ آپ اُس کو مرکز خلافت بناتے اور شر اعدا سے محفوظ رہتے۔

کیونکہ اولاً خود رسول اللہؐ نے اس کو اپنا حرم بنایا تھا جس میں تلوار اُٹھانا اور جنگ کرنا ویسا ہی ممنوع تھا جیسا کہ مکہ معظمہ میں جنگ کرنا ممنوع ہے ثانیاً خود رسول اللہؐ نے جب جہاد کیا تو مدینہ سے باہر نکل کر باستثنائے جنگ خندق جس میں اہل اسلام پر ایسی مصیبت نازل ہوئی تھی کہ کسی جنگ میں ایسی مصیبت سے سامنا نہ پڑا ایسا غیر محفوظ مقام تھا کہ رسول اللہ کو خندق کھودنا پڑی پس جب خود رسول اللہؐ نے اس شہر کو کبھی قابل جنگ نہ جانا تو جناب امام حسینؑ کیونکر اسے قابل جنگ سمجھتے۔ کیا آپ ان مصالح کو رسول اللہ سے زیادہ جان سکتے تھے کیا اہل اسلام آپ کے ویسے ہی مطیع تھے جیسا کہ جناب رسالتمآب کے مطیع تھے پس اگر ہم سب باتوں سے قطع نظر کر لیں تو صرف یہی امر کافی ہے اس کے لیے کہ حضرت اس مخالفت کی حالت میں یہاں قیام نہ فرماتے یہی وجہ ہے کہ اسلام پر ہزاروں انقلاب آئے ہزاروں مقام پر سلطنت و خلافت قائم ہوئی مگر مدینہ میں نہ کبھی بادشاہت ہوئی نہ خلافت۔

تیسرے جناب امام حسینؑ کے پیش نظر وہ آیات بھی تو ہیں جو خدا نے اُن صحابہ مہاجرین کے نسبت نازل کیں جو مدینہ کے باشندے تھے ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم سورہ توبہ۔

یعنی اہل مدینہ سے وہ لوگ ہیں جو سرکشی کرتے ہیں اوپر نفاق کے تو نہیں جانتا اُن کو ہم اُن کو جانتے ہیں قریب ہے کہ ہم اُن کو دو مرتبہ عذاب کریں پھر وہ لوگ پھیرے جائیں گے عذاب الیم کی طرف۔

پھر کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اُن لوگوں سے کوئی اُمید رکھتے جن کے خمیر میں نفاق داخل تھا اور خدا نے اُن پر دو مرتبہ عذاب کرنے کا وعدہ کیا ہے ھا انتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم و تومنون بالکتب کلہ واذا لقوکم قالوا اٰمنا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور۔

خبردار ہو۔ وہ لوگ کہ دوست رکھتے ہو تم اُن کو اور وہ تم کو دوست نہیں رکھتے اور تم لوگ ایمان لائے

ساتھ کل کتاب کے اور جب تم سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم سب ایمان لائے اور جب خالی ہوئے تو کاٹتے ہیں انگلیاں اپنی غصہ سے تم لوگوں پر تو کہدے رسول کہ مرو تم اپنے غصہ میں خدا علیم ہے دل کی باتوں کا۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علےٰ اعقابکم، من ینقلب علےٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین (سورہ آل عمران۔)

اور نہیں ہے محمد مگر رسول کہ پہلے اُن کے بہت سے پیغمبر گزرے ہیں۔ کیا اگر وہ مریں یا مارے جائیں تو پھر جاؤ گے تم لوگ اپنی ایڑیوں پر اور جو پھر جاوے گا اپنی ایڑیوں پر پس ہرگز نہ ضرر پہونچائے گا اللہ کو کچھ اور قریب ہے کہ اللہ جزا دے شکر کرنے والوں کو۔ سورہ برأت میں ہے یا ایھا الذین امنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فے سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیما ویستبدل قوماً غیرکم ولا تضروہ شیئاً واللہ علی کل شئی قدیر۔

اے وہ لوگ کہ ایمان لائے ہو کیا وجہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے تم سے کہ نکلو طرف خدا کی راہ کے تو بوجھل ہو جاتے ہو طرف زمین کے کیا راضی ہوئے تم ساتھ زندگانی دنیا کے بجائے آخرت پس نہیں ہے فائدہ زندگانی دنیا کا آخرت میں مگر کم اگر نہ نکلو گے تو خدا عذاب کرے گا عذاب الیم اور بدل لاوے گا قوم جو غیر تمہاری ہے اور نہ ضرر کرو گے اُس کو کچھ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی مضمون کو پھر خداوند عالم سورۂ محمد میں فرماتا ہے انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وان تومنوا وتتقوا یوتکم اجورکم ولا یسئلکم اموالکم ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم ھا انتم ھولاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل فانما یبخل عن نفسہ واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

یعنی نہیں ہے زندگانی دنیا مگر کھیل اور تماشا اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو دے گا تم کو ثواب تمہارا اور نہ مانگے گا تم سے سارے مال کو تمہارے اگر مانگے تم سے وہ مال پس تنگ کرے تم کو تو بخالت کرنے لگو اور نکال دے تمہاری بدنیتی کو خبردار ہو تم لوگ کہ جب پکارے جاتے ہو کہ خرچ کرو خدا کی راہ میں تو تم سے بعض تو وہ ہیں جو بخالت کرتے ہیں اور جو بخالت کرتا ہے نہیں بخالت کرتا ہے مگر اپنے نفس سے اور خدا غنی ہے تم لوگ فقیر ہو اور اگر پھر جاؤ تم تو بدل دے گا ایک قوم سوائے تمہارے پھر نہ ہوں گے وہ لوگ مانند تمہارے

سورۂ احزاب میں فرماتا ہے (۱) یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحاً وجنوداً لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیراً (۲) اذ جاءکم

ترجمہ شاہ عبد القادر) اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اوپر اپنے جب وقت آپڑے تم پر بہت سے لشکر تو بھیجے ہم نے اُن پر آندھی اور ایسے لشکر کہ نہ دیکھا تم نے اور اللہ دیکھنے والا ہے تمہارے کاموں کا (۲)

من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار
وبلغت القلوب الحناجر وتظنون بالله الظنونا
(٣) هنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا
شدیدا (٤) واذ یقول المنافقون والذین
فی قلوبهم مرض ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا
(٥) واذ قالت طائفة منهم یا اهل یثرب
لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منهم
النبی یقولون ان بیوتنا عورة وما هی بعورة
ان یریدون الا فرارا (٦) ولو دخلت علیهم من
اقطارها ثم سئلوا الفتنة لاتوها وما
تلبثوا بها الا یسیرا (٧) ولقد کانوا
عاهدوا الله من قبل لا یولون الادبار وکان
عهد الله مسئولا (٨) قل لن ینفعکم الفرار ان
فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون
الا قلیلا (٩) قل من ذا الذی یعصمکم من الله
ان اراد بکم سوءا او اراد بکم رحمة ولا یجدون
لهم من دون الله ولیا ولا نصیرا (١٠) قد
یعلم الله المعوقین منکم والقائلین لاخوانهم
هلم الینا ولا یاتون الباس الا قلیلا (١١)
اشحة علیکم فاذا جاء الخوف رایتهم ینظرون
الیک تدور اعینهم کالذی یغشی علیه من الموت
فاذا ذهب الخوف سلقوکم بالسنة حداد
اشحة علی الخیر اولئک لم یومنوا فاحبط الله
اعمالهم وکان ذلک علی الله یسیرا (١٢) یحسبون
الاحزاب لم یذهبوا وان یات الاحزاب یودوا لو
انهم بادون فی الاعراب یسالون عن
انبائکم ولو کانوا فیکم ما قاتلوا الا قلیلا (١٣) لقد کان

جس وقت کہ آئے وہ لوگ تم پر اوپر (پہاڑ) والی طرف
سے اور نیچے (زمین) سے اور جس وقت ٹیڑھی ہوئیں
آنکھیں اور پہونچ گئے دل حلق کو (منہ کو کلیجے آ لگے)
اور اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے (٣)
وہیں تو آزمائے گئے مومنون اور ہلائے گئے دل
ہلانا سخت (٤) اور جبکہ کہنے لگے منافقین اور وہ لوگ
کہ اُن کے دلوں میں مرض ہے نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے
خدا اور رسول نے مگر فریب دینے کو (٥) اور جس وقت
کہا ایک گروہ نے اُن سے کہ اے اہل مدینہ نہیں ہے جگہ
رہنے کی تمہارے لیے پس پھر جاؤ اور ایک فرقہ اُن میں سے
اجازت مانگتا تھا نبی سے کہتے تھے کہ ہمارے گھر خالی
ہیں حالانکہ وہ خالی نہ تھے نہ چاہتے تھے مگر بھاگنا (٦)
اور اگر وہ دخل کیے جائیں اُن پر لشکر
اور پھر اُن سے خواہش کی جائے فتنہ وفساد کی تو پہونچ
جائیں اُس کے لیے اور نہ ٹھہریں اُس کے لئے مگر تھوڑا (٧)
حالانکہ انھوں نے عہد کیا تھا اللہ سے پہلے اس کے کہ نہ
پھیریں گے پیٹھ اور ہے عہد اللہ کا سوال کیا گیا (٨) کہو
تو ہرگز فائدہ نہ دے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگو تم موت
سے یا قتل سے اور اُس وقت نہ فائدہ دیے جاؤ گے
مگر تھوڑا (٩) کہہ کون ہے جو بچائے گا تم کو خدا سے
اگر وہ ارادہ کرے تمھارے ساتھ برائی کا یا ارادہ کرے
تمھارے ساتھ رحمت کا اور نہ پائیں گے وہ واسطے
اپنے سوائے خدا کے کوئی دوست اور نہ مدد دینے والا
(١٠) ضرور جانتا ہے اللہ دیر کرنے والوں کو تم سے اور
کہنے والوں کو اپنے بھائیوں سے کہ چلے آؤ ہماری
طرف اور نہیں آتے لڑائی میں مگر بہت کم (١١) جان چرائے
ہوئے اوپر تمھارے پس جب آئے خوف تو دیکھے گا تو

لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان
یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر واللہ کثیرا (۱۴)
ولما را المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا
اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم
الا ایمانا وتسلیما۔

اُن کو کہ دیکھتے ہیں طرف تیری پھرتی ہیں آنکھیں ان کی
مانند اس کے کہ غشی آتی ہے اوپر اس کے موت سے
پس جب وقت جاتا رہتا ہے خوف تو بیٹھتے ہیں تمہارے
درمیان میں ساتھ زبانوں تیز کے بخیلی کرتے ہوئے اوپر
بھلائی کے۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس ناپید کردیئے
اللہ نے عمل اُن کے اور ہے یہ اللہ پر آسان (۱۲) گمان کرتے ہیں کفار کی جماعتوں کو کہ نہیں گئے اور اگر آویں
وہ جماعتیں تو دوست رکھیں گے کہ کاش وہ جنگل میں رہتے گنواروں میں۔ پوچھا کرتے تمہاری خبریں اور
اگر ہوتے درمیان تمہارے تو نہ لڑتے مگر تھوڑا (۱۳) تمہارے واسطے تو خود رسول اللہ کا ایک اچھا نمونہ تھا مگر
اسی شخص کے واسطے جو امید رکھتا ہے خدا کی اور روز قیامت کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت (۱۴)
اور جب وقت دیکھا مومنوں نے کافروں کی جماعت کو تو کہا انھوں نے یہ ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو خدا اور رسول
نے اور سچ کہا تھا اللہ ورسول نے اور نہ زیادہ کیا اُن کو مگر ایمان اور اطاعت کرنا۔

اور سورہ محمد میں فرماتا ہے (۱) ویقول الذین
امنوا لولا انزلت سورۃ فاذا انزلت سورۃ
محکمۃ وذکر فیھا القتال رایت الذین فی
قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی
علیہ من الموت فاولی لھم (۲) طاعۃ
وقول معروف فاذا عزم الامر فلو صدقوا اللہ
لکان خیرا لھم (۳) فھل عسیتم ان تولیتم
ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم
اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی
ابصارھم (۴) افلا یتدبرون القران ام علی
قلوب اقفالھا (۵) ان الذین ارتدوا علی
ادبارھم من بعد ما تبین لھم الھدی
الشیطن سول لھم واملی لھم (۶) ذلک
بانھم قالوا للذین کرھوا ما نزل اللہ
سنطیعکم فی بعض الامر واللہ یعلم اسرارھم
فکیف اذا توفتھم الملئکۃ یضربون (۷)

(۱) اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے کیوں نہیں
نازل کیا جاتا کوئی سورہ پس جب نازل کیا گیا
کوئی سورہ محکمہ اور ذکر کیا گیا اُس میں لڑائی کا تو
دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے
کہ دیکھتے ہیں طرف تیرے جیسا کہ دیکھتا ہے وہ
شخص کہ بیہوشی آتی ہے اُس پر موت سے پس خرابی ہے
واسطے اُن کے (۲) مطلب اُن کی فرمانبرداری ہے اور
قول معقول ہے پس جب مقرر ہو حکم پس اگر سچ بولیں
اللہ سے البتہ ہو بہتر واسطے اُن کے (۳) پس کیا ہو
تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے (یعنی حاکم
بنو) تو فساد کرو زمین میں اور قطع رحم کرو یہی لوگ ہیں
جن پر لعنت کی ہے اللہ نے پس بہرا کر دیا اللہ نے ان کو اور
اندھا کر دیا ان کی آنکھوں کو (۴) پس کیا نہیں تدبر
کرتے قرآن میں اور کیا اُن کے دلوں پر قفل ہیں سکہ
(۵) تحقیق جو لوگ کہ مرتد ہوئے اپنی پشت پر بعد
اس کے کہ ظاہر ہوئی اُن کے لئے ہدایت شیطان نے

وجوههم وادبارهم (۸) ذلك بانهم
اتبعوا ما اسخط الله وكرهوا رضوانه فاحبط
اعمالهم (۹) ام حسب الذين فی قلوبهم
مرض ان لن یخرج الله اضغانهم ولو نشاء
لاریناکهم فلعرفتهم بسیماهم (۱۰) ولتعرفنهم
فی لحن القول والله یعلم اعمالکم (۱۱)
ولنبلونکم حتی نعلم المجاهدین منکم والصابرین
ونبلو اخبارکم (۱۲) ان الذین کفروا وصدوا
عن سبیل الله وشاقوا الرسول من بعد ما تبین
لهم الهدی لن یضروا الله شیئا وسیحبط
اعمالهم (۱۳) یا ایها الذین امنوا
اطیعوا الله واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔

اُن کو زینت دی اور ڈھیل دیا اُن کو (۶) یہ بسبب
اس کے ہے کہ کہا اُنھوں نے واسطے اُن لوگوں کے کہ
کراہت کرتے تھے اُس چیز سے جسے نازل کیا خدا نے کہ
ہم تمہاری اطاعت کریں گے بعض امر میں اور خدا جانتا
ہے اُن کے بھیدوں کو (۷) پس کیا حال ہوگا اُن کا
جب قبض کریں گے فرشتے اُن کی روحوں کو مارتے ہوئے
اُن کے منھ اور پیٹھوں کو (۸) یہ بسبب اس کے ہے
کہ پیروی کی اُنھوں نے اُس چیز کی کہ ناخوش کرتی ہے
اللہ کو اور مکروہ رکھی اُس کی رضامندی پس ناپید کردیا
اللہ نے اُن کے عمل کو (۹) کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ
جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہ نکالے گا اللہ بدنیتی
اُن کی اور اگر ہم چاہیں البتہ دکھائیں ہم تجھیں اُن لوگوں
کو پس البتہ پہچان لیگا تو اُن کو اُنکے چہروں سے (۱۰) اور البتہ پہچانے تو اُن کو بول چال میں اور اللہ جانتا ہے تمھارے
عملوں کو (۱۱) اور البتہ آزمائیں گے ہم تم کو یہاں تک کہ ظاہر کردیں جہاد کرنیوالوں کو تم سے اور صبر کرنے والوں کو اور آزمائیں
تمہاری خبروں کو (۱۲) تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے اور بند کیا اُنھوں نے خدا کی راہ سے اور مخالفت کی رسول کی بعد اس کے کہ
ظاہر ہوئی واسطے اُن کے ہدایت ہرگز نہ ضرر دیں گے خدا کو کچھ اور قریب ہے کہ ناپید کردے اُنکے اعمال کو (۱۳) اے لوگو
جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو اُس کے رسول کی اور نہ باطل کرو اپنے عملوں کو۔

یہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں جن پر ایمان لانا اور سچ ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من
خلفہ اس کی شان ہے: صحاح ستہ کی روایتیں نہیں جن پر کج بحثی کی جائے اور ضعیف و صحیح کا ہیر پھیر لگایا جائے بلکہ نہایت
فصاحت سے خداوند عالم فرماتا ہے کہ اہل مدینہ جس میں مہاجرین و انصار سب داخل ہیں سرکشی کرتے ہیں نفاق پر۔ رسول اللہ
اُن کی ہدایت کو دوست رکھتے ہیں مگر وہ رسول کو نہیں دوست رکھتے منھ پر تو ہر طرح کی بات بناتے ہیں اور جب
سامنے سے علیحدہ ہوئے غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں کہ کیوں انکو عروج ہو رہا ہے ان کے دین کو ترقی ہو رہی ہے دیکھیو
حضرت کی شکایت قریش سے۔ صلاح ۲ ج ۱ اصحہ ۵

۵ قرۃ العینین شاہ ولی اللہ میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ سے شکایت کی کہ قریش جب باہم ملاقات
کرتے ہیں تو خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور جب ہم لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے تو اُن کی وہ حالت نہیں رہتی
اس خبر سے رسول اللہ ناراض ہوئے اور فرمایا قسم خدا کی کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک تم لوگوں کو
خدا اور رسول کے لیے دوست نہ رکھے انتہی ملخصًا۔

یہ لوگ مہاجر و انصار ایسے ہیں کہ خدا ان کے ارتداد کی صریحی لفظوں میں خبر دے رہا ہے کہ اگر رسول اللہ وفات پائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم لوگ مرتد ہو جاؤ گے یعنی ضرور ایسا ہو گا مگر اس سے خدا کا کچھ نہ بگڑے گا۔

اسی مضمون کو حضرت نے حدیث اصحابی میں ادا فرمایا ہے جو تمامی صحاح میں ہے فیجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول یا رب اصحابی اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فانھم لن تزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم کہ کچھ لوگ ہماری امت سے گرفتار ہو کر جہنم میں جائیں گے تو میں عرض کروں گا خدایا یہ تو میرے اصحاب سے تھے اُدھر سے آواز آئے گی تم نہیں جانتے انھوں نے کیا کیا بدعتیں تمہارے بعد کیں جب سے تم نے ان سے مفارقت کی یہ ہمیشہ مرتد رہے۔

انقلبتم علے اعقابکم قرآن کی آیت ہے اور لن یزالو مرتدین علی اعقابھم حدیث کا فقرہ ملا کر دیکھو تو سارا معمی حل ہو جائے۔

سورہ احزاب کی ایسی واضح اور روشن آیتیں ہیں کہ کچھ تشریح کی بھی ضرورت نہیں خدا اصحابہ کے نفاق دیرینہ کو کن لفظوں سے ظاہر کر رہا ہے کہ اس سے پڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا جس سے اُن کی خیانت کا اظہار ہو سکے۔

جنگ احزاب کہتے ہیں جنگ خندق کو جس میں رسول اللہ کو خاص مدینہ منورہ میں کفار سے جنگ کرنا پڑا ہے مگر صحابہ کے نفاق اور کینہ سے حضرت کو خندق کھودنی پڑی ہے اور اس درجہ ایذائیں حضرت کو ان مہاجرین و انصار سے اُٹھانی پڑی کہ خداوند عالم کو اس طرح ان کی صریحی مذمت کرنی پڑی حالانکہ خداوند عالم ستار العیوب ہو کسی کی پردہ دری نہیں چاہتا مگر یہاں ایسے واقعات پیش آئے کہ اظہار اُن کا ضروری ہوا۔

اس جنگ خندق کے حالات تمام عالم کو معلوم ہیں تواریخ میں بشرح و بسط تمام مذکور ہے نہ اس میں کوئی طولانی جنگ ہوئی ہے نہ زیادہ خونریزی بلکہ صرف عبدود کے مارے جانے پر یہ سارا جوش و خروش فرو ہو گیا میں اس مقدس فاتح کا نام نہیں لیتا جس کے ایک حملہ نے نہ صرف اسی ملعون کو واصل بجہنم کیا بلکہ سارے قریش کا قدم اُکھڑ گیا مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ عمرو بن عبدود ایسا بہادر تھا کہ خلیفہ دوم اُس کا نام لیکر تمام مسلمانوں کو ڈراتے تھے کہ یہ ایسا بہادر ہے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں دیکھا ہے اس بہادر نے ہزار جوانوں کا تنہا مقابلہ کیا سپر نہ رہی تو اس نے ایک اونٹ کو یا اونٹ کے بچہ کو پکڑ کر اُٹھا لیا اور اُسی کو سپر بنایا جس سے سب گریزاں ہوئے عمرو بن عبدود کی شہرت کچھ پہلے سے کم نہ تھی حالانکہ جنگ بدر میں وہ زخمی ہو چکا تھا مگر جس کے ایسے ایسے مداح ہوں پھر اُس کے نام و نمود کا کیا کہنا اور خاصکر ایسے مقام پر کہ وہ ھل من مبارز کی صدا دیتا ہو اور خلیفہ دوم اُس کی اس طرح مدح سرائی کریں تو پھر مسلمانوں میں کہاں جرأت تھی جو مقابلہ کو نکلتے۔

انہیں واقعات کی طرف خداوند عالم اشارہ کرتا ہے واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا مسلمانوں کی آنکھیں کج ہو گئیں کلیجہ منھ کو آنے لگا طرح طرح کی بدگمانی خدا کے ساتھ پیدا ہونے لگی اسی کی طرف اشارہ ہے، واذ یقول المنفقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورا۔

منافق لوگ اور وہ جن کے دل میں مرض تھا کہنے لگے خدا اور رسول نے جو وعدہ کیا تھا وہ سب فریب تھا۔
خاص اس واقعہ کی طرف اس میں اشارہ ہوگا قد یعلم اللہ المعوقین و القائلین لاخوانھم ھلم الینا ولا یاتون الباس الا قلیلا خدا جانتا ہے اُن لوگوں کو جو منع کرتے تھے اور اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ ہمارے پاس آؤ اور نہیں آتے لڑائی میں مگر تھوڑے۔
خداوند عالم ان مسلمانوں کی شجاعت کو کن پیارے لفظوں میں فخریہ طور پر ارشاد کرتا ہے فاذا جاء الخوف جب وقت خوف آتا ہے تو وہ اس طرح تیری طرف دیکھتے ہیں کہ گویا موت کی غشی طاری ہے اور جب وہ خوف نکل جاتا ہے تو پھر کیسی کیسی تیز زبانیاں دکھاتے ہیں۔ یہی تو وہ ہیں جو ایمان نہیں لائے اور ہم نے اُن کے اعمال کو بھی حبط کر دیا۔
پس جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کے پیش نظر یہ کل آیات قرآنی موجود تھے جو حالات مہاجرین و انصار کے لیے خدا داد آئینہ ہے تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ آپ اُن پر اعتماد کرتے کیونکہ انھیں آیات میں خداوند عالم فرماتا ہے ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تم پر رسول کی پیروی نیک لازم ہے۔
اگر اس پر بھی آپ کی تسکین نہ ہو تو خود جناب امیرؑ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں جو کتاب ملل و نحل شہرستانی میں موجود ہے کہ حضرت نے اصحاب معویہ کی نسبت کیا فرمایا ہے جس میں تمامی اہلسنت داخل ہیں۔ ملل و نحل میں ہے۔
"کہا قیس بن حازم نے کہ میں علی کے ساتھ تھا ہر حال میں یہانتک کہ بروز صفین کہا حضرت علیؑ نے کوچ کرو طرف بقیہ احزاب کے کوچ کرو طرف اُس قوم کے جو کہتے ہیں دروغ کہا اللہ نے اور اُس کے رسول نے اور تم لوگ کہتے ہو سچ کہا خدا اور رسول نے پس میں نے پہچانا کہ حضرت علی کا کیا اعتقاد ہے اس جماعت معویہ کے بارے میں پس میں نے کنارہ کیا اُن سے رص ۱۰۳ ملل و نحل۔
قیس بن حازم خود خارجی ہے اور اپنے مخالفت کی یہی وجہ قرار دیتا ہے کہ چونکہ جناب امیرؑ کا یہ اعتقاد تھا معویہ وغیرہ کے بارے میں لہذا اس نے مخالفت کی اور خارجی بنا۔ یہی وجہ ہے کہ اعمال عاشورہ میں ایک خاص نماز بطریقہ ائمہ معصومین منقول ہے جس میں یہی سورہ احزاب پڑھی جاتی ہے تاکہ مومنین کو اس کا تذکر ہو کہ حضرت نے کن وجہوں سے اس سفر غربت کو اختیار کیا اور اپنے وطن میں نہ رہے اور تاکہ مومنین کو معلوم ہو اسلام پر یہ مصیبت اسی وجہ سے نازل ہوئی کہ مہاجرین و انصار نے نفاق کو اپنا پیشہ کیا تھا اور اسلام سے مرتد ہو گئے تھے ورنہ اگر وہ مسلمان ہوتے تو اس کی نوبت کیوں آتی کہ خاندان رسالت اس طرح تباہ و برباد ہوتا اور امام حسینؑ اس سفر غربت میں مبتلا ہوتے۔
افسوس کہ میں اپنے مطلب سے کچھ دور ہو گیا کیونکہ میری غرض صرف اس قدر ہے کہ جناب امام حسینؑ نے کن مصالح سے ابن عمر کے اس مشورہ کو نہ قبول کیا کہ آپ مدینہ میں قیام فرمائیں یعنی وہیں رہ کر اُن سے جنگ کریں جس کے وجوہات آپکو بخوبی ان آیات سے معلوم ہو گئے کہ یہ مہاجرین و انصار جو مدینہ میں قیام فرما ہیں کسی طرح نہ قابل اعتماد ہیں نہ ان پر کسی طرح وثوق ہو سکتا ہے عام طور پر زیادہ سب منافق ہیں کیونکہ جو مومن تھا وہ حضرت کے ساتھ تھا۔
سورہ محمدؐ کی جو آیتیں ہیں وہ اس سے بڑھ کر ان صحابہ کے حالات پر روشنی ڈالنے والی ہیں جس میں آیہ فھل عسیتم

ان تولیتم ۔ ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم کا مطلب تو وہی ہے جو "فیصلہ قرآنی" میں آیہ ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوٰۃ الدنیا میں مذکور ہوا کہ خدا نے جس طرح اس آیہ میں ان کے حاکم بنانے کی خبر دی ہے اسی طرح اس آیہ میں۔ہاں جس طرح واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا فرمایا اسی طرح یہاں ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض فرمایا جس طرح وہاں لیہلک الحرث والنسل فرمایا اسی طرح تقطعوا ارحامکم یہاں ارشاد ہوا جس سے مطلب واضح ہوگیا کہ یہ شان انہیں لوگوں کی ہے جو اسلام پر حاکم اور خلیفہ بن کر یہ ظلم کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ جناب امام حسینؑ نے جو عمر بن سعد کو بد دعا دی ہے تو یہی فرمایا ہے قطع اللہ رحمک کما قطعت رحمی۔ جس سے بوضوح تمام ظاہر ہے کہ یہی لوگ قاطع رحم ہوئے۔

ہاں ان آیات میں لفظ اضغانکم بہت کچھ قابل قدر ہے کہ خدا فرماتا ہے کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے دلوں کا کینہ نہ ظاہر ہوگا حالانکہ ہم اگر چاہیں تم کو دکھا دیں کہ تم ان کے چہروں سے پہچان لو۔ اس آیہ کو اور اس حدیث کو جو اصلاح ۔ جلد ۱۱ صفحہ ۱۲ میں لکھی گئی ہے کہ حضرت نے مدینہ کی ایک گلی میں جناب امیرؑ کو گلے سے لگایا ہے اور روئے ہیں جس پر حضرت نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں تو فرمایا ان کے دلوں میں کینہ ہے جس کو وہ تم سے بعد ہمارے مرنے کے ظاہر کریں گے۔ ملاؤ تو معلوم ہو جائے وہ کینہ ور اشخاص کون تھے اور کس سے وہ کینہ نکالا گیا اسی کی طرف خدا نے اس آیہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ کتاب ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ میں ہے صفحہ ۱۲۵ مقصد اول۔

اخرج ابو یعلی عن علی ابن ابیطالب قال بینما رسول اخذ بیدی ونحن نمشی فی بعض سکک المدینۃ اذا اتینا علی حدیقۃ فقلت یا رسول اللہ ما احسنہا من حدیقۃ قال لک فی الجنۃ احسن منہا حتی مررنا بسبع حدائق کل ذلک اقول احسنہا ویقول لک فی الجنۃ احسن منہا خلا لہ الطریق اعتنقنی ثم اجہش باکیا قال قلت یا رسول اللہ ما یبکیک قال ضغائن فی صدور اقوام لا یبدونہا لک الا من بعدی قلت یا رسول اللہ فی سلامۃ من دینی قال فی سلامۃ من دینک ملاحظہ ہو اصلاح جلد ۱۱ صفحہ ۱۲

افسوس کہ یہ مقام دوسرا ہے جہاں ہم ان آیات کی شرح پورے طور سے نہیں کر سکتے مگر حیات مستعار نے اگر وفا کی تو اسی جلد میں فیصلہ قرآنی کا سلسلہ پھر سے شروع کیا جائیگا جس میں یہ آیات اور اس قسم کی صدہا نہیں بلکہ ہزارہا آیتیں دکھائی جائیں گی جن میں خداوند عالم نے ان صحابہ مہاجرین و انصار کے پوست کندہ حالات کو بیان فرمایا ہے۔

مگر یہاں تو آپ کو اسقدر معلوم ہو گیا کہ جناب امام حسینؑ مدینہ میں کیونکر قیام فرما تے جب یہ آیات قرآنی آپ کے پیش نظر تھیں کہ خدا نے کن کن لفظوں سے انکی بیوفائی۔ خود غرضی۔ بزدلی۔ بدچلنی۔ زبان درازی۔ کینہ وری کو ظاہر کیا ہے جناب امام حسینؑ کیا معرکہ صفین میں تشریف فرما نہ تھے بچشم خود نہ دیکھا تھا کہ خلیفہ دوم کے چہیتے صاحبزادے عبیداللہ بن عمر کس طرح چار ہزار کا لشکر لیکر جناب امیرؑ سے لڑنے آئے تھے اور خلاف سیرت آبائی اس وقت تک نہ ہو کہ سے نہ ہے جبتک کہ ان کا خاتمہ نہ ہوا۔

تو کیا آپ خود عبداللہ بن عمر سے مطمئن ہو سکتے تھے جنھوں نے آپ کو قیام مدینہ کی رائے دی کہ یہ ہم سے نہ لڑیں گے اور ہمارے خون میں شریک نہ ہوں گے۔

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ بعد شہادت جناب امام حسینؑ جب اہل مدینہ نے یزید کو خلافت سے معزول کرنا چاہا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر نے کس طرح تلوار سے فیصلہ کی دھمکی دی تھی حالانکہ یہ تارک دنیا ہو چکے تھے مگر اس وقت محبت یزیدی سے ایسا جوش آگیا کہ نہ عبادت کا خیال رہا نہ ترک دنیا کا آمادہ بجنگ ہو گئے۔

آپ یہاں ضرور کہیں گے کہ جناب امام حسینؑ شہادت پر آمادہ تھے اور بعلم الیقین آپ کو معلوم تھا کہ میں شہید ہوں گا تو پھر عبداللہ بن عمر کے ہاتھ سے شہید ہونے میں اور عمر بن سعد کے ہاتھ سے شہادت پانے میں کیا فرق تھا کیونکہ شہادت ہر طور تھی۔

مگر اس اعتراض کی وجہ وہی ہے کہ فعل امام کے مصالح پر کم نظر جاتی ہے رسول یا امام کا کام احقاق حق ہے کہ حتے الامکان حق کو ایسا واضح کر دیں کہ پھر عقلاء کو شبہہ نہ رہے اسی وجہ سے قیام مکہ کو ترک کیا اسی وجہ سے قیام مدینہ کو ترک کیا کہ احقاق حق پورے طور سے نہیں ہوتا۔

کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ اگر جناب امام حسینؑ عبداللہ بن عمر کی جنگ میں مارے جاتے تو ایک متنفس بھی سنیوں کے حضرت کی مظلومیت کا اقرار کرتا اور اتنی بھی ہمدردی اس شہید راہ خدا سے کی جاتی؟ ہرگز نہیں۔

کیا آپ کو اہلسنت کا یہ اعتراض نہیں معلوم کہ کہتے ہیں اگر خلفائے ثلثہ کی خلافت ناجائز تھی تو جناب امیرؑ نے تلوار سے کیوں نہ فیصلہ کیا جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اچھا جہاں اس تلوار سے فیصلہ کیا گیا اُنھیں کے حق میں کچھ کہو تو عائشہ طلحہ زبیر معاویہ موجود ہیں تو کس خوبصورتی سے وہاں خطائے اجتہادی کا لطیفہ نکالا جاتا ہے۔

اب تو آپ کو امام حسینؑ کی مصلحت معلوم ہوئی کہ اگر آپ مدینہ میں قیام فرماتے اور یہ صحابہ مہاجرین وانصار اُدھر ہو جاتے تو حق کیسا مشتبہ ہو جاتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ممکن تھا وہ صحابہ آپ کے طرفدار ہوتے تو اگرچہ واقعات مابعد سے اس کی تردید ظاہر ہے مگر خود اصل واقعہ آپ کی تسکین کو کافی ہے کہ جناب امام حسینؑ نے مدینہ کو مخفی طور پر چھوڑا ہے۔ بھاگ کر نہیں آئے ہیں بلکہ بکمال استقلال وہاں سے مکہ آئے اور پانچ مہینے یہاں قیام کیا اور بروز ترویہ کہ تمام حجاج آمادہ حج ہیں آپ نے سفر عراق اختیار کیا ہے اگر اُن صحابہ میں کچھ بھی اسلام کا اثر ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ فرزند رسول کو تنہا جانے دیتے دوسروں کو جانے دیجئے خود عبداللہ بن عمر نے تو حضرت سے اُس وقت بھی ملاقات کی ہے جب آپ طلب بیعت پر مدینہ سے روانہ ہوئے جب پر ابن عمر نے وہ مشورہ دیا اور اُس وقت بھی ملاقات ہوئی کہ جب آپ سفر عراق کر رہے ہیں مگر کہاں اسلام تھا اور کہاں ایمان جو ساتھ دیتے۔

ہاں یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ آخر یہی صحابہ مہاجرین وانصار تھے جنھوں نے رسول اللہؐ کے عہد میں اسلام کی خدمت کی اور خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کیسے کیسے فتوحات کئے اب کیا ہو گیا جو ان کی یہ حالت ہو گئی۔

مگر اس کا جواب تو آپ کو خود قرآن مجید دے گا کیونکہ جو کچھ مذمت کی ہے قرآن نے

ان صرف قرآن

کی آیتیں پیش کی گئی ہیں جن سے صرف اُن کی ایمانداری ہی نہیں ظاہر ہے بلکہ ان کی شجاعت بھی نمایاں ہے کہ ذرا سے خوف وہراس پر ان کی آنکھیں پھر جاتیں موت کی غشی اُن پر طاری ہوتی پھر وہ کیا اسلام کی مدد کرتے ہاں سوادِ لشکر کے لیے ضرور رہتے اور جو اعمال کرتے تھے اُن کا بیان کرنے والا خود قرآن ہے۔ ہم کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

ہاں سیر و تواریخ دیکھیے تو معلوم ہو کہ جنگ اُحد سے لیکر تا بہ جنگ طائف و حنین کس نے فتح کی اور کون ہر وقت جان نثاری پر آمادہ رہتا اور کون لوگ فرار کرتے جس سے آپ کو پتہ مل جائے گا کہ یہ صحابہ جن کی قرآن نے مذمت کی ہے کون تھے اور کیسے تھے۔

رہے وہ فتوحات جو بعہد خلفائے ثلاثہ ہوئے اُن کے فاتح بیشک یہی مہاجرین و انصار تھے مگر اس کے اصلی فاتح بھی وہی تھے جو عہد رسول اللہ میں فاتح رہے کیونکہ خود خدا فرماتا ہے والقینا فی قلوبہم الرعب کہ ہم نے کافروں کے دل میں رعب ڈال دیا یہی رعب جو عہد رسول اللہ سے قائم ہو چکا تھا آج یہ کام کر رہا ہے کہ تمام دنیا میں ان کا سکہ جم رہا ہے ورنہ اصلی حالت اُن کی وہی تھی جسے قرآن نے بآیں وضاحت بیان کیا اور انہیں مصالح سے جناب امام حسینؑ نے کسی طرح ان پر نہیں اعتماد کیا۔

یہ لوگ جس طمع سے اسلام لائے تھے وہ سب اُن خلافتوں کی بدولت پورے ہوئے لہذا اُس کے ساتھ رہے جب دیکھا کہ اب وہ فوائد نہیں حاصل ہو سکتے گھر میں بیٹھے رہے نہ اس کی فکر ہے کہ اسلام تباہ ہو رہا ہے نہ اس کا خیال ہے کہ خاندانِ رسالت برباد ہو رہا ہے۔

جناب امام حسینؑ اُن سب حالات کو بچشم خود دیکھ چکے تھے کہ جب رسول اللہؐ بیمار ہوئے اور طاقت نے جواب دیا تو بعض صحابہ نے جن میں مہاجرین و انصار سب داخل ہیں کس طرح کی بیوفائی کی حضرت تاکید پر تاکید فرما رہے ہیں لشکر اسامہ کے ساتھ جاؤ مگر کوئی نہیں جاتا کیونکہ اُن کو معلوم تھا یہ لشکر محض تنبیہ و تادیب کے لیے جا رہا ہے نہ اس میں لڑائی ہوگی نہ مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا لہذا انصار نے اس وجہ سے پہلو تہی کی۔ مہاجرین کو خلافت کی تاک لگی ہوئی تھی کہ ابھی دو مہینے بھی نہیں ہوئے کہ خم غدیر میں جناب امیرؑ کو بالاعلان خلیفہ مقرر کر چکے ہیں اگر آج جاتے ہیں تو پھر کوئی موقع باقی ہی نہیں رہتا ہر چند حضرت لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ فرماتے رہے مگر نہ جانا تھا نہ گئے۔

جناب امام حسینؑ کو وقت رحلت رسول کی حالت بھی یاد تھی کہ ان مہاجرین و انصار نے حضرت سے کیسی بے سلوکی کی کہ ایک متنفس بھی شریک نماز جنازہ نہ ہوا جس پر جناب سیدہ نے اُن سے یہ شکایت کی جیسا کہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے فوقفت فاطمۃ علی بابہا فقالت لا عہد لی بقوم حضروا اسوء محضر منکم ترکتم رسول اللہ جنازۃ بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم لم تستامرونا ولم تروا لنا حقا ص ۱۲ مطبوعہ مصر۔

یعنی پس کھڑی ہوئیں جناب سیدہ اپنے مکان کے دروازہ پر اور کہا آج تک ہم کو کوئی قوم ایسی نہیں معلوم ہوئی جو تم سے بدتر محضر پر حاضر ہو کہ چھوڑ دیا تم لوگوں نے رسول اللہ کا جنازہ ہمارے سامنے اور اپنے امر کا فیصلہ کیا جس میں نہ ہم سے مشورہ لیا گیا نہ ہمارے حق کا خیال کیا۔

پھر جناب امام حسینؑ کو ان صحابہ مہاجرین و انصار سے کیا نصرت کی اُمید ہو سکتی تھی کہ جب خود رسول اللہ کے ساتھ ان کا یہ حسن سلوک تھا تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے کیونکہ مہاجرین و انصار سب تو ایک حال میں اپنی اپنی فکر سب کو ہے۔ خدا و رسول سے کسی کو مطلب نہیں۔

جناب امام حسینؑ اُس وقت موجود تھے جب جناب سیدہ اور خلیفہ اول سے اس طرح گفتگو ہوئی ملاحظہ ہو کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ۔

فقالت ارایتکما ان حدثتکما حدیثا عن رسول اللہ تعرفانہ وتفعلان بہ قالا نعم فقالت نشدتکما اللہ الم تسمعا رسول اللہ یقول رضا فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی ومن ارضی فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی قالا نعم سمعناہ من رسول اللہ قالت فانی اشہد اللہ وملائکتہ انکما اسخطتمانی وما ارضیتمانی وان لقیت النبی لاشکونکما الیہ فقال ابوبکر انا عائذ باللہ تعالیٰ من سخطہ وسخطک یا فاطمۃ ثم انتحب ابوبکر یبکی حتی کادت نفسہ ان تزھق وھی تقول واللہ لادعون اللہ علیک فی کل صلوٰۃ اصلیہا ثم خرج ابوبکر باکیا فاجتمع الیہ الناس فقال لھم یبیت کل رجل منکم معانقا حلیلتہ مسرورا باھلہ وترکتمونی وما انا فیہ لاحاجۃ لی فی بیعتکم اقیلونی بیعتی قالوا یا خلیفۃ رسول اللہ ان ھذا الامر لا یستقیم وانت اعلمنا بذلک انہ ان کان ھذا لم یقم اللہ دین فقال واللہ لولا ذلک وما اخافہ من رخاوۃ ھذہ العروۃ مابت لیلۃ ولی فی عنق مسلم بیعۃ بعد ما سمعت ورایت من فاطمۃ رض ص ۲۴

جناب سیدہؑ نے شیخین سے فرمایا کیا رائے ہے تمہاری اگر کوئی حدیث ہم رسول اللہؐ کی بیان کریں تو تم مانو گے دونوں نے کہا ہاں حضرت نے کہا ہم تم کو قسم دیتے ہیں سچ کہو کہ رسول اللہؐ کو یہ کہتے تم نے سنا تھا کہ فرماتے تھے رضائے فاطمہؑ ہماری رضا ہے اور اُن کی ناراضی ہماری ناراضی ہے جس نے میری بیٹی فاطمہ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا اور جس نے ان کو ناراض کیا اُس نے ہم کو ناراض کیا۔ دونوں نے کہا بیشک ہم نے رسول اللہؐ سے اس حدیث کو سنا ہے تب جناب سیدہ نے فرمایا میں خدا اور فرشتوں کو گواہ کرتی ہوں کہ تم نے ہم کو ناراض کیا اور راضی نہیں کیا اگر میں نے رسول اللہؐ سے ملاقات کی تو تم دونوں کا شکوہ کروں گی۔ ابوبکر نے کہا ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں اُسکے غضب سے اور تمہارے غضب سے اے فاطمہؑ یہ کہہ کر ابوبکر اس طرح رونے لگے کہ قریب تھا اُن کی جان نکل جائے اور جناب سیدہؑ کہتی تھیں کہ قسم خدا کی ہم تجھ پر بد دعا کریں گے ہر نماز میں اس کے بعد ابوبکر روتے ہوئے باہر نکلے تو لوگ اُن کے پاس جمع ہوئے۔ ابوبکر نے کہا تم لوگوں سے ہر شخص خوش خوش اپنی زوجہ کے گلے میں باہیں ڈال کر سوتا ہے اور ہم کو اس مصیبت میں ڈال دیا ہم کو تمھاری بیعت کی حاجت نہیں معاف کرو۔ لوگوں نے کہا اے خلیفہ رسول یہ امر خلافت اس طرح درست نہیں ہوگا اور تم ہم سے زیادہ جانتے ہو۔ ابوبکر نے کہا اگر یہ نہ ہوتا تو ہرگز میں اس پر راضی نہ ہوتا کہ ایک رات بھی کسی مسلمان کی بیعت میری گردن پر رہے بعد اس حالت کے جو میں نے فاطمہؑ کی دیکھی اور اس کلام کے جو میں نے فاطمہؑ سے سنا۔

میں نہیں سمجھتا وہ شخص کیونکر مدعی اسلام ہو سکتا ہے جو حضرت کا کلام خود اپنے کانوں سُنے اور پھر اُس کی مخالفت کرے کیونکر کافر و مسلمان میں یہی تو فرق ہے کہ کافر رسول کو سچا نہیں جانتا دل میں اُس کا اعتقاد نہیں اور مسلمان وہ ہے جو آنحضرت کو مخبر صادق جانتا ہے اور دل سے سچا مانتا ہے پس یہاں دو ہی صورت ہے یا تو رسول اللہ صادق ہیں اور جو نہیں مانتا وہ کافر ہے یا معاذ اللہ حضرت اپنے کلام میں کاذب ہیں تو پھر سب باتیں آسان ہیں۔

غرض جناب امام حسینؑ ان کل حالات سے مطلع تھے اور سارے واقعات سے واقف تھے پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرت ان پر اعتماد کرتے کیونکہ اگر ابو بکر صاحب کچھ پسیجے بھی تھے تو اہل مدینہ نے پھر اُن کو بہکایا اور پس ہوا جو ہوا۔

جناب امام حسینؑ کو وہ کلام جناب سیدہ نہ بھولا ہوگا جو حضرت نے بمخاطبہ انصار فرمایا تھا کیونکہ وہاں حسنینؑ کے ظلموں کی فریاد حضرت نے انصار سے کی تھی اور کسی کو رحم نہ آیا تھا خطبہ جناب سیدہ میں ہے۔

ثم عدلت الی مسجد الانصار و قالت یا معشر الفتیة و یا عماد الملة وحضنة الاسلام ما هذه الغمیزة فی حقی والسنة عن ظلامتی اما کان الرسول الله ان یحفظ فی ولده سرعان ما احدثتم وعجلان ذا اهالة تزعمون مات رسول الله فخطب جلیل استوسع وهنه واستنهر فتقه وفقد راتقه و اظلمت الارض واکتابت خیرة الله وخشعت الجبال قلت واکدت الامال واضیع الحریم واذیل الحرمة فتلک اذله اعلن بها کتاب الله فی افنیتکم لمسائکم و صبحکم هتافا ولقبله ما حلت بانبیاء الله ورسله وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین ایها بنی قیلة اهضم تراث ابی وانتم بمرائی ومسمع تلبسکم الدعوة وتشملکم الخبرة وفیکم العدة والعدد ولکم الدار والجنة وانتم الاولی نخبة الله التی انتخبت وخیرة الله التی اختار لنا اهل البیت فبادیتم العرب وناطحتم الامم و کافحتم البهم لانبرح وتبرحون نامرکم فتاتمرون حتے اذا دارت لکم بنا رحی الاسلام ودر حلب الایام

اس کے بعد انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا اے بہادران دین کے بازو اسلام کے انصار یہ کیسی سستی ہے تمہاری حق میں میرے مجھ پر جو ظلم و ستم ہوتا ہے اس سے غفلت کرتے ہو کیا میرے باپ رسول اللہ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہر شخص کی رعایت اس کی اولاد میں کرو کتنا جلد تم بدعت پر احداث کرنے لگے اور حمایت دین سے دست بردار ہوئے حالانکہ میری امداد پر قادر ہو اور قوت رکھتے ہو اگر یہ کہو کہ محمد مر گئے تو بیشک یہ مصیبت عظیم ہے جس کا اثر آسمان و زمین و پہاڑ اور جنگل سب پر ظاہر ہوا ستارے بسبب اس کے تیرہ و تار ہو گئے حرمتیں ضائع ہو گئیں جن سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں ہے کہ تم دین سے پھر جاؤ خود خدا فرماتا ہے نہیں ہے محمد مگر ایک رسول جن کے پہلے اور رسول گزر رہے ہیں تو کیا اگر وہ مرے یا قتل ہو تو تم دین سے پھر جاؤ گے جو پھرے دین سے وہ خدا کو ضرر نہیں پہونچا سکتا قریب ہے خدا جزا دے شکر کرنے والوں کو اے بنی قیلہ کیا میرا ارث پدری ہضم ہو جائے گی اور تم دیکھتے رہو گے اور مجمعوں میں بیٹھے رہو گے حالانکہ تمہاری تعداد زیادہ ہے اور اسلحہ جنگ موجود ہیں۔ کیا ہم تم کو پکاریں گے اور جواب نہ دو گے فریاد کریں نالہ و شیون کریں فریاد رسی نہ کرو گے حالانکہ تمہاری شجاعتیں مشہور ہیں اب کیوں حیران ہو بعد بیان کے اور مشرک ہوتے ہو بعد ایمان کے (ترجمہ آیت) کیوں نہیں کرتے ہو

وخبت نیران الحرب وسکنت فورة الشرک
وهدئت دعوة الهرج واستوسق
نظام الدین فانی حرتم بعد البیان ونکصتم
بعد الاقدام عن قوم نکثوا ایمانهم بعد
عهدهم وطعنوا فی الدین فقاتلوا ائمة الکفر
انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون الا تقاتلون
قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول
وهم بدؤکم اول مرة اتخشونهم والله
احق ان تخشوه ان کنتم مومنین الا وقد اری
والله ان قد اخلدتم الی الخفض ورکنتم
الی الدعة فمججتم الذی وعیتم ودسعتم
الذی سوغتم فان تکفروا انتم ومن فی الارض
جمیعا فان الله لغنی حمید الا وقد قلت
الذی قلت علی معرفة منی بالخذلة
التی خامرتکم وخور القناة وضعف الیقین
ولکنه فیضة النفس ونفثة الغیظ
وبثة الصدر ومعذرة الحجة فدونکموها
فاحتقبوها مدبرة الظهر ناقبة الخف
باقیة العار موسومة بشنار الابد
موصولة بنار الله الموقدة التی تطلع علی
الافئدة انها علیهم موصدة فبعین الله
ما تفعلون وسیعلم الذین ظلموا ای
منقلب ینقلبون وانا ابنة نذیر لکم
بین یدی عذاب شدید فاعملوا
انا عاملون وانتظروا انا منتظرون ۔

اُس قوم سے جس نے عہد توڑ دیا قصد کیا کہ
رسول کو نکال دیں یہی لوگ ہیں جنھوں نے
ابتدائے قتال کی تم ان سے کیا ڈرتے ہو ان سے
خدا زیادہ مستحق ہے کہ ڈرو اگر ہو ایمان والے
(جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو آپ فرماتی
ہیں) معلوم ہوتا ہے اب راحت پسندی آگئی
تم میں مستحق خلافت کو نکال کر چین سے بیٹھے
ہو آرام پایا تنگی سے نجات ملی علم دین جو
گلے تک پہونچا تھا اُس کو تھوک دیا حلق سے
نکال ڈالا (آیہ) پس اگر کافر ہو تم اور جتنے
لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کافر ہو جائیں تو خدا غنی اور حمید
ہے آگاہ رہو کہا جو میں نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ تم
مکر کروگے۔ میری مدد نہ کروگے دل میں درد والم
کے بخارات جمع تھے اس وجہ سے ظاہر کیا اس قسم
حجت کو تم پر تمام کیا کہ قیامت کے دن کوئی
عذر نہ کرو نے لو لے جاؤ میرے حق کو جس سے
دائمی ننگ و عار اور غضب خدائے قہار کے
مستحق ہو خدا دیکھتا ہے جانتا ہے ہمارے
حق کو (آیہ) قریب ہے جانیں وہ لوگ
جنھوں نے ظلم کیا کہ کس جگہ اُلٹے پلٹے جائیں گے
میں بیٹی ہوں اُس کی جو تم کو ڈراتا تھا غضب خدا
سے جو تمہارا دل چاہے کرلو ہم بھی جو حق سمجھتے
ہیں وہی کرتے ہیں انتظار کرو عذاب کا جیسا کہ
ہم انتظار کرتے ہیں ثواب کا۔

یہ خطبہ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کا ہے جس کی سندیں کتاب تشیید المطاعن جلد اول صفحہ
۴۹۹ میں مذکور ہیں اور اُس کا پورا ترجمہ تحفتی ص۲۳۴ میں موجود یہاں تفصیلی بحث مطلوب
نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ جناب سیدہ نے جو بضعۃ الرسول تھیں کس درد بھرے کلام سے انصار
کو مخاطب کیا ہے اور کس طرح اُن سے فریاد کی ہے مگر کوئی نصرت پر آمادہ ہوا؟ حاشا وکلا
ہرگز نہیں پھر فرمایئے جناب امام حسینؑ کیا ان سے امید کرسکتے۔
یہ عام قاعدہ ہے کہ عورتوں کے استغاثہ پر عام طور پر جوش پیدا ہوتا ہے اسی لیے عرب لڑائیوں
میں اپنے ساتھ عورتوں کو رکھتے تھے کہ اگر کوئی بزدلی کرے تو عورتیں اس کو غیرت دلائیں اور

اُس کا جوش ترقی کرے مگر ہائے یہاں کونسی عورت فریاد کرتی ہے۔ دخترِ رسول جس کے سوا دنیا میں کوئی بیٹی رسول کی نہیں ہے کس بات کی فریاد کرتی ہے کہ میرا حق غصب ہو رہا ہے۔ حق رسی کرو مگر کسی کو غیرت نہ آئی پھر ایسے صحابہ مہاجرین و انصار سے جناب امام حسینؑ کیا اُمید کرتے۔

اس خطبہ میں جناب سیدہ نے قرآن کی چند آیتوں سے استدلال کیا ہے ایک آیہ "ما محمد الا رسول" ہے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب سیدہ ان لوگوں کو اُس آیہ کا مصداق سمجھتی ہیں کہ "انقلبتم علی اعقابکم" ان پر منطبق ہے۔

دوسرے آیہ "فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لھم" ہے کہ حضرت نے ان غاصبین کو ائمہ کفر فرمایا۔

اب جو لوگ خدا اور رسول پر ایمان لائے ہیں اور جناب رسالتمآبؐ کو مخبر صادق مانتے ہیں وہ تو اس پر مجبور ہیں کہ جناب سیدہ کو صادق مانیں اور ان لوگوں کو ائمہ کفر جانیں رہے وہ لوگ جو حضرت کو صادق نہیں مانتے وہ مختار ہیں ہم کو ان سے بحث بھی نہیں کیونکہ غاصب کا حق پر قبضہ ہے مددگاروں کی کثرت ہے جس کا گھر چاہیں لوٹ لیں جس کو چاہیں پھونک دیں آخر پھونک ہی دیا کسی نے اُن کا کیا بگاڑا قرآن کی آیتیں سنائیں رسول کی حدیثیں یاد دلائیں وہ لوگ سنتے رہے یہ عاجز آ کر چپکے ہو رہیں لڑنے کا موقع نہ تھا جنگ کی مصلحت نہ تھی اتمام حجت کر کے گھر آئیں اور وصیت کی کہ میرے جنازہ پر یہ لوگ نہ آئیں۔

پھر کیونکر جناب امام حسینؑ ان پر بھروسہ کرتے اور ان پر اعتماد کر کے مدینہ میں جنگ فرماتے۔ کربلا سے یہاں زیادہ مصیبت تھی اور پھر وہ علانیہ شہادت نہ ثابت ہوتی جو ہوئی۔ جناب امام حسینؑ اہل مدینہ کی یہ روش بھی دیکھ چکے تھے کہ انھوں نے خود حضرت عمر کو کتنا پریشان کیا تھا جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے جلد ۳ صفحہ

قال الشعبی لم یمت عمر بن الخطاب حتی ملته قریش وقد کان حصرهم بالمدینة وقال اخوف ما اخاف علی هذه الامة انتشارکم فی البلاد قال جاء الرجل منهم یستاذنه فی الغزو فیقول قد کان لک فی غزوک مع رسول الله ما یبلغک وخیر لک من غزوک الیوم ان لا تری الدنیا ولا تراک وکان یفعل هذا بالمهاجرین من قریش ولم یفعل بغیرهم من اهل مکة۔

یعنی شعبی کہتے ہیں کہ خود عمر کو عاجز کر دیا تھا قریش نے اس لیے سب کو محصور رکھا مدینہ میں اور کہتے تھے سب سے زیادہ جو ہم کو اس امت پر خوف ہے تو اسی امر سے کہ تم شہروں میں پھیلو۔ اگر کوئی مہاجرین سے طالب اذن ہوتا ان سے کہ کسی غزوہ میں جائے وہ تو حضرت عمر کہتے۔ جو جہاد تم رسول اللہ کے ساتھ کر چکے ہو وہ کافی ہے اب تمہارے جہاد سے یہ بہتر ہے کہ نہ تم دنیا کو دیکھو اور نہ تم کو دنیا دیکھے یہ فعل اُن کا مہاجرین کے ساتھ تھا قریش سے نہ اُن لوگوں کے ساتھ جو غیر مہاجر تھے اہل مکہ سے۔ پس جب خود حضرت عمر کے ساتھ ان مہاجرین کا یہ حال تھا کہ وہ آخر عاجز آ گئے اور ان کو نظر بند کیا مدینہ میں کہ نکلنے نہ دیتے تو جناب امام حسینؑ ان سے کیا اُمید رکھتے۔ کیا غضب ہے کہ جن مہاجرین کی شان میں خود حضرت عمر یہ فرماتے ہیں اخوف ما اخاف علی هذه الامة انتشارکم فی البلاد کہ اس امت کے لیے سب سے زیادہ خوفناک یہی ہے کہ یہ صحابہ مہاجرین شہروں میں پھیلیں اُنھیں صحابہ کی سیرت اور عمل کو اہل سنت اپنا مذہب

بناتے ہیں اور اُنھیں کو پیشوائے دین مانتے ہیں اس سے بڑھ کر کیا بدیہی ہو سکتی ہے کہ خدا اسی طرح اُن کی مذمت کرے رسول اللہ اس طرح ان کی بدیہی کو ظاہر کریں خلیفہ دوم یوں ارشاد فرمائیں اور اہلسنت ایک کو بھی نہ مانیں اور صحابہ پرستی ہی میں مشغول رہیں۔ حضرت عمر کے طرز عمل کی تصریح جو حضرت عثمان نے کی ہے وہ سب سے زیادہ تسکین دہ ہے اُسی طرح تاریخ کامل میں ہے صفحہ ۵۸ جلد ۳ ولقد علمتم علی ما قرر تم لابن الخطاب بمثلہ ولکنہ قد وطئکم برجلہ وضربکم بیدہ وقمعکم بلسانہ فدنتم لہ علی ما احببتم وکرہتم ولنت لکم واوطائکم کتفی وکففت یدی ولسانی فاجترء تم علی۔

یعنی خدا کی قسم تم ہماری اُنھیں باتوں کو معیوب جانتے ہو جن کو قبول کیا تھا ابن خطاب کے لیے مگر اُس نے تمھیں پیروں سے کچلا۔ ہاتھوں سے مارا اور زبانوں سے قلع قمع کیا لہذا تم نے اُن کی ہر بات کی اطاعت کی خواہ وہ تمھیں پسند تھے یا ناپسند اور ہم نے تمھارے ساتھ نرمی کی اور اپنے بازو پر سوار کیا اپنے ہاتھ اور زبان کو روکا اس لیے تم ہم پر دلیر ہو گئے۔

اب حضرات اہلسنت انصاف کریں کہ جن صحابہ مہاجرین و انصار کی یہ حالت ہو کہ خود خلیفہ دوم سوم اُن کے حق میں یہ کلمات ارشاد فرمائیں اور اُن کے ساتھ یہ برتاؤ کریں تو کیا وہ اس قابل ہو سکتے ہیں کہ دین کے ماخذ ہوں اور شریعت کے حامل جن لوگوں کو دنیا میں پھرنے چلنے کو خلیفہ دوم قابل خود بتائیں کیا وہ اس قابل ہو سکتے ہیں کہ اُن کو ہم اپنا پیشوا بنائیں۔

کیا یہاں بھی آیات قرآنی کی طرح یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ سب کلمات تو منافقین کے لیے ہیں کیا اہلسنت اس کا اقرار کریں گے کہ مہاجرین میں بھی منافق تھے۔

اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ خلیفہ دوم ایک بد مزاج شخص تھے جس سے صحابہ نے اُن کو غلظا غلیظا کا خطاب دیا تھا اور خلیفہ سوم کم عقل تھے جس سے بلقب نعثل ملقب ہوئے تو اب میں خود خلیفہ اول کے چند فقرات یہاں لکھتا ہوں جس سے اُن صحابہ کے پورے حالات معلوم ہوں دیکھیے یہ کلام اُس وقت کا ہے کہ جب خلیفہ اول کی رحلت کا وقت قریب آگیا ہے اُس وقت عبد الرحمن بن عوف آئے ہیں مزاج پرسی کر رہے ہیں قال ابوبکر انی لشدید الوجع ولما لقیت منکم یا معاشر المہاجرین اشد علی من وجعی انی ولیت امرکم خیرکم فی نفسی فکلکم ورم انفہ یرید ان یکون لہ ذلک الامر لہ ذلک لما رایتم الدنیا قد اقبلت ص ۳ کتاب الامامۃ والسیاسۃ

کہا ابوبکر نے قسم خدا کی میں سخت بیمار ہوں اور جو باتیں تم مہاجرین کی ہم کو پہونچتی ہیں وہ بیماری سے بھی زیادہ ہیں ہم تمھارے حاکم بنے حالانکہ ہم کسی سے افضل نہ تھے مگر تم سب کی ناکیں مارے غصہ کے پھول گئیں اس ارادہ سے کہ وہ خلیفہ ہوتا اور یہ اس وجہ سے کہ دیکھا تم لوگوں نے کہ دنیا امنڈ پڑی ہے۔

اب اس سے بڑھ کر صحابہ کے دنیادار، غدار ہونے کی دلیل اور کیا چاہتے ہو کہ خود خلفائے ثلاثہ ان لوگوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں تو اب کون مسلمان ان لوگوں کو قابل اقتدا اور لائق پیشوائی مان سکتا ہے۔ اور کیونکر جناب امام حسینؑ ان پر اعتماد کر کے مدینہ میں رہ سکتے تھے جب دیکھ چکے کہ عہد رسول اللہ سے اس وقت تک ان کا کام یہی رہا کہ جہاں تک ہو سکے باطل

کی مدد کریں حق سے منحرف رہیں ہاں جب تک دنیاوی فوائد کے حاصل ہونے کی اُمید تھی اُس کے ساتھ رہے اور ادھر دنیا کا رنگ بدلا دیکھا یہ بھی پھر گئے۔

ان مہاجرین کو خلیفہ دوم سے کچھ اسی وقت نہیں نفرت تھی جو خلیفہ نے قریب وفات میں یہ برتاؤ کیا تھا بلکہ جب سے اپنا خلافت نامہ لیکر چلے ہیں لوگوں سے سربمہر لفافہ پر بیعت لینے فقال له رجل ما فی الکتاب یا ابا حفص قال ما ادری ولکنی اول من سمع واطاع قال ولکنی والله ادری ما فیه امرته عام اول وامرك العام ص۳۳ کتاب الامامة والسیاسة

یعنی ایک شخص نے پوچھا کہ اس کتاب (وصیت نامہ خلیفہ اول) میں کیا ہے اے ابوحفص (کنیت عمر) تو کہا میں نہیں جانتا (یہ راستی ہے) لیکن میں پہلا وہ شخص ہوں جو اس حکم کو سُنے اور اطاعت کرے اُس شخص نے کہا اگر تم نہیں جانتے تو ہم جانتے ہیں پہلے تم نے اُن کو خلیفہ بنایا اور آج انھوں نے تم کو خلیفہ بنایا۔

اس سوال و جواب سے سمجھ سکتے ہو کہ اُن صحابہ کے دلوں میں ان خلفا کی کیا عظمت تھی اور اُن کی کارروائیوں کو کیسا سمجھتے تھے۔ اُف اُف رے اُن کے دلی جذبات کہ کس طرح وہ اسرار خلافت سے واقف ہوئے۔

ابن قتیبہ دینوری میں ہے وکان اهل الشام قد بلغهم مرض ابی بکر واستبطؤا الخبر فقالوا انا لنخاف ان یکون خلیفة رسول الله قد مات وولی بعده عمر فان کان عمر هو الوالی فلیس لنا بصاحب وانا نری خلعه ص۳۴

یعنی جو صحابہ کہ شام میں تھے اُن کو مرض ابوبکر کی خبر معلوم ہوئی تھی پھر اُس کے بعد کچھ حال نہ معلوم ہوا تھا تو کہا ہم کو خوف ہے کہ خلیفہ رسول نے کہیں انتقال نہ کیا ہو اور اُن کے بعد عمر نہ خلیفہ ہوئے ہوں اگر ایسا ہوا تو عمر ہمارے خلیفہ نہیں ہیں اور ہم اُن کو خلع کرنا چاہتے ہیں اس سے آپ غور کر سکتے ہیں کہ اُن صحابہ نے کس بنیاد پر یہ حکم لگایا کہ اگر ابوبکر مر گئے ہیں تو عمر خلیفہ ہوئے اسی بنیاد پر نہ کہ جانتے تھے عمر صاحب نے خلیفہ اول کی خلافت میں اسی قدر [illegible] اسی غرض سے کی تھی کہ لوٹ کر خلافت پھر ہم تک آئے گی۔

ان حالات کو جو منشۂ از خروار دیکھے اب ہزار سے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ان لوگوں کا کوئی کام دینداری اور ایمانداری سے تھا۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ ان پر اعتماد کرکے مدینہ میں قیام فرماتے اور یزیدیوں سے جنگ کرتے۔

سلوک اہل مدینہ جناب امیرؑ کے ساتھ

جناب امام حسینؑ صرف اُنہیں حالات سے ان صحابہ و مہاجرین و انصار اہل مدینہ سے نہ مطلع تھے جو عہد رسول اللہ میں حضرت نے خود رسول اللہؐ کے ساتھ ان کا حسن سلوک دیکھا اور جناب امیرؑ و جناب سیدہ کو اس طرح رُلایا کہ جس وقت ان لوگوں نے جناب امیرؑ کے بعد حضرت عثمان کی بیعت کی ہے اُس وقت بھی اُن کا یہی حال رہا کہ بیعت تو کر رہے ہیں مگر غدر کی نیت پہلے سے ہے۔

دیکھیے جناب امیرؑ بعد خلافت چار مہینہ مدینہ میں رہے ہیں جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ علاوہ اُن نصوص صریحہ کے جو خود رسول اللہ سے سُن چکے تھے اتنے عرصہ میں وہ ایمان کو کامل کر سکتے تھے۔ مگر جب حضرت

سفر شام و بصرہ کا قصد کیا ہے تو آپ کے ساتھ کل نو سو آدمی ہوئے ہیں۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے۔

بقیہ و بعدہ اولاً ثم کتبا بالخوفہ و بتوعدہ فتحبس معاویہ جواب کتابتہ ثلاثۃ اشہر ثم اتاہ جوابہ علی غیر ما یجب فلما اتاہ ذلک شخص من المدینۃ فی تسعمائۃ راکب من وجوہ المہاجرین والانصار من اہل السوابق مع رسول اللہ ومعہم بشر کثیر من اخلاط الناس صہ ۹

یعنی جناب امیرؑ چار مہینہ تک جواب معاویہ کے منتظر رہے جب وہاں سے جواب خلاف مراد آیا تو مدینہ سے کوچ کیا اور حضرت کے ساتھ وجوہ مہاجرین و انصار سے جو خدمت اسلام میں سابق تھے ۹ سو آدمی ساتھ ہوئے اور بہت سے لوگ اخلاط ناس سے تھے۔

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ چار مہینہ میں کل نو سو مددگار حضرت کے فراہم ہوئے یہ لوگ وجوہ مہاجرین و انصار سے تھے اور صاحب سوابق اسلامیہ جن میں ایمان داری اور دیانتداری قدیم الایام سے تھی۔

بخلاف اس کے جب حضرت عائشہ نے بمخالفت جناب امیرؑ قصد بصرہ کیا تو تاریخ کامل میں ہے وقادی منادیہا ان ام المومنین وطلحہ والزبیر شاخصون الی البصرۃ فمن اراد اعزاز الاسلام وقتال المحلین والطالب بثار عثمان ولیس لہ مرکب وجہاز فلیات فحملوا علی ستمائۃ بعیر وساروا فی الالف وقیل فی تسع مائۃ من اہل المدینۃ ولحقہم الناس وکانوا فی ثلاثۃ الاف رجال صہ ۸۱ ج ۳

یعنی حضرت عائشہ کے منادی نے ندا دی کہ ام المومنین عائشہ طلحہ زبیر بصرہ جانے والے ہیں جو شخص خواہان اعزاز اسلام ہو اور قتال محلین کا طالب اور قصاص عثمان کا خواہاں اور اس کے پاس سواری و زاد راہ نہ ہو وہ آئے پس ہزار آدمی اہل مدینہ سے مجتمع ہوئے اور دوسرے لوگ مل کر تین ہزار کا لشکر تیار ہوا۔

یہ واقعہ مکہ معظمہ کا ہے جہاں چند روز میں حضرت عائشہ کے ساتھ اہل مدینہ سے ایک ہزار یا نو سو کا لشکر تیار ہوا اور جناب امیرؑ کے ساتھ کل نو سو ہیں۔ اب اس کی وجہ بھی سن لیجے کہ اسی تاریخ کامل میں ہے وقدم علیہم عبد اللہ بن عامر من البصرۃ بمال کثیر ویعلی بن امیۃ وہو ابن منبہ من الیمن ومعہ ستمائۃ بعیر وستمائۃ الف درہم یعنی عبد اللہ بن عامر بصرہ کا خراج لیکر آیا تھا جو مال کثیر تھا اور یعلی بن امیہ یمن سے ۶ سو اونٹ اور ۶ لاکھ درہم لایا تھا۔ جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ مہاجرین و انصار کیسے لالچی تھے کہ تطمیع مال دنیا نہ حق کا خیال کیا نہ باطل کا بلکہ جدھر مال دنیا دیکھا اُدھر جھک پڑے پھر جناب امام حسینؑ کیونکر ان لوگوں پر اعتماد کرتے اور مدینہ میں قیام فرماتے۔ یہاں آپ کو بے اختیار سورہ احزاب کا وہ آیہ یاد پڑے گا جو خداوند عالم ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے ولو دخلت علیہم من اقطارہا ثم سئلوا الفتنۃ لاتوہا وما تلبثوا بہا الا یسیرا کہ اگر ان سے فتنہ انگیزی کی خواہش کی جائے تو اس میں بے دھڑک داخل ہوں گے اور نہ دیری کریں گے اس میں ذرا غور کیجئے کہ حضرت عائشہ کے ساتھ جانے میں تو انھوں نے یہ پھرتی اور چالاکی دکھائی کہ مکہ ہی سے ساتھ ہوئے اور جناب امیرؑ کے ساتھ جانے میں یہ پس و پیش تھا کہ تین چار مہینہ میں یہ لشکر فراہم ہوا۔

حصہ اول تمام شد

الآل والاصحاب

حصہ دوم

اہل بیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ کرام کا سلوک، واقعہ کربلا تک کتنے صحابہ موجود تھے اور کتنے اقتدار کے مالک تھے اگر وہ صحابہ امام مظلوم کی مدد کرتے تو کیا ممکن تھا امام مظلوم اس ظلم سے شہید کیے جاتے

مصنفہ

حضرت حجۃ الاسلام آقا ابو الاعلیٰ سید ظہور صاحب طاب ثراہ

مطبوعہ

دوسرا ایڈیشن مطبع اصلاح کھجوا ضلع سارن (بہار) قیمت ؏

باسمہ سبحانہ

ہمارا مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ امام حسین علیہ السلام ان صحابہ کے حالات سے بخوبی واقف تھے جس کی وجہ سے کسی طرح بھی آپ اُن صحابہ پر جو مدینہ منورہ میں موجود تھے اور جن کے کفر و نفاق کو خداوند عالم نے نہایت وضاحت سے سیکڑوں قرآنی آیتوں میں ظاہر کردیا تھا اور پیغمبر خدا نے بھی اپنی بے شمار حدیثوں سے انکے ارتداد، احداث اور کفر و نفاق کی وضاحت کردی تھی اعتماد نہیں کرسکتے تھے، ان صحابہ نے اہل بیت طاہرین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ امام مظلوم دیکھ چکے تھے خلفائے ثلاثہ کے ساتھ جو برتاؤ رہا وہ بھی آپکے پیش نظر تھا کہ خود ہی توان لوگوں نے انھیں خلیفہ بنایا تاکہ اہل بیت رسولؐ محروم رہیں اور خود ہی اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ وہ مرتے دم تک نالاں رہے۔

اب آیئے ان صحابہ کو دیکھیئے جو امام مظلوم کی روانگی کوفہ کے وقت موجود تھے کہ انھوں نے کس کس طرح ان آیات واحادیث کی تصدیق کی جسکے بعد پھر اس میں کوئی شبہ ہی نہیں باقی رہتا کہ اگر امام مظلوم ان صحابہ پر اعتماد کرتے تو اس سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوتے اور وہ مطلب حاصل ہوتا جسکے لیے حضرتؑ نے شہادت قبول کی۔

مگر قبل اسکے کہ ہم صحابہ کے حالات بیان کریں اجمالی تعداد اُن کی معلوم کرلینا چاہیئے جس سے خود بخود واضح ہوجائیگا کہ وہ نصرت امام مظلوم سے پہلو تہی کرکے کس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ علامہ ابو الفدار لکھتے ہیں:-

مسلم بن عقبہ سپہ سالار لشکر یزید نے عام حکم دیدیا کہ تین روز تک مدینۃ النبی غارت کیا جائے۔ جسکی وجہ سے قتل عام ہوتا رہتا اور جو کچھ مال ملتا لوٹ لیتے اور عورتوں کے ساتھ فسق و فجور کرتے۔ زہری سے روایت ہے کہ واقعہ حرہ میں سات سو معززین قریش و انصار قتل ہوئے اور دس ہزار بزرگان موالی وغیرہ سے۔ یہ واقعہ ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۶۳ھ کا ہے اسکے بعد مسلم نے سب سے بیعت لی بایں مظلوم کہ سب یزید بن معاویہ کے غلام اور بندے ہیں۔

(تاریخ ابو الفدا جلد اول ص ۱۹۲)

اس عبارت سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ جب سنہ ۶۳ھ میں اتنے صحابہ مہاجرین و انصار سے موجود تھے تو واقعہ کربلا کے وقت جو سنہ ۶۱ھ کا واقعہ ہے کتنے صحابہ موجود رہے ہوں گے کیونکہ دو برس میں نہ معلوم کتنے مرے ہونگے۔ تو کیا یہ صحابہ کسی طرح بھی مومن کہے جاسکتے ہیں جن کی موجودگی میں فرزند رسولؐ اس بیکسی و غربت سے شہید کیا گیا اور نہ کسی کو اس وقت جوش آیا نہ بعد میں جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ امام مظلوم کامل ۵ مہینے مکہ میں مقیم رہے اور سب پر اتمام حجت کرتے رہے کہ یہ خلافت ناجائز ہے اور سب کے سامنے آپنے مکہ معظمہ سے عراق کا قصد کیا تاکہ کسی پر حق مشتبہ نہ رہ جائے سبھی جان لیں کہ اس ناجائز خلافت کو توڑنے میں کوشش کرنا حج سے زیادہ ضروری ہے۔

اگرچہ امام مظلوم نے عین بروز ترویہ جس روز کہ حج شروع ہوتا ہے اس وجہ سے سفر عراق کیا کہ آپکو معلوم ہوگیا تھا کہ یزید آپ کو عین خانہ کعبہ میں شہید کرنا چاہتا ہے جس سے حرمت خانۂ کعبہ ضائع ہوگی مگر بنی یا امام کا ہر فعل

ہزاروں مصلحت پر مبنی ہوتا ہے لہذا یہ مصلحت بھی تھی کہ تمام مسلمانوں کو جو حج کے لیے آئے ہوئے ہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام کی حمایت اور ظلم ظالم کا دفع کرنا بزرگترین واجبات سے ہے۔

مگر کہاں تھا کوئی مسلمان کہاں تھا کوئی مومن؟ حج کے لیے آنے والوں میں ہزاروں صحابہ تھے مگر کسی کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ دین کی نصرت کرے، اور حمایت دین میں سینہ سپر ہو۔

تاریخ کامل میں امام مظلوم کا وہ خطبہ ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے مقام بیضہ پر حر اور اُن کے ساتھیوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے:-

"اے لوگو! پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم، حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال سمجھنے والا۔ عہد و پیمان الٰہی کو توڑنے والا سنت خدا کا مخالف اور بندگان خدا پر ظلم و جور کا برتاؤ کرنیوالا ہو اور اُسے دیکھنے کے بعد نہ قول سے اسکی مخالفت کرے نہ فعل سے تو خداوند عالم پر فرض ہو گا کہ جو اس بادشاہ کا ٹھکانا ہو (یعنی جہنم) وہی اس کا بھی ٹھکانا قرار دے۔ دیکھو یہ لوگ (یعنی بنی اُمیہ) اُنھوں نے شیطان کی اطاعت اپنے لیے لازم کر لی ہے اور خدا کی اطاعت سے منحرف ہو چکے ہیں اُنھوں نے فساد پھیلایا حدود الٰہی معطل کر دیے خراج سلطنت کو اپنا خاص مال قرار دے لیا حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا ہے اور میں اُن کے خلاف آواز بلند کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ مجھے پیغمبرؐ سے قرابت کا شرف حاصل ہے۔ میرے پاس تمھارے خطوط پہنچے اور تمھارے قاصد یہ پیغام لے کر آئے کہ تم نے میری بیعت کی ہے اور یہ کہ تم مجھے تنہا نہ چھوڑو گے اور نہ ترک نصرت کرو گے۔ پس اگر تم نے جو میری بیعت کی ہے اس میں وفاداری سے کام لیا تو فائدہ میں رہو گے۔ میں حسینؑ ہوں علیؑ کا فرزند فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ کا لال۔ میری جان تمھاری جان کے ساتھ ہے میرے اہل وعیال تمھارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں اور تمھیں ہر حال میں میرا شریک رہنا ہو گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور سابق میں جو عہد و پیمان تم نے کیے ہیں انھیں توڑ ڈالا اور میری بیعت سے پھر گئے تو یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں۔ یہی سلوک تم میرے باپ میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم ابن عقیل کے ساتھ کر چکے ہو۔ دھو کا کھانے والا وہی ہے جو تمھارے دھوکے میں آجائے۔ تم نے اپنے فائدہ پر لات ماردی اپنے نصیب کو ضائع کر دیا اور جس نے عہد و پیمان کو شکستہ کیا اُس نے اپنے ہی کو نقصان پہونچایا اور عنقریب خدا تم سے بے نیاز کر دے گا۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو"

اس خطبہ کو سنکر حُر نے کہا:-

ہم آپ کو آپ کے نفس کے بارے میں خدا کو یاد دلاتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو ضرور قتل کیے جائینگے۔

امام مظلوم نے فرمایا:-

"کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو اور کیا تم لوگ ہمیں قتل کر کے ہلاکت سے بچ رہو گے ہم نہیں جانتے

اقول یہ تحقیقات سب سے نرالی ہے کہ منافق اپنے کو شیعہ علی کہیں حالانکہ خود صحیح مسلم وغیرہ صحاح میں ہے:۔

انا کنا نعرف المنافقین ببغض علیؑ ابن ابی طالبؑ

منافق کی شناخت اسی سے ہوتی تھی کہ وہ دشمن علیؑ ہے۔

پھر یہ کلام آپ کا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علیؑ کہتا تھا، کیونکہ اگر صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہے تو آپکا کلام غلط ہے اور اگر آپ سچے ہیں تو وہ غلط۔

خود مترجم صاحب تذکرہ اسود میں اس کے قبل لکھ چکے ہیں: "شیعیان علی سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علیؑ کا ساتھ دیا تھا اور اُنکے ساتھ ہو کے اُن کے مخالفین سے لڑتے تھے جو تمامتر اہلسنت کے عقائد رکھتے تھے گو یہ لفظ یعنی شیعہ اب زیادہ تر مخالفین اہلسنت پر اطلاق پاتا ہے مگر زمانہ قدیم میں اہلسنت ہی کے لئے یہ لفظ مستعمل ہوتا تھا اور باعتبار لغت کے یہ لفظ بالکل عام ہے جو شخص کسی کے گروہ میں ہو اُسکو اُس کا شیعہ کہتے ہیں اسی معنی کے لحاظ سے خود قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کو نوح علیہ السلام کا شیعہ فرمایا ہے (ص ۱۱۱)

کیوں صاحب وہاں بھی اسی بسر بن ارطاۃ کا ذکر تھا کہ معاویہ نے قتل شیعیان علیؑ کے لئے اسے بھیجا تھا جس پر آپنے شیعہ کی یہ تعریف کی کہ وہ قدمائے اہلسنت تھے اور وہ ہمراہیان جناب امیرؑ سے تھے یہاں آکر کیا ہو گیا جو شیعہ کا خطاب منافقوں کو عنایت کیا گیا ہاں اگر یہ مطلب ہو کہ وہی منافق قدمائے اہلسنت تھے تو یہ دوسری بات ہے مگر وہ تو کسی زمانہ میں بھی شیعہ نہیں کہے گئے کیونکہ شیعہ اور منافق میں تو وہی نسبت ہے جو روز اور شب میں ہوتی ہے کہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

بہرحال اڈیٹر صاحب النجم کا یہ کہنا کہ معاویہ کا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کو قتل کریں جو شریک قتل عثمان ہوئے محض غلط ہے کیونکہ خود تاریخ کامل میں ہے۔ (ص ۱۵۳ جلد ۵)

کہ بسر بن ارطاۃ جب داخل مدینہ ہوا تو منبر پر جا کر آواز دی۔ یا دینار۔ یا نجار یا زریق یہ تین قبیلے تھے جن سے اُسکو رشتۂ قرابت تھا اُسکے بعد کہا ہمارا شیخ یعنی عثمان کہاں ہے اگر معاویہ نے اس کا عہد نہ لیا ہوتا تو ہم مدینہ میں ایک جوان کو بھی زندہ نہ چھوڑتے۔" جس سے معلوم ہوا کہ باشندگان مدینہ قاتلان عثمان سے تھے مگر بسر نے اُن سب کو چھوڑ دیا۔

رہا واقعہ شہادت فرزندان عبید اللہ بن عباس تو تاریخ کامل میں اسطرح ہے۔

کہ بسر مدینہ سے جانب مکہ روانہ ہوا تو ابو موسیٰ اشعری اُسکے خوف سے بھاگ گئے اس کے بعد جانب یمن روانہ ہوا۔ عبید اللہ بن عباس وہاں کے عامل تھے وہ بھاگ کر جناب امیرؑ کے پاس آئے اور عبید اللہ بن عبد المدان حارثی کو اپنا نائب کیا بسر نے جا کر انھیں قتل کیا اور اُنکے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور دونوں فرزندان عبید اللہ بن عباس کو جو کمسن تھے اُن کا نام عبد الرحمان اور قثم تھا اور وہ دونوں ایک شخص کے پاس تھے جو قبیلہ کنانہ سے تھا اور صحرا میں رہا کرتا تھا جب بسر نے اُن لڑکوں کو گرفتار کیا اور چاہا کہ قتل کریں تو اس کنانی نے کہا انکو کیوں قتل کرتا ہے حالانکہ دونوں بے قصور ہیں اور اگر تو انکو قتل کرتا ہے تو ہمکو بھی قتل کر ڈال۔ چنانچہ بسر نے اسکو بھی قتل کیا۔

تمہارا کیا جواب دیں۔ ہم وہی کہتے ہیں جو اس صحابی نے جسے اس کے ابن عم نے نصرت رسولؐ کو جانیسے روکا تھا۔

کہ ہیں ڈرہے کہیں تم ارے نہ جاؤ کہا تھا ؎

میں جلدی ہی جاؤں گا موت جواں مرد کے لیے کوئی عار نہیں جب وہ بھلائی کی نیت کرے اور حالت

اسلام میں جہاد کرے اور صالحین سے مواسات کرے اپنے نفس کے ساتھ اور امر قبیح وزشت کو ترک کردے۔

اگر میں زندہ رہا تو کبھی نادم نہ ہوں گا اور اگر مر گیا تو پھر کسی طرح کی تکلیف نہ ہوگی۔ اور تیری ذلت

کے لیے یہی کافی ہے کہ زندہ رہے اور ناک تیری رگڑی جائے۔

طرہ تو یہ ہے کہ سات سو معززین مہاجرین و انصار اور دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جو واقعہ حرہ میں مارے گئے وہ بھی یزید کی بیعت توڑنے ہی کی وجہ سے مارے گئے تھے مگر ان کا بیعت یزید کو توڑنا نہ حمایت دین کے جذبہ کے تحت تھا نہ نصرت اسلام کی غرض سے بلکہ صرف اپنے ذاتی اغراض سے انھوں نے اسکی بیعت توڑی تھی جسکی وجہ سے وہ آیۂ قرآنی فما بکت علیھم السماء والارض کے مصداق ٹھہرے کہ نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین روئی اگر یہی صحابہ بہمراہی امام مظلوم جہاد کرتے تو ہر طرح سے فائدہ میں رہتے اگر شہادت پاتے تو صحابہ پر یہ الزام نہ آتا کہ اُنھوں نے اپنے نبی کے فرزند کی حمایت نہ کی اسلام کی حمایت و نصرت میں بخل کیا اگر مظفر و منصور ہوتے تو ہر طرح اسلام کی فتح تھی

مگر خداوند عالم نے جو ان صحابہ کی مذمت میں فرمایا تھا۔

یاایھا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا الا قلیل الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا واللہ علی کل شیء قدیر۔

(سورہ توبہ پ۱۰ رکوع ۱۱)

اے وہ لوگ جو ایمان لائے کیا ہو گیا ہے تم کو کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے نکلو تو زمین پر بوجھل ہو کر گرے جاتے ہو کیا بمقابلہ نعمات آخرت تم دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو حالانکہ بہ نسبت متاع آخرت متاع دنیا تو بہت کم ہے اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو تم پر دردناک عذاب ہوگا اور خدا تمھارے بدلے دوسری قوم لائے گا اور تم خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔

اس آیۂ مبارکہ نے بتا دیا کہ خود عہد رسولؐ میں صحابہ کی کیا حالت تھی کہ جب اُن سے پیغمبرؐ فرماتے تھے جہاد کے لیے نکلو تو وہ زمین پر بوجھل ہو کر گر پڑتے تھے پھر بھلا یہ لوگ فرزند رسولؐ کی کیا مدد کرتے۔

یہی سبب تھا کہ امام مظلوم پانچ مہینہ تک حرم خانہ خدا میں اس خلافت باطلہ سے اپنی مخالفت کا اعلان فرماتے رہے مگر ان ایماندار صحابہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں نکلا جو نصرت دین الٰہی کے لیے نکلتا اور کسی کو اسکی غیرت نہ آئی کہ فرزند رسولؐ ناحق قتل ہوگا اسکی حمایت کرنی چاہیے۔

پھر خداوند عالم سورہ احزاب میں فرماتا ہے۔

ولو دخلت علیھم من اقطارھا ثم سئلوا الفتنۃ لاٰتوھا وما تلبثوا بھا الا
یسیرا ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل لا یولون الادبار وکان عھد اللہ مسئولا
قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قلیلا

اگر فوجیں ان پر اطراف مدینہ سے چڑھ دوڑیں پھر ان سے خانہ جنگی چاہی جائے تو فوراً لپک پڑیں گے اور اسکے بعد بہت ہی کم توقف کرینگے حالانکہ پہلے خدا سے اقرار کرچکے ہیں کہ پیٹھ نہ پھیرینگے اور خدا سے جو عہد کیا ہے اس کا ضرور سوال ہوگا۔ اے محمد ان سے کہہ دو کہ اگر تم مرنے مارنے سے فرار کرتے ہوتے ہو تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور فائدہ اٹھاؤگے بھی تو بہت کم۔

ان آیات پر غور کیجئے اور اسکے بعد صحابہ کے حالات کا جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ صحابہ کیسے مومن تھے کیونکہ جب خود رسول اللہ یا فرزند رسول ان کو جہاد کے لیے بلاتا تو اثاقلتم الی الارض کا مصداق بن جاتے کہ کسی طرح اٹھتے ہی نہیں بوجھل ہو کر زمین پر گرے پڑتے اور جب فتنہ وفساد اور باہمی خانہ جنگی ہوتی تو بمصداق ارشاد الٰہی لاٰتوھا ولا تلبثوا الا یسیرا دوڑے چلے جاتے اور ذرا بھی توقف نہیں کرتے کیونکہ فرزند رسول کی نصرت کے لیے تو ایک صحابی نہ نکلا اور وہی بعد برس بعد خود یزید کی مخالفت میں اس طرح نکلے کہ سات سو اکابر مہاجرین وانصار مارے گئے اور دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جو مہاجر وانصار نہ تھے وہ مقتول ہوئے کیا اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ مسلمان تھے یا مومن حاشا وکلا یہ تو یعذبھم عذابا الیما کے مصداق تھے جن پر خدا نے اپنا دردناک عذاب نازل کیا اور سب واقعہ حرہ میں مارے گئے۔ خود آنحضرت اسکی خبر دے چکے تھے۔

واُمت تو ایں فرزند دلبند ترا خواہند کشت عوض آں ہفتاد ہزار کس خواہم کشت۔ (وسیلۃ النجاۃ)

خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ تمھاری اُمت تمھارے اس پیارے فرزند کو قتل کر ڈالے گی اور میں تمھارے فرزند کے عوض ستر ہزار آدمیوں کو قتل کروں گا۔

ان ستر ہزار میں سے دس ہزار سات سو کا پتہ تو مل گیا جو صرف صحابی تھے اور خون ناحق امام حسینؑ کے بدلے میں مارے گئے (کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے:۔

ذکروا انہ قتل یوم الحرہ من اصحاب النبیؐ ثمانون رجلا ولم یبق بدری بعد ذالک الیوم

یعنی واقعہ حرہ میں اسّی صحابی ایسے مارے گئے جو غزوہ بدر میں پیغمبرؐ کے ساتھ شریک رہ چکے تھے ان کے بعد پھر کوئی بدری نہ رہا۔

یہ اصحاب بدر وہ ہیں جن کی تعریف میں اہلسنت نے مدح وستائش کے پل باندھے یہ حدیث ان کے بارے میں شدومد سے بیان کی جاتی ہے کہ خداوند عالم نے اہل بدر پر نظر کرکے فرمایا اعملوا ما شئتم اب جو چاہو کرو خدا نے تم کو ہمیشہ

کے لئے بخش دیا مگر حقیقت سب کی یہی تھی کہ ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا کہ کیا تم زندگانی دنیا پر راضی ہو گئے!

ایک معمولی عقل کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ بدری صحابہ، یہ مہاجرین و انصار امام مظلوم کے ساتھ معرکۂ کربلا میں شریک رہتے تو اوّلاً جنگ ہی نہ ہوتی کیونکہ تمام مسلمان کے ذہن میں صحابہ کی عظمت راسخ تھی اگر وہ لوگ حضرتؑ کے ساتھ ہوتے تو پھر کسی کو آپ سے جنگ کی جرات نہ ہوتی اور اگر جنگ ہوتی بھی تو حضرت مظفر و منصور ہوتے کیونکہ ۷۲ رفقا آپ کے ساتھ تھے ۸۰ بدری صحابہ ہوتے ۷۰۰ معززین مہاجر و انصار دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جن کے شمول سے فتح یقینی تھی اگر اس پر بھی فتح نہ ہوتی تو کم سے کم ان مصائب کا تو یقیناً سامنا نہ ہوتا جن کا اعوان و انصار کی کمی کے سبب کرنا پڑا۔

دیکھیے امام مظلوم نے لشکر حر کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی کہ ان لوگوں نے خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں شیطان کی اطاعت قبول کی حدود خدا کو معطل کیا مال غنیمت کو اپنا مال قرار دیا حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا اسکی کیسی تصدیق ہوئی کہ خود مدینۂ رسولؐ میں صحابہ و تابعین سے جو بیعت یزید لی گئی تو اس طرح کہ۔

"وہ سب یزید کے غلام اور بندے ہیں انھیں بیچ دے یا جو چاہے کرے"

یہ ہے نتیجہ ترک نصرت امام حسینؑ کا بروایت ابن قتیبہ سترہ سو صحابی مہاجرین و انصار سے اور دس ہزار صحابہ غیر مہاجرین و انصار سے اس واقعہ میں مارے گئے اور جو بچے وہ اس ذلیل زندگی میں رہے کہ یزید کے غلام بنے۔

یہ وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس کو حضرت سید الشہداءؑ نے عین معرکۂ کربلا میں فرمایا تھا۔

لا واللہ ولا اعطیھم بیدی عطاء الذلیل ولا اقرار العبید۔

قسم بخدا ہم ذلیل ہو کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینگے۔ نہ غلاموں جیسا اقرار کرینگے (تاریخ کامل جلد ۴ ص۲۶)

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت کس طرح کی آزادی و حرّیت کی تعلیم دے رہے ہیں اور اسکی پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ جو زندگی کی تمنا میں خلافت یزید کو مانتے گا وہ غلام بن کر رہے گا۔

نہیں نہیں اس امر کا یقین صحابہ کو بھی تھا چنانچہ جب امام حسینؑ نے مدینہ سے قصد مکہ فرمایا ہے تو عبداللہ بن مطیع صحابی حاضر خدمت ہوئے اور کہا ہم آپ پر فدا ہوں کہاں کا قصد ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا ابھی تو مکہ کا عزم ہے پھر وہاں استخارہ کرینگے جہاں کا حکم ہوگا۔

عبداللہ بن مطیع۔ خدا امر خیر کو آپ کے لئے اختیار کرے اور ہم کو آپ پر فدا کرے جب مکہ پہونچیں تو ہرگز کوفہ کا قصد نہ فرمائیے کہ وہ شہر شوم ہے جس میں آپ کے باپ شہید ہوئے اور بھائی آپکے بے یار و مددگار چھوڑ دیے گئے اور ایسا زخم لگا جس سے جان کا خوف تھا۔ حرم میں قیام فرمائیے کہ آپ سید عرب ہیں اہل حجاز آپکے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دینگے اور وہیں سے لوگوں کو دعوت دیجئے ہرگز حرم خانہ کعبہ کو نہ چھوڑئیے کہ اگر آپ ہلاک ہوئے تو ہم سب آپکے بعد غلام بنائے جائینگے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۸)

ہمارا مطلب صرف اس آخری فقرہ سے ہے کہ عبداللہ بن مطیع کہہ رہے ہیں اگر آپ ہلاک ہوئے تو ہم سب

غلام بنا دئیے جائینگے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسکا یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔ مگر صحابۂ رسولؐ نے اس میں ذرہ برابر کوشش نہ کی کہ اس بلا کو اسلام سے دفع کریں اور اہل اسلام کو غلامی یزید سے آزاد کریں۔

عبداللہ بن مطیع صحابی

یہ عبداللہ بن مطیع خلیفۂ دوم کے خاندان عدی سے تھے استیعاب میں ہے کہ مطیع کا نام عاص بن اسود تھا حضرت نے انکا نام مطیع رکھا اور عمر بن الخطاب سے کہا کہ تمھارا ابن العم عاصی نہیں ہے بلکہ مطیع ہے اسی وقت سے آپ کا نام مطیع قرار پایا۔ (جلد اول ۲۹۲)

انھیں کے بیٹے عبداللہ بن مطیع ہیں جو امام حسینؑ سے یہ عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ شہید ہوئے تو ہم لوگ غلام بنالیے جائینگے۔ مگر اسی خاندانی عداوت نے جو بنی عدی کو خاندان رسالت سے تھی انکو اس کی اجازت نہ دی کہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ شریک معرکۂ کربلا ہوتے۔

عبداللہ بن مطیع جو خلیفۂ دوم کے ابن العم ہیں کوئی معمولی شخص نہ تھے کیونکہ خلافت ملنے نے خاندان خلیفۂ دوم کو خاص طور پر معزز کر دیا تھا اگر یہ شریک جناب امام حسینؑ ہوتے آپ یقین کر سکتے ہیں کہ محض انکی شرکت سے حضرت کے لشکر کی وہ عظمت بڑھ جاتی کہ پھر کسی کو یارائے مقابلہ نہ ہوتا کیونکہ یزید اور اس کا باپ معاویہ تو آوردگان خلیفۂ دوم سے تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ آقا و ولی النعمت کے خاندان سے برسر پیکار ہوتا ہے۔

مگر ہم اس سے بھی قطع نظر کرلیں تو خود عبداللہ کی حالت استیعاب میں مذکور ہے:۔

عبداللہ بن مطیع وہی شخص ہے جس کو اہل مدینہ نے واقعہ حرا میں بعد اخراج بنی امیہ اپنا امیر مقرر کیا۔ واقدی کہتا ہے کہ وہ صرف قریش کے امیر تھے۔ زبیر کہتا ہو کہ عبداللہ بن مطیع اجلۂ قریش سے تھے از راہ شجاعت وجلادت۔ ابن الزبیر کے ساتھ قتل ہوئے۔ واقعہ حرہ میں مدینہ سے بھاگ کر مکہ گئے۔ جب حجاج نے ابن الزبیر کا محاصرہ کیا تو یہ لڑنے کے لیے نکلے اور کہتے تھے ؎

انا الذی فررت یوم الحرہ	والحر لا یفر الا مرہ
میں وہ شخص ہوں جو بروز حرہ بھاگ آیا	اور مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے

کیا خوب ہے کرہ بعد فرار۔ اب ہم کرہ کو ملا دیتے ہیں فرار سے۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص ایسا با اقتدار تھا کہ اہل مدینہ نے اسکو اپنا امیر مقرر کیا یا بقول واقدی سارے قریش کا امیر تھا۔ پس اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ رہتا تو آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ حضرت کے لشکر کو کتنی قوت ملتی۔

طرہ تو یہ ہے کہ جس طرح جناب امام حسینؑ نے خلافت یزید کو ناحق ظاہر کرنے کے لیے جنگ کی اسی طرح عبداللہ بن مطیع بھی امیر اہل مدینہ بنکر آمادۂ جنگ ہوا مگر یہ نہ ہو سکا کہ فرزند رسولؐ کی حمایت کرتا جس سے رسول اللہ کے سامنے بروز قیامت سرخرو ہوتا اور انصار دین میں اسکا نام لیا جاتا۔

جس کا نتیجہ خدا نے یہ دیا کہ اہل مدینہ کا امیر بنایا گیا۔ مگر بہت جلد اسنے اپنے خاندانی اثر فرار کو دکھا دیا کہ جم کر نہ لڑ سکا بلکہ بھاگ گیا۔ مدینہ سے مکہ گیا۔ آخر اس ذلت و خواری سے مارا گیا۔

تعجب ہے کہ یہ شخص رجز میں اپنے فرار پر فخر کرتا ہے :-

انا الذی فررت یوم الحرۃ والحر لایفر الا مرۃ

کہ میں وہ شخص ہوں جو روز حرہ سے بھاگ گیا اور مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے

جس سے ممکن ہے کہ وہ اپنے اس خاندانی کرامات کو ظاہر کرتا ہو کہ ہم میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا خاندان ہمیشہ سے یہیں ممتاز رہا۔ کہ وقت جنگ فرار کرتا۔ مگر نہ معلوم جملہ کس طرح کہا والحر لایفر الا مرۃ کہ مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے۔

بہر حال ہماری غرض یہاں صرف اسی قدر ہے کہ ان صحابہ کو یقین تھا کہ اگر جناب امام حسینؑ شہید ہوئے تو پھر تمام اہل اسلام لونڈی غلام یزید کے بن جائیں گے۔ مگر نہ پاس اسلام تھا نہ خاندان رسالت کا احترام جو آپ کا ساتھ دیتے اور دین اسلام کی حفاظت کرتے۔

عبد اللہ ابن مطیع نے جو حضرتؑ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ آپ حرم خانہ کعبہ کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف نہ جائیے گا۔ یہیں ایک طرح کی بے ادبی بھی ہے جو اپنی رائے کو امامؑ کی رائے پر ترجیح دے رہا ہے۔ اس لئے خدا نے اسی دنیا میں اس کا مزہ چکھا دیا کہ دیکھ لو نے جو دیدہ و دانستہ نصرت فرزند رسولؐ کو ترک کیا تو اسکا کیا مزہ دنیا میں مل رہا ہے کہ بطمع زندگانی دنیا فرزند رسولؐ کے ساتھ نہیں جاتا مدینہ میں تو ابن زبیر کا خلیفہ بن رہا ہے۔ مگر ترک نصرت فرزند رسولؐ کا عذاب تجھ پر نازل ہو رہا ہے کہ امارت مدینہ چھوڑ کر نصرت ابن الزبیر کو جا رہا ہے۔ جس خانہ خدا کو تو جائے امن سمجھ رہا ہے وہیں تو اس ذلت و خواری سے ابن الزبیر کے ساتھ مارا جاتا ہے۔

کاش یہ لوگ سمجھتے کہ احکام خدا و رسولؐ کی عزت اسی وقت قائم رہ سکتی ہے۔ جب اسکو کوئی مانے جن گوں نے حکم خدا اور رسولؐ کو ٹھکرا کر اپنی رائے سے خلیفہ مقرر کیا اُن کو قرآن جلانے۔ خانہ کعبہ گرانے و قتل کرنے میں کیا عذر ہے۔

یہی تو باعث ہے کہ جناب امام حسینؑ نے تمام جہان کے مشورہ کے خلاف وہ کام کیا۔ جس سے آج تک اسلام قائم ہے کیونکہ اگر امام حسینؑ خانہ کعبہ میں رہتے تو اسی طرح شہید کئے جاتے جس طرح ابن الزبیر مارا گیا۔ مگر آپ کی شہادت مردانہ اور باغیرت تھی۔ بخلاف ابن الزبیر کے جو اس ذلت سے مارا گیا کہ بعد قتل دار پر چڑھایا گیا جس کے ساتھ ایک مردہ کتا بھی دار پر چڑھایا گیا تھا۔

جناب امام حسینؑ نے ہر کام میں اسی سنت رسولؐ کو زندہ کیا جو آں حضرتؐ کے بعد مردہ کر دی گئی تھی یعنی نص۔ جسکو خلفائے ثلاثہ نے بزور اجماع مار ڈالا تھا کیونکہ مدار امور اسلام اگر نص پر رہتا جیسا کہ حکم خدا و رسولؐ تھا تو پھر دنیا میں کوئی فساد نہ ہوتا۔ مگر خلفاء کی خود غرضیوں نے ایسا آنکھوں پر پردہ ڈالا کہ نہ انکو وفات رسولؐ کا صدمہ محسوس ہوا۔ نہ جنازۂ رسولؐ بے گور و کفن نظر آیا سب سقیفہ میں دوڑ پڑے اور شریعت رسولؐ درہم برہم کر دی گئی نص کے مقابلہ میں پنچائتی نے رواج پایا۔

اسی اصول پر جناب امام حسینؑ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ حرم خدا میں، رکر بازار قتال گرم کیجیے مگر جو فرزند رسول ہو جو نائب رسولؐ ہو جو خلیفہ جائز رسول ہو وہ کیونکر اس امر کو گوارا کر سکتا ہے جس سے کسی قسم کی توہین خانہ خدا پر آسکے۔

یہی وجہ ہے کہ جو صحابہ محض دنیا دار تھے وہ یہی رائے دیتے کہ آپ حرم خانہ کعبہ کو جائے امن قرار دیکر اپنے مخالفین سے لڑیں مگر حضرت اس نص صریح کے ہوتے کیونکر قبول کر سکتے کیونکہ خدا فرماتا ہے:۔

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔ (انعام)

اگر تو اطاعت کرے اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو تمکو گمراہ کر دینگے سبیل خدا سے یہ لوگ تو صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور نہیں ہیں وہ لوگ مگر اٹکل پچو خیال دوڑانے والے پھر فرماتا ہے

وان کثیر الیضلون باھوا ئھم بغیر علم ان ربک ھو اعلم بالمعتدین۔

یعنی بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے بغیر علم کے خدا خوب جانتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ پھر فرماتا ہے:۔

لواتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوات والارض ومن فیھن بل اتینٰھم بذکرھم فھم عن ذکرھم معرضون۔ (مومنون)

اور اگر حق اُن کی خواہشوں کی پیروی کرے تو آسمان و زمین اور جو ان میں ہیں سب فاسد ہو جائیں بلکہ ہمنے اُنکے پاس ذکر (کتاب) کو پہونچا دیا۔ پس وہ اس ذکر (کتاب نصیحت) سے منھ پھیر رہے ہیں۔

پھر کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اپنے اُس علم ذاتی کو جو بنص رسولؐ آپکو حاصل تھا محض ان چند جاہلوں کے سمجھانے اور منع کرنے پر بدل دیتے۔

عبداللہ بن مطیع کی یہ فہمائش صرف مدینہ ہی میں نہ تھی۔ یہاں سے حضرت جانب خانہ کعبہ تشریف لے جا رہے ہیں بلکہ جب آپ قریب کربلائے معلےٰ پہونچے ہیں تو وہاں بھی اس نے یہی فہمائش کی ہے چنانچہ تاریخ کامل میں ہے:۔

جناب امام حسینؑ کوفہ کی جانب تشریف لیجا رہے تھے کہ عرب کے ایک چشمہ پر نزول اجلال فرمایا وہاں عبداللہ بن مطیع بھی تھے حضرت کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے فرزند رسول اللہ آپ کہاں تشریف لائے حضرت نے سارا حال بیان کیا تو ابن مطیع نے کہا اے فرزند رسولؐ ہم آپ کو خدا کو یاد دلاتے ہیں۔ حرمت اسلام، حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتے ہیں کیونکہ قسم بخدا اگر آپ طلب کرینگے اس چیز کو جو ہاتھ میں بنی اُمیہ کے ہے تو ضرور آپ کو قتل کرینگے اور آپکے قتل کے بعد پھر کسی کی ہیبت اُن کو نہ رہے گی۔ قسم بخدا یہ حرمت اسلام کی یہ حرمت قریش ہے یہ حرمت عرب ہے ہرگز آپ کوفہ نہ جائیے اور بنی امیہ سے تعرض نہ فرمائیے۔ مگر حضرت نے نہ مانا اور تشریف لے گئے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ)

دیکھئے اس علم و یقین کو جو اُن کو حاصل ہے کہ جناب امام حسینؑ ضرور شہید ہوں گے اور حضرت کی شہادت کے بعد پھر

کسی طرح کا رعب و داب بنی امیہ کو نہ رہے گا مگر یہ نہیں ہوتا کہ حضرت کی نصرت کریں اور آپ کے ساتھ جان کو راہ خدا میں نثار کریں اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہو سکتی ہے۔

کوئی ان دشمنانِ عقل و اسلام سے پوچھتا کہ آنحضرت اس وقت کر کیا سکتے تھے کیونکہ دنیا تو یزید کے ساتھ ہے مدینہ میں اُسکی حکومت مکہ میں اسکی حکومت پھر جاتے تو کہاں جاتے۔ اب دو ہی صورت تھی یا تو حضرت اُس کی بیعت کر لیتے جو محال تھا یا جنگ کر کے شہادت قبول فرماتے۔ اُسی کو حضرتؑ نے اختیار کیا۔

شہادت کی بھی دو ہی صورت ہو سکتی تھی ایک یہ کہ وطن میں رہ کر شہید ہوتے جیسا کہ اصحاب حرا مارے گئے تو اس سے اسلام کو کوئی نفع نہ ہوتا جیسا کہ اصحاب حرا کے قتل سے کوئی نفع نہ ہوا۔ ابن الزبیر کے قتل سے کوئی فائدہ نہ ہوا حالانکہ وہ مکہ میں مارا گیا تھا۔ بلکہ اور الزام آیا کہ باغی ہوا۔ دوسری صورت یہی تھی جو حضرت نے قبول فرمائی کہ جن لوگوں نے وعدہ نصرت کیا تھا اُن کے یہاں تشریف لے جا رہے ہیں اگرچہ اُنکی بیوفائی بھی معلوم تھی۔

غرض چونکہ اکثر صحابہ نے اس کے بعد یزید کی مخالفت کی اور مارے بھی گئے لہٰذا جناب امام حسینؑ پر یہ الزام تو آ نہیں سکتا کہ آپ نے خلیفہ کی مخالفت کی ہے کیونکہ یہ خلیفہ ہی ایسا تھا کہ اس کی مخالفت اس طرح ضروری تھی۔

اگر صحابہ ایماندار ہوتے اور کچھ بھی دردِ اسلام رکھتے تو کیا ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اس طرح شہید ہوتے کیونکہ عبداللہ بن مطیع صحابی ہے سب حالات کو مشاہدہ کر رہا ہے۔ مگر یہ نہیں ہوتا کہ امام کی نصرت کرے۔

طرہ تو یہ ہے کہ اس واقعہ جانگزا کے دوسرے ہی سال تمامی صحابہ کی آنکھ کھلتی ہے اور اپنے کردار پر نادم ہوتے ہیں یزید کی خلافت کو توڑنا چاہتے ہیں۔ مگر خود ہی کہہ چکے ہیں کہ آپ کو اگر شہید کر لیں گے تو پھر کسی سے نہ ڈرینگے مگر پھر بھی لڑنے پر تیار ہوتے ہیں اور مارے جاتے ہیں کیونکہ یہی عبداللہ بن مطیع واقعہ شہادت کربلا کے بعد ۶۳ھ میں خلیفہ بنتا ہے اور واقعہ حرا میں یزیدیوں کے مقابلہ سے بھاگ کر بطمع دنیا۔ مکہ معظمہ آتا ہے اور ابن الزبیر کی بیعت کرتا ہے۔

ابن الزبیر عبداللہ بن زید کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے اُس کی جگہ ابن مطیع کو حاکم کوفہ بنا کر روانہ کرتا ہے تو وہاں جا کر خطبہ دیتا ہے:۔

ومن درمیان قوم بسیرت عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان زندگانی کنم (ص ۹۲ روضۃ الصفا)

کہ ہم تم لوگوں میں اُس طرح حکومت کریں گے جس طرح عمر و عثمان زندگانی کرتے تھے۔

در آں مجلس سائب بن مالک اشعری کہ یکے از حاضران انجمن بود گفت ایہا الامیر آنچہ گفتی شنیدم وہیچکس را در سیرت عمر و عثمان سخنے نیست مگر خیر ولیکن مطلوب اینست کہ درمیان ما بسیرت امیر المومنین علیؑ زندگانی کنی و اگر چنیں نکنی ترا امارت ما نتوانی کرد و مارعیت تو نتوانیم بود۔

غور کیجئے کہ آخر سیرت جناب امیرؑ اور خلیفہ دوم و سوم میں کیا فرق تھا کہ سائب بن مالک نے کہا ہم کو سیرت عمر و عثمان کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ سیرت امیر المومنین حضرت علی درکار ہے۔

مگر عبد اللہ بن مطیع نے اس کا اقرار نہ کیا کہ ہم اُسی سیرت پر رفتار کرینگے۔ بلکہ یہ کہا کہ مطمئن رہو ہم تمھارے خلاف مرضی کام نہ کرینگے۔ جس سے یہ تو سمجھ لیا ہوگا کہ نہ دہ مومن تھا نہ دیندار بلکہ خلیفہ دوم کا چچازاد بھائی ہے اُسی طریقہ کا شیدائی ہے وہی طریقہ ظلم و جور کو رائج کیا چاہتا ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ جناب امام حسین کا ساتھ دیتا اور حضرت پر اپنی جان قربان کرتا۔

نہیں نہیں یہ تو وہ شخص ہے جو ابن الزبیر کا نائب بنکر کوفہ میں آیا ہے اور قاتلان امام حسینؑ کا رفیق اور دمساز ہے چنانچہ اسی ابن مطیع کی کارروائیوں نے مختارؒ کو مجبور کیا کہ قبل از وقت ظہور کریں۔ کیونکہ اس نے چاہا تھا کہ مختارؒ کو گرفتار کرلیں:۔

بعد مختارؒ دانست کہ ابن مطیع میخواہد کہ اورا بجنگ آورد اہل بیعت را جمع فرمود گفت وقت آں رسید کہ ظہور کنیم و خون اہلبیت محمدؐ را از دشمنان باز خواہم باید کہ ساختہ وآمادہ باشید (صفحہ ۹۴ روضۃ الصفاء)

مختارؒ نے جب یہ سمجھ لیا کہ ابن مطیع انھیں گرفتار کرنا چاہتا ہے اپنے ہمراہیوں کو اکٹھا کیا اور کہا اب وقت آگیا ہے کہ میں ظاہر ہوں اور آل محمدؐ کے خون کا دشمنوں سے انتقام لوں اب چاہیئے کہ تم لوگ تیار ہو جاؤ۔

ابن مطیع نے اس کا السداد کیا قاتلان امام حسینؑ کو اپنا رفیق و معین بنا کر کوفہ کی حفاظت پر معین کیا۔ ایاس مضارب کو جو قاتلان امامؑ سے تھا کوتوال شہر مقرر کیا۔

ایک شب ابراہیم بن مالک اشتر مختارؒ کے یہاں جارہے تھے کہ یہ ایاس سدّ راہ ہوا ہر چند ابراہیم نے سمجھایا کہ ہم سے تعرض نہ کر مگر نہ مانا۔

ابراہیم نے چیخ کر کہا اے دشمن خدا تو بھی حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں سے ہے یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں میں سے کسی کے ہاتھ سے نیزہ کھینچا اور اسکے سینہ پر وار کر دیا جو اُسکی پیٹھ کے پار ہو گیا ایاس کے ہمراہی بھاگ نکلے ابراہیم ایاس کو پکڑ لا کر مختار کے گھر آئے اور کہا طے تو یہ تھا کہ ہم لوگ فلاں رات کو خروج کریں گے مگر ایسی صورت پیش آگئی کہ توقف کی گنجائش نہ تھی مختارؒ نے واقعہ پوچھا ابراہیم نے کیفیت واقعہ بیان کی مختارؒ نے کہا خدا مبارک کرے یہ ہماری پہلی کامیابی ہے جس کے آئینہ میں ہماری مراد جلوہ گر ہے (روضۃ الصفاء صفحہ ۹۶)

یہ پہلا روز ہے کہ مختارؒ نے شب کو ظہور کیا اُسی وقت ابن مطیع کے پاس بیس ہزار لشکر جمع ہوا۔ مگر مختارؒ کے پاس صرف تین ہزار تین سو آدمی تھے جس سے مختار نہایت خوف زدہ ہوئے۔

ابن مطیع کو جب مختارؒ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے شبث بن ربعی کو چار ہزار لشکر۔ راشد بن ایاس بن مضارب کو تین ہزار لشکر۔ حجار بن ابجر کو تین ہزار غضاب بن قشعری کو تین ہزار۔ شمر بن ذی الجوشن کو تین ہزار نہ عکرمہ بن ربعی یشداد بن منذر، عبد الرحمان بن سوید کو بھی تین تین ہزار لشکر کے ساتھ مقابلہ مختارؒ کے لیئے روانہ کیا۔

مگر جب کارزار شروع ہوئی تو قبل از دوپہر لشکر ابن مطیع نے ہزیمت پائی اور مختارؒ و ابراہیمؒ مظفر و منصور ہوئے آخر نتیجہ یہ ہوا کہ روساء شہر نے ملکر ابن مطیع کو دار الامارت کوفہ سے باہر نکال دیا اور مختارؒ سے طالب امان ہوئے۔

ابن مطیع ایک جگہ جاکر پوشیدہ ہوا۔ مختار کو اسکی بھی خبر مل گئی۔ مگر یہ شرافت نفسی مختار ہے کہ انھوں نے ابن مطیع سے کہلا بھیجا کہ ہم کو تمھارے قیام کا حال معلوم ہے مگر ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تم کو کوئی صدمہ پہونچے لہذا خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ ابن مطیع شب کے وقت وہاں سے بھاگ گیا۔ اور سیدھا ابن الزبیر کے پاس مکہ میں پہونچا وہاں اس نے خوب لعنت ملامت کی تو بصرہ چلا گیا جسکے بعد نہ معلوم کیونکر ابن الزبیر کے پاس آیا اور مکہ میں مارا گیا جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔ (روضۃ الصفا)

اب یہاں آپ پہلے اُن تقریروں کو یاد فرمائیے جو بروقت روانگی جناب امام حسینؑ اس نے کی تھی کس طرح اپنے ماں باپ کو زبانی حضرتؑ پر فدا کرتا تھا مگر یہ نہ ہو سکا کہ حضرتؑ کی رفاقت گوارا کرتا۔

ترک رفاقت کیسی دنیا کی طمع نے پہلے تو خلیفہ بننے کی آرزو پیدا کی کہ مدینہ میں سردار قریش بنے مگر خالی خولی خلافت سے کیا پیٹ بھرتا۔ ابن الزبیر کے پاس آئے۔ حکومت کوفہ پائی۔ وہاں سے بیک بینی و دو گوش نکالے گئے تو پھر مکہ آئے۔ وہاں سے بصرہ پہونچے۔ پھر مکہ آئے اور ابن الزبیر کے ساتھ جان سے ہاتھ دھوئے۔

خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔

یقولون بافواههم ما لیس فی قلوبهم — کہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو دل میں نہیں

کہ رہبرے امام حسینؑ کہتے۔

جعلنا فداك عمّی وخالی — ہم آپ پر فدا ہوں۔ ہمارے چچا ماموں آپ پر نثار

فواللہ لئن هلکت لنسترقن بعدك — ہوں اگر آپ ہلاک ہوئے تو پھر ہم غلام بنالئے جائیں گے۔

مگر نصرت امامؑ کیسی ابن الزبیر کی حمایت میں قاتلان امام حسینؑ کے شریک حال ہیں اور نہیں چاہتے کہ خون امامؑ کا بدلہ لیا جائے۔ بلکہ قتل مختار و ابراہیم بن مالک اشتر کے لئے شمر ذی الجوشن اور شبث بن ربعی وغیرہ ملاعین کو بھیج رہے ہیں تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان صحابہ کے دلمیں ذرہ برابر بھی ایمان تھا یا محبت رسولؐ کہ فرزند رسولؐ کے خون کا انتقام لینا کیسا اُلٹے منتقمین کے خون کے پیاسے ہیں۔

استیعاب ابن عبد البر مکّی میں تو اسی قدر اُن کے حالات تھے جو سابقاً مذکور ہوئے مگر ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں کچھ اور توضیح کی ہے جو حسب ذیل ہے ملاحظہ ہو۔

یہ عبد اللہ بن مطیع امیر قریش اہل مدینہ تھا جنگ حرّا میں شجاعان قریش اور اہل نجدہ و جلادت سے تھا جب اہل حرّہ کو ہزیمت ہوئی اور عبد اللہ بن طلحہ مارا گیا۔ تو یہ بھاگ کر ایک عورت کے گھر میں جا چھپا دائر خاندانی تھا کہ کسی کو نہ معلوم ہوا کہاں ہے۔ جب اہل شام نے مدینہ کو غارت کرنا شروع کیا۔ تو ایک شامی اس عورت کے گھر میں آیا اور زبردستی اُس عورت سے حرامکاری کرنا چاہا چنانچہ زمین پر اُسے گرادیا اس وقت ابن مطیع باہر نکل آیا اور اُس عورت کی جان بچائی اور شامی کو قتل کیا۔ جب پر اُس عورت نے کہا تو کون ہے اسکے بعد ابن مطیع مکہ گیا اور عبد اللہ ابن زبیر کا وزیر بنا۔ ابن الزبیر نے حاکم کوفہ مقرر کرکے بھیجا۔ وہاں سے مختار نے اس کو نکال دیا۔ پھر ابن الزبیر

کے پاس آیا اور اُس کے ساتھ رہا یہاں تک کہ مارا گیا۔ دونوں کا سر دمشق روانہ کیا گیا۔ (اصابہ جلد ۵ صفحہ ۲۶)

یہ ہے انکے فرار کی حالت کہ نہ معلوم اس عورت کے مکان میں کہاں چھپے تھے جبکی اُس عورت کو بھی خبر نہ ہوئی پھر یہ کیا رفاقت جناب امام حسین کر سکتے تھے جو ایسے بزدل نامرد تھے کہ اپنے فرار سے خلیفہ دوم کو بھی شرمندہ کر دیا کیونکہ خلیفہ دوم جب بھاگے تھے تو پہاڑ کے درہ میں چھپے تھے نہ کسی عورت کے مکان میں ایسے پوشیدہ ہوں کہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔

ہاں ابن مطیع اپنی رجز میں کہتا ہے والحر لا یفر الا مرۃ کہ آزاد ایک دفعہ ہی بھاگتا ہے مگر یہاں آپنے دیکھ لیا کہ یہ دو مرتبہ بھاگا ایک مرتبہ مدینہ سے دوسری مرتبہ کوفہ سے۔ پھر نہ معلوم کس طرح اپنے خاندانی شخص عمر بن الخطاب پر یہ طعن کر رہا ہے والحر لا یفر الا مرۃ جس میں اسکا بھی اشارہ ہے کہ خلیفہ دوم حر نہ تھے کیونکہ ضحاکہ حبشیہ کی اولاد سے تھے جو لونڈی تھی۔

بہر حال ان حالات سے آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ صحابہ کیسے ایماندار تھے کہ جانتے تھے جناب امام حسینؑ ضرور شہید ہونگے اور حضرت کی شہادت سے عزت اسلام۔ عزت قریش۔ عزت عرب خاک میں مل جائے گی مگر بطمع حیات دنیا حضرت کا ساتھ نہ دیا اور آخر اس ذلت و خواری سے مارے گئے کہ کوئی نام لینے والا بھی اُن کا دنیا میں نہ رہا۔

بخلاف جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کہ وہ کام کیا جس سے آج تک اسلام زندہ ہے اور مخالف موافق سب کہتے ہیں یہ اسلام آپ ہی کی بدولت باقی ہے۔

جو خیال ابن مطیع نے ظاہر کیا تھا کہ اگر امام حسینؑ شہید ہوئے تو ہم سب غلام بنائے جائیں گے۔

اسی خیال کو زید بن ارقم صحابی بھی ظاہر کر رہے ہیں چنانچہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

جب سر مبارک امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کا ابن زیاد کے پاس آیا اور اُس نے لب و دندان کو چھڑی سے چھیڑنا شروع کیا تو زید بن ارقم نے کہا اپنی چھڑی اُٹھا لے کہ ہم نے خود دیکھا ہے رسول اللہ اس لب و دندان پر اپنا منھ رکھتے تھے۔ بوسے لیتے تھے اور اسکے بعد رونے لگے تو ابن زیاد نے کہا خدا تم کو رولائے اگر تم شیخ نہ ہوتے تو ابھی قتل کیے جاتے اسکے بعد زید بن ارقم وہاں سے باہر چلے گئے اور کہتے تھے اے عرب تم آج سے غلام ہوئے کہ امام حسینؑ کو تو قتل کیا اور ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنایا جو نیکوں کو قتل کرے گا اور شریروں کو غلام بنائے گا

(تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۴)

جس سے معلوم ہوا کہ کل صحابہ یہ جانتے تھے کہ امام حسینؑ ہی کی بدولت عزت اسلام قائم ہے ورنہ اگر حضرتؑ شہید ہوئے تو اسلام کی عزت مٹ جائے گی۔ یہ سب لونڈی غلام بن جائیں گے۔ مگر کسی صحابی کو اتنا بھی اسلام کا درد نہ تھا کہ اگر بہ حمایت فرزند رسول نہ نکلتے تو کاش اسلام ہی کی حمایت کرتے اور اس روز بد سے اسلام کو بچاتے کہ حضرت کے بعد اسلام ذلیل ہوگا اور مسلمان لونڈی غلام بن جائیں گے۔

زید بن ارقم صحابی کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں صحابی رسولؐ ہیں اور بڑے پایہ کے صحابی ہیں مولوی عبد الشکور

صاحب اڈیٹر النجم نے اسد الغابہ کا ترجمہ کیا ہے جس میں انکا حال حسب ذیل مرقوم ہے :-

زید بن ارقم سے چند وجہوں سے مروی ہے کہ یہ رسول اللہ کے ہمراہ سترہ غزووں میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد میں کمسن سمجھے گئے۔ زید بن ارقم سے روایت کرکے خبر دی کہ میں اپنے چچا کے ہمراہ تھا عبد اللہ بن ابی سلول کو کہتے سنا کہ وہ اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا کہ اے لوگو! یہ جو رسول خدا صکے پاس ہیں اُن پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ شکستہ ہو جائیں اور اگر ہم لوگ مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو ضرور بالضرور ہمائیں سے عزت دار۔ ذلیل کو نکال دیگا پس میں نے اسکو اپنے چچا سے بیان کیا انھوں نے رسول خدا سے اس کا ذکر کر دیا آپ نے مجھے بلایا میں نے آپ سے بھی بیان کر دیا آپ نے عبد اللہ اور اسکے ہمراہیوں کی طرف بھیجا وہ لوگ قسم کھا گئے کہ انھوں نے نہیں کہا پس رسول خدا صنے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ان لوگوں کی تصدیق کی اس سے مجھ کو اتنا صدمہ ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا پس میں گھر میں بیٹھ رہا۔ مجھ سے میرے چچا نے کہا تم نے کیا ارادہ کیا تھا کہ تم کو رسول خدا نے جھٹلایا اور تم سے ناخوش ہیں پس اللہ تعالی نے اذاجاءک المنٰفقون نازل فرمایا آپنے میری طرف آدمی بلانے کو بھیجا اور مجھ کو پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ خدا نے تمھاری تصدیق کی۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ سب سے پہلے مقام پر سبیع کے موقع پر شریک ہوئے۔ کوفہ میں رہتے تھے اور مقام کندہ میں اُن کا گھر تھا اور یہیں ۶۸ھ میں انتقال ہوا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۲)

ہم نہیں سمجھتے کہ ہوا خواہان صحابہ یہاں کیا عذر کر سکتے ہیں کہ زید بن ارقم نے جناب امام حسینؑ کی کسی قسم سے مدد نہ کی حالانکہ کوفہ ہی میں اُن کا قیام تھا مگر نصرت امام حسینؑ کو نہ نکلے اور نہ کسی طرح خدمت کی۔

اللہ اللہ ایسے صحابی جو قبیلۂ انصار سے تھے اور پیغمبرؐ کے مدینہ آنے کے بعد ہی حاضر خدمت رہے اور کل غزوات رسولؐ میں شریک رہے بہ استثناء دو غزوہ کہ بسبب کمسنی اس میں قابل جنگ نہ مانے گئے۔ اہل سنت اُن کی طرف سے کیا عذر کر سکتے ہیں۔

مولوی عبد الشکور صاحب نے انکی برأت کے لئے تو لکھ دیا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد انھوں نے انتقال کیا مگر اس سے وہ الزام سے کیونکر بری ہو سکتے ہیں کیونکہ آپ تاریخ خمیس سے دیکھ آئے ہیں کہ جب حضرت امام حسین کا سر ابن زیاد کے دربار میں آیا ہے تو زید وہاں موجود تھے جس سے معلوم ہوا کہ نہ وہ علیل تھے نہ کسی قسم سے مجبور پھر بجز قلت ایمان اور کیا ثابت ہوا جو وہ معرکۂ کربلا میں نہ شریک ہوئے حالانکہ اُنکو یقینی طور پر معلوم تھا رسول اللہ سے ہزاروں مرتبہ سن چکے تھے کہ بعد شہادت امام حسینؑ اہل اسلام یزید کے غلام بن جائینگے پھر یہ کیسے عاشق رسولؐ اور ہمدرد اسلام تھے کہ اگر رسول اللہ کی محبت کا بھی نہ خیال تھا تو اسلامی ہمدردی بھی نہ تھی کہ اسلام کی امداد کو اٹھتے اور اسلام کو اس مصیبت سے بچاتے۔

بہر حال ترجمہ اسد الغابہ میں جو قول لکھا گیا ہے کہ واقعہ کربلا کے تھوڑے ہی دنوں بعد زید کی وفات ہوئی۔

اگرچہ دافع الزام نہیں ہے مگر یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ استیعاب اور اسد الغابہ میں سنہ وفات ۶۸ھ لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ۸ برس واقعہ کربلا کے بعد زندہ رہے مگر نہ خود امام کی نصرت کی نہ آپ کے خون کا انتقام لیا۔

جس ۶۸ھ میں زید بن ارقم نے وفات پائی اسی سنہ میں خلیفہ دوم کے بیٹے عاصم بھی مرے ہیں مگر نصرت امام حسینؑ کو انھوں نے بھی ترک کیا تاریخ خمیس میں ہے:۔

وفیھا مات عاصم بن الخطاب العدوی ولد فی حیات النبیؐ وھو جد الخلیفة العادل عمر عبد العزیز کلامہ۔

کہ اسی سنہ میں عاصم بن عمر بن الخطاب کی وفات ہوئی جو عہد رسول میں پیدا ہوئے تھے یہ عمر بن عبد العزیز کے نانا ہیں یہ تو خلیفہ دوم کے فرزند تھے ان سے بہت امید ہو سکتی تھی کہ امامؑ کی مدد کریں۔

انس بن مالک ان کی حالت تو اور بھی سب سے عجیب و غریب ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے:۔

محمد بن انس روایت کرتے ہیں انس سے کہ جب امام حسینؑ کا سر مبارک ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو ایک طشت میں رکھا گیا اور وہ ملعون چھڑی سے چھیڑتا تھا تو ابن زیاد نے کچھ حضرت کے حُسن کے بارے میں کہا تو انس نے کہا کہ حضرت امام حسین سب سے زیادہ مشابہ تھے رسول اللہ سے اور آپ کی ریش مبارک وسمہ سے خضاب کی ہوئی تھی (صفحہ ۱۸۸)

اس روایت کو دیکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ انس بن مالک مسلمان تھا صحابی رسول اللہ تھا اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان تھا۔ کیونکہ معمولی انسان بھی اسکو گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص مردے جانور کے ساتھ ایسی حرکت کرے کہ اُس کے لب و دندان پر بعد مردن چھڑی لگائے۔

ہمکو یہاں ابن زیاد ملعون سے کوئی بحث نہیں کیونکہ وہ تو زیاد بن سمیہ ہی کا بیٹا تھا اس سے جو کچھ نہ ہو تعجب کیا ہے مگر گفتگو تو انس بن مالک سے ہے جو صحابی رسول اللہ ہیں اور اُنکے سامنے وہ ملعون اس قسم کی بے ادبی کر رہا ہے مگر ان کی انسانیت بھی نہیں متحرک ہوتی اور کوئی اعتراض بھی نہیں کرتے کہ اے ملعون تو کیا کر رہا ہے یہ فرزند رسول اللہ ہیں۔

کیا خوب لکھا ہے علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں:۔

کہا سبط ابن الجوزی نے کیا رسول اللہ کا اتنا حق بھی نہ تھا انس پر کہ وہ ابن زیاد کے اس فعل کو ناپسند کرتے اور قبیح قرار دیتے اسکو جو دندان امام حسینؑ پر چھڑی لگاتا تھا۔

پس اسی سے انس بن مالک کو سمجھ لینا چاہیے کہ کیسے خوشامدی اور ایماندار تھے کہ اسکے سامنے ابن زیاد ملعون یہ بے ادبی کر رہا ہے اور اُسکو اتنی بھی غیرت نہیں آتی کہ اُٹھ کے اس فعل قبیح پر انکار کریں اور اسکی برائی بتائیں۔

یہ انس بن مالک کوئی معمولی صحابی نہیں ہیں بلکہ بڑے پایہ کے صحابی ہیں اسد الغابہ، استیعاب اصابہ میں بہت کچھ انکے فضائل و مناقب لکھے ہیں خادم رسولؐ کہلاتے ہیں جب یہ نو برس کے تھے اس وقت سے خدمت رسولؐ میں

حاضر ہے۔ بڑے مالدار تھے اکیسو سات یا اکیسو تین برس تک زندہ رہے وقت وفات اکیسو بیس لڑکے لڑکیاں تھیں سنہ ۹۱ھ میں وفات پائی۔ صحیح بخاری میں دو سو ستر ۲۷ روایتیں اُنکی موجود ہیں (صفحہ ۵۹ مقدمہ فتح الباری) مگر یہ شخص ایسا ناصبی تھا کہ جناب امیرؑ اور تمامی اہلبیت طاہرین سے اس کو عداوت تھی۔

چنانچہ حدیث طیر مشہور و متواتر حدیث ہے جس میں رسول اللہ صؐ نے دعا کی تھی کہ خداوندا جو سب سے زیادہ تیرا محبوب ہو اسکو لا کہ ہمارے ساتھ اس کباب طائر کو کھائے۔ جناب امیرؑ آئے تو انس نے جو بیرون در تھے یہ کہکر واپس کر دیا کہ رسول اللہ مشغول ہیں ایک ساعت کے بعد پھر تشریف لائے تو پھر انس نے وہی کہا تو حضرت نے کہا اے انس کھولدے دروازہ کہ بہت زیادہ ہوا کہ تو نے انکو پھیرا۔ انس نے کہا ہم چاہتے تھے کہ کوئی شخص انصار سے ہوتا پس داخل ہوئے جناب امیرؑ اور کھایا حضرت کے ساتھ۔ آں حضرتؐ نے فرمایا یہ شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے۔ (کنز العمال)

روایت ریاض النضرہ میں ہے کہ حضرتؐ نے ایک لقمہ کھایا تھا کہ دعا کی جناب امیرؑ آئے اور دق الباب کیا انس نے یہ کہہ کر کہ حضرت مشغول ہیں جناب امیرؑ کو نہ آنے دیا پھر حضرت نے ایک لقمہ کھایا اور دعا کی پھر جناب امیرؑ اور انس نے وہی فقرہ کہہ کر رخصت کیا تیسری دفعہ پھر حضرت نے ایک لقمہ کھایا اور دعا کی جناب امیرؑ تشریف لائے اور انس نے وہی کہا تو جناب امیرؑ نے انس کو مارا اور آواز بلند کی جس پر حضرت نے حکم دیا اے انس دروازہ کھولدے (استقصاء صفحہ ۱۹۰)

چونکہ کتاب مستطاب عبقات الانوار کی دو جلد خاص اسی حدیث کے تواتر و شہرت میں تصنیف ہوئی لہذا زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں مگر یہ تو بالیقین معلوم ہوا کہ انس ایسے بزرگ تھے کہ صرف جناب امیرؑ سے عداوت ہی نہیں تھی بلکہ خود رسول اللہ پر حضرت کے سامنے افترا کرتے کہ حضرت تو دعا کرتے ہیں کہ احب الخلق کو لا اور جناب امیرؑ آتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ مشغول ہیں اب اس سے بڑھ کر اور کیا افترا ہو سکتا ہے وہ بھی ایک دفعہ نہیں بلکہ دو بلکہ تین مرتبہ کہ جناب امیرؑ نے اُنکو مارا اور آواز بلند کی تب اُس نے اندر داخل ہونے دیا۔

روایت کنز العمال میں خود پیغمبرؐ کی زبانی اُن کی برأت ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہر شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے مگر افسوس اس سے انس کو کیا فائدہ ملا کیونکہ محبت اور چیز ہے اور خدا و رسول پر افترا اور چیز ہے رسول دعا کرتے ہیں کہ احب الخلق کو لا۔ خدا جناب امیرؑ کو بھیجتا ہے۔ انس جھوٹ بول کر پھیر دیتے ہیں کیا یہ محبت قوم کہلا سکتی ہے؟

اب اربعین علامہ جلال الدین محدث کی ملاحظہ فرمائیے کہ تواتر حدیث غدیر میں لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہا السلام علیك یا امیر المومنین السلام علیك یا مولانا تو حضرت نے موجودین صحابہ سے کہا کہ جس نے رسول اللہ سے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو سنا ہو وہ گواہی دے۔ بارہ صحابی نے گواہی دی مگر انس بن مالک اور براء بن عازب نہ اُٹھے نہ گواہی دی۔

تو جناب امیرؑ نے انس اور براء بن عازب سے پوچھا کہ تم نے کیوں نہ گواہی دی حالانکہ تم دونوں نے بھی اُسی طرح سنا تھا جس طرح سب نے سنا تھا پھر فرمایا خداوندا ان دونوں نے ازراہ عناد کتمان کیا ہے تو ان دونوں کو مبتلائے مصیبت کر

براء بن عازب تو اسکے بعد اندھے ہوئے کہ اپنے گھر کی راہ لوگوں سے پوچھتے اور کہتے کیونکر راہ پا سکتا ہے وہ شخص جس پر بددعا پڑے اور انس کو عارضہ برص ہوا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب انس نے نسیان کا عذر کیا تو حضرت نے فرمایا خداوندا اگر یہ جھوٹا ہے تو اسکو برص میں مبتلا کر جسے عمامہ نہ چھپا سکے۔ اس کے بعد انس کا چہرہ ایسا مبروص ہوا کہ اُس پر برقعہ ڈالے رہا کرتے

اس زمانہ کے مشہور مولوی عبد الشکور نے ترجمہ اسد الغابہ میں اس پر یوں پردہ ڈالا ہے:۔

"اور اپنی دونوں کہنیوں پر خلوق لگایا کرتے تھے اس سبب سے کہ اُن کہنیوں میں کچھ سپیدی تھی"

جس پر حاشیہ دیتے ہیں، خلوق ایک قسم کا اوٹبن ہوتا ہے سپیدی کا عیب چھپانے کے لئے اُس کو لگاتے ہیں" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ا ص۹۵)

مگر یہ نہ لکھا کہ ان کو برص ہو گیا تھا نہ یہی لکھا کہ یہ نتیجہ بددعائے جناب امیرؑ کا تھا جبکہ حضرت کو خلافت مل چکی ہے احکام آپکے نافذ ہو رہے ہیں اُس وقت تو اس طرح چھپایا وائے برحال اُس زمانہ کے کہ حضرتؑ کے مخالفین سریر آرائے خلافت ہیں کس طرح ان لوگوں نے کتمان حق کیا ہوگا۔

اس پر طرّہ سنئے کہ یہ انس بن مالک ایسے بزرگ ہیں کہ ریشمی عمامہ اور جبّہ خز و مطرف خز پہنا کرتے جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے حالانکہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں محروم رہے گا۔ انس کا عذر بھی قابل دید ہے کہ لوگوں نے پوچھا دوسروں کو آپ ریشمی کپڑے پہننے سے منع کرتے ہیں پھر خود کیوں پہنا کرتے ہیں تو کہا ہمارے امراء ہمکو پہنایا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس لباس کو ہم پر دیکھیں۔

پھر بتائیے ایسا شخص کس درجہ کا ایماندار ہوگا۔

کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری میں ہے کہ۔

انس بن مالک کو حجاج نے سابور کا حاکم مقرر کیا تھا جو زمین فارس میں ہے دو سال وہاں رہے۔ مگر نماز کو قصر کرتے اور روزہ ماہ رمضان کا نہ رکھتے اور کہا کرتے کہ دیکھئے کب ہم یہاں سے معزول ہوتے ہیں۔

انھیں وجہوں سے تو امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے ہیں:۔

اترك قولي بجميع اقوال الصحابة الا ثلثه منهم ابو هريرة وانس بن مالك وسمرة بن جندب كما في كتاب علام الاخيار للكفوى.

کہ ہم سب صحابہ کے قول کے مقابلہ میں اپنا اجتہاد چھوڑ دیں گے مگر ابو ہریرہ۔ انس بن مالک۔ سمرہ بن جندب کے قول کے مقابلہ میں ہم اپنا اجتہاد نہیں چھوڑ سکتے۔

اس سے زیادہ توضیح کی ضرورت ہو تو کتاب مستطاب استقصار الافحام جلد ۲ ص۱۸۷ ملاحظہ ہو۔

اس تحریر سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ شخص کیسا ناصبی اور دشمن جناب امیرؑ تھا کہ حدیث طیر میں یہ وہ کارروائی کی۔ حدیث غدیر میں یہ کارروائی۔ پھر اُس نے اگر نصرت جناب امام حسینؑ ترک کی تو کونسا تعجب ہے

جب ابن زیاد ملعون کے اُس ظلم شدید پر بھی اسکو اسلامی جوش نہ آیا۔

خدا نے دنیا ہی میں اس کا عذاب چکھا دیا کہ جس حجاج کی طرف سے حاکم بن کر یہ سابور میں گیا تھا اُسی حجاج نے انکی گردن پر مہر لگادی تھی چنانچہ مولوی عبد الشکور ترجمہ اسد الغابہ میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۰۰ جلد اول

میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ اُن کے گلے میں مہر دی ہوئی تھی حجاج نے تمام صحابہ کی گردنوں پر مہر دے دی تھی۔ یہ مہر حجاج نے بغرض توہین دی تھی اس کا سبب ہم نے سہل بن ساعدی کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔

پھر جلد ۲ صفحہ ۱۸۵ میں لکھتے ہیں:۔

سہل رسول خدا کی وفات کے دن پندرہ برس کے تھے اور سہل طویل العمر ہوئے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے حجاج بن یوسف کے زمانہ کو پایا اور اُسکے وقت میں وفات پائی۔ حجاج نے ۷۴ھ میں سہل کو لکھا کہ تم کو امیر المومنین حضرت عثمان کی مدد کرنے سے کس چیز نے روکا تھا انھوں نے جواب دیا میں نے مدد کی تھی حجاج نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو پھر حکم دیا کہ ان کی گردن میں مہر لگادی جائے۔ اور انس بن مالک کی گردن میں بھی مہر لگائی تھی یہاں تک کہ عبد الملک بن مروان کا حکم ان کے بارے میں حجاج کے پاس آگیا۔ اور جابر بن عبد اللہ کے بھی ہاتھ میں مہر لگادی گئی تھی مقصد اس مہر لگانے سے یہ تھا کہ ان لوگوں کو ذلیل کرے اور تاکہ لوگ ان سے دور رہیں اور ان لوگوں سے سماعت حدیث نہ کریں۔ (صفحہ ۱۸۵)

لیجئے انس کے ساتھ سہل بن ساعدی بھی مل گئے جنھوں نے امام حسینؑ کی نصرت نہیں کی اور اپنی جان بچائی اور فرزند رسولؐ کو ذبح ہونے دیا جس سے خدا نے اُن کو یہ عذاب دیا کہ جب تک زندہ رہے اس طرح کے عذاب میں مبتلا رہے۔ سہل بن سعد ساعدی کی یہ روایت شیعوں میں بہت مشہور ہے کہ جس وقت اسیران کربلا داخل دمشق ہوئے تو اُن سے ملاقات ہوئی ہے اور بہت کچھ ان کے حالات پر گریہ وزاری کیا ہے۔ مگر یہ نہ ہو سکا کہ کچھ مدد کرتے اور کم سے کم فوج یزیدی سے لڑتے اور جام شہادت نوش کرتے۔

اہلسنّت ان صحابہ کے بارے میں یہ عذر کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں اس کی طاقت نہ تھی کہ ان اشرار سے مقابلہ کرتے مگر یہ عذر صرف اہلبیت اطہارؑ کی نصرت نہ کرنے میں چلتا ہے ورنہ اپنے ذاتی اغراض میں فوج کشی وغیرہ سب کر جاتے ہیں۔ چنانچہ ۷۵ھ ہجری میں واقعۂ کربلا کے پندرہ برس بعد جب کہ زمانہ حکومت حجاج تھا۔ تو اہل بصرہ نے حجاج پر خروج کیا ہے۔

تو اس میں انس کا بیٹا مارا گیا۔ جب یہ قصہ فرو ہوگیا تو انس حجاج کی ملاقات کو تشریف لائے تاریخ کامل میں ہو۔

یعنی جب بن مالک حجاج کے دربار میں گئے تو حجاج نے کہا نہ مرحبا ہو اے پسر خبیثہ شیخ ضلالہ جو ہر فتنہ میں گھومنے والا ہے گاہے ابو تراب (جناب امیرؑ) کے ساتھ گاہے ابن الزبیر کے ساتھ۔ گاہے ابن الجارود کے ساتھ۔ قسم خدا کی ہم اس طرح تیری کھال کھینچیں گے جس طرح گوہ کی کھال پکانے کے بعد چھڑائی جاتی ہے۔ اور اس طرح تجھے باندھیں گے جس طرح درخت سلمہ باندھا جاتا ہے (ایک درخت ہے جب کاٹا جاتا ہے تو اُس کے

تے باندھ دیتے جاتے ہیں) اور اس طرح تیر قلع قمع کریں گے جس طرح گوند کسی درخت کا چھیڑ لیا جاتا ہے۔

مگر نہ معلوم اس ملعون حجاج نے جناب امیرؑ کا نام کیوں لیا مرۃ مع ابی تراب کیونکہ انس نے تو کسی زمانہ میں بھی حضرتؑ کی نصرت نہیں کی بلکہ ہمیشہ مخالف رہا عہد رسول اللہ میں بھی اور عہد خلفائے ثلاثہ میں بھی بلکہ خود عہد جناب امیرؑ میں کہ جب حضرتؑ نے حدیث غدیر پر گواہی لی تو انس نے گواہی نہ دی جس پر حضرتؑ نے بددعا کی ہے اور حضرتؑ کی بددعا سے وہ مبروص ہوئے پھر انھوں نے جناب امیرؑ کا کب ساتھ دیا جو حجاج اس طرح کہہ رہا ہے۔

بہر حال ہماری غرض انس بن مالک کے تذکرے سے یہ ہے کہ اگر صحابہ سے صرف یہی شخص جناب امام حسینؑ کی نصرت پر آمادہ ہوتا تو حضرت اس غربت سے شہید نہ ہوتے کیونکہ خود انس کی اتنی اولاد تھی کہ اسد الغابہ میں ہے جس کا ترجمہ مولوی عبد الشکور صاحب نے چھپوایا ہے۔

جب ان کی وفات ہوئی تو انکے لڑکے اور لڑکوں کے لڑکے اکیو ہتّر (۸۱) تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں۔ قریب سو تھے ان کی انگوٹھی میں بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد اول ص ۱۸۱)

یہ اپنے دانتوں کو سونے کے تاروں سے باندھتے تھے اور بڑے قادر تیر انداز تھے اپنے بیٹوں کو بھی حکم دیتے تھے کہ میرے سامنے تیر اندازی کرو کبھی خود بھی انکے ساتھ تیر اندازی کرتے تھے اور آپ کا تیر اکثر نشانہ پر لگتا تھا اس وجہ سے غالب آجاتے تھے۔

تو کیا ایسا صحابی رسولؐ اگر امام حسینؑ کا ساتھ دیتا تو ممکن تھا حضرت اس بیکسی سے شہید ہوتے کیونکہ خود حضرت کے ۷۲ اصحاب نے فوج یزیدی کو تہ و بالا کیا تھا پس اگر انس اپنے انھیں لڑکوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تو کتنی قوت بڑھ جاتی۔ مگر جس صحابی کے دل میں بت پرستی کا یہ ذائقہ پڑا ہو کہ وہ اپنی انگوٹھی میں شیر کی تصویر رکھے حالانکہ کس قدر حضرتؐ کی تاکید اسکے بارے میں ہے اُس سے کیا امید ہو سکتی ہے۔

اڈیٹر النجم اس پر حاشیہ دیتے ہیں۔

"غالباً یہ واقعہ اس سے پہلے کا تھا جبکہ تصویر کی حرمت شرع میں وارد ہو"

مگر یہ ایسی تحریر ہے کہ جہاں تک مضحکہ کیا جائے کم ہے کہ آپ خود لکھتے ہیں "انگوٹھی میں بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر تھی" جس سے معلوم ہوا کہ وقت موت تک وہ انگوٹھی اُن کے ہاتھ میں تھی پھر یہ تاویل کیسی لغو ہے۔ کیا جو کام لاعلمی میں ہو یا ایک دفعہ کوئی لغزش ہو جائے اس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے اور جو شخص روزہ نہ رکھے ریشمی لباس پہنے اس سے اس با تصویر انگوٹھی پر تعجب ہو سکتا ہے؟ اگر ان کی یہ حالت نہ ہوتی تو ابو حنیفہ ان کی تقلید سے کیوں انکار کرتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابتدائے خلافت ثلاثہ سے یہ ایسے معزز تھے کہ تمامی خلفا ان کی عزت کرتے۔ چنانچہ سب سے پہلے خلیفہ اول نے ان کو حاکم بحرین مقرر کرنا چاہا تو عمر سے مشورہ لیا انھوں نے بہت تعریف کی اور مقرر کر دیا۔ ملاحظہ ہو استیعاب صفحہ ۳۶

اُس کے بعد سے ہر خلیفہ کے زمانہ میں اُن کا وہ عروج رہا کہ ابن زیاد کے دربار میں جب جناب امام حسینؑ کا سر اقدس آیا ہے اور اُس ملعون نے بے ادبی کی ہے تو انس چپکے دیکھتے رہے جب اس ملعون نے حضرت کے حسن و جمال میں کچھ کلام کیا تو اُنھوں نے کہا حضرت تو رسول اللہ سے بہت مشابہ تھے مگر ابن زیاد کو اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ انس پر کچھ عتاب کرسکے ملاحظہ ہو الآل والاصحاب حصہ اول۔

پھر کیا ممکن تھا کہ اگر انس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے تو اس طرح شہید کردیے جاتے اور انکی سعی و سفارش کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔

دیکھئے جب حجاج نے انس کے ساتھ اس طرح سے کلام کیا تو انس نے عبدالملک کو اسکی خبر دی جس پر عبدالملک نے وہ تہدید آمیز خط حجاج کو لکھا کہ جب وہ خط حجاج کے سامنے پڑھا جانے لگا تو اُسکے چہرے کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا۔ اور خاک اُڑتی جاتی تھی اور پیشانی سے پسینہ آرہا تھا۔ (تاریخ کامل جلد ۴)

تو کیا ممکن تھا کہ یزید پر اُن کے خط کا اثر نہ پڑتا۔ یا ابن زیاد اُنکی سفارش کو نہ سنتا یا اُنکو ہمراہ جناب امام حسینؑ دیکھ کر کوئی تلوار اُٹھاتا؟ ہرگز نہیں دیکھیے جب حجاج حسب التحریر عبدالملک اُن کے پاس معذرت کرنے آیا ہے تو انس نے ایک طولانی تقریر کی ہے جسکے آخری فقرات یہ ہیں:۔

قسم خدا کی اگر نصاریٰ باوجودیکہ وہ کافر تھے کسی ایسے شخص کو دیکھ لیتے جس نے صرف ایک دن حضرت عیسیٰ بن مریم کی خدمت کی تھی تو وہ اُس شخص کے حق کا اعتراف کرتے جبکہ تم (مسلمان ہونے کے باوجود) میرے حق کو نہیں پہچانتے حالانکہ میں نے دس برس تک رسول اللہ کی خدمت کی ہے۔ اس کے بعد بھی ہم اگر خیر دیکھیں گے تو شکر خدا بجالائیں گے ورنہ صبر کریں گے۔ اس کے بعد حجاج نے جو کچھ لیا تھا سب واپس کیا۔

مگر ہائے کون تھا جو انس سے پوچھتا کہ آپکو محض خدمت رسولؐ پر یہ ناز تھا حالانکہ خدمت تو خادموں کا کام ہی ہے۔ بخلاف جناب امیرؑ و حسنینؑ کے کہ نفس رسولؐ و خلیفۂ رسولؐ فرزند رسولؐ ہیں اُنکی آپنے کیا قدر و منزلت کی کیا وہ حضرات آپ کے اعمال و افعال پر نہ کہتے ہوں گے کہ ایسے ایسے صحابہ و خدام سے لاکھ درجہ بہتر وہ نصاریٰ ہیں جو ایک سُمِ خر حضرت عیسیٰ کی یہ عزت کرتے ہیں اور یہ صحابہ ایسے تھے کہ انکے سامنے فرزند رسولؐ بلاقصور ذبح کردیا گیا مگر ان کو جوش نہ آیا کیا خوب لکھا ہے سبط ابن الجوزی نے کہ:۔

"کیا رسول اللہ کا انس پر اتنا بھی حق نہ تھا کہ وہ ابن زیاد کے اس فعل پر جو دندان امام حسینؑ پر چھڑی لگاتا تھا اعتراض کرتے اور منع کرتے" ملاحظہ ہو عینی شرح صحیح بخاری صفحہ ۶۵۶ جلد ۷

افسوس کہ انس اتنے دنوں تک خدمت رسولؐ کرتے رہے مگر اُن کا دل نور ایمان سے ایسا خالی تھا کہ کبھی اس پر غور نہ کیا کہ خدا فرماتا ہے:۔

ذٰلک باللہ لم یک مغیر النعمة انعمها علیٰ قوم حتیٰ یغیروا ما بانفسهم ان اللہ سمیع علیم۔

یہ اس لیئے ہے کہ خدا نہیں بدلتا اس نعمت کو جو کسی قوم کو دیتا ہے۔ جب تک وہ خود نہ بدلیں اور اللہ سمیع و علیم ہے۔

اس آیت پر اگر وہ غور کرتے تو معلوم ہوتا کہ یہ نتیجہ انھیں بداعمالیوں کا ملا ہے جو انھوں نے حرمت رسول کو آل رسول کے بارے میں ضائع کیا۔ خدا فرماتا ہے:۔

ذالک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید

یہ سزائیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہیں جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجی ہیں اور خدا تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اصابہ میں ہے:۔

ام سلیم مادر انس نے حضرت سے عرض کیا کہ انس کے لیئے دعا فرمایئے جس پر حضرت نے فرمایا خدایا اُس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر اس میں برکت عطا فرما۔ انس کہتے ہیں کہ یہ اسی دعا کی برکت ہے کہ میں نے اپنے صلبی اولاد سے ایکسو چھبیس لڑکوں کو دفن کیا علاوہ پوتا پوتی کے۔ اور ہماری زمین سال میں دو مرتبہ پھل لاتی ہے۔ (اصابہ جلد اول ص)

مگر ہائے اُنکو ان حقوق کا کچھ نہ خیال ہوا جو فرزند رسولؐ کی حمایت کرتے اور باغ رسولؐ کو اس پامالی سے بچاتے یا اسمیں کوشش کرتے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ خداوند عالم اس کا بدلہ دنیا میں بھی نہ دیتا۔

خداوند عالم فرما چکا ہے:۔ وان تتولوا یستبدل غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (سورۂ محمد)

اے صحابہ اگر تم منھ پھیرو گے تو تمھارے بدلے دوسرے لوگوں کو لائے گا اور وہ تمھاری طرح نہ ہوں گے۔

غور کرو کس طرح خدا نے اپنے وعدہ کو پورا کیا انکے بداعمالیوں کی بدولت کس طرح خدا نے ان صحابہ کے بدلے اُن لوگوں کو پیدا کیا جو اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور کسی طرح اُنکی تقلید یا تتبع کو جائز نہیں جانتے کیونکہ صحابہ تو بالکل دنیا پرست تھے نہ دوستدار خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

انس حضرتؐ کی دعا پر بہت خوش تھے اور اہل سُنت بھی بہت خوش ہیں مگر انکو نہیں معلوم کہ حضرت نے یہ کیسی دعا دی تھی جس سے اور بھی اُنکی بداعمالی ظاہر ہے۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔

فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوٰۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون۔

کہ تم کو اُن کا مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالے کہ اس سے خدا اُن پر عذاب کرنا چاہتا ہے زندگانی دنیا میں اور یہ کہ انکی جان نکلنے لگے تو وہ کافر ہیں۔ (جس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا نہ تھی بلکہ بددعا تھی)

بہرحال جو واقعہ حجاج و عبد الملک کا ہم نے یہاں انس کے بارے میں لکھا ہے اُس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں انس کی برأت ہوئی کیونکہ عبد الملک نے ان کی بہت کچھ سفارش کی تھی۔ اور حجاج کو اُن سے معذرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ مگر ان کے اعمال ایسے نہ تھے کہ وہ برأت قائم رہتی اور آخر ان کے گلے میں مہر لگا ہی

دی۔ چنانچہ استیعاب میں ہے:۔

اسحاق بن زید بیان کرتا ہے میں نے انس کو دیکھا کہ اُنکے گلے میں مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ مہر حجاج نے لگائی تھی ان کو ذلیل کرنے کے لیئے (صفحہ ۳۴)

اسد الغابہ میں ہے صفحہ ۱۸۰:۔ میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ ان کے گلے میں مہر دی ہوئی تھی۔ یہ مہر حجاج بغرض توہین دی تھی جو حجاج نے تمام صحابہ کی گردنوں پر مہر دے دی تھی جس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی دوسری شرارت کی بدولت ہوا۔

بہر حال ہم کو ان صحابہ کے کسی امر پر تعجب نہیں آتا کیونکہ ان کا نصب العین ہی دنیا تھی جس ذریعہ سے بھی دنیا انکو ملتی کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتے کیونکہ انھیں صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے واقعہ عقبہ میں خود آں حضرت کو ہلاک کرنا چاہا۔ اور انھیں صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے حضرت کے جنازہ کو بے غسل وکفن چھوڑا اور سقیفہ میں جاکر اپنا کام پورا کیا۔

مگر تعجب ہے، اس زمانہ کے مسلمانوں سے جن کو نہ سلطنت مل سکتی ہے نہ کسی طرح کی حکومت۔ بلکہ جو کچھ ہے کمانا کھانا اور فکر عقبیٰ کرنا۔ وہ کیوں ان صحابہ کے پیچھے پڑے ہیں اور چاہتے ہیں انکی بداعمالیوں پر پردہ ڈالیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیں۔ حالانکہ اب یہ پردہ فاش ہو چکا ہے کہ ابجد خواں بچے بھی اس سے مطلع ہیں اگر آپ کو باور نہ ہو تو لکھنؤ کا رسالہ النجم دیکھئے جو نمبر ا جلد ۹ میں لکھتا ہے۔

"جب کوئی شخص واقعۂ شہادت بیان کرے، تو لازم ہے کہ جو صحابۂ کرام اس زمانہ میں موجود تھے اور اُن کو سیدنا حسین رض کے عزم کربلا کی اطلاع ہوئی مگر وہ شریک نہ ہوسکے مثل حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابو سعید خدری وحضرت ابو واقد لیثی اور حضرت عبداللہ بن عمر وحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی وصحیح ہیں بیان کیئے جائیں اور ان حضرات کو جو تعلق جناب ممدوح سے تھا اور جو صدمہ اُن کو اس واقعہ سے پہونچا سب بیان کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ کوئی شہادت نامہ ایسا موجود نہیں ہے جس میں یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ میں اس مقام پر اسکا نام ضرور لکھ دیتا۔"

پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں" حضرت ممدوح کی شہادت دفعۃً وبغتۃً واقع ہوگئی جس کا تمامتر سبب یہ تھا کہ وہ شیعیان کوفہ کے فریب میں آگئے۔

صحابۂ کرام میں جن حضرات کو آپ کا عزم سفر بجانب کوفہ معلوم ہوا اُنھوں نے آپ کو روکا اور بہت روکا۔ مگر ہونے والی بات کو کون روک سکتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ

اہل کوفہ نے اُن کو حضرت معاویہ کے زمانہ سے دعوت کے خطوط بھیجنے شروع کر دیے تھے مگر وہ برابر انکار کرتے رہے (کیونکہ حضرت معاویہ کو امام واجب الاطاعۃ بعد بیعت حضرت حسن کے نہ صرف وہ

بلکہ تمام مسلمان تسلیم کر چکے تھے) مگر جب یزید کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو اُن کو تردد پیدا ہوا کبھی ارادہ ہوتا تھا کہ مکہ یا مدینہ میں رہیں کبھی کوفہ جانیکا قصد کرتے تھے۔ صرف ابن زبیر نے اُن کو جانے کا مشورہ دیا اور حضرت ابن عباس ان سے کہتے رہے کہ تم یہ ارادہ نہ کرو اور حضرت ابن عمر نے اُن سے کہا۔ نہ جاؤ دیکھو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حب دنیا اور آخرت میں اختیار دیا تو انھوں نے آخرت کو ترجیح دی تم انھیں کے ایک جزو ہو۔ تمکو بھی دنیا (کی خلافت) حاصل نہ ہوگی (جسکے لیئے کوفہ کا عزم رکھتے ہو) یہ کہہ کر حضرت ابن عمر رضؓ کو جوش محبت نے بے چین کر دیا اور (انھوں) نے حضرت حسینؓ کو لپٹا لیا اور رو دیے اور رخصت کیا۔ بعد اسکے حضرت ابن عمر برابر کہا کرتے تھے کہ حسینؓ نے ہمارا کہنا نہ مانا اور چلے گئے حالانکہ اُن کے باپ اور بھائی کے ساتھ اہل کوفہ نے جو معاملات کیئے۔ لائق عبرت تھے ایسی ہی گفتگو حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو واقد لیثی نے بھی کی مگر حضرت حسینؓ نے نہ مانا اور جانے کا ارادہ پختہ کر دیا تو حضرت ابن عباس نے کہا کہ قسم اللہ کی میں گمان کرتا ہو کہ آپ اپنے بیٹوں اور عورتوں کے درمیان میں قتل کیئے جائینگے جیسے حضرت عثمان قتل کیئے گئے تھے"

پھر بعد واقعہ شہادت کے بعض صحابہ نے برملا اُن ظالمین کے روبرو ہی منکر فرمایا جو اُنکی مغلوبیت حُب حسین پر روشن دلیل ہے۔ (النجم صلا نمبر ۱ جلد ۹)

الجواب :- اس عبارت سے یہ تو آپ کو یقیناً معلوم ہوا کہ ابن عمر۔ جابر بن عبد اللہ انصاری۔ ابو سعید خدری ابو واقد لیثی، ابن عباسؓ اس وقت موجود تھے۔ مگر کسی نے نصرت نہیں کی۔ ابن عمر نے سب سے زیادہ مبالغہ کیا مانع ہوئے۔ معانقہ کر کے روئے مگر نصرت امام کے لیئے نہ نکلے۔ چونکہ ان لوگوں کے حالات آئندہ مذکور ہوں گے کہ ترک نصرت امام سے یہ لوگ کس عذاب میں مبتلا ہوئے لہذا اُس سے ہم یہاں تعرض نہیں کرتے۔ مگر اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ صحابہ کا اجماع حضرت کے خلاف تھا خواہ دربارۂ مطلق خروج ہو یا دربارۂ قیام خانہ کعبہ اور ابن عمر کا قول تو پہلے بھی مذکور ہو چکا کہ وہ مطلق مخالفت یزید کے مانع تھے مگر چاہتے تھے کہ جس طرح ہم یزید کے غلام بنے ہیں اسیطرح حضرت بھی غلامی قبول فرمائیں تو اب دو ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ حضرت کی رائے غلطی پر ہو۔ یا صحابی کی حضرت کی رائے تو غلط ہو نہیں ہو سکتی کیونکہ واقعات مابعد نے بتا دیا کہ جن لوگوں نے حضرت کی رائے کی مخالفت کی تھی آخر انکو بھی یزید کی مخالفت کرنا پڑی۔ اور وہ لوگ بھی اسی طرح مارے گئے اگرچہ خانہ کعبہ ہی میں کیوں پناہ لی ہو لہذا رائے اصواب وہی تھی جو امامؑ نے اختیار کی تھی۔ کیونکہ اگرچہ حضرت بھی شہید ہوئے مگر دین خدا کو قائم کر گئے بخلاف اُن صحابہ کے کہ مارے بھی گئے اور کوئی کار دین بھی نہ کر گئے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہی سب غلطی پر تھے اور یہ الزام اُن پر بدستور قائم رہا کہ فرزند رسولؐ کی کسی نے حمایت نہ کی۔ دین اسلام کے لیئے کوئی سینہ سپر نہ ہوا کیونکہ جو صحابہ اسکے بعد مارے گئے وہ دین کی حمایت میں نہیں مارے گئے بلکہ دوسرے دوسرے جرائم پر جو درحقیقت عذاب خدا تھا اُن پر بوجہ ترک نصرت امام علیہ السلام۔

اڈیٹر صاحب نے جو حواشی چڑھائے ہیں وہ تو بخوبی اُنکی ناصبیت کو ظاہر کر رہے ہیں کیونکہ اگر جناب امام حسن ع نے معاویہ کو اس صلح کے ذریعہ سے حقدار خلافت تسلیم کیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رسول اللہ نے بھی کفار مکہ کو حقدار تصور کیا جن سے حضرتؐ نے اس طرح دبکر صلح کیا تھا کہ عمر صاحب کہا کرتے اگر ہمکو ستر آدمی بھی مل جاتے تو ہم اس صلح کو توڑ دیتے۔ بس اگر محض مصالحت سے تسلیم حقیقت ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے یہ الزام رسولؐ پر آتا ہے کہ کفار سے حضرتؐ اکیس۲۱ برس تک لڑتے رہے اُن کی حقیقت کو تسلیم کر لیا حالانکہ تمام اہل علم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ کو صلح حدیبیہ میں وہ مجبوری نہ تھی جو جناب امام حسنؐ کو صلح معویہ میں تھی۔

نہیں نہیں بلکہ سب سے پہلے یہ الزام خدا پر آتا ہے جو رسولؐ کو اس طرح کا حکم دے رہا ہے۔

وان جنحو اللسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ انّہ ھو السمیع العلیم۔

اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اُدھر مائل ہو جاؤ اور خدا پر توکل کرو کہ وہ سمیع و علیم ہے۔

اس سے بھی بطلان اجماع اور حقیقت نفس ظاہر ہوئی کیونکہ خلیفہ دوم جو روح رواں اجماع ہیں وہ اس صلح کے بالکل مخالف ہیں مگر عمل رسولؐ بالکل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ حکم خدا عموم صلح یہ ہے کہ اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو تم بھی اُدھر میل کرو۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ رسولؐ خدا اس حکم کو چھوڑ کر اہل ضلالت کے اس باطل اجماع کو قبول کرتے یہی سیرت جناب امام حسنؑ تھی کہ جب دیکھا معاویہ صلح پر آمادہ ہے تو حضرت نے صلح فرما لیا کیونکہ خود قرآن میں ہے الصلح خیر صلح بہتر ہے۔

بس اگر نفس صلح سے خواہ کسی حال میں ہو تسلیم حقیقت لازم ہے تو سب سے پہلے خدا پھر اس کا رسولؐ حقیقت کفار کو تسلیم کرنے والے قرار پاتے ہیں جس پر شاید کسی طرح اڈیٹر صاحب ایمان نہ لائیں حالانکہ خود جناب امام حسنؑ کا قول بعد اس صلح کے تاریخ کامل میں موجود ہے۔

وکتب الی معاویہ لو اثرت ان اقاتل احدا من اھل القبلۃ لبدءت بقتالک فانی ترکتک لاصلاح الامۃ وحقن دمائہا رصفہ ۱۶۲ جلد ۳)

کہ جب معاویہ نے قتال فروہ خارجی کی حضرتؑ کو دعوت دی تو جناب امام حسنؑ نے لکھا اگر ہم قتال کو کسی اہل قبلہ کے اختیار کرتے۔ تو سب سے پہلے تجھی سے قتال شروع کرتے کیونکہ ہم نے تو تجھے اسی لیے چھوڑا ہے کہ امت کی اصلاح ہو اور خونریزی موقوف ہو۔

اگر آپ حضرت کے اس قول سے تسلیم حقیقت معاویہ سمجھتے ہیں۔ تو پھر نہ معلوم عدم تسلیم حقیقت کن لفظوں سے ظاہر ہو سکتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں:۔" کہ معاویہ کو جناب امام حسینؑ اور تمامی مسلمان امام واجب الاطاعت تسلیم کر چکے تھے " مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ امام و خلیفہ کیا کسی نے ان کو تو مسلمان بھی نہیں سمجھا تھا جبھی تو خدا و رسولؐ کے علاوہ خود حضرت عائشہ اُن پر لعنت کرتیں۔ بلکہ عمرو عاص بسر بن ارطاۃ وغیرہ صحابہ بھی جو اُن کے ذلہ خوار تھے اُن پر لعنت

کیا کرتے۔ امام شافعی تو اس قابل بھی نہیں جانتے کہ انکی شہادت قبول کریں تو کیا ایسا شخص مسلمان کہا جاسکتا ہے جس کو اتنے صحابہ واجب اللعن جانیں آپنے کیا قول جناب امام حسینؑ اظن ان طاغیتھم قد ھلک۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۹ میں نہیں ملاحظہ فرمایا ہے تو کیا جس شخص کو کوئی طاغیہ کہے اس کو امام بھی سمجھ سکتا ہے۔

اگر جناب امام حسینؑ معاویہ کو امام واجب الاطاعت سمجھتے تو پھر اطاعت یزید سے کس طرح مخالفت فرماتے کیونکہ امام تو ہر امر میں واجب الاطاعت ہوتا ہے اور یزید کی خلافت پر اُس نے نص کر دی تھی لہٰذا اگر امام حسینؑ معاویہ کو خلیفہ بلکہ مسلمان بھی سمجھتے تو کیونکر مخالفت کرتے۔ کیا آپ کو خلیفہ دوم کا حال نہیں معلوم کہ باوصفیکہ کل صحابہ ان کے خلافت کی ابتداءً میں مخالف تھے مگر چونکہ ابوبکر نے ان کو بالنص خلیفہ کر دیا سب ساکت ہو گئے ہم ابوبکر، خلیفہ مان چکے ہیں۔ پھر ان کے خلیفہ کو ماننا بھی ضروری ہے۔ بس اگر اسیطرح کسی نے معاویہ کو خلیفہ مانا ہوتا تو یزید کی مخالفت نہ کی جاتی کیونکہ وہ تو مثل عمر خلیفہ منصوص ہوتا اور اس کی مخالفت سے صحابہ پر وہی حکم جاری ہوتا حالانکہ کوئی سنّی اس کا قائل نہیں ہے۔

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"اہل کوفہ نے انکو حضرت معاویہ کے زمانہ سے دعوت کے خطوط بھیجنے شروع کر دتے تھے۔"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ نے معاویہ کو خلیفہ مانا تھا نہ تمام مسلمانوں نے کیونکہ اگر مسلمانوں نے انکو خلیفہ مانا ہوتا تو جناب امام حسینؑ سے کیوں استدعا کرتے۔ بس اس سے بھی اڈیٹر صاحب النجم کا وہ بیان غلط ہوا جو اس کے مدعی ہوئے کہ حضرتؑ نے معاویہ کو خلیفہ مانا تھا۔

(۳) شیخ عبدالحق کا یہ قول کہ:۔ بعد بیعت یزید امام حسینؑ کو تردد ہوا محض غلط ہے کیونکہ تردد تو وہاں ہوتا ہے جہاں انسان کو علم نہ ہو اور یہاں تو جناب امام حسینؑ کو پورا علم ہے کہ کیا ہونے والا ہے کیا ہوگا۔ پھر کیونکر آپ کو تردد ہوتا۔

افسوس شیخ محقق محدث دہلوی ایسا شخص ایک ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ اگر وہ قبول کیا جائے تو معاذ اللہ امام حسینؑ کا ایمان ہی اکھڑ جاتا ہے کیونکہ جناب امام حسینؑ کو پیغمبرؐ کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس واقعہ کا ویسا ہی یقین تھا جیسا کہ خدا کا یا اپنے وجود کا یقین تھا کیونکہ روز ولادت رسول اللہ سے اسکی خبر دے رہے تھے تو کیا کوئی شخص مسلمان ہو کر خبر رسول میں شک یا تردد کر سکتا ہے؟

اگر ہم ان احادیث کو لکھیں جن میں خود آں حضرتؐ نے اس کی خبر دی ہے تو ایک جلد اس میں تیار ہو سکتی مگر ہم مولوی مبین صاحب کی وسیلۃ النجات کا حوالہ کافی سمجھتے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲ مندرجہ اصلاح نمبر ۱ جلد ۱۶۔

کیا آپنے تاریخ کامل صفحہ ۱۶ جلد ۴ میں یہ قول امام حسینؑ نہیں دیکھا ہے جو فرماتے ہیں:۔

وایم اللہ لو کنت فی حجر ھامۃ من ھذہ الھوام لاستخرجونی حتی یقضوا بی حاجتھم واللہ لیعتدن علی کما اعتدت الیھود فی السبت۔

یعنی قسم خدا کی ہم مور دار کے سوراخ میں بھی چھپیں تو یہ ہمکو وہاں سے نکال لینگے اور اپنے مطلب کو پورا کریں گے قسم خدا کی جس طرح یہود نے روز سبت پر تعدی کی اسی طرح یہ ہم پر تعدی کریں گے۔

پھر اُسی کامل میں ہے۔

امام حسینؑ فرمایا کرتے تھے کہ قسم بخدا یہ ہمکو نہ چھوڑیں گے جب تک اس علقہ (قلب) کو ہمارے سینہ سے نکالیں۔ جب ایسا کرینگے تو خدا اُنپر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو لتہ حیض سے بھی زیادہ ان کو ذلیل کرے۔

(جلد ۴ صفحہ ۱۶)

توکیا ایسے شخص کی نسبت کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ آپکو تردد ہوا۔ حالانکہ خود شیخ صاحب اسماء الرجال مشکوٰۃ میں لکھے ہیں

فلما بویع یزید اراد المسیر الیھم فمنعہ ابن عباس وابن عمر (صفحہ ۱۸ ورق)

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو کسی طرح کا تردد نہیں تھا بلکہ بمجرد سماعت بیعت یزید آپنے قصد سفر کیا اگرچہ حضرت ابن عباس وابن عمر مانع رہے مگر آپنے نہ مانا۔

آپ ابن الزبیر کے مشورہ کو لکھتے ہیں کہ اُس نے خروج کا مشورہ دیا۔ جس سے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نے اُسکے مشورہ پر عمل کیا ہو حالانکہ حضرت اس کے مشورہ سے بھی واقف تھے اور اُسکی بدنیتی سے بھی۔ دیکھئے اُسی کامل میں ہے۔

ابن الزبیر نے کہا جیسے آپکے شیعہ ہیں اگر ہمارے بھی ہوتے تو ہم تو ہرگز نہ چھوڑتے اسکے بعد خوف ہوا کہ کہیں لوگ متہم نہ کریں۔ پھر کہا اگر آپ حجاز میں قیام کریں گے اور اس کام کا ارادہ کرینگے تو ہم ہر طرح مدد دیں گے کسی طرح آپکے خلاف نہ کرینگے بیعت کرینگے خیر خواہی کریں گے۔ جناب امام حسینؑ نے فرمایا ہمارے پدر بزرگوار نے خبر دی ہے کہ خانہ کعبہ کے لئے ایک مینڈھا ہے جسکی بدولت اسکی حرمت برباد کیجائے گی۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ مینڈھا ہم ہوں۔ ابن الزبیر نے کہا تو اب یہاں قیام فرما کر ہم کو نائب بنا دیجیے حضرتؑ نے فرمایا تم کچھ بھی نہیں جانتے پھر کچھ آہستہ باتیں ہونے لگیں۔ جسکے بعد امام حسینؑ نے اور لوگوں سے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے کہ آپ خانہ کعبہ میں قیام کریں ہم لوگوں کو آپکے لئے جمع کرتے ہیں قسم خدا کی اگر ہم مورچہ وغیرہ کے سوراخ میں بھی چھپ جائیں تو یہ وہاں سے نکال کر ہم کو قتل کرینگے اور مبتلائے عذاب ہونگے۔ اسکے بعد ابن الزبیر وہاں سے اُٹھکر باہر چلا گیا اور حضرت نے فرمایا ہمارے ترک قیام مکہ سے بڑھکر اسکو کوئی شئے دنیا کی محبوب نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے اگر ہم یہاں رہیں گے تو کوئی اس کو پوچھے گا بھی نہیں اسلیئے چاہتا ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔

پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ حضرت کو اپنے نتیجہ کا تو یہ علم یقینی ہو۔ اور مشورہ ابن الزبیر کو ایسا لغو سمجھتے ہوں کہ اسکو صیغہ راز میں بھی نہ رکھنا چاہیں۔ اس پر فرمایا جائے کہ حضرت کو تردد ہوا یا مشورہ ابن الزبیر پر عمل کیا۔ حالانکہ ابن الزبیر کا کفر اور خاندانی عداوت آپ کو اچھی طرح معلوم تھی۔

اہلسنت میں جو لوگ مثل اڈیٹر النجم ہیں اُن کے نصب وخروج سے تو زمانہ واقف ہے۔ مگر جو لوگ ویسی خارجیت نہیں رکھتے مثل شیخ عبدالحق دہلوی وہ بھی آہستہ سے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ بدن میں آگ لگ جائے۔ کہاں جناب امام حسینؑ اور آپ کو کفر یزید یا ابن الزبیر میں شک ہو یا تردد؟

اس سے بھی بطلان اجماع واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ابن الزبیر۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ جابر بن عبداللہ ابو سعید خدری۔ ابو واقد لیثی سب کا اجماع ہے کہ آپ نہیں قیام فرمائیں مگر حضرت امام حسینؑ اس نص رسول پر عمل کر رہے ہیں کہ خانہ کعبہ کے لئے ایک مینڈھا ہے جس سے اسکی حرمت برباد ہوگی؟

اب اہل اسلام غور کریں فعل امام حسینؑ صحیح ہے جو اس نص کے مطابق ہے یا اجماع صحابہ جسکی چاہتے ہیں حدیث رسولؐ کو غلط قرار دیں؟

کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ آں حضرتؐ کی حدیث غلط تھی۔ حضرتؐ نے جو خبر دی تھی وہ لغو تھی کہ آپ مکہ میں قیام کر کے حرمت خانہ کعبہ کو ضائع کرتے۔

ائمۂ اطہار خواہ جناب امیر ہوں یا امام حسنؑ یا امام حسینؑ اُن کا نصب العین ہمیشہ یہی رہا کہ احکام خدا و رسولؐ کی تعمیل کریں خواہ اس میں جان رہے یا جائے۔ اسی مصلحت سے جناب امیرؑ نے عہد خلفائے ثلثہ میں جہاد بالسیف سے سکوت کیا کہ اس جہاد میں اسلام کی بربادی کا احتمال تھا۔ کیونکہ یہ دُنیا پرست صحابہ اپنے اغراض فاسدہ کے حصول کیلئے یقیناً اسلام کو ذبح کر دیتے۔ اسی طرح جناب امام حسنؑ نے محض اسی لئے صلح کر لیا کہ نہیں کرتے تو اسلام تباہ ہوتا ہے۔

وہی نصب العین اس وقت جناب امام حسینؑ کے پیش نظر ہے کہ اگر آپ سکوت کرتے ہیں اور جہاد بالسیف نہیں کرتے تو یقیناً اسلام تباہ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح خلفائے ثلثہ کی خلافت جزو اسلام مان لی گئی ہے اسی طرح یزید کی خلافت بھی جزو اسلام مان لیجاتی لہٰذا حضرتؑ کے اس جہاد نے نہ صرف یزید کے ضلالت کو ظاہر کیا۔ بلکہ خلفائے ثلثہ کے ناحق ہونے کو بھی ظاہر کر دیا۔ کیونکہ وہ بھی تو بہ اجماع خلیفہ ہوئے تھے اور اجماع وہی ان کے یہاں مسلم الثبوت ہوتا ہے جو بمخالفت حکم خدا اور رسولؐ ہوتا ہے۔

(۵) بے شک حضرت ابن عباس مانع رہے اکثر روایات میں یہ مضمون ہے۔ مگر وہ نہ معصوم تھے نہ امام تھے جو اس تکلیف کو سمجھتے بلکہ اُن کی نظر ظاہر اسباب پر تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جو پیچ خلفائے ثلاثہ بو گئے ہیں وہ ضرور رنگ لاویگا اور امام حسینؑ ضرور شہید ہونگے اس لئے وہ مانع رہے مگر جناب امام حسینؑ سمجھتے تھے کہ شہادت حیات ابدی ہے جس سے اسلام زندہ ہوگا پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرتؑ حکم خدا اور رسولؐ کی مخالفت کرتے اور محض جان بچانے کے لئے وہ کام کرتے جس سے اسلام ضائع ہو۔ کیونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اگر زندہ رہے بھی تو کیا نتیجہ ہوگا جیسا کہ معلوم ہو چکا جو صحابہ اسکے بعد زندہ رہے کس ذلت و خواری میں مبتلا ہوئے اور آئندہ بھی اس کے حالات مذکور ہوں گے۔

(۶) ابن عمر نے جو مشورہ دیا وہ البتہ قابل غور ہے۔ کیونکہ وہ طلب خلافت کو طلب دنیا قرار دیتے ہیں۔ تم کو بھی دنیا کی خلافت حاصل نہ ہوگی جسکے لئے کوفہ کا عزم رکھتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے والد اور ابوبکر و عثمان کو پورا دنیادار

جانتے تھے جنھوں نے طلب خلافت کیلئے جنازۂ رسول کو بے غسل و کفن چھوڑا۔

ہمکو تعجب ہوا ایڈیٹر النجم سے کہ کیونکر اُنھوں نے اس جملہ کو لکھ دیا جس سے اُنکے خلفائے ثلاثہ دنیا دار قرار پائے۔

اے کاش وہ اس پر غور کرتے کہ اگر جائز تسلط و اقتدار حرام ہوتا تو رسول اللہ نے کفار سے کیوں جہاد کیا۔ کیونکہ انکو تو کوئی نہیں کہہ سکتا حضرت نے اس لئے جہاد کیا کہ انکو قبول اسلام پر مجبور کریں کیونکہ لا اکراہ فی الدین قرآن میں آج تک موجود ہے۔ پھر ضرور رہے حضرت کا جہاد یا تو بطور دفاع ہو کہ مسلمانوں پر ظلم نہ کر سکیں یا اس لئے کہ اسلام کا تسلط اور اقتدار قائم ہو جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما تعملون بصیر

اور ان لوگوں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد بند ہو جائے اور دین سب خدا ہی کا ہو اور اگر باز آجائیں تو خدا اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

پھر جس حکم خدا کی تعمیل نے رسول اللہ کو اس پر مجبور کیا تھا کہ وہ کفار سے جہاد کریں یہاں تک کہ دین خدا غالب ہو اُس سے جناب امام حسینؑ کیونکر مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

مگر ابن عمر وغیرہ ایمان ہی کب لائے تھے جو سمجھتے کہ رسول اللہ نے کیوں جہاد کیا اور جناب امیرؑ کیوں طالب خلافت تھے اور جناب امام حسینؑ نے قیام بالسیف کیوں فرمایا۔

ابن عمر نے جو کچھ دیکھا تھا اپنے باپ کو اور اُن کی ترکیبوں کو یا ابوبکر و عثمان کو کہ کس طرح وہ تحصیل دنیا کے لئے سرگرداں تھے کیا کیا تدبیریں کر رہے تھے لہذا اُنھوں نے سمجھا کہ حضرت بھی جو کوفہ تشریف لے جا رہے ہیں اسی دنیائے دنی کے لئے حالانکہ خود جناب امام حسینؑ نے اپنے سفر کے مقصد کو اپنے اس خطبہ میں واضح کر دیا تھا جو آپ نے لشکر حر کے سامنے ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبہ کو دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرت خلافت دنیا کے طالب تھے جو ابن عمر نے یہ کہا۔ "تم کو بھی دنیا کی خلافت حاصل نہ ہوگی؟

کیا رسول اللہ کی تشریف آوری مکہ سے کسی دوسری غرض سے ہوئی تھی اور جناب امام حسینؑ کی دوسری غرض سے کیا اگر رسول اللہ کی اہل مدینہ مدد نہ کرتے اور آپ شہید ہو جاتے تو ابن عمر یہی کہتے ؟

جناب امام حسینؑ حدیث رسول سنا رہے تھے کہ جو شخص ایسی حالت میں سکوت کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور ابن عمر صاحب کہتے ہیں کہ طلب دنیا ہے۔ تو اب مسلمانوں کو اختیار ہے یا حدیث رسول کی تکذیب کریں یا ابن عمر کی غلط بیانی کا اعتراف؟

بیشک جناب امام حسین جزو رسول تھے اور اسی خلافت کے طالب تھے جو خلافت رسول تھی نہ اس خلافت کے جو خلافت ابوبکر و عمر کو ملی کہ حدود و احکام خدا معطل کئے حلال خدا حرام کیا گیا حرام خدا حلال۔ اگر امام حسینؑ اس خلافت کے طالب ہوتے تو سب کے پہلے لوگ ان کا ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو چاہتے تھے کہ شریعت رسول اللہ زندہ ہو احکام خدا

جاری ہوں پھر کیونکر وہ لوگ ساتھ دیتے جو اسکے خلاف چل رہے تھے اور چلے یہاں تک کہ اسی وجہ سے امام حسینؑ کو شہید کیا۔

ابن عمر اسقدر آرام طلب تھے کہ محض اسی آرام طلبی کے لئے اُنھوں نے حدیث رسولؐ بنی الاسلام علی خمس سے جہاد کو نکال دیا مگر اس کا نتیجہ یہ ہلا کہ جب تک زندہ رہے غلامی کی زندگی بسر کی جیسا کہ اُن حالات میں مذکور ہوگا۔

(۷) ہم اس کو مانتے ہیں کہ روایات اہلسنت میں یہ ضرور آیا ہے کہ ابن عمر نے معانقہ کیا اور روئے مگر کیا اسی کا نام نصرت امام ہے کیا حضرت کی مصیبت پر عمر بن سعد نہیں رویا ہے یزید نہیں رویا ہے۔ تو اس طرح کے رونے سے گناہوں کی تلافی ہوجائے گی یہاں تو رونے کی ضرورت نہ تھی جان دینے کا موقع تھا کہ حضرت کی معیت میں اپنی جان کو نثار کرتے اور ایک ساتھ معرکہ کربلا میں تشریف لے جاتے مدعیان اسلام دیکھتے۔ خلیفہ دوم کے فرزند ارجمند ساتھ ہیں۔ پھر کس کو اس کی جرأت ہوتی کہ حضرت پر ہاتھ اُٹھاتا۔

ابن عمر کا یہ جوش محبت اُس سے کم نہ تھا جو ان کے باپ عمر صاحب رسول اللہؐ کے ساتھ دکھایا کرتے کہ یوں تو ہر وقت اپنے ماں باپ کو فدا کرتے مگر جب وقت مصیبت آتا ٹل جاتے جیسا کہ قصۂ جنگ اُحد سب کو معلوم ہے۔ بنہیں نہیں ابن عمر نے تو وہ جوش بھی نہ دکھایا۔ کیونکہ عمر کم سے کم ساتھ جہاد میں جایا تو کرتے۔ اُنھوں نے اتنا بھی نہ کیا کہ امام حسینؑ کے ساتھ کربلائے معلےٰ تک جاتے اور مخالفین کو اپنی صورت دکھاتے۔ اگرچہ بھاگ ہی جاتے۔

غرض اگر آپ اس کو محبت سمجھتے ہیں "کہ اُنھوں نے حضرت حسین کو لپٹا لیا اور رو دیئے اور رخصت کیا" تو اس سے بمدارج زیادہ یزید پلید محب امام حسین علیہ السلام تھا جسنے بوقت رخصت جناب امام زین العابدینؑ سے کہا۔ جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے:۔

جب یزید نے چاہا کہ ان حضرات کو رخصت کرے تو یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا سامان سفر کرے اور جناب امام زین العابدینؑ کو بلا کر رخصت کرنا چاہا۔ تو کہا خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر قسم خدا کی اگر ہم سے حضرت سے مقابلہ ہوتا تو آپ کی کوئی خواہش ایسی نہ ہوتی جس کو ہم نہ قبول کرتے اور ہر طرح اس مصیبت کو آپ سے دفع کرتے اگرچہ اس میں بعض اولاد بھی ہماری ہلاک ہوتی۔ مگر قضائے الٰہی یہی تھی جو تم نے دیکھا۔ (جلد ۴ صفحہ ۲۶)

اب اڈیٹر صاحب نجم انصاف فرمائیں کہ محبت ابن عمر زیادہ ہے یا محبت یزید کیونکہ ابن عمر تو خالی معانقہ کرکے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ اور یزید قسم کھا کر کہتا ہے کہ ہم ہر طرح امام حسینؑ کی مدد کرتے اگرچہ اُس میں ہماری بعض اولاد بھی ہلاک ہوجاتی۔ پھر فرمائیے درجۂ محبت کس کا زیادہ ہے۔ ابن عمر کا یا یزید کا۔

(۸) یہ قول ابن عمر بھی اُسی کم معرفتی سے تھا جو اپنی رائے کو صائب سمجھے اور رائے جناب امام حسینؑ کو غلط۔ کیونکہ اُن کے نزدیک تو جو کچھ تھا دنیا اور اسکی زندگی تھی جسکے مقابلہ میں سب کو ہیچ سمجھتے۔ ورنہ یہ تو وہ ادا تھی تھا کہ اگر بدقسمتی سے نہ شریک ہوئے تھے تو مدۃ العمر اُس پر رویا کرتے کہ کیسی مصیبت آئی جیسا باغیوں سے جنگ نہ کرنے پر اُن کو ہمیشہ

افسوس رہا استیعاب ابن البر مکیؔ میں ہے صفحہ ۳۸۱ جلد اول

عن عبد اللہ بن عمر قال ما اسی علی شی الا انی لم اقاتل مع علی الفئۃ الباغیۃ

کہ ہم کو کسی امر پر افسوس نہیں ہے بجز اس کے ہم نے حضرت علیؑ کے ساتھ فئۃ باغیہ سے قتال نہ کیا۔

اس روایت کو چھ طریق سے لکھا ہے۔

مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ندامت اُنکی سچے دل سے تھی۔ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک دنیاداری کا کلمہ تھا جو کہہ دیا اُسی قسم سے یہ کلمہ بھی کہا۔ فرق ہے تو اس قدر کہ جنگ معاویہ کے ترک میں اپنا قصور ظاہر کرتے ہیں اور یہاں پر جناب امام حسینؑ پر الزام ہے کہ آپنے ہماری رائے کی مخالفت کی۔

اس قسم کی ندامت عائشہ۔ ابوبکر۔ عمر سے منقول ہے مگر کیا فائدہ کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

واسروا الندامۃ لما رو العذاب وقضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون۔

کہ پوشیدہ کیا انھوں نے ندامت کو جب دیکھا عذاب۔ اور فیصلہ کیا گیا ان میں عدل سے اور کسی طرح کا اُن پر ظلم نہ ہوگا

واسروا الندامۃ لما راوا العذاب وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا ھل یجزون الا ما کانوا یعملون۔

پوشیدہ کیا اُنھوں نے ندامت کو جب دیکھا عذاب اور ہمنے ڈال دیا کافروں کے گلے میں طوق جزا اُنکو تو اُسی کی دی جائے گی جو عمل کرتے ہیں۔

پھر ابن عمر کو اس سے کیا نفع ہوا کہ اُنھوں نے ندامت ظاہر کی۔ جزا تو اُنکو عمل ہی کی دی جائے گی۔

(۹) جب آپ کے صحابہ خود رسول اللہ سے اس قسم کا مجادلہ کرتے اور حضرت کے احکام پر ایمان نہ لاتے تو اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ اُنھوں نے یہ سلوک کیا تو کیا تعجب ہے۔

چونکہ ان لوگوں کے حالات اس کے بعد کچھ تفصیل سے لکھے جائینگے اسلیئے ہم ان لوگوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کون درحقیقت معذور تھا اور کون غیر معذور۔ کیونکہ یہ تو بدیہی بات ہے اگر کوئی شخص کسی نبی کا ساتھ نہیں دے گا تو نتیجہ بجز قتل کیا ہوگا جیسا کہ ہزار ہا انبیا اسطرح شہید ہوئے تو سمجھنا چاہیئے الزام نبی پر ہے یا امامت پر؟

غرض چونکہ موضوع رسالہ یہی ہے کہ دکھایا جائے صحابہ کا برتاؤ آل رسولؐ کیساتھ کیا تھا اور اڈیٹر النجم نے اس کی فرمائش کی ہے "کہ ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی و صحیح تھے بیان کیئے جائیں"۔ لہذا ہم بھی کچھ تفصیل سے ان صحابہ کے حالات کو لکھتے ہیں کہ معلوم ہو انکی عدم شرکت از راہ معذوری تھی۔ یا از راہ شرارت نفس

عبد اللہ ابن عمر کے حالات میں ایک تحریر مولوی شبلی صاحب کی الندوہ میں شائع ہوئی ہے جسکو اڈیٹر اہل حدیث اور بدر قادیانی نے بھی بڑے فخر و مباہات سے نقل کیا ہے۔

اس تحریر میں جہاں تک بن پڑا ہے اُنکی مدح سرائی کی گئی ہے لہذا اس کے اقتباس کے ساتھ ہم اصلی حالات بھی اُنکے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ تھے۔ کیونکہ جو فضائل بیان کئے گئے ہیں اُنھیں سے ہم انکا اصل جوہر دکھلاتا ہوں۔

الندوہ لکھتا ہے "عام روایت تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت عمر سے پیشتر یہ شرف حاصل کر چکے تھے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ بھی حضرت عمر کے ساتھ اسلام لائے"

مگر لطف تو اسی روایت میں تھا کہ عبداللہ کا اسلام مقدم ہوتا کیونکہ عمر کی بہن اور بہنوئی بھی پہلے اسلام لاچکے تھے چنانچہ جب بہن کا خون بہتے دیکھا تو شرمندہ ہوئے اور حضرت کے پاس گئے تو آپ نے ایک ایسا جھٹکا دیا کہ مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔

الندوہ بہرحال انکے بلوغ کا زمانہ نجاست کفر سے پاک رہا اور بالکل بچپن ہی کے زمانہ میں ان کو گنجینۂ مراد ملا"

مگر افسوس کہ جب جناب امیرؑ کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ انکے خاندان میں کہیں کفر نے وجود ہی نہیں پایا حضرت نے متولد ہوتے ہی آغوش رسول میں تربیت پائی۔ تو اہلسنت خوش نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں طفلی کے زمانہ کے اسلام کا کیا اعتبار۔ بہرحال اس فضیلت میں وہ عمر سے افضل نکلے۔

الندوہ لیکن چونکہ انھوں نے عمر سے پیشتر ہجرت کر دی تھی اس بنا پر بعض راویوں نے اس تقدم کی نسبت خود ان کے اسلام کی طرف کر دی مگر تقدم فی الہجرت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے"

تو اس سے لازم آتا ہے کہ عمر صاحب ابوبکر سے افضل ہوں کیونکہ عمر نے بھی تقدم فی الہجرت کی تھی جو بڑی فضیلت ہے اور اگر اسی وجہ سے راوی تقدم اسلام کے قائل ہوئے تو پھر عمر کے اسلام کو ابوبکر پر کیوں نہ مقدم کیا کیونکہ عمر نے ہجرت میں ان پر تقدم کیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کے تقدم اسلام سے ایک بڑا الزام عمر پر آتا تھا کہ بیٹا ان کا مسلمان ہو گیا اور وہ کافر ہی رہے اس لئے اس روایت کی اس طرح تاویل کرنے لگے حالانکہ عمر صاحب کی سختی بھی معلوم ہے کہ وہ کس قدر مسلمانوں کی دشمنی میں سخت تھے۔

الندوہ جب بدر کی لڑائی پیش آئی تو ان کا سن ۱۳ برس کا تھا لیکن انھوں نے اسی سن میں شریک جنگ ہونے کیلئے آمادگی ظاہر کی لیکن جناب رسالت پناہ نے انکار کر دیا"

مگر انس بن مالک کے حال میں لکھا ہے "حضرت انس بدر میں رسول اللہ کے ہمراہ گئے تھے یہ اس زمانہ میں بچے تھے" (اسد الغابہ صفحہ ۱۲۸)

جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ کو کسی وجہ انصار پر اعتماد تھا کہ انس کو ساتھ لیا جو دس برس کے تھے غالباً اور عبداللہ بن عمر کو ساتھ نہ لیا جو تیرہ برس کے تھے۔ یا یہ وجہ ہو کہ آپ کو ان کے باپ کی شجاعت معلوم تھی تو ان کا حال بدرجۂ اولیٰ معلوم ہوگا اسی وجہ سے ساتھ نہ لیا۔

الندوہ۔ البتہ غزوہ خندق میں جب آپ کا سن ۱۵ سال کا تھا جناب رسالت پناہ نے ان کو اجازت جنگ دی" مگر آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ انھوں نے کسی جنگ میں کسی کافر کو بھی مارا ہو۔ کیونکہ لڑائی میں شریک تو نوکر چاکر سب ہی ہوتے ہیں کیا اس سے کوئی بہادر بھی بن جاتا ہے۔

الندوہ فتح مکہ کے زمانہ میں انکی عمر ۲۰ سال کی تھی وہ ایک سرکش گھوڑے پر سوار تھے انکے ساتھ ایک بڑا نیزہ

تھا اور ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنے گھوڑے کے لئے گھاس کاٹ رہے تھے ایسی حالت میں رسالت آب نے ان کو دیکھا اور مدح وثنا کے لہجہ میں فرمایا یہ عبداللہ یہ عبداللہ ہے۔ حضرت عبداللہ۔ فتح مکہ کے شرف کو اپنا سب بڑا شرف اور فخر سمجھتے تھے۔

اس سے بھی بہت اچھی طرح معلوم ہوا کہ اصلی کام ان کا یہی تھا کہ گھوڑے کے لئے گھاس کاٹیں۔ حالانکہ بہادروں کی شان یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کو مثل گھاس کاٹتے ہیں۔

بہرحال انکی شجاعت وجوانمردی کا فسانہ یہیں آکر ختم ہوا کہ فتح مکہ میں یہ گھاس کاٹ رہے تھے اور حضرتؐ نے فرمایا یہ عبداللہ ہے یہ عبداللہ۔

فتح مکہ میں اگرچہ عام طور پر حکم جہاد نہیں تھا۔ مگر پھر بھی جو بہادر تھے وہ اپنی بہادری دکھا گئے مگر اُن کا کام یہی رہا کہ گھاس کاٹیں۔ کیونکہ اگر کسی جنگ میں اُنھوں نے کافر کو مارا ہوتا تو ضرور اُس پر فخر ومباہات کرتے۔

انکار خلافت

الندوہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر ہمیشہ خلافت سے انکار کرتے رہے جس کا ذکر اُن کے فضائل میں آئے گا۔ لیکن اُن کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہ اور حضرت علیؑ میں دومۃ جندل میں لڑائی کی ٹھہری تو معاویہ ایک قوی ہیکل اونٹ پر نکلے اور کہا کہ وہ کون ہے جو خلافت کی خواہش کرتا ہے یا اُسکی طرف گردن بلند کرتا تو میرے لبیں آج کے سوا دنیا کا خیال نہیں آیا تھا کیونکہ میں نے اُس وقت ارادہ کیا کہ کہوں خلافت کی خواہش وہ شخص کرتا ہے جس نے تم کو اور تمھارے باپ کو مار پیٹ کر اسلام کے حلقہ میں داخل کیا لیکن پھر بہشت اور اس کی نعمتیں یاد آگئیں اس لئے میں رُک گیا۔ یہ استحقاق اور دعویٰ حضرت عبداللہ بن عمر کو فتح مکہ ہی کیوجہ سے پیدا ہوا تھا کیونکہ فتح مکہ کے زمانہ میں امیر معاویہ اور ابوسفیان کافر تھے اور کفار کے ساتھ شریک جنگ تھے چنانچہ وہ اسی لڑائی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان مناقب میں اور صحابہ بھی اگرچہ شریک ہیں لیکن متعدد فضائل ایسے ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمر تمام صحابہ سے ممتاز ہیں ہم ان مناقب کے الگ الگ عنوان قائم کرکے تفصیل لکھتے ہیں"۔

اگرچہ تحقیق اُسکی آئندہ آئے گی جہاں تفصیل اسکو لکھیں گے مگر یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ وہ خلافت سے منکر تھے بلکہ بات یہ ہے کہ اُن لوگوں کے رہتے ہوئے کسی کو خلافت مل ہی نہیں سکتی تھی جنھوں نے بمخالفت نصِّ رسولؐ ایکا کیا تھا کہ جناب امیر کو خلیفہ نہ ہونے دیں گے اُن لوگوں سے طلحہ زبیر عبدالرحمان بن عوف سعد بن ابی وقاص باقی تھے پھر اُن کو خلافت کیونکر ملتی۔

عمر نے جب جناب امیرؑ کی محرومی کے لئے شوریٰ قائم کیا ہے تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا اپنے بیٹے کو خلیفہ کیجئے تو عمر نے کہا تو منافق ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ جو شخص اپنی زوجہ کو طلاق دینا بھی نہ جانے وہ کیونکر خلیفہ ہو سکتا ہے حالانکہ خود عمر بھی احکام طلاق سے ناواقف تھے۔

جو واقعہ جناب امیرؑ اور معاویہ کی جنگ کا لکھا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ عبداللہ بن عمر اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ یہ واقعہ اس کے بعد کا ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہو گا۔

ان کا نام خلافت میں ابو موسیٰ اشعری نے البتہ لیا تھا کہ جناب امیرؑ کو معزول کر کے ان کو خلیفہ بناؤ مگر عمرو عاص نے یہ کہہ کر اڑا دیا کہ وہ خواہان خلافت نہیں۔

اللدوہ۔ اتّباع سنّت۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی زندگی کا مقصد صرف اتباع سنّت تھا وہ اس کا اس شدّت کے ساتھ التزام کرتے تھے کہ رسول اللہ نے جن درختوں کے سایہ میں کبھی آرام فرمایا تھا وہ انکو پانی دیتے رہتے تھے تاکہ خشک نہ ہونے پائیں رسول اللہ نے جہاں کہیں نماز پڑھی تھی اس مقام پر ضرور نماز پڑھتے۔ اور جہاں کہیں قیام فرمایا تھا وہاں ضرور قیام کرتے عام طور پر مسلم ہے کہ وہ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ مناسک حج میں رسول اللہ کے تمام سنن کا لحاظ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے جہاں جہاں قضائے حاجت کی تھی وہاں وہ بھی ضرور قضائے حاجت کرتے یہی وجہ ہے کہ مقامات حج۔ میقات رمی رجمار۔ استقلال وغیرہ کے مقامات کی تعین و تحدید کے متعلق اکثر حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہیں۔ رجب میں چونکہ جناب رسالت پناہ عمرہ بجالائے تھے اس لیئے وہ بھی ہر سال رجب میں عمرہ بجالاتے تھے وہ سخت خطرہ کی حالت میں بھی اتباع سنت سے باز نہیں آتے تھے چنانچہ جب حجاج اور عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کا زمانہ تھا اور عبدالملک بن مروان نے لوگوں کو حج سے اس بنا پر روکنا چاہا تھا کہ مکہ میں کہیں عبداللہ بن زبیر کی بیعت نہ کرلیں تو حضرت عبداللہ بن عمر نے حسب معمول حج اور عمرہ کا سامان کیا لیکن انکی اولاد نے روکا کہ یہ فتنہ و فساد کا زمانہ ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کو حج سے روک دیں انھوں نے فرمایا کہ حدیبیہ کا واقعہ ہمارے لیئے کافی ہے رسول اللہ حج کو نکلے تو کفار نے روک دیا۔ آپ رک گئے اسی طرح اگر ہم بھی روک دیے جائیں گے تو رک جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو رسول اللہ کے اقوال و افعال کا اس شدّت کے ساتھ التزام تھا کہ خود جناب رسالت پناہ کو منع کرنا پڑا صحابہ کا عام قاعدہ یہ تھا کہ اپنے خواب رسول اللہ کی حضور میں بیان کرتے اور آپ انکی تفسیر بیان فرماتے حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی شوق پیدا ہوا کہ اگر کوئی خواب دیکھوں تو حضور کی خدمت میں بیان کروں چنانچہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں مسجد میں سوتے تھے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے میں نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کی طرح تہ بتہ ہے اسکے دو کنارے ہیں اور اس میں کچھ لوگ ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں یہ حالت دیکھ کر میں نے خدا سے پناہ مانگی اور اعوذ باللہ کہنے لگا اسی حالت میں مجھے دوسرا فرشتہ ملا اُسنے کہا گھبراؤ نہیں۔ اس خواب کو انھوں نے حضرت حفصہؓ سے کہا اور اُنھوں نے اسکو رسول اللہ سے بیان کیا حضور نے فرمایا عبداللہ اچھا آدمی تھا کاش وہ رات کو نماز پڑھتا چنانچہ اُنھوں نے بالالتزام شب بیداری کرنی شروع کی یہاں تک کہ جب جناب رسالت پناہ کو اسکی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کیا مجھ کو نہیں معلوم ہوا کہ تم رات کو قیام کرتے ہو دن کو روزہ رکھتے ہو انھوں نے کہا کہ ہاں میں ایسا کرتا ہوں آپنے فرمایا اگر ایسا کروگے تو تمھاری آنکھیں کمزور ہو جائیں گی نفس تھک جائیگا تم پر تمھارے نفس کا حق ہے بی بی کا حق ہے اس لیئے روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو رات کو قیام بھی کرو اور سوؤ بھی۔

الجواب۔ نہ معلوم یہ جملہ اُن کے مدح میں لکھا ہے یا ذم میں کیونکہ اگر **اتباع سنّت** رسول فعل ممدوح ہے تو حضرت عمر کے متعلق کیا کہا جائے گا جن کے متعلق خود مولوی شبلی صاحب الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ آں حضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آں حضرت نے نماز پڑھی اس خیال سے لوگ اسطرف دوڑے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا اہل کتاب انھیں باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا (ص۲۰ حصہ دوم)

اب کوئی انسے پوچھے کہ یہ لائف بھی تو آپ ہی کی لکھی ہوئی ہے عمر کی لائف الفاروق میں لکھی۔ ابن عمر کی الندوہ۔ میں پھر بتائیے کس کا فعل حق اور صواب تھا کیونکہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا ابن عمر کی زندگی کا مقصد اگر صرف اتباع سنت تھا۔ تو عمر کی زندگی کا مقصد محض مخالفت سنت۔ ابن عمر اگر ان درختوں کو پانی دیتے جس کے سایہ میں حضرت بیٹھے تھے تو حضرت عمر اس درخت کو جس کے نیچے حضرت نے جہاد پر بیعت لی تھی جڑ سے کٹوا دیتے ابن عمر اگر اس جگہ نماز پڑھتے جہاں حضرت نے نماز پڑھی تھی تو عمر اس مسجد میں جانیسے بھی روکتے اور صحابہ کو کافر بتاتے۔

ابن عمر اگر حج میں رسول اللہ کے تمام سُنن کا لحاظ رکھتے تو عمر کو اس درجہ مخالفت رسول پر اصرار تھا کہ متعہ الحج کو موقوف کیا۔ مقام ابراہیم کو بدل دیا جو عہد حضرت ابراہیم سے تا عہد رسول بلکہ تا عہد ابو بکر اپنے اصلی مقام پر تھا۔ اور اب دوسری جگہ ہے۔

مولوی شبلی صاحب الفاروق میں لکھتے ہیں :۔

"اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہونچا سکتا ہے نہ نقصان۔

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جسقدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہونچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ منقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے (ص۲۰۰ الفاروق)

ہمنے جو ابتدا میں لکھا تھا کہ اتباع سنت میں جو ابن عمر کا نام لکھا گیا اسکی غرض نہ معلوم ہے یا نہ۔ اسکی تصدیق اس سے بخوبی ہوگئی کہ یہاں مخالفت سنت رسول میں عمر کی اس درجہ تعریف کی گئی ہے کہ انھوں نے اسکو جبہ اسمیں مبالغہ کیا جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی شبلی صاحب ابھی تک بوسہ حجر اسود کو بت پرستی سمجھتے ہیں۔ اور رواج صنم پرستی کا یہی سبب ہوا اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

تو ابن عمر کا یہ فعل کہ وہ اس درجہ اتباع رسولؐ میں منہمک رہتے ضرور قابل مذمت فعل ہے۔ مولوی شبلی صاحب کو اس روایت سے انکار ہے جو جناب امیرؑ نے بمخاطبہ عمر فرمایا تھا مگر افسوس تمامی علماء اہلسنت نے اسکی روایت کی ہے اور عمر کی نادانفیت کی بہت کامل دلیل ہے کیونکہ حضرت نے اپنے دعویٰ کو قرآن مجید سے ثابت کیا ہے جس پر عمر نے کہا:۔ یا ابا الحسن

لقد جعل اللہ بین ظہرانکم من العلم غیر قلیل۔

اور بروایت سبل الہدیٰ والرشاد عمر نے کہا:۔

اعوذ باللہ ان عیش فی قوم لست فیھم یا ابا الحسن۔

یعنی ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اس قوم میں زندہ رہیں جسمیں آپ نہ ہوں۔ (ملاحظہ ہو تشئید المطاعن ص۵۵۸)

عمر صاحب کو باسخصوص احکام حج میں حضرت کی مخالفت میں اس درجہ کد رہی کہ حضرتؐ نے آخر حج میں تبا کید تمام حکم دیا تھا کہ عمرہ اور حج ایک ساتھ بجالاؤ مگر عمر کا حکم تھا کہ:۔

حج و عمرے میں فصل کرو کہ حج و عمرہ تمام ہو۔ اور عمرہ غیر ماہ حج میں ہونا چاہیئے کہ عمرہ تمام ہو۔ (ازالۃ الخفاص ۱۴۲)

ابن عمر کی نسبت مولوی شبلی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے مگر عمر اسدرجہ اس سے بے علم تھے کہ ازالۃ الخفا میں ہے۔

سئل عن العمرۃ وھو بمکۃ من ای موضع اعتمر قال ایت علی بن ابی طالبؑ فسألہ فقال علی حیث ابدأت یعنی من میقات ارضہ قال فاتی عمر فاخبرہ فقال ما اجد لک الا ما قال علی بن ابی طالبؑ (ص۱۴۲)

یعنی عمر سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص مکہ میں ہو اور عمرہ کرنا چاہے تو کہاں سے شروع کرے۔ عمر نے کہا کہ حضرت علیؑ کے پاس جاؤ حضرت نے فرمایا جہاں سے شروع کیا ہے۔ یعنی جو میقات اُس کے اصلی وطن کا ہے وہاں سے احرام باندھنا چاہیئے اُس نے آکر عمر سے بیان کیا کہا ہم بھی وہی پاتے ہیں جو حضرت علیؑ نے کہا۔

عمر نے چاہا تھا کہ خزائن و دفائن خانہ کعبہ کو جہاد میں صرف کریں۔ مگر جناب امیرؑ نے روکا۔ (ص۵۲۶)

عمر سے سوال کیا گیا کہ شتر مرغ کے انڈوں کو اگر حالت احرام میں کوئی کھا جائے تو اُس کا کیا حکم ہے عمر نے اُس کو جناب امیرؑ سے دریافت کیا۔ (ص۵۴۲)

عمر کو یہ مسئلہ حج معلوم نہ تھا کہ طواف خانہ کعبہ کے پہلے عطر لگانا جائز و مباح ہے لہذا عمر نے حرمت کا حکم دیا۔ چنانچہ ازالۃ الخفا میں ہے:۔

عمر نے عرفہ میں خطبہ دیا بغرض تعلیم حج تو کہا کہ جو شخص رمی الجمرہ کرے اُس پر سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں مگر عورت اور خوشبو لگانا۔ وہ نہ عورتوں کے پاس جائے نہ خوشبو لگائے جب تک طواف نہ کرے شاہ صاحب کہتے کہ تمام فقہاء نے اس حکم عمر کو ترک کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک حدیث عائشہ وغیرہا سے ثابت ہے کہ حضرتؐ نے قبل طواف خوشبو لگایا تھا۔ (ازالۃ الخفا ص۱۰۵)

کہاں ابن عمر کی وہ حالت کہ مناسک حج کے وہ بڑے عالم مانے جاتے۔ اور کہاں عمر کی یہ حالت کہ خلیفہ بنکر تعلیم احکام حج کر رہے ہیں مگر اس طرح کہ خلاف سنت رسولؐ۔

عمر نے اجازت دی ازواج نبی کو کہ حج کریں اور انکے ساتھ عثمان و عبدالرحمان کو کر دیا شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے عورتوں کو بغیر محرم جانا جائز ہے یا نہیں شافعی نے اسی فعل عمر سے استدلال کیا ہے جواز پر مگر جو لوگ منکر ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہو عمر نے بغرض محافظت و توقیر ساتھ کیا ہو۔

جن لوگوں نے کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کیا ہے انکو معلوم ہے کہ آں حضرتؐ نے حجۃ الوداع میں اپنے ازواج کو حکم دیا تھا کہ یہ آخری حج تمھارا ہے اب اسکے بعد نہ کوئی حج کرے نہ گھر سے باہر نکلے۔ مگر عمر نے حکم رسولؐ کے خلاف ان کو اجازت حج دی اور نامحرموں کو ان کے ساتھ کیا۔ اس سے بڑھ کر کیا مخالفت سنت ہو سکتی ہے۔

پھر اسی ازالۃ الخفا میں ہے:۔

حالت احرام میں حضرت عمر کی ناک میں خوشبو آئی آپ اس شخص پر جو خوشبو لگائے ہوئے تھا بہت خفا ہوئے۔ معاویہ نے وہ کان جو خوشبودار اوڑھے تھے اُکر آر دیا شاہ صاحب فرماتے ہیں تمام فقہا نے اس قول عمر کو نہیں مانا کیونکہ حدیث عائشہ سے رسول اللہ کا خوشبو لگانا ثابت ہے۔ (ازالۃ الخفا ص۱۰۱)

اس سے بڑھ کر کیا مخالفت رسولؐ ہو سکتی ہے۔ چونکہ اہل جاہلیت زمانہ حج میں خوشبو نہیں لگاتے تھے اس لیئے عمر صاحب نے اپنے زمانہ میں اسکی ترویج چاہی۔

تمامی صحابہ اسکے قائل تھے کہ اگر بروز قربانی عورت طواف کرے اس کے بعد حیض شروع ہو جائے تو حج اسکا پورا ہو گیا۔ مگر عمر کہتے ہیں کہ نہیں اس کو پھر طواف کرنا چاہیئے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ تمامی اہل علم نے قول عمر کو ترک کر دیا کیونکہ قصہ صفیہ وغیرہ سے اسکے خلاف ثابت ہے۔

عمر نے نکاح کو باطل کیا جو حالت احرام میں واقع ہو حالانکہ خود حضرت نے حالت احرام میں نکاح کیا ہے۔

یہ چند مسائل ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عمر صاحب کو کس درجہ کی مخالفت تھی سنت رسول سے کہ جہاں تک بن پڑا اسکے خلاف کیا۔ پھر مولوی شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ابن عمر کو اسقدر اتباع سنتؐ کا خیال تھا کہ جہاں جہاں حضرت نے قضائے حاجت کی تھی وہاں ابن عمر ضرور قضائے حاجت کرتے۔ کس قدر عبرتناک ہے کہ باپ کا وہ خیال بیٹے کا یہ خیال! باپ تو اس درجہ مخالف رسولؐ پر تلے رہتے۔ اور بیٹا یہ اثر دکھاتا۔

مگر ابن عمر کے اس حال پر وہ واقعہ یاد پڑا جو ملک العلماء دولت آبادی کتاب ہدایت السعد کے جلوہ سابعہ میں جسمیں اسکا بیان ہے کہ ایذاء اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ نہ نماز فائدہ دیتی ہے نہ دوسری کوئی عبادت۔ لکھتے ہیں

علامہ شعبی سے لوگوں نے پوچھا کہ یزیدی لوگ اہل قبلہ ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ پر درود بھیجتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ایک اموی شخص نے سنا کہ کوئی شخص حضرت محمد مصطفےٰ کی ریش مبارک کا ایک بال لا رہا ہے وہ اموی استقبال کے لیئے کئی کوس پابرہنہ گیا اور جس صندوق میں وہ موئے مبارک تھا اسکو اپنے سر پر رکھ کر شہر میں

میں لایا اور سات روز تک طبل بجوا تا اور مسرت و خوشی کا اظہار کرتا رہا ایسے شخص کے ایمان کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ امام شعبی نے کہا اگر کوئی شخص حضرت محمد مصطفےٰ کی نعلین مبارک اپنے سر پر رکھے اور قرآن مجید کی جوتیاں بنوا کر پیر میں پہنے حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کا سم زر و جواہر کیا تھا ہار بنا کر گلے میں پہنے اور مادر عیسیٰؑ پر زنا کی تہمت رکھے جو حکم ایسے شخص کا ہوگا وہی اس اموی کا ہوگا۔ حضرت محمد مصطفےٰ کے زمانہ میں کچھ لوگ نماز میں شریک ہوتے اور اپنی بغلوں میں بت چھپائے رکھتے اُن کی یہ نماز، نماز نہیں۔

عبداللہ بن عمر کا ایسے ایسے جزئیات میں اتباع سنت کرنا کہ جہاں حضرتؐ نے قضائے حاجت کی وہاں یہ بھی قضائے حاجت کریں، جہاں حضرت کسی درخت کے نیچے بیٹھتے تھے بالکل مشابہ اسی مرد کے ہے جو حضرتؐ کے موئے شریف کے میشوائی کو کئی کوس تک برہنہ پا گیا اور صندوق کو اپنے سر پر رکھ کر لایا اور سات روز تک طبل بجوا تا رہا کیونکہ اگر درحقیقت ابن عمر پیرو سنت رسولؐ ہوتے تو جناب امام حسینؑ کی جان نثاری میں حاضر ہوتے اپنی جان آپ پر نثار کرتے نہ یہ دکھانے کے لئے تو اس طرح اتباع سنت کرتے اور باطن میں ایسے مخالف رہتے کہ نہ جناب امیرؑ کی بیعت کی نہ جناب امام حسنؑ کی۔ نہ جناب امام حسینؑ کی کسی طرح حمایت کی بلکہ جب اہل مدینہ یزید کو خلافت سے خلع کرنے لگے تو یہ مخالف بن گئے اور تلوار نکال کر فیصلہ کرنے چلے کہ جو یزید سے لڑے گا اس سے ہم جنگ کریں گے
علامہ دولت آبادی اسی جلوہ سابعہ میں لکھتے ہیں:-

خزانۂ جلالی میں غرر السیر امام ثعلبی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز عبدالملک ابن مروان کے وزیر نے جو ایک بڑا بادشاہ اور مروانیوں کے لئے باعث فخر تھا امام شعبی سے جو اجلۂ علماء تابعین میں سے تھے پوچھا کہ تم اس مسئلے کو جس نے امت کو مشکل میں ڈال دیا ہے کیوں حل نہیں کرتے ہو کہ خلفائے بنی امیہ جیسے یزید وغیرہ احکام شرع پر عمل اور رسول خدا صلعم کی بزرگداشت کرنے کے باوجود آں حضرتؐ کے فرزندوں اور جگر پاروں کی ایذا رسانی کرتے اور اہلبیت رسولؐ جو بلا اختلاف آں حضرتؐ کے خون اور گوشت پوست میں شریک ہیں قلبی عداوت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کسی کو زہر دیا کسی کو تہ تیغ کیا اور کسی کو قید کر کے اذیت پہونچاتے ہیں۔ انکے دوستوں اور ہوا خواہوں کو تکلیفیں دیتے اور قتل کرتے ہیں۔ جو شخص محبت کے ساتھ ان کا نام لیتا ہے اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور بر سر منبر اہلبیتؑ پر لعنت کرتے ہیں، پس یہ لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ بعض اصحاب پیغمبرؐ جو ابھی زندہ ہیں کیوں اس مسئلے کو حل نہیں کرتے؟ امام شعبی نے عبدالملک کے وزیر کی طرف رُخ کیا اور اسی مجمع کے اندر کہا کہ میں اور جملہ تابعین حیرت زدہ ہیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ خلفائے بنی امیّہ کو جن میں معاویہ اور عبدالملک بھی شامل ہیں اسی بنا پر کہ وہ پیغمبر صلعم کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، عیدین اور جمعے کی نمازیں پڑھتے ہیں، حج بجا لاتے ہیں اور بظاہر نمازیں ادا کرتے ہیں ہم دشمن رکھتے ہیں، انکو مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ منافق جانتے ہیں اور اُن پر لعنت کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ محض اپنی دولت و حکومت کے قیام و استحکام کی مصلحت سے احکام شرع کی پابندی کرتے ہیں۔

امام شعبی نے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ کی رحلت کو ۵۰ برس گذر گئے چند بوڑھے لوگ باقی بچ رہے ہیں

اور جس تاریخ سے کہ یزیدیوں نے امام حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم کو کربلا میں انتہائی جانکاہ اور ہولناک طریقہ پر قتل کیا اور اُن کے اہل بیت کو گرفتار کر کے لونڈیوں کی طرح دمشق میں لے آئے۔ پیغمبرؐ کے وہ اصحاب جو زندہ تھے انھوں نے اس ان بے مسلمانوں کو منھ نہیں دکھلایا نہ نماز جماعت میں شریک ہوتے نہ جمعہ میں۔ بعض اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو گئے بعض اپنے اہل وعیال گھر مکان کو خیرباد کہہ کر پہاڑوں پر جا بسے لوگوں سے میل جول بات چیت ترک کر کے مصائب اہلبیتؑ کی یاد میں مشغول رہے۔ میں (شعبی) نے ان میں سے بعض لوگوں سے پوچھا آپ لوگ جمعہ، عیدین اور حج سے منھ موڑ کر بالکل گوشہ نشین کیوں ہو رہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ایسی امت والوں کا جو ظاہر کلمہ گو اور نماز گذار ہیں اور پیغمبرؐ کے جگر گوشوں کو ہلاک کرتے اور دنیا کے واسطے کفر و نفاق دل میں چھپاتے ہیں۔ منھ نہیں دیکھتے اس اُمت نے جو حرکت کی ہے حضرت آدم سے لیکر آج تک کسی امت نے ایسی حرکت نہ کی ہوگی۔ جنا اگلی امتوں نے انبیاء کو قتل کیا وہ انبیاء کے دین سے باہر ہو چکے تھے کسی شخص کو بھی دنیا میں ایسی قوم نظر نہ آئے گی۔ جو نانا کے بظاہر کلمہ گو بھی ہوں اُنکی شریعت پر عمل بھی کرتے ہوں اور ان کے نواسوں کو ذبح کریں اور انکے سروں کو کاٹیں جنھوں نے آغوش مصطفےٰ میں پرورش پائی ہو اور سروں کو کاٹ کر نیزے پر چڑھائیں اور انکے اہل وعیال کو مثل بندیوں کے در بدر تشہیر کریں اگر محمد مصطفےٰ رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو اس واقعہ کی وجہ سے کوئی مسلمان بھی زندہ باقی نہ رہتا سب کے سب مسوخات ہوجاتے اور ایسا قہر نازل ہوتا کہ زمین پر کوئی متنفس بھی زندہ نہ رہتا۔ پس صحابہ نے کہا ایسے ہولناک واقعہ کے بعد کیسے ممکن ہے کہ ہم اس امت کا منھ دیکھیں ہم پیغمبرؐ کے اصحاب ہیں پیغمبرؐ کی برسوں ہم نے خدمت کی ہے۔ عزیز من! اگر قوم کی ایک فرد بھی نافرمان ہو تو ساری قوم شرمندہ ہوتی ہے اور اگر عورتوں میں سے ایک عورت بھی بدکاری کرتی ہے تو وہ ساری عورتوں کو شرمندہ کرتی ہے اس لئے کہ دیگ کے ایک دانے کو چکھ کر اندازہ کرلیا جاتا ہے کہ نمک ہے یا نہیں چاول پک گئے ہیں یا کچے ہیں عبدالملک کے وزیر اور دیگر ثقہ لوگوں نے امام شعبی سے جب یہ بات سنی تو انھیں بڑا تردد ہوا اور انھوں نے کہا بنی امیہ کے ان قابضان حکومت کا دعوائے ایمان در انحالیکہ اُنھوں نے اہلبیت پیغمبرؐ کو اذیتیں پہونچائیں اُن کے خون سے ہاتھ رنگے انھیں ہلاک و برباد کیا قطعی طور پر نفاق ہے اور جو شخص انھیں دوست رکھے ان سے وابستہ ہو وہ صریحی گمراہ ہے پس وزیر اور حاضرین مجلس نے پھر سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوئے وزیر نے یزید سے دست برداری کی اور توبہ و استغفار کیا۔ میرے عزیز تم اس سے قیاس کرو کہ جو حادثہ حسین مظلوم پر گذرا اگر یہی سلوک غلام نے اپنے آقا کے فرزند کے ساتھ مرید نے اپنے پیر کی اولاد کے ساتھ اور شاگرد نے اپنے استاد کے فرزند کیساتھ کیا ہوتا تو اس کا دعوائے شاگردی و مریدی نفاق ہوتا یا نہیں۔

اس عبارت کو پڑھیے اور ابن عمر کے حالات کو ملائیے کہ اُن کا اتباع سنت میں اسقدر اہتمام اسی قسم کا ہے یا نہیں کہ بظاہر تو یہ اہتمام ہے مگر باطن میں ایسے منافق ہیں کہ شہادت فرزند رسولؐ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا اسی طرح یزید کے طرفدار بنے رہے۔

غضب خدا حضرت نے ماہ رجب میں جو ایک دفعہ عمرہ کیا تھا تو اگلی ان کو یہ پابندی ہوئی کہ ہر سال یہ عمرہ کرتے تھے مگر تینتیس برس تک جو آں حضرت کو دیکھا کہ شب و روز اہلبیت طاہرین سے محبت کرتے ہیں ان کا لب و دندان چوستے ہیں اُن کے فضائل و مناقب میں ہزاروں نہیں لاکھوں حدیثیں بیان کرتے ہیں اُس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس واقعہ کو الندوہ نے بڑے فخر و مباہات سے بیان کیا ہے کہ زمانۂ جنگ یزید و ابن الزبیر میں جبکہ خاص کعبہ میں جنگ ہو رہی تھی یہ حج کو نکلے اور کسی کا کہنا نہ مانا۔

اس سے تو اور بھی ہمارا دعویٰ قوی ہو گیا۔ کیونکہ دو ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ ایسے شجاع اور بہادر تھے کہ اُن پر اُس جنگ کا کوئی اثر نہ تھا جس سے وہ اس طرح بے خوف و خطر چلے گئے تو اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ یہ ہوتے تو کیسی فتح عظیم ہوتی۔

یا یہ کہ اُن کا اثر ایسا غالب تھا کہ ان کو دیکھ کر سب ادب کرتے اور جنگ موقوف کرتے تو اس صورت میں اور بھی ضرورت تھی کہ یہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے کہ حضرت اس بیکسی سے شہادت نہ پاتے کیونکہ یقینی ہے یزید۔ یا ابن زیاد۔ **حجاج** سے زیادہ ظالم نہ تھا جب حجاج نے اُن کا اس قدر ادب کیا کہ جنگ میں اُن کو تکلیف نہ پہونچے۔ تو اگر یہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے تو یقیناً ابن زیاد اور یزید اُن کا زیادہ ادب کرتے اور جناب سید الشہداء اس طرح پر شہید نہ ہوتے۔

الندوہ نے اس واقعہ پر بڑا فخر کیا ہے۔ مگر انکو معلوم نہیں کہ **حجاج** کو تو عبد الملک کا حکم تھا کہ اُن کی پیروی کیا کرو چنانچہ اسد الغابہ میں ہے ترجمہ مولوی عبد الشکور۔ ص۶ جلد ۶

"عبد الملک بن مروان نے اسی (حجاج) کو حکم دیا تھا کہ تو ابن عمر کی اقتدا کر۔ پس حضرت ابن عمر تمام مقامات میں یعنی عرفہ وغیرہ میں حجاج سے آگے رہتے تھے"

پھر جو شخص ایسا مخدوم و مطاع خلیفہ ہو تو کس کی مجال تھی کہ اُن کو اس جنگ میں مار لیتا۔ کیونکہ فریق مخالف اس جنگ میں ابن الزبیر تھا جو ان کا گہرا دوست تھا اور فوجی سب اہل مکہ اور مدینہ والے صحابہ تھے پھر وہ کیونکر اُن کو صدمہ پہونچاتے۔

ہم جو بار بار صحابہ کی عدم شرکت پر رو رہے ہیں تو اسی بنیاد پر کہ اُن کی محض شرکت حضرت کے لیے بڑے بھاری سپر کا کام دیتی۔ کیونکہ معاویہ نے اپنے زمانۂ حکومت و خلافت سے جو چالیس برس کی تھی سب کو یہ سمجھا رکھا تھا کہ جناب امیرؑ اور حسنینؑ خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کے دشمن ہیں۔ اس لیے اور بھی صحابہ پرست اشخاص ان حضرات کے دشمن تھے۔ اگر دو چار صحابی جو مشاہیر زمانہ سے تھے حضرت کے شریک ہوتے تو سب جان جاتے اُن کا قتل جائز نہیں چنانچہ جنگ جمل و صفین میں چونکہ اہل بدر و دیگر صحابہ جناب امیرؑ کے شریک رہے۔ اس لیے وہ غلبہ معاویہ کو نہ ہو سکا۔ حالانکہ عائشہ و طلحہ و زبیر بڑے بااثر اشخاص تھے۔ مگر چونکہ بہت سے صحابہ جناب امیرؑ کے ساتھ تھے خصوصاً وہ صحابہ جن کو ہر کس

و ناکس جانتا تھا کہ یہ اعلیٰ درجہ کے صحابی ہیں مثل حضرت عمار یاسر وغیرہ بزرگان دین کے اسلئے حضرت ہی کو کامیابی ہوتی۔
اسی طرح ابن عمر اگر جناب امام حسین کے ساتھ ہوتے تو پھر کسی کو شاید ہی اسکی جرأت ہوتی کہ حضرت پر ہاتھ اٹھاتا۔
مگر وہ عداوت جو موروثی تھی۔ اور وہ برتاؤ جو اپنے باپ خلیفہ دوم کا دیکھ چکے تھے اُس نے ابن عمر کو نہ نکلنے دیا
اور اُن کے نہ نکلنے نے حضرتؑ کو اس طرح شہید کرایا۔

الند وہ لکھتا ہے کہ ابن عمر کو نہایت درجہ اقوال و افعال رسولؐ کا احترام تھا مگر افسوس یہی مولوی شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں:-

"کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ نے کوئی کام کرنا چاہا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی ص۲۳۷"

پھر یہ لکھتے ہیں:- واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ وانا شریککم۔
یعنی عمر نے حکم دیا کہ جہاں تک ہو سکے رسول اللہ سے روایت کم کی جائے اور میں تمہارا شریک ہوں ص۲۲۳
ان عمر حبس ثلثہ - ابن مسعود وابالدرداء والمسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ۔
حضرت عمر نے عبد اللہ بن مسعود۔ ابو درداء اور ابو مسعود کو محبوس کیا۔ اور کہا کہ تم لوگوں نے آں حضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں ص۲۲۴ الفاروق)

اس حبس بیجا کا اثر جو ابن مسعود پر پڑا اس کو خود مولوی شبلی صاحب ان الفاظ سے لکھتے ہیں:-
"عبد اللہ بن مسعود جو مقامات علمی میں حضرت عمر کے تربیت یافتہ خاص تھے اُنکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنی شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔ محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے (صفحہ ۲۲۵ الفاروق)

عمر اور ابن عمر کا جب ہم موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ ان کے حالات و خیالات بالکل ضد میں واقع ہوئے تھے اپنے باپ کے کیونکہ عمر کی تو یہ تاکید تھی کہ حضرتؐ کی حدیثیں جہاں تک ہو کم بیان کی جائیں۔ اور ابن عمر کا یہ حال کہ اقوال و افعال رسولؐ سے انھیں حد سے زیادہ دلچسپی تھی۔

یہ الزام ابن عمر پر اسی زمانہ میں قائم ہوا تھا کہ وہ خلاف فتوائے عمر۔ فتویٰ دیتے ہیں۔
کسی شخص نے عبد اللہ بن عمر سے پوچھا حج تمتع جائز ہے (یعنی عمرہ و حج ایک ساتھ) تو عبد اللہ بن عمر نے کہا حلال ہے۔ شامی نے کہا مگر تمھارے باپ تو منع کرتے تھے۔ ابن عمر نے کہا اگر ہمارے باپ منع کریں اور رسول اللہ اجازت دیں۔ تو کس کا حکم مانا جائے۔ شامی نے کہا حکم رسولؐ اُس پر ابن عمر نے کہا تو رسول اللہ نے ایسا کہا ہے۔ (صحیح ترمذی)

جس سے معلوم ہوا کہ خود ابن عمر پر یہ اعتراض کیا گیا کہ تم اپنے باپ کے خلاف فتوی دیتے ہو جس کو ابن عمر نے تسلیم کیا اور جواب دیا مگر یہ تو بتاؤ باپ کا حکم زیادہ قابل قبول ہے یا حکم رسولؐ۔

طرّہ تو یہ ہے کہ سنن نسائی میں ہے:۔

باب التمتع من کتاب مناسک الحج

عن ابن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب یقول واللہ انی لا نہاکم عن المتعۃ وانہا لفی کتاب اللہ ولقد فعلہا رسول اللہ یعنی العمرہ بالحج

ابن عباس کہتے تھے کہ ہم نے عمر کو کہتے سنا قسم خدا کی ہم منع کرتے ہیں حج تمتع سے حالانکہ وہ کتاب خدا میں ہے اور رسول اللہ نے خود کیا ہے۔

اس سے کمال درجہ کی جرأت عمر ظاہر ہے کہ باوصفیکہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ حکم خدا و فعل رسولؐ سے ثابت ہو مگر ہم اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر ابن عمر حکم خدا و رسولؐ کو حجت مانتے ہیں اور حکم پدر کو رد کرتے ہیں مگر افسوس تو یہ کہ یہاں تو ابن عمر نے اس دلیل کو پیش کیا مگر دوسری جگہ اسکو بھول گئے:۔

کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ عورتوں سے متع جائز ہے یا نہیں؟ تو ابن عمرؓ نے کہا وہ حرام ہے۔ اس نے کہا ابن عباس تو اس کا فتوی دیتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا تو عمر کے زمانہ میں کیوں نہ بولے اگر عمر کے زمانہ میں کوئی متعہ کرتا تو ضرور سنگسار کرتے۔ (کنز العمال)

یہاں عقل انسانی حیران ہے کہ ابن عمر متعۃ الحج میں تو رائے ظاہر کرتے ہیں کہ حکم رسولؐ ماننے کے لائق ہے نہ حکم عمر، اور یہاں بالکل الٹ گئے کہ متعۃ النسا میں یہ کہا ابن عباس عمر کے زمانہ میں کیوں نہ بولے۔ اگر عمر کے زمانہ میں کوئی کرتا تو سنگسار ہی کیا جاتا۔

الندوہ۔ لکھا ہے کہ:۔

"ابن عمر کو خواب دیکھنے کا شوق پیدا ہوا تو ایک روز دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے' میں نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کی طرح تہ بتہ ہے اسکے دو کنارے ہیں اور اسمیں کچھ لوگ ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں"

اقول۔ مگر افسوس اڈیٹر النجم نے ترجمہ اسد الغابہ میں اسکو الٹ دیا کہ:۔

ابن عمر نے یہ خواب دیکھا میرے ہاتھ میں ایک ٹکڑا استبرق کا ہے میں جنت کے جس مقام کی طرف اشارہ کرتا ہوں وہ ٹکڑا مجھے وہیں اڑا لیجاتا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ ص۲)

اس افترا کا کیا جواب دیا جائے کہ اصل روایت کیا ہے اور انھوں نے کیا بنا دیا۔ کیونکہ جواب رسول اللہ دونوں روایت میں ایک ہی ہے جس سے معلوم ہوا اصل خواب ایک ہی ہے:۔

"حضورؐ نے فرمایا عبد اللہ کیا اچھا آدمی تھا کاش وہ رات کو نماز پڑھتا"

جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ نے اُن کو جنتی نہیں کہا۔

الندوہ۔ صحابہ میں رسول اللہ کے اقوال اور اوامر کے بلا کم و کاست بجا لانے میں عبداللہ بن عمر سے زیادہ کوئی محتاط نہ تھا"

اقول مگر افسوس ہے وہ بالکل باپ کے مخالف تھے کیونکہ عمر صاحب کا حال معلوم ہو چکا ہے انھوں نے کوئی دقیقہ مخالفت سنت رسول میں اٹھا نہ رکھا۔ پس اگر یہ فعل ابن عمر ممدوح تھا تو عمر کے حق میں وہی کہنا چاہیے جو مخالف رسول اللہ کے لئے حکم ہے۔

الندوہ۔ اسی بنا پر عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھا تھا کہ حج میں حضرت عبداللہ بن عمر کی اقتدا کرو۔

اقول ابتدا اسکی یہ ہوئی کہ ۷۳ھ میں جب حجاج نے ابن الزبیر کا محاصرہ کیا ہے اور خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسانا شروع کیا تو عبداللہ بن عمر نے از خود حج کی ابتدا کی اور حجاج کو کہلا بھیجا:۔

اتق اللہ واکفف ھذہ الحجارۃ عن الناس کہ خدا سے ڈر اور سنگ باری موقوف کر (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۳۱)

جس سے معلوم ہوا کہ دربار خلافت میں اُن کو کیسا رسوخ تھا کہ حجاج ایسے ظالم و سفاک کے مقابلہ میں یہ اس طرح حج کرتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اگر یہ ہمراہی جناب امام حسین سفر عراق کرتے تو مخالفین پر کیسا اثر پڑتا اور حضرت کیوں اس بیکسی سے شہید ہوتے۔

مگر یہ عجیب نقرہ لکھا " وہ موقع ریا سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے اور اپنی اقتدا اسی حد تک جائز رکھتے جہاں تک اتباع سنت سے تعلق تھا اور اپنے ذاتی افعال کی تقلید وہ کبھی پسند نہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ حج میں سر کے ساتھ سینہ کا بال بھی منڈوایا تو کہہ دیا یہ سنت نہیں بلکہ میرے بال مجھے تکلیف دیتے تھے اس لیے میں نے منڈوائے۔

اقول مگر اس تقریر کو مسئلہ ریا سے کیا تعلق کیونکہ اس کا اظہار تو اُن پر واجب تھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اُس زمانہ کے صحابہ اور تابعین ایسے جاہل تھے کہ اُنکو شریعت کے احکام کچھ نہ معلوم تھے جب صحابی کو کوئی فعل کرتے دیکھتے اُس کو سنت سمجھ لیتے۔ جس سے مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑی مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی اپنی کتاب امام الکلام میں لکھتے ہیں:

وکان الصحابۃ رض یختلفون فی الامور الشرعیۃ ویقیمون علی ما ذھبوا الیہ دلائل ظنیۃ او نصوصًا صریحۃ (ص ۵)

یعنی خود صحابہ امور شرعیہ میں اختلاف کرتے اور اپنی اپنی رائے پر دلائل ظنی یا نصوص صریحہ قائم کیا کرتے پھر بتائیے اختلاف نہ پیدا ہوتو کیا ہو یہاں تک کہ حدیث ہی اس بارے میں بنا ڈالی اختلاف اصحابی لکم رحمۃ جس پر اسحاق موصلی و عمر بن بحر جاحظ فرماتے ہیں:۔

لو کان الاختلاف رحمۃ لکان الاتفاق نقمۃ (امام الکلام ص ۵)

کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو چاہیئے اتفاق نقمت ہو (یعنی غضب خدا)

الندوہ۔ ابن عمر نے اپنی تمام زندگی زہد اور اعراض عن الدنیا میں بسر کی۔

اقول مگر تواریخ کہتی ہیں وہ ایسے طماع تھے کہ دین کو دنیا کے ہاتھ بیچ ڈالا تاریخ کامل میں ہے:۔

فلمّا مات زیاد عزم معاویہ علی البیعۃ لابنہ یزید فارسل الی عبد اللہ بن عمر مائۃ الف درھم فقبلھا فلمّا ذکر البیعۃ لیزید قال ابن عمر ھذا اراد ان دینی عندی اذا لرخیص وامتنع (ط ۱۹۹)

یعنی موت زیاد کے بعد معاویہ نے یزید کی بیعت لینی چاہی تو عبد اللہ بن عمر کو لاکھ درہم بھیجا جس کو انھوں نے قبول کیا اسکے بعد بیعت یزید کا تذکرہ کیا گیا تو کہا اسی لیے یہ روپیہ بھیجا تھا۔ تو ہمارا دین بہت سستا ہے۔ اسکے بعد بیعت سے انکار کیا۔

جسکی غرض تھی کہ اور ملے چنانچہ وہی ہوا اور پھر ایسے یزید کے طرفدار ہوئے کہ جو اسکی مخالفت کرتا اس سے لڑنے کو تیار ہوتے۔

الندوہ۔ زہد و اعراض عن الدنیا کا صحیح اندازہ صرف جاہ پرستی کے موقع پر ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر کے زمانہ میں خلافت سلطنت سے بدل کر جاہ پرستی اور عیش پسندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہو گئی تھی اس بناپر مدعیان خلافت میں باہم جنگ و جدل رہتی تھی حضرت عبد اللہ بن عمر اگر چاہتے تو تمام لوگ انکی خلافت پر آمادہ ہو جاتے لیکن انھوں نے اس کی خواہش نہیں کی۔

اقول۔ یہ سچ ہے کہ عبد اللہ بن عمر کی طبیعت بالکل خلاف طبیعت حضرت عمر پیدا ہوئی تھی۔ عمر صاحب کو اگر محو شریعت رسول کا شوق تھا۔ تو ان کو بقول آپ کے اتباع سنّت کا شوق تھا۔ عمر اگر ان درختوں کو کٹوا دیتے۔ جہاں رسول اللہ نے کوئی کام کیا تھا تو بقول آپ کے یہ پانی دیا کرتے۔ اس لیے ممکن ہوا انکو بخلاف عمر خلافت کی خواہش نہ ہو۔ مگر بات یہ بھی کہ ایک موقع پر حضرت عمر نے ان کی نااہلی خلافت کے لیے بیان کی تھی۔ اس سے پھر ان کو کبھی جرأت نہ ہوئی اور سمجھتے تھے کسی طرح خلافت ان کو مل ہی نہیں سکتی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے۔

حضرت عمر نے قصہ شوریٰ میں جب جناب امیر عثمان طلحہ۔ زبیر۔ سعد بن ابی وقاص عبد الرحمان کو نامزد کیا ہے کہ انھیں چھ آدمیوں سے کوئی خلیفہ ہو تو کہا ہمارے بیٹے عبد اللہ کو شریک مشورہ کرنا مگر اسکو استحقاق نہیں ہے اس پر لوگوں نے کہا یا امیر المومنین وہ لائق خلافت ہیں ان کو خلیفہ بنائیے ہم سب راضی ہیں عمر نے کہا کافی ہے آل خطاب کا ایک شخص ان میں سے خلیفہ ہو۔ اس کو کوئی حق خلافت نہیں ہے۔ پھر کہا اے عبد اللہ (بن عمر) تم ہرگز ہرگز خلافت کا جامہ نہ پہننا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خود عمر صاحب کی خوشامد میں لوگوں نے اس وقت کہا تھا ان کو خلیفہ بنائیے۔ مگر عمر صاحب ان کی قابلیت کو جانتے تھے اور سمجھتے تھے کسی طرح ان کو خلافت نہیں مل سکتی۔

عبد اللہ بن عمر کا یہاں نام لینا محض خوشامد عمر میں ایسا ہے کہ خود عمر صاحب نے بھی اس تصریح کر دی۔ یعنی کسی نے عمر سے کہا کہ ابن عمر کو خلیفہ بناؤ تو عمر نے کہا خدا تجھے قتل کرے یا تجھ پر لعنت کرے تو نے یہ کلمہ رضائے خدا کے لئے نہیں کہا بلکہ رضائے عمر کے لئے کیونکہ ہم اس شخص کو خلیفہ

بنائیں جو اس کو بھی نہ جانتا ہو کہ اپنی زوجہ کو کیونکر طلاق دیتے ہیں کیونکہ عہد رسول اللہ میں اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دیا تھا جس پر حضرت نے عمر سے کہا کہ اپنے بیٹے کو کہو کہ رجوع کرے (تاریخ الخلفاء، صواعق محرقہ صلا) بلکہ ازالۃ الخفاء میں ہے۔ قاتلک اللہ واللہ ما اردت اللہ بھا باللہ لا استعملہ علیھا ولا علی غیرھا وانت فقم فاخرج فمنذ الان لا اسمیک الا المنافق فقام الرجل فخرج (ص ۱۹۳ مقصد دوم)

یعنی عمر نے کہا تو نے خدا کے لئے یہ کلمہ نہیں کہا ہے نہ ہم اسکو کسی طرح حکومت دینگے تو فوراً نکل جا کہ آج کے روز سے ہم تجھے منافق کہیں گے۔

پھر کیونکر ممکن تھا کہ عبداللہ بن عمر کو یہ خلافت ملتی اور وہ خلیفہ ہوتے کیونکہ سب کو انکی نا اہلی معلوم تھی صرف دو چار خوشامدی اس طرح کی باتیں کرتے جس کو آپ انکی دلیل بناتے ہیں کہ ان کو طمع خلافت نہ تھی حالانکہ وہ ایسے عیش پسند و آرام طلب ہو گئے تھے کہ حدیث بنی الاسلام علی خمس سے لفظ جہاد کو بھی انھوں نے نکالدیا تھا۔ اگر یہ لڑائی کو خلافت کے لئے ناجائز سمجھتے تو سب سے پہلے ان پر فرض تھا کہ ابوبکر صاحب کے زمانہ میں خلافت بکری سے علیحدہ ہو جاتے کیونکہ انھوں نے صدہا نہیں ہزارہا صحابہ کو صرف اس جرم پر قتل کیا تھا کہ وہ انکی خلافت کو نہیں مانتے تھے جس پر وہ مرتد بنا کر قتل کیے گئے۔

پھر عمر صاحب کی بیعت نہ کرتے جن کو صحابہ اہل شام نے خلافت سے خارج کیا تھا مگر وہ سب خلافتیں انکو بسر و چشم منظور ہوئیں اور خلافت جناب امیر کسی طرح منظور نہ ہوئی حالانکہ احادیث رسول اللہ کے علاوہ جو ہزاروں میں خود اپنے باپ سے صدہا مرتبہ سن چکے تھے کہ جناب امیر سے کوئی بڑھ کر مستحق خلافت نہیں ہے چنانچہ کتاب احکام سلطانیہ ابوالحسن ماوردی میں ہے:۔

ابن اسحٰق روایت کرتے ہیں کہ جب عمر زخمی ہو کر گھر میں داخل ہوئے تو کوئی آواز سنائی دی۔ پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا کچھ لوگ آپکے پاس آنا چاہتے ہیں۔ اجازت دی تو انھوں نے کہا یا امیرالمومنین عثمان بن عفان کو خلیفہ بناؤ۔ عمر نے کہا کیسے بناؤں عثمان دوست رکھ سکتا ہے مال او جنت کو یہ سن کر چلے گئے تو دوسرا گروہ آیا اس نے کہا حضرت علی ابن ابی طالب کو خلیفہ کر جائیے۔ کہا البتہ وہ تم لوگوں کو سیدھی راہ پر لے چلے گا جو حق ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں یہ سنکر ہم ان کے پیروں پر گر پڑے اور کہا کہ اے امیرالمومنین پھر کیا مانع ہے جو آپ انکو خلیفہ نہیں کرتے۔ عمر نے کہا اے بیٹے کیا زندگی اور موت دونوں میں ہم اسکے متحمل ہوں۔ (تشئید المطاعن ص ۱۵۲۳)

اس روایت میں جو عمر صاحب نے عثمان کو محب مال کہا ہے اس سے تو ہم کو یہاں بحث نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے ابن عمر جو خود باپ کی زبانی اسکو سن چکے تھے کہ جناب امیر اگر خلیفہ ہوں تو سب کو راہ حق پر لے چلیں گے مگر اس پر بھی جناب امیر کی بیعت اس زمانہ میں بھی نہ کی جبکہ سب نے بیعت کی تھی۔

دیکھیے اس وقت تو عمر صاحب کی خوشامد کرتے ہیں اور پیر پڑتے کہ حضرت کو خلیفہ کر جاؤ۔ مگر آگے چلکر وہ ایسے مخالف بن جاتے ہیں کہ پناہ بخدا۔

استیعاب ابن عبد البر مکی میں ہے :- عن عبد الله بن عمر قال قال عمر لاهل الشوری لله درهم لو ولوها الاصلع کیف یحملهم علی الحق ولو کان السیف علی عنقه فقلت اتعلم ذلک منه ولو تولیه قال ان لم استخلف واترکهم فقد ترکهم من هو خیر منی (ص ۴۸۵ جلد ۲)

یعنی عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عمر نے اہل شوریٰ سے کہا کس قدر بہتر ہوتا اگر یہ لوگ اصلع (جناب امیرؑ) کو خلیفہ کرتے کہ کس طرح وہ انکو حق پر لیجلیں گے اگرچہ تلوار آپ کی گردن پر ہوتی۔ عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم نے کہا آپ اس کو جانتے ہیں اور پھر خلیفہ نہیں کرتے تو عمر نے کہا اگر ہم نہ خلیفہ کریں تو اُسنے بھی نہیں خلیفہ کیا جو ہم سے بہتر تھا۔ یہ روایت ابن عمر مستدرک امام حاکم۔ کنز العمال۔ ریاض النضرۃ۔ طبقات ابن سعد فتح الباری سب میں موجود ہے کہ ابن عمر نے اپنے باپ عمر سے اس قسم کے کلمات سُنے جس سے بعلم الیقین معلوم تھا کہ ہدایت اور حق منحصر ہے خلافت جناب امیرؑ میں۔ مگر نہ عمر نے آپ کو خلیفہ بنایا اور نہ ابن عمر نے آپکی بیعت کی۔ بلکہ برعکس اسکے یزید کی اور عبد الملک کی نہایت خوشی سے بیعت کی چنانچہ خود مولوی شبلی صاحب اسی مضمون میں لکھتے ہیں۔

عبد الملک بن مروان کی بیعت جب لوگوں نے کی تو انھوں نے ایک خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے تمھاری بیعت پر اتفاق عام کیا ہے۔ میں بھی اس چیز میں داخل ہوتا ہوں جس میں مسلمان داخل ہوئے ہیں۔ یزید بن معاویہ کی بیعت کی خبر جب اُنکو پہونچی تو انھوں نے کہا کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر بلا ہے تو ہم صابر ہیں (اہلحدیث ص ۶ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ)

اب کون ان سے پوچھے کہ عبد الملک اور یزید کی بیعت آپنے اس خوشی سے کی اور جناب امیرؑ و امام حسینؑ کی بیعت کسی طرح نہ کی حالانکہ وہاں بھی ایسا ہی اتفاق مسلمانوں کا ہو چکا تھا۔ اس کا باعث بجز عداوت جناب امیرؑ کیا تھا جس پر علامہ سبط ابن الجوزی کتاب تذکرۂ خواص الامہ میں لکھتے ہیں :-

قال الزهری والعجب ان عبد الله بن عمر وسعد ابن ابی وقاص لم یبایعا علیا وبایعا یزید بن معاویه

یعنی کہا امام زہری نے تعجب ہے کہ عبد اللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص نے جناب امیرؑ کی بیعت تو نہ کی اور یزید بن معاویہ کی بیعت کی۔ (استقصاء الافحام جلد ۲)

کتاب ندیم الفرید ابن مسکویہ میں ہے کہ عبد اللہ بن حارث نے ابن عمر سے کہا۔

تمنے پہلے جناب امیرؑ کی بیعت کی بلا جبر و اکراہ پھر آکر اس کا اقالہ کیا اور کہا کہ ہمکو معاف رکھیے اُسکے بعد حجاج کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہو اور کہتے ہو ہم سے بیعت لے لو کیونکہ ہمنے رسول اللہ سے سنا ہے کہ جو شخص ایک رات بھی بلا بیعت کسی امام کے رہے تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی پھر جب اضطراب بڑھا تو تم نے گمان کیا کہ نہ ہم حق کو پہچانتے ہیں کہ اُس کی نصرت کریں اور نہ باطل کو کہ اہل باطل سے جنگ کریں۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا

بس کرو لے ابو محمد کہ ہمنے اس سے خیر کا ارادہ کیا تھا اور لوگوں نے بھی عبداللہ بن حارث کو سمجھایا کہ جانے دو۔ (استقصاء الافحام)

غرض مولوی شبلی صاحب اس ذریعہ سے چاہتے ہیں کہ ابن عمر کو ایک اعلیٰ درجہ کا متقی اور زاہد قرار دیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اُن میں اس درجہ کی عشرت پسندی تھی کہ اکثر روزہ جو افطار کرتے تو مجامعت سے، جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں ہے (صفحہ ۲۹۵ جلد ۳)

وابن عمر فقد کان یفطر بالجماع وانہ جامع ثلثۃ جواری فی رمضان قبل العشاء۔

یعنی ابن عمر روزہ کا افطار جماع سے کرتے تھے اور اُنھوں نے تین جاریہ کے ساتھ مجامعت کی قبل عشا۔

پھر جو شخص ایسا عیش پسند ہو وہ کب خلافت کر سکتا ہے اسی وجہ سے عمر صاحب نے اُس شخص کو جس نے اُن کے خلافت کی رائے دی تھی منافق کا خطاب دیا کیونکہ باپ سے بڑھ کر مزاج بیٹے کا کون پہچان سکتا ہے غرض حضرت عمر اور اُن کے فرزند عبداللہ بن عمر کے مزاج اور فطرت میں کچھ ایسا تباین واقع ہوا تھا کہ جو بات عمر کو پسند تھی وہ ابن عمر کو ناپسند۔

مولوی شبلی صاحب بار بار اُن کے خلافت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ لوگوں نے مشورہ دیا مگر اُنھوں نے قبول نہ کیا حالانکہ ازالۃ الخفا میں ہے:-

کہ معاویہ نے ایک روز دربار میں کہا جس میں ہمت کلام کی ہو وہ ہمارے سامنے آئے ہم اس خلافت کے بہ نسبت اس کے زیادہ مستحق ہیں اور نیز اُسکے باپ سے۔

حبیب بن مسلمہ نے ابن عمر سے کہا تم نے کیوں نہ جواب دیا تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ہم نے چاہا تھا کہ جواب دیں تجھ سے زیادہ وہ شخص مستحق خلافت ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے جہاد کیا مگر اس خیال سے چپ رہے کہ کہیں اس کے وجہ سے خونریزی نہ ہو (یعنی خود قتل نہ کیے جائیں) اور ہمارے قول کا دوسرا مطلب نہ نکالا جائے لہذا خدا نے جو وعدہ جنت کیا ہے اس کو یاد کر کے چُپ ہو رہے حبیب نے کہا تو خوب کیا اپنی حفاظت کی اور جان بچائی۔

اب اس سے بڑھ کر کیا بے عزتی ہو سکتی ہے کہ معاویہ اس طرح ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ ہم عمر سے بھی زیادہ مستحق خلافت ہیں اور عبداللہ بن عمر صرف جان کے خوف سے سکوت کرتے ہیں کیا ایسا شخص خلیفہ ہو سکتا ہے۔

اس واقعہ کو مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"بنوامیہ کی تحدی اُن کو بھی ناگوار تھی لیکن آخرت کے خوف سے رُک جاتے تھے چنانچہ امیر معاویہ نے ایک دفعہ کہا ہم سے زیادہ خلافت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہوں وہ لوگ جنھوں نے تم کو

اور تمھارے باپ کو اسلام کے لئے مارا تھا (فتح مکہ) میں مگر فتنہ و فساد کے خوف سے رُک گیا۔

مگر افسوس اُس جملہ کو حذف کر دیا جس میں معاویہ عمرؓ پر بھی اپنی فضیلت ثابت کرتا ہے حالانکہ کوئی غیور بیٹا اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔

مولوی شبلی صاحب کہتے ہیں "حضرت عبداللہ بن عمر اگر چاہتے تو تمام لوگ اُن کی بیعت پر آمادہ ہو جاتے" مگر یہ ایسا کلمہ ہے کہ اسکی حقیقت کو وہ خوب جانتے ہیں کیونکہ طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص تین مدعی خلافت موجود تھے جن کے استحقاق کو عمر بیان کر چکے اور عمر کا یہ قسم کھانا کہ کسی طرح خلافت کے قابل نہیں ہیں سبکو یاد تھا پھر کیونکر وہ خلیفہ ہو سکتے تھے اور اگر دو چار اُنکی بیعت بھی کرتے تو وہ سب ہلاک کر دیے جاتے۔

دیکھئے تاریخ طبری میں ہے صفحہ ۱۵۵ جلد ۵:۔ ثم انھم اتو ابن عمر عبد اللہ فقالوا انت ابن عمر فقم بھذا الامر فقال ان لھذ الامر انتقاما واللہ لا اتعرض لہ فالتمسوا غیری

یعنی اس پر عبداللہ بن عمر کے پاس آئے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اس امر کا ضرور انتقام لیا جائے گا لہذا ہم اسکے متعرض نہیں ہوتے دوسرے کی تلاش کرو جس سے معلوم ہوا کہ وہ ان وجوہ سے خلافت کے متمنی نہیں ہوئے نہ کہ از راہ زہد و قناعت۔

رسالہ کا موضوع بحث یہی ہے کہ صحابہ کا برتاؤ اہلبیتؑ اطہار کے ساتھ کیسا تھا جس کو آپنے ابن عمر کے حالات میں اچھی طرح ملاحظہ فرمایا کہ عبداللہ اس تقدس اور احتیاط کے ساتھ کہ بقول اہلسنت سُنت رسُول کو نہیں چھوڑتے اس معاملہ میں کیسا سخت سمجھے کہ یزید کی بیعت کی۔ عبدالملک کی بیعت کی۔ حجاج کے پیچھے نماز پڑھی اور نہ معلوم کتنے فاسقوں اور فاجروں کو اپنا مقتدا بنایا۔ مگر نہ جناب امیرؑ کی بیعت کی نہ امام حسنؑ کی نہ امام حسینؑ کی حالانکہ جس قسم کا اتفاق یا اجماع یزید و عبدالملک پر ہوا اُس سے بڑھ کر جناب امیرؑ اور امام حسنؑ پر ہوا تھا۔ مگر اس شخص کے نفس نے اسکو گوارا نہ کیا کہ جناب امیرؑ کی بیعت کریں۔

جناب امیرؑ کے بیعت کے وقت جو حالت ہوئی وہ اس سے ظاہر ہے کہ تاریخ کامل میں ہے:۔

جب ابن عمر بیعت کے لئے لائے گئے تو کہا جب تک سب بیعت نہ کریں گے، ہم بیعت نہ کرینگے حضرتؑ نے کہا اچھا کوئی ضامن لا۔ اس نے کہا کوئی کفیل ہمارا نہیں ہے۔ مالک اشتر نے کہا اگر حکم دیجیے تو گردن اڑا دیں جناب امیرؑ نے فرمایا چھوڑ دو اس کے ہم ضامن ہیں کیونکہ ہم اُسکو جانتے ہیں بچپنے سے اس وقت تک یہ بد خلق رہا ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۸۰ یہی عبارت طبری کی بھی ہے (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۲)

یہاں آپ کو واقعہ بیعت خلیفہ اول یاد آیا ہوگا کہ جب جناب امیرؑ نے اُن کے بیعت سے انکار کیا تھا تو خلیفہ دوم آگ لکڑی لے کر گھر جلانے گئے تھے اور یہاں جناب امیرؑ خود ابن عمر کی ضمانت اور کفالت کرتے ہیں اس واقعہ نے کہ ابن عمر نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی اور حضرت سے منحرف رہے حضرات اہلسنت کو بہت بیچین کیا ہے جس کے لئے یہ روایت نکالی جیسا کہ اسد الغابہ میں ہے (صفحہ ۲۲۸ جلد ۳)

حضرت علیؑ کیا تھا بھی اُنکے کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے مگر بعد میں حضرت علی کے ساتھ ہو کر نہ لڑنے پر نادم ہوئے۔

عبداللہ بن حبیب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں:۔

مجھے میرے والد نے خبر دی ہے کہ جب حضرت ابن عمر کے وفات کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے دل میں کسی بات کی آرزو نہیں پاتا ہاں اسکا مجھے افسوس ہے کہ میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا۔

اس حدیث کو علامۂ ابو عمر نے بھی استیعاب میں لکھا ہے اور انھوں نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے کہ:۔

"علی کے ساتھ ہو کر میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا"

مگر افسوس ابن حجر نے اس پردہ کو فاش کر دیا اور بتا دیا کہ وہ کس کو باغی جانتے تھے۔

عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ہم کو صرف اسی کی حسرت رہ گئی کہ اس فئۃ باغیہ سے قتال نہیں کیا جس کا حکم خدا نے دیا تھا تو حمزہ نے کہا تم کس کو فئۃ باغیہ قرار دیتے ہو کہا یہی ابن الزبیر جس نے بغاوت کی اس قوم بنی امیہ پر کہ اُن کو اُن کے دیار سے خارج کیا اور اُن کے عہد کو توڑا۔ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۵۵۶)

جس سے معلوم ہوا کہ وہ کیسے طرفدار بنی اُمیہ تھے کہ عبداللہ بن زبیر کو باغی قرار دیا جس نے فوج یزیدی سے خانہ کعبہ میں جنگ کی تھی۔ پھر بھلا وہ بنی امیہ کو کب باغی قرار دے سکتے ہیں۔

عداوت جناب امیرؑ ان میں اس درجہ پر تھی کہ حضرتؑ سے حدیث کی روایت بھی نہیں کرتے تھے جیسا کہ اصابہ میں ہے:۔

وھو من المکثرین عن النبیؐ و روی ایضا عن ابی بکر و عمر و عثمان و ابی ذر و معاذ و عائشہ و غیرھم۔ (ص ۱۰۷ جلد ۴)

کہ آں حضرتؐ سے بہت روایت کرتے تھے اور نیز ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ ابوذر۔ معاذ۔ عائشہ وغیرہ سے روایت کرتے تھے لاکن جناب امیرؑ کا نام نہ لیا جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب امیرؑ سے انکو کیسی عداوت تھی۔

اب یہاں دوسری مصیبت سنیئے کہ انھیں ابن عمر نے یہ روایت کر دی جس سے عجب طرح کی پریشانی اہلسنت میں پیدا ہوئی۔

عن ابن عمر قال کنا نقول علی عھد رسول اللہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت۔ (قرۃ العینین شاہ ولی اللہ ص ۲۴۷)

یعنی ابن عمر کی حدیث ہو کہ ہم عہد رسول اللہؐ میں کہا کرتے تھے۔ ابوبکر۔ پھر عمر۔ پھر عثمان اسکے بعد سکوت کر جاتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ کو وہ چوتھے درجہ میں بھی قابل فضیلت نہیں جانتے بلکہ کل صحابہ کو ایک درجہ میں قرار دیتے تھے اس پر اہلسنت کے یہاں عجب شورش ہے چنانچہ ابو عمر ابن عبدالبر مکی صاحب استیعاب لکھتے ہیں:

جو شخص اس کا قائل ہے کہ ابن عمر کہتے ہیں بعد عثمان ہم سکوت کرتے تھے کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے تو

یہ ایسا امر ہے کہ یحییٰ ابن معین نے اس پر سخت انکار کیا اور کلام غلیظ کہا کیونکہ اسکا قائل اجماع اہلسنت کا سلف سے خلف تک مخالف ہے کیونکہ تمامی اہل نقد واثر کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب امیرؑ بعد عثمان سب سے افضل ہیں جسمیں کسی طرح کا اختلاف نہیں، اگر اختلاف ہے تو یہ کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا عثمان بلکہ سلف میں تو یہ بھی اختلاف رہا ہے کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا ابوبکر مگر بعد عثمان حضرت کے افضلیت میں تو کسی طرح کا اختلاف ہی نہیں لہٰذا یہ حدیث ابن عمر وہم اور غلط ہے۔ اور کسی طرح معنی اسکے صحیح نہیں ہیں اگرچہ اسناد اس کے صحیح ہوں۔ (قرۃ العینین ص۲۹۹)

ہم کو یہاں اس حدیث سے صرف اسی قدر سروکار ہے کہ ابن عمر کے متعلق یہ حدیث بڑی معرکۃ الآراء ہے لہٰذا یہ بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ ابن عمر کو جناب امیرؑ سے ایسی عداوت تھی کہ درجہ چہارم میں بھی حضرت کے خلافت یا فضیلت کے روادار نہیں ہیں کہ بعد عثمان بھی کسی طرح کی فضیلت ثابت ہو بلکہ تمام صحابہ کو ایک درجہ میں مانتے ہیں۔ نہیں نہیں ابن عمر نے اس پر بھی قناعت نہیں کی کہ جناب امیرؑ کو کسی طرح درجہ چہارم خلافت پر رہنے دیں بلکہ عام خلافت سے نکال دیا جیسا کہ تاریخ الخلفاء میں ہے۔ (ص۱۴۳)

واخرج ابن عساکر عن عبد اللہ بن عمر قال ابوبکر الصدیق اصبتم اسمہ عمر الفاروق قرن من حدید اصبتم اسمہ ابن عفان ذوالنورین قتل مظلوما یوتی کفلین من الرحمۃ معاویہ وابنہ ملکا الارض المقدسہ والسفاح وسلام ومنصور وجابر والمھدی والامین وامیر الغضب کلھم من بنی کعب بن لوی کلھم صالح لا یوجد مثلہ قال الذھبی لھ طرق عن ابن عمر ولم یرفعہ احد۔

یعنی ابن عمر سے بارہ خلیفہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ابوبکرؓ صدیق کا نام تمنے پالیا۔ عمرؓ فاروق قرن حدید میں جنکا نام پالیا عثمانؓ بن عفان جو مظلوم قتل ہوئے دو حصہ رحمت کا دیا جائے گا۔ معاویہؓ اور اُس کا بیٹا۔ یزیدؒ جو مالک ارض مقدس (شام) ہوئے۔ سفاحؒ۔ منصورؒ۔ جابرؒ۔ مہدیؒ۔ امینؒ۔ امیر غضبؒ۔ جو بنی کعب سے ہیں اور سب صالح ہیں جن کا مثل ونظیر نہیں پایا جاتا۔ کہا ذہبی نے یہ روایت چند طریقوں سے ابن عمر سے منقول ہے مگر کسی نے اسکی نسبت رسولؐ کی طرف نہیں دی۔

اس روایت کو بہ غور ملاحظہ فرمائیے اور پھر ابن عمر کی ایمانداری کی داد دیجیے کہ اس قدر بھی اُن کو گوارا نہ ہوا کہ جناب امیرؑ کا اسم مقدس کسی طرح اس فہرست لیں جو اُنھوں نے بارہ خلیفہ کی بنائی تھی معاویہ یزید کو جو صالح وبےنظیر بتاتے ہیں اُس سے ہم کو بحث نہیں کیونکہ اگر ابوبکر وعمر صالح تھے تو یہ اُن سے زیادہ اصلح تھے۔

اب آئیے اُس زمانہ کو دیکھئے جب کہ جناب امام حسینؑ شہید ہو چکے اور لوگوں نے یزید کے افعال قبیحہ سے تنگ آکر اُس کو معزول کرنا چاہا ہے تو اُن کو کیسی غیرت اور حمیت آئی:

جب اہل مدینہ نے یزید کو خلافت سے خلع کیا تو ابن عمر نے اپنے اولاد وخدم وحشم کو جمع کیا اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے ہر غدر کرنے والے کے لیے بروز قیامت ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ

فضیحت ہو) اور ہم نے اُس شخص کی بیعت کی ہے اور یہ بیعت خدا اور رسُول کے لہذا ہم جہاں تک جانتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ بیعت کرنے پر اس سے قتال کیا جائے تو اب جو شخص اس سے قتال کرے گا یا اُس کو خلع کرے گا تو ہمارے اُس کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

(صحیح بخاری ص۵۵۵ حاشیہ فتح الباری جلد ۶)

اب اس سے بڑھ کر کونسی طرفداری ہو سکتی ہے کہ یزید تو انکا امام اور مقتدا بنا اور جو اُس کو خلع کرنا چاہے اس سے آمادہ مخالفت ہوں پھر امام حسینؑ کی وہ کیا حمایت کرتے۔

چونکہ دنیا کو یزید اور معاویہ کے فسق و فجور کی خبر ہے لہذا ہم کو زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں مگر یہ تو آپنے دیکھ لیا کہ یزید کو جب لوگوں نے خلع کرنا چاہا تو انکو یہ جوش آیا مگر امام حسینؑ کا خون ناحق اُن کے نزدیک اس قابل نہ تھا کہ اُس پر جوش و خروش دکھایا جائے۔

حضرات اہلسنت یہاں آکر صحابہ کی بے بسی و بیکسی دکھاتے ہیں کہ وہ کیا کر سکتے تھے اُن کے پاس نہ فوج تھی نہ لشکر نہ کوئی اختیار تھا مگر یہ سب اوصاف اُسی وقت پیدا ہوتے ہیں جبکہ اہلبیتؑ اطہار کے حقوق دکھائے جاتے ہیں ورنہ دشمنان اہلبیتؑ کی تائید اور امداد میں اُن کو ہر طرح کی قوت و قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس واقعہ بیعت عبداللہ بن عمر نے جو یزید کی کی تھی اہلسنت کو اس درجہ منفعل اور نادم کیا ہے کہ ہم اُس کی تفصیل نہیں لکھ سکتے ہیں نہ ضرورت ہے کیونکہ ثمرۃ الخلافہ اور تشئید البالی میں بشرح و بسط مذکور ہے اور مولوی حیدر علی نے ازالۃ الغین میں اس کا جواب دیا ہے جس کی رکاکت قابل دید ہے لہذا ہم اُس سے بحث نہیں کرتے صرف یہی دکھاتے ہیں کہ ابن عمر جو ایسے زاہد اور عابد کہے جاتے ہیں محبت اہلبیت طاہرین سے اُن کا دل کسقدر خالی تھا جس کا سبب بجز حب دنیا اور محبت اہل دنیا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ خود مولوی شبلی صاحب اسی مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"شافعی کا بیان ہے کہ میں نے اُنکو پانچسو تک کی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا ہے (الحدیث ص۲۶ سنہ ۱۳۲۶ھ)

پھر بتائیے تو اگر یہ جناب امیرؑ کے طرفدار ہوتے یا جناب امام حسینؑ کے مددگار تو یہ چادر اُنکو پانچسو کی کہاں سے ملتی اس حالت کے ساتھ مولوی شبلی صاحب کا یہ فقرہ کیا دلچسپ ہے:۔

"باوجود اس فقر و فاقہ کے حضرت عبداللہ بن عمر ہمیشہ مستغنی اور قانع رہے"

کیونکہ جو شخص پانچ پانچ سو کی چادر اوڑھے اُس کو کوئی فقیر کب جان سکتا ہے حالانکہ اسی نافع کی روایت فتح الباری میں ہے۔

ان نافع انکران یکون علی عمر دین وقد باع من ورثۃ میراثہ بمائۃ الف (ص۲۸۳ جلد ۳)

کہ عمر کے ایک وارث نے اپنے میراث کو ایک لاکھ پر فروخت کیا۔

تو انھیں ورثہ سے ابن عمر بھی تھے انکو کہاں سے فقر آکر گھیر سکتا ہے حالانکہ خود لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ عبدالعزیز بن مروان نے زمانہ فتنہ میں اُنکے پاس کچھ مال بھیجا تو اُنھوں نے بخوشی قبول کیا"

پھر خود ہی لکھتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم یا دینار (طبقات ابن سعد میں تعیین نہیں ہے) بھیجے اور چاہا کہ اس لالچ سے یزید کی بیعت کرلیں حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ کیا میرا دین اس قدر سستا ہے"

اس سے اور بھی اس کی تصدیق ہوگئی کہ بیعت یزید اسی لالچ میں کی تھی کیونکہ بیعت کرنا یقیناً صحیح بخاری سے ثابت ہے اور پھر اس قسم کا جوش و خروش دکھانا اسکی حمایت میں تو اب اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ اسی لالچ میں اُنھوں نے یہ بیعت کی وہ اگر اس بیعت کو جائز نہ جانتے تو اس مال کو واپس کرتے اور مردانہ وار اُسکے مخالفت پر آمادہ ہو جاتے مگر ہائے حب دنیا نے اُن کے باپ کو اس پر آمادہ کیا کہ مخالفت خدا و رسولؐ کر کے خود خلیفہ بنیں وہی دنیا اُن کو اس پر آمادہ کر رہی کہ معاویہ و یزید کے طرفدار رہیں۔ ورنہ دنیا میں کونسا عقلمند یزید ایسے شخص کو اپنا امام اور مقتدا بنا سکتا ہے جس پر سارے جہان کی لعنت برس رہی ہے۔

اس بحث کو اس وجہ سے طول ہو گیا کہ مولوی شبلی صاحب نے ابن عمر کے تعریف میں بڑا طومار باندھا تھا اور اس مضمون کو اہل حدیث بلکہ مرزائیوں نے بھی اپنے اخبار میں شائع کیا تھا لہٰذا حقیقت حال واضح کرنا پڑا کہ یہ کیسے دیندار تھے جس کا نتیجہ بھی اُنکو خود اس دنیا میں مل گیا کہ جن لوگوں کے خاطر اُنھوں نے اپنے دین و ایمان کو دنیا کے ہاتھ بیچا تھا انھیں نے قتل بھی کیا۔ چنانچہ اسد الغابہ میں ہے کہ:۔

بحکم عبدالملک بن مروان حجاج حاکم مدینہ حج میں اُن کی اقتدا کرتا تھا یہ اُس پر بہت شاق تھا اُس نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ زہر کا بجھایا ہوا حربہ ابن عمر کے سر پر مارے چنانچہ ایسا ہی ہوا چند روز اُس کے اثر سے بیمار رہے اور آخر مرگئے حجاج نے انکے جنازہ کی نماز پڑھی۔ (ص ۲۲۷ جلد ۳)

دفن میں بھی وہی حجاج مزاحم ہوا استیعاب میں ہے:۔

وکان اوصی ان یدفن فی الحل فلم یقدر علی ذلک من اجل الحجاج و دفن بذی طوی فی مقبرۃ المہاجرین (ص ۳۸۱)

یعنی ابن عمر نے وصیت کی تھی کہ (حل) میں دفن کیے جائیں مگر حجاج کی وجہ سے نہ ممکن ہوا لہذا ذی طوی میں دفن کیے گئے جہاں مقبرۂ مہاجرین تھا۔

دیکھیے جو حالت عثمان کی ہوئی تھی کہ روضۂ رسولؐ کے قریب نہ دفن ہو سکے۔ بلکہ یہودیوں کے باغ میں دفن ہوئے جہاں یہودی رفع حاجت کیا کرتے) وہی حالت ابن عمر کی ہوئی اور نیز ابن زبیر کی جس کو حجاج نے سولی دلوایا تھا اور بے نماز پڑھے دفن کیا گیا۔

اب اس کے مقابلہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کے مزار اقدس کو دیکھیے کہ خود حضرت پر کیسے کیسے ظلم ہوئے مگر آج آپ کا مزار اقدس کس عظمت و شان کا ہے کہ سب اُسکی عظمت کرتے ہیں بلکہ حضرت مسلمؑ وہانی

کے مزار اقدس کو دیکھیے کہ اُسی کوفہ میں پشت مسجد کوفہ پر دفن ہیں جہاں ان کی کیسی بے عزتی کی گئی تھی۔ یہ ہے نتیجہ اُس اخلاص کا جو ان حضرات کو خداوند عالم کے ساتھ تھا کہ دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود اُن کو یہ عظمت ملی۔ ابن عمر کے حال میں یہ بھی لکھا ہے:۔

ماذکر ابن عمر رسول اللہ الا بکی ولا مر بربعھم الا غمض عینیہ (حلیہ ص ۳۰۲ امامیہ)

یعنی رسول اللہ کا جب تذکرہ آتا تو یہ رو دیتے اور جب حضرت کے مکانات وغیرہ کی طرف سے گذر ہوتا تو آنکھ بچکایا کرتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس طرح اپنے محبت کا اظہار کرتے مگر حقیقت یہ تھی کہ اولاد رسول کی انھیں ایسی محبت بھی نہ تھی کہ انکے ساتھ کسی طرح اظہار عقیدت کرتے۔

اب ہم بقیہ اصحاب کے حالات پر ایک نظر اجمالی ڈالتے ہیں تاکہ اُن کے اعمال و افعال سے معلوم ہو کہ وہ اس فریضہ مودت اہلبیت کو کس طرح انجام دیتے تھے اگرچہ اہلسنت نے صرف چار ہی آدمی کا نام لیا ہے ابن عمر۔ جابر بن عبداللہ۔ ابوسعید خدری۔ ابو واقد لیثی۔ ابن عباس جیسا کہ سابقاً ذکور ہوا۔ مگر ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوکہ اور لوگوں کو چھوڑ دیں لیکن قبل اس کے کہ ہم اُن صحابہ پر نظر ڈالیں ایک حدیث جناب امام جعفر صادقؑ کی کتاب کافی سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوکہ فرائض مہاجرین و انصار کیا تھے اور اسکو کس قدر صحابہ نے نباہا۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

لعنکم اللہ یا معشر الانصار ثلثاً ما علیٰ ھذا عاھدتم رسول اللہ ولا بایعتموہ

(صافی شرح کافی ص ۶۶۱)

یعنی خدا کی لعنت ہو تم پر اے گروہ انصار کہ تم نے اس طرح کا عہد نہیں کیا تھا رسول اللہ سے نہ ایسی بیعت کی تھی یہ حدیث حضرت نے اُس موقع پر فرمائی ہے جب کہ اولاد امام حسن کو گرفتار کرکے بحکم منصور دوانقی لے گئے ہیں اور صدمہ سے حضرت کو بیس روز تک بخار آیا ہے پھر اس زمانہ کا کیا ذکر ہو جبکہ خود فرزند رسول احیاء اسلام کو مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے اور کسی صحابی نے آپ کی بیعت نہ کی۔

(۱) ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف زہری۔ انکی عظمت ان کے نام سے ظاہر ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کے بیٹے ہیں جنھوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا ۷۵ھ میں اُن کی وفات ہے (اسد الغابہ ص ۵۵)

خود صحابی بھی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں اگر یہ جناب امام حسینؑ کی رفاقت کرتے تو آپ سمجھ سکتے ہیں حضرت کی قوت کس درجہ بڑھ جاتی۔

ان کے باپ عبدالرحمان بن عوف خلیفہ ساز اتنے مالدار تھے کہ اسد الغابہ میں ہے انھوں نے اپنے ترکہ میں سونا بہت چھوڑا تھا وہ کلھاڑیوں سے کاٹا گیا اس سے مال کی اس قدر کثرت تھی کہ لوگوں کے ہاتھ بھر گئے اور ایک ہزار اونٹ سو گھوڑے اور تین سو بکریاں جو بقیع میں چرا کرتی تھیں چھوڑیں اور ان کی چار بیبیاں تھیں جس میں سے ایک عورت کو اسی ہزار روپیہ دیکر ان کے وارثوں نے رخصت کیا (ص ۱۲۹ ج ۲)

احنف بن قیس۔ ان کے بارے میں عمر نے خط لکھا تھا کہ احنف اہل بصرہ کے سردار ہیں۔ اُس وقت سے اُن کی عزت بڑھتی گئی جنگ جمل میں اُن لوگوں سے تھے جو کسی طرف نہ تھے اور جنگ صفین میں یہ جناب امیر کی طرف تھے مگر شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے۔ استیعاب میں ہے :۔

کان الاحنف احد اجلۃ العلماء الدھاۃ الحکماء العقلاء (ص۵۶)

یعنی احنف بڑے جلیل القدر ہوشیار۔ عاقل حکیم تھے ۶۷ھ میں وفات ہے (ص۶۹ اسد الغابہ)

اسود بن حازم ان کا سن حدیبیہ میں تیس ۳۰ برس کا تھا ۱۲۵ برس زندہ رہے مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی (اسد الغابہ ص۸۲)

(۴) اسود بن عوف۔ یہ بھی صحابی ہیں جو ابن زبیر کے طرف سے حاکم مدینہ تھے اور اُنکے بیٹے جابر بن اسود نے سعید بن المسیب کو اس جرم پر درے لگائے کہ ابن زبیر کی بیعت نہیں کی (ص۱۲۵ اسد الغابہ)

(۵) اسود بن بلال۔ محاربی کوفی ۸۳ھ میں بمقام جماجم مارے گئے (ص۱۲۶ اسد الغابہ)

(۶) اسود بن یزید بن قیس۔ کوفہ کے فقہا اور وہاں کے مشاہیر میں سے تھے ۷۵ھ میں انکی وفات ہے (ص۱۲۷)

(۷) اسیر بن ظہیر۔ انصاری مدینہ کے رہنے والے ہیں زمانہ عبد الملک میں اُنھوں نے انتقال کیا۔ (ص۱۳۵)

(۸) اسیر بن عمرو درکی۔ عبد اللہ بن مسعود کے بڑے شاگردوں میں سے تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ کے لوگوں میں سے ہیں ۸۵ھ میں انتقال ہے (ص۱۳۶ اسد الغابہ)

(۹) اشعث بن قیس۔ یہ اشعث ان لوگوں سے ہیں جو رسول اللہ کے بعد مرتد ہو گئے اور ابو بکر کے پاس قید ہو کر آئے تو کہا اپنی لڑائی کے لیے ہمیں چھوڑ دیجیے اور اپنی بہن کا نکاح ہم سے کر دیجیے اور یہی محمد بن اشعث کی ماں تھیں۔ (ص۱۴۰ اسد الغابہ)

ہم نے اس نام کو صرف اسوجہ سے لکھا ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو محمد بن اشعث قاتلان امام حسینؑ سے ہے اور وہ خلیفہ اول کا حقیقی بھانجا ہے، جعدہ بنت اشعث بھی شاید اسکی بیٹی ہے جو قاتل امام حسنؑ علیہ السلام ہے۔

(۱۰) انس بن حارث۔ شہید کربلا ان کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا یہ میرا بیٹا یعنی حسینؑ سرزمین عراق میں شہید ہو گا پس جو شخص انکو پائے اُن کی مدد کرے چنانچہ انس بھی حسینؑ کیساتھ شہید ہوئے (ص۱۲۳ اسد الغابہ)

استیعاب ص۳۴ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور نیز اصابہ ج ا ص۶۹ میں ہے :۔

مگر بہت سے اکابر اہلسنت کو یہ ناگوار گذرا کہ کسی صحابی کا نام بھی فہرست شہدائے کربلا میں آنے پائے اسی وجہ سے ذہبی نے تو صاف صاف کہہ دیا لاصحبۃ لہ مگر شکر خدا کہ بہت سے علماء اسکے طرفدار ہو گئے۔ چنانچہ ابن بغوی ابن سکین ابن شاہین۔ دعولی۔ ابن زبیر۔ ماوردی۔ ابن مندہ۔ ابو نعیم وغیرہ سب نے ان کے صحابی ہونے کا اقرار کیا مگر امام بخاری نے دوسری روش اختیار کی کہ ان کے صحابیت کو تو مانا مگر حدیث کو چاہا کہ ضعیف کر دیں چنانچہ اصابہ میں ہے :۔

انس نے حضرت سے روایت کی ہے کہ ہم نے سنا ہے آں حضرتؐ فرماتے تھے میرا فرزند حسین زمین کربلا

میں شہید ہوگا جو اُس وقت موجود ہو اُسکو لازم ہے کہ اُس کی نصرت کرے۔

چنانچہ انس بن حارث گئے اور امام ع کے ساتھ شہید ہوگئے بخاری نے سعید کے بارے میں جنھوں نے انس سے روایت کی ہے کہا ہے کہ لوگ اس سعید کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ (اصابہ جلد ا صـ۱۲۹)

جس سے معلوم ہوا کہ نہ اُن کے صحابی ہونے میں عذر ہے نہ اس میں کہ یہ حضرت کے ساتھ شہید ہوئے مگر چونکہ اس حدیث سے اُن کل صحابہ پر زد پڑتی ہے جو اُس وقت موجود تھے لہذا بخاری نے راوی مابعد کو مجروح کردیا مگر یہ ایسا اُچھا وار ہے کہ جس سے کوئی کام نہیں چل سکتا کیونکہ اگر کوئی حدیث بھی نہ ہوتی تو صحابہ کے لئے یہی کافی تھا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں بہرحال یہ بھی اہل کوفہ سے ہیں۔

(۱۱) **انس بن مالک**۔ ان کا حال پہلے مذکور ہوچکا ہے کہ ان کے سامنے سر امام حسینؑ کا ابن زیاد کے پاس لایا گیا اور اُنکو اسلامی حمیت نہ آئی۔ ان کی وفات ۹۳ھ میں ہے یا ۹۱ھ یا ۹۲ھ (اسد الغابہ صـ۱۸۱)

اوس بن اعور بن جوشن بن عمرو بن معسود۔ اسد الغابہ میں ہے کہ یہ والد شمر بن ذی الجوشن کے جس کا واقعہ حضرت حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ مشہور ہے۔ (صـ۱۹۵)

اس شخص کے حالات کو ذو الجوشن کے نام میں کچھ تفصیل سے لکھا ہے ملاحظہ ہو اسد الغابہ جلد ۳ صـ۱۹۲۔ مگر ہم کو اس سے زیادہ بحث نہیں کیونکہ یہ معرکہ کربلا کے وقت غالباً زندہ نہ تھا۔ اس کے اسلام کی بھی حالت عجیب ہے کہ آں حضرتؐ نے اُس سے فرمایا کہ تو اسلام کب لائے گا تو اُس نے جواب دیا جب آپ کعبہ پر غالب آئینگے اور وہاں رہنے لگیں گے فتح مکہ کی خبر جب اُسکو معلوم ہوئی تو اسلام قبول کیا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صـ۱۹۲)

اس سے یہ تو بخوبی معلوم ہوا کہ دنیا داری کا مادہ اس میں پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا۔ کہ اسلام کو جو قبول بھی کیا تو نہ اس حیثیت سے کہ یہ دین حق ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اب یہ دین غالب آچکا ہے مکہ فتح ہوچکا۔ **مگر یہاں دوسرا فائدہ**۔ یہ معلوم ہوا کہ اسد الغابہ میں ہے "بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ابو اسحاق نے ان سے نہیں سُنا بلکہ اُنھوں ان کی حدیث اُن کے بیٹے شمر بن ذی الجوشن سے سنی ہے (صـ۱۹۳)

استیعاب میں ہے:۔ قیل ان ابا اسحق لم یسمع منہ وانما سمع حدیثہ من ابنہ شمر ذی الجوشن (صـ۱۲۶ ج ۱ و اصابہ جلد ۲ صـ۱۷۵)

جس سے ہر شخص کو معلوم ہوا کہ شمر بن ذی الجوشن قاتل امام حسینؑ کی یہ عزت افزائی کی گئی ہے کہ ائمہ اہلسنت نے اُس سے روایت لی ہے حالانکہ **ابن عمر** کے حال میں مذکور ہوچکا ہے کہ اُس نے جناب امیرؑ سے بھی روایت نہ کی مگر **شمر** کی روایتیں خود صحاح اہلسنت میں موجود ہیں کیونکہ **سنن ابی داؤد** اُن کے صحاح ستہ میں داخل ہے۔

ایاس بن معاویہ مزنی۔ بصرہ کے قاضی تھے وفات ان کی ۱۲۱ھ میں ہوئی اسد الغابہ مگر افسوس شرکت اعانت جناب امام حسینؑ سے محروم رہے

ایفع بن عبد کلاعی۔ بھی صحابی ہیں ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ص۲۲۳)

ایمن بن خریم۔ بھی صحابی ہیں ان کے باپ بدری تھے مروان کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ (اسد الغابہ ص۲۲۴) مگر جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ یہ ایسے جلیل القدر تھے کہ خود مروان اُنسے طالب نصرت ہوا تھا۔

براء بن عازب۔ بڑے پایہ کے صحابی ہیں رسول اللہ کے ساتھ چودہ جہاد کیے ۲۴ھ میں ملک رے کو فتح کیا جنگ جمل وصفین ونہروان میں جناب امیرؑ کے ساتھ تھے بالآخر کوفہ میں رہ گئے اور وہیں گھر بنا لیا تھا اور مصعب بن زبیر کے زمانہ میں وہیں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ص۲۳۵)

اصابہ میں ہے:۔ ابن حبان نے ۷۲ھ ان کی وفات کا سنہ بتایا ہے اور بہت سی حدیثیں انھوں نے آں حضرتؐ سے روایت کی ہیں اور ابوبکر و عمر وغیرہ سے بھی جو اکابر صحابہ سے تھے اور خود صحابہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ (اصابہ جلد اول ص۱۴۷)

مگر ہائے نصرت امام حسینؑ نہ کر سکے حالانکہ خود کوفہ میں رہتے تھے جہاں کے لوگوں نے حضرتؑ کو دعوت دی تھی مگر ایسا جلیل القدر صحابی نصرت امام حسینؑ کو نہ نکلا حالانکہ حضرتؐ نے تمامی انصار سے اس شرط پر بیعت لی تھی "میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم جن باتوں سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو ان سے میری بھی حفاظت کرنا"، کعب بن مالک کہتے ہیں کہ براء بن معرور نے حضرتؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا قسم اس کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا کہ ہم ضرور ان باتوں سے آپکی بھی محافظت کرینگے جن سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں لہذا اے رسول خدا ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اور قسم خدا کی ہم لوگ بڑے جمعیت اور اتفاق والے ہیں۔

(صفحہ ۱۴۱ اسد الغابہ)

یہ براء بن عازب ایسے مقدس صحابی تھے کہ ریاض مستطابہ میں ہے کہ قبل تشریف آوری رسول اللہ مدینہ میں یہ بہت سے سورے قرآن کے یاد کر چکے تھے مفصل سوروں سے سبح اسم ربك الاعلیٰ کی ایسی سورہ پڑھ چکے تھے یہ اور ابن عمر ایک سن کے تھے اس وجہ سے جناب بدر میں نہیں شریک کیے گئے

ان سے چالیس حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہیں جن میں پندرہ حدیثوں میں بخاری متفرد ہیں اور چھ میں مسلم باقی دونوں کے یہاں متفق علیہ ہیں۔ (ریاض مستطابہ ص۹)

ان حالات سے آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اگر یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے تو کیا فرزند رسولؐ اس آسانی سے قتل ہو جاتا مگر ہائے کہاں تھا وہ دردِ دین جس سے وہ اُس وعدہ کو پورا کرتے جو بوقت اظہار اسلام کیا تھا کہ ہم آپکی ویسی ہی حفاظت کرینگے جیسا کہ اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں۔

تواریخ و رجال سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آخر اُنھوں نے فرزند رسولؐ کی نصرت کیوں نہ کی۔ مگر یہ کہا جائے ابن زیاد نے روکا ہو جیسا کہ اور اہل کوفہ کے ساتھ یہی برتاؤ کیا مگر یہ عذر چنداں معقول نہیں ہے کیونکہ حضرت حبیب ابن مظاہر، مسلم بن عوسجہ بھی تو کوفہ ہی میں رہتے اور اسی محاصرہ ابن زیاد میں مبتلا تھے

مگر نصرت امام کو کربلا پہونچ گئے۔

بریدہ بن حصیب اسلمی ۔ یہ بھی بزرگان صحابہ سے ہیں بعد جنگ احد خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور جنگ حدیبیہ اور بیعۃ الرضوان میں شریک رہے پہلے یہ بصرہ میں جا کر رہے پھر خراسان چلے گئے اور بمقام مرو سکونت اختیار کی رسول اللہ نے جب جناب امیرؑ کو یمن کی طرف بھیجا کہ خالد بن ولید سے خمس وصول کریں تو بریدہ بھی خالد کے ساتھ تھے انھوں آکر جناب امیرؑ کی شکایت کی رسولؐ اللہ سے "آپ نے فرمایا کہ اے بریدہ کیا تم علی سے بغض رکھتے ہو" میں نے عرض کی کہ ہاں آپ نے فرمایا اُن سے بغض نہ رکھا کرو اور روح کبھی یوں کہتے تھے کہ حضرت نے فرمایا اُن سے محبت رکھا کرو کہ خمس میں اُن کا حصہ اس سے زیادہ ہے۔ (اسد الغابہ صفحہ ۲۲)

اس واقعہ کو صحیح ترمذی میں اسطرح لکھا ہے :-

"حضرت نے ایک لشکر کا سردار بنا کر جناب امیرؑ کو بھیجا تو آپ نے ایک لونڈی کو اپنے حصہ میں لیا جس پر چار صحابی نے باہم عہد کیا کہ جب خدمت رسولؐ اللہ میں پہونچیں گے تو آپ کی شکایت کرینگے چنانچہ جب وہ لوگ آئے تو پہلے ایک کھڑا ہوا اور شکایت کرنے لگا آں حضرتؐ نے اوسکی طرف سے منھ پھیر لیا اسی طرح دوسرے تیسرے صحابی نے شکایت کی ہر مرتبہ حضرت نے منھ پھیر لیا۔ جب چوتھا کھڑا ہوا تو حضرت اس کے طرف متوجہ ہوئے اس حال سے کہ آثار غضب آپکے چہرے نمایاں تھے اور فرمایا تم کیا چاہتے ہو علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو علیؑ سے۔ میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ مجھ سے ہیں وہ ہمارے بعد ہر مومن و مومنہ کے ولی ہیں۔ (صحیح ترمذی صفحہ ۲۱۲)

یہ روایت بریدہ اسلمی سے بھی مروی ہے اور اصل اُس کی صحیح بخاری میں ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے دل میں کیسا بغض جناب امیرؑ بھرا تھا کہ با خود باعہد کر کے خدمت رسولؐ میں آتے تھے اور شکایت کرتے تھے۔

اور روضۃ الصفا میں ہے :-

بریدہ اسلمی نے اپنے قبیلہ میں ایک علم آراستہ کیا اسے لیکر مدینہ آئے اور حضرت علیؑ کے دروازہ پر نصب کر دیا حضرت عمر کو اسکی اطلاع ہوئی انھوں نے بُریدہ سے کہا سب لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی ہے اب تم ابو بکر کی مخالفت کیوں کر رہے ہو بریدہ نے کہا میں اس گھر والے (علی ابن ابی طالبؑ) کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کروں گا۔ اسکے بعد صحابہ اکٹھا ہوئے اور انھوں نے بریدہ کو بلا بھیجا بریدہ آئے لوگوں نے کہا تمھیں کیا ہوا ہے اور یہ کیسی باتیں تمھارے متعلق بیان کی جارہی ہیں بریدہ نے کہا صورت حال یہ ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا نے مجھے اور خالد بن ولید کو علیؑ کی ماتحتی میں یمن کی طرف روانہ کیا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس زمانہ میں علیؑ سے بڑھ کر میں کسی اور کا دشمن نہ تھا جب میں سفر سے واپس ہوا تو میں سب سے پہلے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا پیغمبرؐ نے مجھ سے پوچھا تم نے علیؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے میں نے بنا بر اس کدورت کے جو میں علیؑ کی طرف سے دل میں رکھتا تھا علیؑ کی بدگوئی کی میری باتوں سے پیغمبرؐ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا پیغمبرؐ نے فرمایا بریدہ کیا تم ایسے شخص کی

بدگوئی کر رہے ہو جو میرے بعد تمام لوگوں سے بہتر اور اُن کا ولی و سیّد و سردار ہے بس جب آں حضرت
کی زبان سے یہ بات سُنی عرض کیا یا رسول اللہ میں ہر اُس چیز سے توبہ کرتا ہوں جو آپکی ناخوشی و برہمی کا باعث ہو
میری درخواست ہے کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیے اور میری بخشائش کی خدا سے درخواست کیجئے پیغمبرؐ
نے فرمایا علیؑ کو آلینے دو اتنے میں علیؑ آگئے اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر نعلین ٹھیک کرنے لگے میں نے
پیغمبر خدا سے عرض کی یا رسول اللہ علیؑ آچکے ہیں اب اپنا وعدہ پورا کیجئے پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کرکے
فرمایا اے خاصف النعل یہ بریدہؓ آئے ہیں اور تمھاری شکایتیں کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا کلیجہ
تمھارے خلاف مشتعل ہے میں نے اُن سے کہا ہے کہ تم ایسے شخص کی بدگوئی کر رہے ہو جو میرے بعد تم لوگوں کا سیّد
و سردار اور حاکم ہے ان بُریدہؓ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے لئے استغفار کروں میں بھی استغفار کرتا
ہوں تم بھی استغفار کرو۔ بُریدہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد پیغمبرؐ نے میرے لئے دعائے مغفرت کی اور علیؑ نے بھی دعا
کی اسکے بعد میں اپنے گھر واپس آیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بُریدہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب
رہے۔ (روضۃ الصفا ص۱۳۳)

مگر افسوس کہ یہ بھی شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے جس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ بہت دُور رہتے تھے وفات
ان کی ۶۳ھ میں ہوئی بزمانہ حکومت یزید۔ (اصابہ ص۱۵۱)

بسر بن ارطاۃ ۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں بوقت وفات رسولؐ یہ کمسن تھا مگر اہل شام کہتے ہیں اُس نے
رسول اللہ سے حدیثیں سُنی ہیں۔ اسکو عمر بن الخطاب نے فتح مصر میں عمرو عاص کے مدد میں بھیجا تھا۔ جنادہ
بن امیہ کی روایت ہے کہ سفر دریا میں ایک چور اسکے سامنے لایا گیا تو کہا ہم نے رسولؐ سے سُنا ہے کہ سفر میں چور کے
ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

بسر جنگ صفین میں معاویہ کے طرف تھا اور حضرت علیؑ اور اُنکے ساتھیوں کے لئے بہت سخت تھا
یحییٰ بن مُعین کہتے ہیں کہ بسر صحابی نہیں ہیں اور وہ کہتے تھے کہ وہ بُرا آدمی تھا اس وجہ سے کہ اسلام میں
اس سے بہت ناشائستہ کام ہوئے منجملہ اُس کے وہ جو مورخین اور محدثین نے نقل کیا ہے کہ اس نے عبدالرحمان
اور قثم کو جو دونوں عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کے بیٹے تھے اُن کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا
اور یہ دونوں بچے کمسن تھے معاویہ نے اسے حجاز اور یمن کی طرف بھیجا تھا کہ شیعہ علیؑ کو قتل کرے اور معاویہ
کے لئے لوگوں سے بیعت لے۔ چنانچہ یہ مدینہ (منورہ) آیا اور وہاں بہت بُرے بُرے کام کئے اور یمن گیا اور اسوقت
یمن میں عبید اللہ بن عباس حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی طرف سے عامل تھے۔ عبید اللہ وہاں سے بھاگ گئے
پس بسر وہاں پہونچا تو یہ فعل (یعنی اُن صاحبزادوں کو ذبح کرنا) وہیں کیا اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ بُسر نے
یہ فعل مدینہ میں کیا مگر پہلا قول زیادہ مشہور ہے کہ ابو عمر نے کہا ہے کہ دار قطنی نے لکھا ہے کہ بسر بن ارطاۃ صحابی
تو ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مستقیم نہیں رہا جب اُس نے حضرت عبید اللہ کے صاحبزادوں کو قتل

گیا تو انکی والدہ عائشہ بنت عبد المدان کو سخت صدمہ ہوا اور انھوں نے یہ چند اشعار کہے جن میں کا ایک شعر یہ ہے

ھا من احس بنیی اللذین ھما   کالدرتین تشظی عنھما الصدف

یہ اشعار مشہور ہیں پھر انھیں جنون ہوگیا موسم حج میں (لوگوں کے سامنے) کھڑے ہوکر اس شعر کو پڑھتی تھیں اور اپنے منھ پر طمانچہ مارتی تھیں اس واقعہ کو ابن انباری اور مبرد اور طبری اور ابن کلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے پھر بسر مدینہ گیا مدینہ کے بھی بہت سے لوگ بھاگ گئے جن میں جابر بن عبد اللہ اور ابوایوب انصاری وغیرہ تھے وہاں بھی بسر نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور یمن میں بھی قبیلۂ ہمدان پر تاخت کی اور ان کی بیبیوں کو لونڈی بنایا یہ سب سے پہلی مسلمان عورتیں تھیں جو اسلام میں لونڈی بنائی گئیں بسر نے مدینہ میں بہت سے گھر بھی گرادیے تھے یہ حادثہ کتب تواریخ میں مذکور ہے اس میں طول دینے کی حاجت نہیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ بسر نے مدینہ میں بعہد خلافت معاویہ وفات پائی اور بعض لوگوں کا قول ہو کہ بعہد عبد الملک بن مروان ملک شام میں وفات پائی آخر عمر میں سٹھیا گیا تھا۔ (عقل زائل ہوگئی تھی) اس کا تذکرہ تینوں نے کیا ہے (ص ۱۸۹ اسد الغابہ جلد اول)

بھئے انکا حال سوچ سمجھ کر لکھا ہے کہ اہلسنت کے یہاں یہ بھی صحابی ہیں اور ان کے ایسے افعال تھے نہ اس خیال سے کہ ان سے نصرت امام حسینؑ کی امید تھی۔ مگر ان کے ایسے افعال تھے کہ خود اہلسنت کو بھی اقرار کرنا پڑا چنانچہ مترجم اسد الغابہ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں "بسر کو اگر صحابی مان لیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم ان صحابہ کے فضائل کے معتقد ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے اب ان کا شریعت پر مستقیم رہنا خواہ ہمیں روایات سے معلوم ہوا ہو یا قرآن عظیم سے مثلاً قرآن مجید میں انکی تعریف ہو یا خدا نے اپنی رضامندی ان سے ظاہر فرمائی ہو جیسے مہاجرین و انصار اور اصحاب بیعۃ الرضوان کے لئے ان صحابہ کے مستقیم رہنے کا ہم کو قرآن سے علم ہوا کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر ان کا انجام اچھا نہ ہوتا تو ہرگز ان کی تعریف نہ فرماتا نہ اپنی رضامندی ظاہر کرتا باقی رہے وہ بعض بعض صحابہ جو مبتلائے فتن ہوئے ان کے فضائل کے ہم معتقد نہیں ہیں مگر صرف بہ پاس ادب صحبت سرور انبیاء صلعم انکا سب و شتم جائز نہیں

اقول الحمد للہ معلوم ہماری کن جانکاہیوں نے آپ سے یہ کلمہ کہلوایا جسکے بعد ہمارے آپکے کل اختلافات رفع ہوجاتے ہیں اگر صدق دل سے یہ کلمہ کہا ہو کیونکہ شیعہ سنی میں اختلافی امر یہی ہے کہ آیا کل صحابہ مغفور ہیں یا نہیں اہلسنت اسکے قائل ہیں۔

الصحابۃ کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم

صحابہ سب کے سب عادل ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

شیعہ اور اہل فہم اہلسنت بھی اسکے قائل ہیں کہ بہ نص قرآن "منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرۃ" صحابہ میں ممدوح و مقدوح دونوں ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے وہ ممدوح ہیں۔ الحمد للہ کہ آپنے بھی اسکا اقرار کیا "ہم ان صحابہ کے فضائل کے معتقد ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے" جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو شریعت پر مستقیم نہیں رہے تو وہ کلیہ غلط ہوا الصحابۃ کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم

ذریعہ تحقیقات جو آپ نے قرار دئیے آیات و روایات وہ بسر و چشم کل مسلمانوں کو منظور ہے مگر افسوس کہ قرآن کا

کوئی آیہ یہ نہیں کہتا کہ خداوند عالم کل مہاجرین و انصار سے راضی ہے بلکہ اور شرائط بھی اسکے ساتھ ہیں۔

چنانچہ خود آیہ رضوان سورہ فتح میں ہے:۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات منھم مغفرۃ واجراً عظیماً۔

یعنی ان لوگوں میں سے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور عمل نیک کیا ان سے خدا نے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ کیا ہے منھم نے بتادیا کہ سب ایسے نہیں ہیں بلکہ بعض ہیں پھر آیہ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ میں بھی قید ایمان موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ کل صحابہ یا کل مہاجرین وانصار مغفور نہیں ہیں بلکہ وہی جو مومن ہیں لہذا قرآن تو تمامتر آپکے خلاف ہے اس سے تمامتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ کل صحابہ ممدوح ہیں نہ کل مغفور بلکہ منکم من یرید الدنیا و یمیز الخبیث من الطیب موجود ہے جس سے اکثر صحابہ کا طالب دنیا اور خبیث ہونا ظاہر ہے۔

رہے روایات تو تمامی صحاح ستہ میں لن یزالوا مرتدین منذ فارقتھم اور من اصحابی من لایرانی موجود ہے جس سے ثابت ہوا کہ عموماً تمامی صحابہ ممدوح نہیں ہیں لہذا بجز اس کے چارہ نہیں کہ عموم آیا کے ساتھ خصوص روایات ملا کر نتیجہ نکالا جائے جس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ روایات قبول ہوں جو متفق علیہ فریقین ہوں کہ سنی شیعہ کسی کو بھی اسکے قبول میں عذر نہ ہو پھر دیکھئے نتیجہ کس کے حسب خواہ نکلتا ہے۔

بہرحال آپ کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے " باقی رہے وہ بعض صحابہ جو مبتلائے فتن ہوئے انکے فضائل کے ہم معتقد نہیں " جس سے بخوبی ظاہر ہوا کہ اگرچہ وہ بظاہر صحابی ہیں مگر بوجہ ابتلائے فتن آپ انکے فضائل کے معتقد نہیں تو آپ غور فرمائیے خلفائے ثلثہ سے بڑھ کر کون مبتلائے فتنہ ہوا۔ کیونکہ فتنہ تو رسولؐ کے بعد سے شروع ہوتا پھر دیکھئے کون مبتلائے فتنہ ہوا کیا آپ کہہ سکتے ہیں جن لوگوں نے بطمع دنیا جنازۂ رسولؐ میں شرکت نہ کی ان سے بڑھ کر کوئی مبتلائے فتنہ ہوا خدا فرماتا ہے۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لایفتنون لقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔

کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے وہ فتنہ میں ڈالے نہ جائیں گے۔ حالانکہ پہلے لوگوں کو ہمنے فتنہ میں ڈالا ہے کہ خدا معلوم کرے (ظاہر کرے) صادقوں کو اور کاذبوں کو۔

رہا آپ کا یہ جملہ " صرف بپاس ادب صحبت سرور انبیاؐ ان کا سب وشتم جائز نہیں سمجھتے " تو اس خیال سے عام مخلوقات خدا زیادہ قابل احترام ہیں کیونکہ وہ خدا کے پیدا کیئے ہوئے ہیں اور حضرت آدم و حوا کے نسل سے ہیں پھر ان کا سب وشتم بلکہ قتل کیوں واجب ہوا۔ آپکے خلفاء تو ایسے صحابی کے سب وشتم بلکہ قتل کو بھی واجب کہیں جو ان کے مخالف رائے ہوں لیکن آپ دشمنان رسولؐ و اہلبیت اطہار کے احترام کو ضروری قرار دیں۔ ان ہذا لشئی عجاب۔

دوسرا حاشیہ یہ جڑ دیتے ہیں " منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علیؑ کہتا تھا یہ انھیں باغیوں کا گروہ تھا جنھوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور طرح طرح کے فتنے برپا کیئے انھیں کا قتل معاویہ کو منظور تھا یہ ظلم و ستم جو بسر نے حضرت عبید اللہ کے معصوم بچوں پر کیئے جنکے سننے سے ہمارے دل آج کانپتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اقول یہ تحقیقات سب سے نرالی ہے کہ منافق اپنے کو شیعہ علی کہیں حالانکہ خود صحیح مسلم وغیرہ صحاح میں ہے:۔

انا کنا نعرف المنافقین ببغض علیؑ ابن ابی طالبؑ

منافق کی شناخت اسی سے ہوتی تھی کہ وہ دشمن علیؑ ہے۔

پھر یہ کلام آپ کا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علیؑ کہتا تھا" کیونکہ اگر صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہو آپکا کلام غلط ہے اور اگر آپ سچے ہیں تو وہ غلط۔

خود مترجم صاحب تذکرہ اسود میں اس کے قبل لکھ چکے ہیں "شیعیان علی سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علیؑ کا ساتھ دیا تھا اور انکے ساتھ ہو کے اُن کے مخالفین سے لڑتے تھے جو تمامتر اہلسنت کے عقائد رکھتے تھے گو یہ لفظ یعنی شیعہ اب زیادہ تر مخالفین اہلسنت پر اطلاق پاتا ہے مگر زمانہ قدیم میں اہلسنت ہی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا تھا اور باعتبار لغت کے یہ لفظ بالکل عام ہے جو شخص کسی کے گروہ میں ہو تو اُس کو اُس کا شیعہ کہتے ہیں اسی معنی کے لحاظ سے خود قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کو نوح علیہ السلام کا شیعہ فرمایا ہے (ص ۱۱۱)

کیوں صاحب وہاں بھی اسی بسر بن ارطاۃ کا ذکر تھا کہ معاویہ نے قتل شیعیان علیؑ کے لیے اسے بھیجا تھا جس پر آپنے شیعہ کی یہ تعریف کی کہ وہ قدمائے اہلسنت تھے اور وہ ہمراہیان جناب امیرؑ سے تھے یہاں آکر کیا ہو گیا جو شیعہ کا خطاب منافقوں کو عنایت کیا گیا ہاں اگر یہ مطلب ہو کہ وہی منافق قدمائے اہلسنت تھے تو یہ دوسری بات ہے مگر وہ تو کسی زمانہ میں بھی شیعہ نہیں کہے گئے کیونکہ شیعہ اور منافق میں تو وہی نسبت ہے جو روز اور شب میں ہوتی ہے کہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

بہر حال اڈیٹر صاحب النجم کا یہ کہنا کہ معاویہ کا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کو قتل کریں جو شریک قتل عثمان ہوئے محض غلط ہے کیونکہ خود تاریخ کامل میں ہو۔ (ص ۱۵۳ جلد ۵)

کہ بسر بن ارطاۃ جب داخل مدینہ ہوا تو منبر پر جا کر آواز دی۔ یا دینار۔ یا نجار یا زریق یہ تین قبیلے تھے جن سے اسکو رشتۂ قرابت تھا اُسکے بعد کہا ہمارا شیخ یعنی عثمانؓ کہاں ہے اگر معاویہ نے اس کا عہد نہ لیا ہوتا تو ہم مدینہ میں ایک جوان کو بھی زندہ نہ چھوڑتے"۔ جس سے معلوم ہوا کہ باشندگان مدینہ قاتلان عثمان سے تھے مگر بسر نے اُن سب کو چھوڑ دیا۔

رہا واقعہ شہادت۔ فرزندان عبیداللہ بن عباس تو تاریخ کامل میں اسطرح ہے۔

کہ بسر مدینہ سے جانب مکہ روانہ ہوا تو ابو موسیٰ اشعری اُسکے خوف سے بھاگ گئے اس کے بعد جانب یمن روانہ ہوا۔ عبیداللہ بن عباس وہاں کے عامل تھے وہ بھاگ کر جناب امیرؑ کے پاس آئے اور عبیداللہ بن عبدالمدان حارثی کو اپنا نائب کیا بسر نے جاکر اُنھیں قتل کیا اور اُنکے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور دونوں فرزندان عبیداللہ بن عباس کو جو کمسن تھے اُن کا نام عبدالرحمان اور قثم تھا اور وہ دونوں ایک شخص کے پاس تھے جو قبیلہ کنانہ سے تھا اور صحرا میں رہا کرتا تھا جب بسر نے اُن لڑکوں کو گرفتار کیا اور چاہا کہ قتل کریں تو اس کنانی نے کہا انکو کیوں قتل کرتا ہے حالانکہ دونوں بے قصور ہیں اور اگر تو انکو قتل کرتا ہے تو ہمکو بھی قتل کر ڈال۔ چنانچہ بسر نے اُسکو بھی قتل کیا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ پہلے وہ لڑا ہے اور مارا گیا اور ان دونوں لڑکوں کو بھی اس کے ساتھ دفن کر دیا۔

فخرج نسوة من بنی کنانہ فقالت امرءة منھن یا ھذا قتلت الرجال فعلام یقتل ھذین واللہ ما کانوا یقتلون فی الجاھلیة والاسلام واللہ یا بن ابی ارطاة ان سلطان لا یقوم الا بقتل الصبی الصغیر والشیخ الکبیر ونزع الرحمة وعقوق الارحام لسلطان سوء وقتل بسر فی مسیرہ ذالک جماعة من شیعة علی بالیمن (ص ۱۵۳)

یعنی بنی کنانہ کی عورتوں نے نکل کر غل مچایا کہ اے بن ارطاة تو نے مردوں کو قتل کیا پھر ان لڑکوں کو کیوں قتل کرتا ہے حالانکہ بچے نہ تو جاہلیت میں قتل کیے جاتے تھے نہ اسلام میں۔ جو سلطنت ایسی ہو کہ بغیر قتل اطفال و شیخ کبیر نہ قائم ہو اور جب تک بیرحمی اور عقوق ارحام اس میں شامل نہ ہو تو وہ سلطنت نہایت بد ہے۔ اسی سفر میں بسر نے بہت سے شیعیان جناب امیرؑ کو قتل کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اُن کا جرم صرف اسی قدر تھا کہ وہ شیعہ جناب امیرؑ تھے نہ یہ کہ کوئی اُن میں قاتلان عثمان سے ہو بلکہ قاتلان عثمان کو تو اُسنے دیدہ و دانستہ مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔

اس واقعہ قتل فرزندان عبید اللہ بن عباس کا اثر جناب امیرؑ پر کیا ہوا اسی تاریخ کامل میں ہے ص ۱۵۴

یعنی جناب امیرؑ نے جب اس واقعہ کو سُنا تو بہت روئے اور بُسر پر بد دعا کی کہ خدایا اسکے عقل و دین کو سلب کرلے چنانچہ یہ بد دعا قبول ہوئی اور وہ دیوانہ ہو گیا کہ کہا کرتا تلوار لاؤ لوگ لکڑی کی تلوار دیدیا کرتے اور وہ مشک وغیرہ پر مارا کرتا۔ جب معاویہ کی حکومت قائم ہوئی تو ایک روز عبید اللہ بن عباس اسکے پاس گئے اور بُسر بھی وہاں بیٹھا تھا تو عبید اللہ بن عباس نے کہا ہم تو چاہتے تھے جس وقت تو نے ہمارے لڑکوں کو قتل کیا زمین ہم کو گھاس بنا کر وہاں اُگا دیتی بُسر نے کہا یہ میری تلوار حاضر ہے عبید اللہ نے چاہا لیں معاویہ نے روکا اور کہا خدا تجھے رسوا کرے کہ شیخ خرف ہو گیا ہے اگر یہ تلوار ان کے ہاتھ میں پڑ جاتی تو پہلے ہمکو قتل کرتے عبید اللہ نے بیشک پہلے تجھے قتل کرتے تب اس ملعون کو۔

افسوس کہ صاحب اسد الغابہ نے اسکو تو لکھا ہے کہ بُسر آخر میں مجنون ہو گیا تھا مگر اس کو نہ لکھا کہ یہ اثر بد دعائے جناب امیرؑ تھا نہ معلوم اس میں کیا مصلحت تھی۔

بہر حال بسر بن ارطاة بھی قریش سے اور لوی بن غالب بن فہر کے اولاد سے تھا استیعاب میں ہے کہ خلیفہ دوم نے اسکو بھی مدد عمرو عاص کے لیئے مصر روانہ کیا تھا (یہی اسکی ابتدائی تاریخ ہے) دو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کرتا ہے مصنف استیعاب لکھتے ہیں " یہ اسلام میں بہت سے امور عظیم کا مرتکب ہوا جس میں سے یہ بھی ہے کہ عبید اللہ بن عباس کے دونوں فرزند صغیر کو اُن کے ماں کے سامنے ذبح کیا دارقطنی کہتے ہیں بعد رسولؐ اس میں استقامت نہیں ہی لما وجہ معاویہ بسر بن ارطاة لقتل شیعة علی رضی اللہ عنہ اس کو معاویہ نے اس غرض سے۔ مکہ

مدینہ۔ یمن کی طرف روانہ کیا کہ وہاں جاکر شیعیان جناب امیرؑ کو قتل کرے۔

اغار بسر بن ارطاۃ علی ھمدان وقتل وسبی نساءھم فکن اول مسلمات سبیین فی الاسلام وقتل حیاء من بنی سعد۔

یعنی بسر بن ارطاۃ نے قبیلہ ہمدان کو غارت کیا اور لوگوں کو قتل کیا اور عورتوں کو قید کیا یہ پہلا واقعہ ہے کہ مسلمان عورتیں قیدی بنائی گئیں۔ اسلام میں یہ پہلی عورتیں ہیں جو قید کی گئیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بنی حنیفہ کی عورتیں جو جنگ یمامہ میں قید ہوئیں زمانۂ ابوبکر میں انکو یہ لوگ مسلمان نہیں مانتے تھے ورنہ پہلا قید تو انھیں عورتوں کا ہوا تھا) اور چند قبیلوں کو بنی سعد سے قتل کیا حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ وہ ڈر سے پناہ مانگتے تھے ایک اس ڈر سے کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں۔ دوسرے اس روز سے کہ مسلمان عورتیں قید کی جائیں۔ بعد قتل عثمان معاویہ نے بُسر بن ارطاۃ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو مسلمان عورتیں قید کرکے لائی گئیں اور بازار میں انکی قیمت لگائی گئی۔ بسر کو معاویہ نے جب روانہ کیا تو وہ شام سے مدینہ آیا وہاں ابوایوب انصاری جناب امیرؑ کے عامل تھے بھاگ کر خدمت جناب امیرؑ میں حاضر ہوئے اور بسر منبر رسولؐ پر گیا اور کہا ہمارا وہ شیخ کہاں ہے جس کو کل ہم چھوڑ گئے تھے مقصود اس سے عثمان تھے اس کے بعد اہل مدینہ سے خطاب کرکے کہا اگر معاویہ سے ہم عہد کرکے نہ آئے ہوتے تو اس مدینہ میں کسی کو زندہ نہ چھوڑتے مگر سب کو قتل کر ڈالتے اسکے بعد حکم دیا کہ سب معاویہ کی بیعت کریں اُسکے بعد بنی سلمہ کو بلا بھیجا اور کہا جب تک جابر بن عبداللہ انصاری کو حاضر نہ کرو گے تم کو امان نہ ملے گی۔ حضرت جابرؓ۔ ام سلمہ زوجۂ نبی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حالات بیان کئے اور کہا یا تو بیعت ضلالت ہم اختیار کریں یا قتل کئے جائیں حضرت ام سلمہ نے کہا جا کر بیعت کرو تب جابر بُسر کے پاس آئے اور بیعت کی اس کے بعد بُسر نے بہت سے مکانات مدینہ گروا دیے وہاں سے مکہ کا قصد کیا۔ ابوموسیٰ اشعری وہاں کا حاکم تھا یہ خبر سُنکر وہ بھاگ گیا تو بُسر نے کہا وہ ناحق بھاگا ہم اسکو قتل نہ کرتے کیونکہ اس نے تو جناب امیرؑ کو خلافت سے خلع کیا تھا اسکے بعد یمن گیا اور وہاں نائب عبیداللہ بن عباس عبداللہ بن عبدالمدان حارثی کو اور اسکے بیٹے کو قتل کیا اور حضرت عبیداللہ کے دونوں کمسن فرزندوں کو ذبح کیا تب جاکر شام لوٹ آیا۔

بُسر کو معاویہ نے صفین کی لڑائی میں حکم دیا تھا کہ جاکر جناب امیرؑ سے مقابلہ کرے کیونکہ اگر حضرتؑ کو قتل کرے گا تو پھر دنیا و آخرت دونوں کا کام بن جائے گا۔ آخر وہ مقابلہ کے لئے نکلا اور جناب امیرؑ نے اسکو زمین پر گرا دیا تو اسکے ساتھ بھی وہی پیش آیا جو عمر بن العاص کے ساتھ پیش آیا تھا جس پر یہ اشعار اُسی زمانہ میں تصنیف ہوئے۔

وفی کل یوم فارس لیس ینتھی	وعورتہ وسط العجاجۃ بادیہ
ہر روز نیا سوار آتا ہے جس کی انتہا نہیں ہوتی	حالانکہ شرمگاہ اُس کی سر راہ کھلنے والی ہے
یکف لھا عنہ علی سنانہ	ویضحک منھا فی الخلاء معاویہ
باز رکھتے ہیں بسبب اسکی شرمگاہ کے علی اپنے نیزہ کو	اور ہنستا ہے اُس پر تنہائی میں معاویہ
بدت امس من عمر فقنع راسہ	وعورۃ بسر مثلھا حذو حاذیہ

کل عمرو عاص کی شرمگاہ کھلی کہ حضرت نے منہ چھپالیا — اُسی طرح بسر کی شرمگاہ کھلی برابر برابر

فقولا لعمرو وابن ارطاة انظرا — سبیلکما لا تلقیا اللیث ثانیا

پس کہو عمرو عاص اور بسر بن ارطاۃ سے کہ دیکھو — اپنی راہ کہیں پھر شیر سے دوبارہ سامنا نہ ہو

ولا تحمد الا الحیا وخصاکما — هما کانتا واللہ للنفس واقیا

اور نہ شکر گذار ہو مگر اپنی شرمگاہ اور خصیوں کا — کہ یہی دونوں بخدا جان کے بچانے والے ہیں

فلولا هما لم ینجو من سنانه — وتلک بما فیها عن العود ناهیا

پس اگر وہ دونوں نہ ہوتے تو ہرگز حضرت کے نیزہ سے نہ بچتے — اور یہ بات بسبب اُس عار کے دوبارہ مقابلہ سے مانع ہو

متی تلقیا الخیل المغیرة صبحة — وفیها علی فاترکا الخیل ناحیا

جب کسی لشکر غارت وار کو دیکھو — کہ اس میں علیؑ ہوں تو لشکر سے نکل بھاگو

وکونا بعیدا حیث لا یلتقی القنا — نحور کما ان التجارب کافیا

اور دور کھڑے ہو کہ نیزہ نہ پہونچ سکے — تم لوگوں کے گلے تک کیونکہ تجربہ کافی ہو چکا ہے

واضح رہے کہ یہ طریقہ کشف عورتین کا جو عمرو عاص نے اور بسر بن ارطاۃ نے کہ دونوں مشہور صحابی ہیں اختیار کیا۔ اس میں ان دونوں نے شاگردی کی ہے طلحہ کافر کی کیونکہ جنگ اُحد میں جو ۳ھ ہجری میں روبرو حضرت رسولؐ کے ہوئی جناب امیرؑ نے علمدار لشکر کفار پر کہ نام اُس کا طلحہ بن ابی طلحہ تھا حملہ کیا تو اُس کی عورتیں بھی کھل گئیں یعنی بے ستر ہو گیا تو جناب امیرؑ نے اُسکو چھوڑ دیا جیسا کہ شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:۔

اسکے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو علمدار لشکر قریش تھا باہر آیا اور دعوت مبارزت دی میدان جنگ کے سورما اور لڑائی کے شیر علی مرتضیٰ میدان میں آئے اور اُسکے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر شگافتہ ہو گیا اور وہ بھاگ کر اپنی صف میں آ گیا علیؑ کے ساتھیوں نے علیؑ سے کہا آپ نے طلحہ کا کام کیوں نہیں تمام کر ڈالا آپ نے جواب دیا کہ جب طلحہ زخم کھا کر نیچے گرا اسکی شرمگاہ کھل گئی اس نے مجھے قسم دی کہ میں اسکی جان بخشی کر دوں مجھے شرم معلوم ہوئی کہ پھر اس پر حملہ کروں مجھے یقین تھا کہ طلحہ عنقریب مر جائے گا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۴۶ تاریخ کامل ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۵۷) پس یہ حرکت عمرو عاص اور بسر بن ارطاۃ کی باقتدا اُسی کافر کے تھی مگر فرق یہ ہے کہ اُس سے بے اختیاری میں یہ فعل سرزد ہوا اور ان دونوں نے قصداً یہ حرکت کی۔

علامہ ابن اثیر اسکے بعد لکھتے ہیں:۔

جناب امیرؑ نے جو ان دونوں کے کشف عورت پر منہ پھیر لیا تو اس وجہ سے کہ حضرت کا عمل باغیوں کے باب میں یہ تھا کہ نہ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے اور نہ زخمی پر حملہ کیا جائے اور نہ قیدی قتل کیا جائے حضرت کے جتنے حروب ہیں اسلام میں سب میں آپ کی یہی سیرت رہی اور یہی مذہب علمائے امصار کا ہے حجاز و عراق میں مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں باغی اگر بھاگ کر فئۃ مسلمین میں جائے تو اسکا تعاقب کیا جائے اور اگر کسی گروہ میں جائے

تو اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ (تاریخ کامل جلد دوم ص۶۷)

علامۂ ابن حجر لکھتے ہیں:-

یعنی معاویہ نے اُسکو اوائل سنہ ۴۰ھ میں حجاز و یمن کی طرف اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہاں جاکر دیکھے جو شخص اطاعت جناب امیرؑ میں ہو اُسکو قتل کرے اسکی موت بقولے ۸۶ھ میں ہے۔ (اصابہ جلد ۱ ص۱۵۳)

اب کہاں ہیں مولوی عبدالشکور مترجم اسد الغابہ جو اس عبارت کو دیکھیں اور پھر اپنے تحریف پر نظر کریں کہ آیا معاویہ نے قاتلان عثمان کے قتل کو بھیجا تھا یا صرف ان لوگوں کے قتل کو جو اطاعت جناب امیرؑ میں تھے کیونکہ اگر قتل قاتلان عثمان منظور تھا تو حضرت جابرؓ کے ساتھ کیوں وہ سلوک کیا گیا کیا وہ بھی قاتلان عثمان سے تھے۔ بہرحال حضرات اہلسنّت کو ایسے ایسے صحابہ پر جہاں تک ناز ہو سکتا ہے ناز کریں جو ظلم میں سب سے آگے اور جب شر سے مقابلہ ہو جائے تو .... عریاں کردیں۔

نصائح کافیہ میں ہے کہ معاویہ نے قصۂ حکمین کے بعد ہی جناب امیرؑ کے زندگی میں بسر بن ارطاۃ کو ایک لشکر کے ساتھ غارت گری کے لیئے بھیجا اور ضحاک بن قیس فہری کو دوسرے لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا اور قبیلہ غامد سے ایک ایک شخص کو تیسرے لشکر کا سردار بنایا وامرھوان یسیروا فی البلاد فیقتلوا کل من وجدہ من شیعہ علی بن ابی طالبؑ واصحابہ حکم دیا کہ تمام شہروں میں جائیں اور جہاں جہاں شیعہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام پائیں اُن سب کو قتل کریں اور جو طرز عمل اُن کا ہو سب میں فساد کریں اور حضرتؑ کے اصحاب کو قتل کریں ولا تبقوا بایدیھم من النساء والصبیان نہ عورتوں کو چھوڑیں نہ بچوں کو، بسر بن ارطاۃ یہاں سے روانہ ہو کر مدینہ پہونچا اور بہت سے اصحاب جناب امیرؑ کو قتل کیا وھدم بھا دورا اور بہت سے لوگوں کے مکانوں کو گرادیا اور وہاں سے مکہ کیطرف گیا اور خاندان آل مطلب سے لوگوں کو قتل کیا پھر سراۃ گیا اور وہاں بھی جس کو اصحاب جناب امیرؑ سے پایا قتل کیا پھر نجران آیا اور عبداللہ بن عبدالمدان حارثی اور اسکے بیٹے کو قتل کیا جو عبیداللہ بن عباس کے سسرالی رشتہ دار تھے اور جناب امیرؑ کی طرف سے عامل تھے پھر یمن آیا وہاں عبیداللہ بن عباس عامل جناب امیرؑ تھے اُن کو نہ پایا ووجد ابنین لہ صبیین فاخذھما بسر لعنہ اللہ وذبحھما بیدہ بمدایۃ کانت معہ اُنکے دو کمسن بچے مل گئے اُنکو بسر نے پکڑ کر اپنے ہاتھ سے چھری سے ذبح کیا اسکے بعد معاویہ کی طرف لوٹ گیا۔

معاویہ کے اور لشکروں نے بھی اسی قسم کی کارروائی کی چنانچہ غامدی نے انبار کے طرف رُخ کیا اور وہاں ابن حسان بکری کو قتل کیا وقتل رجالاً کثیرین ونساء من الشیعہ (ص۱۳) یعنی بہت سے مردوں اور عورتوں کو قوم شیعہ سے قتل کیا اسکے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ غارت گری اور یہ سب خونریزی اس غرض سے ہوئی کہ خون عثمان کا قصاص لیا جائے کیا عورتیں اور بچے بھی اس میں شریک تھے جن کو اہلسنّت کے مقدس صحابیوں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

بسر بن راعی العیر کا سنہ وفات نہیں لکھا ہے مگر یہ بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے حضرتؐ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے کھاؤ اُس نے کہا اُس ہاتھ سے نہیں کھا سکتے تو حضرتؐ نے ناخوش ہو کر اُس سے کہا اب

نہ کھا سکے گا۔ چنانچہ پھر اُس کا دایاں ہاتھ اُسکے منھ تک نہ اُٹھتا تھا (صفحہ ۱۲۵ اسد الغابہ)

ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت کو ناز ہے کہ وہ رسُول کے فرمانبردار اور مطیع تھے حالانکہ کیسے کیسے سرکش اُن میں ہیں اس روایت کو صحیح مسلم میں لکھا ہے مگر نام غائب کر دیا اور دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ بسبب کبر سنی کے اُس نے کہا جس کے معنی یہ ہوئے کہ رسُول نے ناحق بد دعا دی۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ وہ منافق تھا مگر امام نووی اس کو رد کرتے ہیں کہ لوگوں نے اُس کو صحابہ میں لکھا ہے مگر ابن حجر اُس کو بھی رد کرتے ہیں (اصابہ صفحہ ۱۵۳ ج اول)

بشر بن حنظلہ جعفی

کا بیان ہے کہ ہم وائل بن حجر حضرمی کے ساتھ جا رہے تھے کہ اُن کے دشمنوں نے آکے گھیرا اور پوچھا کہ ان میں وائل ہے کہا نہیں انھوں نے پہچان کر کہا یہ وائل ہیں تو ہم لوگوں نے قسم کھائی یہ ہمارے بھائی ہیں ہمارے ماں باپ کے بیٹے ہیں (صفحہ ۲۵۵)

کیا اب بھی کوئی سنّی تقیہ پر اعتراض کرے گا جبکہ ان کے صحابہ کا اس پر عمل تھا اور حضرتؐ نے اُنکی تائید فرمائی۔

بسر بن عاصم بن سفیان ثقفی

یہ حضرت عمر کی طرف سے قبیلہ ہوازن کے صدقات وصول کرنے پر مامور تھے عمر نے جب اُنکو مقرر کیا تو یہ نہ گئے عمر نے کہا تم جانتے ہو میری بات کا ماننا اور سننا تم پر فرض ہے کیوں نہیں گئے اُنھوں نے کہا یہ تو ہمکو معلوم ہے مگر میں نے رسولِ خدا سے سُنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام پر مامور کیا جائے گا وہ قیامت کے دن جہنم کے پُل پر لا کر کھڑا کیا جائیگا اگر اچھا کام کیا ہے تو نجات پائیگا اور بُرا کام کیا ہے تو وہ پُل پھٹ جائے گا اور وہ جہنم میں بقدر ستر برس کی مسافت کے گہرائی کے گر جائے گا عمر وہاں سے بہت غمگین اور محزون اُٹھے راہ میں حضرت ابوذر سے ملاقات ہوئی تو عمر نے اس حدیث کو بیان کیا اُنھوں نے کہا ہم نے بھی رسولؐ خدا سے یہ حدیث سُنی ہے اور انھوں نے زہری کے بعد وفات پائی اور زہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ (صفحہ ۲۵۵ اسد الغابہ۔ اصابہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

افسوس کہ ایسا صحابی ۱۲۴ھ تک زندہ رہے اور امام حسینؑ کی مدد نہ کرے انھوں نے جو اس حدیث کو بیان کیا تو غالباً عمر کے تنبیہ کے لئے مگر دماں نشہ حکومت چڑھا ہوا تھا اسکی کب شنوائی تھی۔

بشر غنوی

اُنھوں نے سلمہ بن عبد الملک سے بیان کیا کہ حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ قسطنطنیہ کو فتح کرلوگے اُس وقت مسلمانوں کا سردار بہت عمدہ شخص ہوگا اور وہ لشکر بھی بہت عمدہ لشکر ہوگا تب اُس نے قسطنطنیہ کا جہاد کیا (صفحہ ۲۶)

اس روایت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ محض خوشامد میں سلمہ بن عبد الملک کے یہ حدیث وضع کی گئی ہے ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرتؐ ایسی حدیث فرمائیں جبکہ مروان کے آخری نسب تک حضرتؐ لعنت کر چکے ہیں جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

استاذن الحکم بن ابی العاص علی رسول اللّٰہ صلعم ائذنوا لہم لعنۃ اللّٰہ ومن خرج من صلبہ الا المومنین وقلیل ما ھم یشرفون فی الدنیا و یتضعون فی الاخرۃ۔ (صفحہ ۳۴۳)

یعنی حکم بن ابی العاص نے حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو آپ نے فرمایا اُسکو اجازت دو خدا اُس پر لعنت کرے اور جو اسکے صلب سے پیدا ہو بہ استثناء مومنین کے جو بہت کم ہیں دنیا میں تو عزت پائینگے اور آخرت میں ذلیل ہونگے۔

بشر بن عقربہ جہنی
اصابہ میں ہے کہ اس نے ۸۵ھ کے بعد وفات پائی۔ (ص ۱۵۹) مگر نصرت امام حسین ع سے یہ بھی دست کش رہا عبد الملک کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت ص نے فرمایا ہے جو شخص بغرض ریا وسمعہ خطبہ کہے تو خدا اسکو داخل جہنم کرے گا۔

بشیر بن حارث انصاری
کا بیان ہے کہ حضرت ص نے فرمایا جب تم قرآن کے کسی حرف میں اختلاف کرو کہ ے ہے یا تے تو اُسکو یے کے ساتھ لکھ دو۔ (ص ۲۶۵ اسد الغابہ)

کیا اچھی تعلیم ہے اور کیا خوب قرآن کی تعظیم ہے اس پر اہلسنت کو قرآن دانی کا دعوی ہے خدا رحم کرے۔

بشیر بن خصاصیہ
بصرہ کے رہنے والے ہیں حضرت نے اُن سے شہادتین حج وزکوٰۃ جہاد کی فرمائش کی تو کہا ہمارے پاس دس اونٹ کل ہیں پھر زکوٰۃ کیونکر دیں جہاد کے بارے میں سنا ہے کہ جو بھاگ جاتا ہے خدا اُس پر عذاب کرتا ہے لہذا مجھکو خوف ہے کہ موت کے خوف سے بھاگ جاؤں تو حضرت ص نے اُن کے ہاتھ کو زور سے حرکت دی اور فرمایا نہ صدقہ دو گے نہ جہاد کرو گے پھر داخل جنت کیونکر ہو گے۔ (ص ۲۲۶)

بشیر بن ابی زید
نام ان کا ثابت بن زید ہے ابو زید اُن چھ آدمیوں میں تھے جنھوں نے رسول اللہ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا جنگ حرہ میں مارے گئے مگر افسوس کہ ان کو بھی شریک جمع قرآن نہیں کیا نہ اور لوگوں کو جو جامع قرآن تھے نصرت امام حسین ع سے یہ بھی دستکش رہے۔ (ص ۲۶۵)

بشیر بن سعد بن ثعلبہ
بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر صدیق سے انصار میں سب سے پہلے انھیں نے بیعت کی (ص ۱۶۸)

بشیر عدوی
ان کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس نے ان سے کہا فلاں فلاں حدیث پھر پڑھو جب وہ پڑھ چکے تو ابن عباس نے فرمایا ہم رسول خدا سے حدیثیں روایت کرتے تھے جب آپ پر جھوٹ نہ جوڑا جاتا تھا مگر جب لوگوں نے ہر قسم کی حدیثیں بنانا شروع کیں تو ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا۔ (ص ۲۷۵ اسد الغابہ)

اب تو صحابہ کرام کے دروغ گوئی اور افترا بر رسول میں کسی کو شبہ نہ ہو گا کہ خود حضرت ابن عباس کا بیان ہے۔

بشیر بن ربیعہ جہمی
سعد بن ابی وقاص نے مال خراج تقسیم کیا تو اس میں کچھ بچ رہا عمر کو لکھا کیا کریں تو انھوں نے لکھا حاملان قرآن پر تقسیم کر دو عمرو بن معدیکرب اُس میں سے حصہ لینے آیا تو سعد نے پوچھا قرآن کس قدر یاد ہے اُس نے کہا ہم تو جہاد میں مشغول تھے لہذا قرآن کچھ نہ یاد کیا تب بشیر خثعمی آیا اُس سے پوچھا گیا تو کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کو بھی کچھ نہ دیا۔ اور عمر کو لکھا گیا وہاں سے حکم آیا بسبب تلاوت بسم اللہ الرحمن الرحیم دو دو ہزار ان دونوں کو دے دو۔

دوسرے سال پھر اُسی طرح کچھ مال بچا تو عمر کو لکھا گیا کہ پہلے تو سات قاری قرآن تھے اب ستر ہو گئے عمر نے لکھا وہ روپیہ اُن لوگوں کو دو جو جہاد میں زیادہ محنت کرتے ہیں۔ (ص ۱۷۳ اصابہ)

اس روایت سے جہاں سے قدر وعافیت صحابہ کی معلوم ہوئی کہ بجز بسم اللہ انکو کچھ بھی یاد نہ تھا اور اُس پر مقدس

صحابی رسولؐ کہے جاتے ہیں وہاں مال کی قدر و منزلت بھی معلوم ہوئی کہ اس سال سات تھے تو انعام پائے پردہ سترہ ہوگئے پھر عمر صاحب کی محبت قرآن کو دیکھئے کہ جب تعداد اُن کی بڑھ گئی تو انعام موقوف کردیا گیا اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسے صحابہ کی روایت یا بیان کوئی وقعت رکھتا ہے اور عمر صاحب کو کس درجہ قرآن کی محبت تھی۔

اللہ اللہ کیا یہ صحابی نماز بھی نہ پڑھتے تھے جو کسی کو سورہ الحمد اور قل ھو اللہ احد یاد نہ ہوتا جو صرف ایک آیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لا کو سنایا۔

کیا ہزاروں صحابہ میں جو مصروف جنگ و پیکار تھے یہی سات صحابی تھے جو مستحق انعام قرار پائے کیونکہ اس کی تو شرط نہ تھی کہ پورا قرآن یاد ہو ایک سورہ پر بھی انعام کے مستحق ہوسکتے تھے مگر افسوس کہ سات ہی آدمی ایسے نکلے جو اتنے بڑے جم غفیر میں قرآن کے پڑھنے والے تھے اسکے ساتھ انھیں صحابہ کے اجماع و تواتر سے قرآن کی ترتیب ہوئی۔

بشیر بن معاذ اسدی کہتے ہیں کہ ہم دس برس کے تھے کہ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے حضرتؐ کو دیکھا کہ جناب جبرئیل کی طرف نظر کرتے ہیں جو مثل ظل ابر تھے وہ حرکت کرتا تو آپ رکوع کرتے۔ ایک سو ساٹھ برس کے سن میں وفات پائی۔ (اصابہ ص۱۶۰)

مگر نصرت امام حسین علیہ السلام سے دستکش رہے۔

بشیر بن ابی زید انصاری یہ بھی صحابی ہیں جن کے باپ نے عہد رسولؐ میں قرآن جمع کیا جنگ حرہ میں ۶۳ھ میں قتل ہوئے۔ (اصابہ ص۱۶۳)

مگر نصرت امام حسین ع سے محروم رہے۔

بشیر بن نعمان یہ بھی جنگ حرہ میں مارے گئے۔ (اصابہ ص۱۶۵)

مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے۔

تمیم بن جراشہ ثقفی یہ اُن لوگوں سے ہیں جو وفد بنکر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ سے ایک تحریر چاہی جس میں چند باتوں کی اجازت ہو حضرتؐ نے کہا لکھوالا وہ جناب امیرؑ سے لکھوانے گئے اس میں سُود اور زنا کی اجازت مانگی حضرتؑ نے انکار کردیا تب وہ خالد بن سعید بن عاص (صحابی) کے پاس لکھوانے کے لیے گئے جناب امیرؑ نے فرمایا کہ دیکھو یہ لوگ ان چیزوں کو لکھوانا چاہتے ہیں خالد نے کہا ہم کو کیا جو یہ کہیں گے وہ ہم لکھ دینگے جب حضرتؐ کے پاس یہ تحریر پیش ہوئی آپؐ نے ربا اور زنا کے متعلق آیتیں پڑھ کر کٹوادیا۔ (ص۲۲ ج۲ اسد الغابہ)

اس سے جہاں ان تازہ مسلمانوں کا حال معلوم ہوا وہاں قدیم صحابیوں کا بھی حال معلوم ہوا کہ انھوں نے بے تامل لکھ دیا اور یہ نہ سمجھے کہ ان جاہلوں کو پہلے ہی سمجھا دینا چاہیے کہ حضرتؐ کو دوبارہ زحمت نہ کرنی پڑے۔

تبیع حمیری ۱۰۱ھ میں ان کی وفات ہے۔

مگر نصرت امام ع نہ کی۔ (اصابہ ص۱۹۵ ج۱)

تمیم بن معتل ایک سو بیس برس تک زندہ رہے۔
مگر نصرت امامؑ نہ کی۔ (ص۱۹۵ اصابہ)

ثور بن ثلدہ یہ وہی شخص ہے جس نے معاویہ سے کہا تھا
امیہ بن عبد الشمس ادرکتہ وقد عمی یقودہ عبدہ ذکوان فقال معاویہ
انما ھو ابنہ قال ھذا شیی قلتموہ انتم۔ (ص۱۱۵ اصابہ)

یعنی معاویہ نے پوچھا تم نے ہمارے اجداد سے کسی کو دیکھا ہے کہا امیہ بن عبد الشمس کو جو اندھا ہو گیا تھا اور غلام اُسکا ذکوان لیئے پھرتا تھا تو معاویہ نے کہا وہ اس کا بیٹا تھا ثور نے کہا یہ قول تم لوگوں کا ہے۔

یہ ۱۲۰ھ میں مرا مگر نصرت امامؑ نہ کیا۔ اس روایت سے حال دیانت معاویہ بھی معلوم ہوا کیونکہ خود صحابہ اسکو کاذب کہتے ہیں۔

تمیم بن زید بن عبد اللہ بن زید انصاری کی روایت ہے کہ میں نے رسول خدا کو دیکھا کہ آپنے وضو فرمایا ہے اور آپنے دونوں پیروں پر پانی پھیر لیا۔ (ص۱۲۴ اسد الغابہ جلد۲)

اس پر اڈیٹر النجم حاشیہ دیتے ہیں "اصل لفظ عربی کا یہ ہے مسح الماء علی رجلیہ ہمارے زمانہ کے بعض دھوکہ دینے والے لوگوں نے اپنے رسالہ الوضو میں اس قسم کے الفاظ بعض حدیثوں سے نقل کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ اہلسنت کے یہاں بھی وضو میں پیروں کا مسح آیا ہے"

(رسالہ وضو حضرت حجۃ الاسلام آقا مولانا السید علی اظہر طاب ثراہ کے تصنیفات سے ہے جس میں بہت سے روایتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ طریقہ رسول وضو میں یہی تھا جو حکم قرآن ہے کہ پیر پر مسح کرو مگر خلیفہ دوم نے اسکی ایجاد کی کہ بجائے مسح غسل کیا کرو پھران روایات بخاری کی بھی تنقید کی گئی جس سے وہ غسل قدمین کا حکم نکالتے ہیں اس رسالہ نے تمامی اہلسنت میں تہلکہ ڈال دیا اور ہزارہا اہلحدیث مسح رجلین پر عمل کرنے لگے۔)

اڈیٹر النجم سے چونکہ جواب اُس کا ممکن نہ تھا اس لیئے یہاں اس قدر لکھ دیا ملاحظہ ہو رسالہ وضو صفحہ ۹ جس میں تصریح ابن حجر عسقلانی اس روایت کے راوی امام بخاری۔ احمد بن حنبل۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن ابی عمر۔ بغوی۔ طبرانی۔ باوردی سب ہی ہیں جسکے آخر میں لکھا رجالہ ثقات کل رواۃ اسکے معتمد ہیں بلکہ ابوعمر نے جو ضعیف کہا تو اسکو رد بھی کیا۔

ثابت بن ضحاک جنگ حدیبیہ میں شریک تھے وفات اُنکی بقول بعض فتنۃ الزبیر میں ہوئی (ص۲۶) مگر معرکہ کربلا سے محروم ہی رہے۔

ثابت بن قیس جو جنگ یمامہ میں مارے گئے اُن کے بدن پر نہایت قیمتی زرہ تھی دوسرے صحابی کا جو گذر ہوا تو اس مردہ جسم سے وہ زرہ اتار لی ثابت نے خواب میں دکھایا کہ فلاں شخص نے ہماری زرہ اتار لی زرہ کے اوپر اُس نے ایک دیگ بند کر دی ہے اور دیگ پر کجاوہ رکھ دیا ہے خلیفہ سے کہہ کر اُس

زرہ کو لینا میرے پر اس قدر قرض ہے اور فلاں فلاں غلام میرا آزاد ہے ابو بکر نے اس وصیت کو قبول کیا (ص۲۲)
یہ خواب تھا اور صرف ایک شخص نے دیکھا تھا اسکی تو تصدیق کر لی گئی جس پر مصنف لکھتے ہیں نہیں معلوم ان کے سوا اور کسی کی وصیت بعد موت جائز رکھی گئی "مگر رسول اللہ کو نہ وصیت نامہ لکھنے دیا نہ دعویٰ ہبہ جناب سیدہ کو مانا جس پر جناب امیرؑ اور ام ایمن نے گواہی بھی دی تھی۔

دوسرا فائدہ اس روایت کا یہ بھی ہے کہ وہ بھی مقدس صحابی تھے جنھوں نے اس طرح زرہ چرائی اور اس ترکیب سے چھپائی تو محض صحابی ہونے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے جب تک ایمان نہ ہو۔

ثابت بن مخلد ضبی صحابی تھے جو جنگ حرہ میں مارے گئے۔ مگر کربلا میں نہ شریک ہوئے (ص۴۱)

ثعلبہ بن حاطب حضرتؐ کے دعا سے بڑے مالدار ہو گئے تھے مگر جب صدقہ دینے کا حکم ہوا تو انھوں نے انکار کیا اور حضرتؐ نے ان پر بددعا کی (ص۵۳)

جابر بن سمرہ سعد بن ابی وقاص کے بہن کے بیٹے ہیں کوفہ میں رہتے تھے وہیں گھر بنا لیا انھوں نے رسول اللہ سے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں ۶۶ھ میں بعہد مختار وفات کی۔ (ص۵۷)
مگر کوفہ سے نکل کر جناب امام حسینؑ کے نصرت کو نہ گئے۔

جابر بن عبداللہ انصاری رسول اللہ کے ساتھ ستر۱۷ غزوہ میں شریک ہوئے صفین میں جناب امیرؑ کے ساتھ تھے آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے ۷۸ھ میں وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ۹۴ سال کی تھی۔ (ص۵۸)

اڈیٹر النجم نے ان پر بھی اعتراض کیا ہے کہ شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے مگر شاید یہی سبب ہو کہ وہ آخر میں نابینا ہو چکے تھے ورنہ بڑے بزرگ صحابی تھے زیارت اربعین سب سے پہلے انھیں نے پڑھی ہے جب مدینے سے اسی غرض سے کربلا آئے تھے ان کے فضائل و مناقب سے کتب رجال فریقین مملو ہے جناب امام محمد باقرؑ کے زمانہ تک آپ زندہ رہے اور رسول اللہ کا سلام حضرت کو پہونچایا اصابہ میں ہے کہ انکا بھی ایک حلقۂ درس تھا مسجد رسولؐ میں۔

جابر بن عتیک ۹۱ برس کے سن میں وفات پائی ۶۱ھ۔ (ص۶۱)
واقعہ کربلا کے ایک برس بعد مگر شریک جہاد نہ ہوئے۔

جابر بن سمرہ ان کا بیان ہے کہ دو ہزار مرتبہ سے زیادہ انھوں نے حضرت کیساتھ نماز پڑھی کوفہ میں رہتے تھے مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی ۷۴ھ میں وفات ہے (ص۲۲۱ ج۱)

جاجل ابو مسلم الصدقی اس حدیث کے راوی ہیں:۔ انّ
انّ احصاھم لھذا القرآن من امتہ منافقوھم (۲۵ ۱ اصابہ جلد اول)
یعنی اس قرآن کے بہارے امت سے سب سے زیادہ حافظ وہ لوگ ہیں جو منافق ہیں۔

اہل سنت کو مبارک باد کیونکہ کثرت حفاظ پر وہی فخر کرتے ہیں۔

جد بن قیس منافق تھا جو بیعت الرضوان سے دست کش رہا حسب بیان حضرت ابن عباس ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی اسی کے بارے میں نازل ہوا۔ (ص۲۳۹ اصابہ)

جرحد بن خویلد یہ اصحاب صُفّہ سے تھے گھر بھی مدینہ میں تھا آخر خلافت یزید میں انکی وفات ہے۔ (ص۲۴۲ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

جعد بن قیس مرادی سو برس کا ہو کر مرا۔ (ص۲۴۶ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم رہا۔

جندب بن عبداللہ بن سفیان یہ زمانہ مصعب بن زبیر تک زندہ رہا۔ (ص۲۶۰ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم ہی رہا۔

جندب بن کعب نے ایک ساحر کو اسوجہ سے قتل کیا کہ وہ یہ تماشا دکھاتا کسی کی گردن ماردیتا پھر آواز دیکر اس کو زندہ کر دیتا اُس نے یہ کہہ کر تلوار کا ہاتھ مارا کہ اگر تجھ میں قدرت ہے تو زندہ ہو جا۔

یہ واقعہ ولید بن عقبہ کے سامنے کا ہوا جو عثمان کی طرف سے والی کوفہ تھا اسنے جندب کو قید کیا جب عثمان تک یہ مرافعہ گیا تو کہا اگر رسول سے ہم تیرے بارے میں نہ سنے ہوتے تو دینے کے سب سے عمدہ تلوار سے تجھے قتل کر ڈالتے اسکے بعد حکم دیا کہ جبل دخاں کی طرف جلاوطن ہو جا۔ (ص۲۶۱ اصابہ)

یہ ہے ایمان حضرت عثمان کہ بحمایت اپنے بھائی ولید کے ایک مہاجر کو قتل کیا چاہتے ہیں کہ کیوں اس نے ساحر کو قتل کیا۔

جراد بن طہیہ کا بیٹا شبیب جناب امام حسینؑ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوا۔ (ص۲۷۲)

جبیر بن حارث اعرابی ۷۰ھ تک زندہ رہا۔ (ص۲۷۹ اصابہ)

جعفر بن نسطور رومی بھی ۳۲۰ برس زندہ رہا۔ (ص۲۸۱)

جبیر بن عبداللہ قبطی ان کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی۔ (ص۹۳)

جبیر بن عینک مگر شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے حالانکہ حضرت مادیہ ہوہی لے کر مقوقش کے یہاں سے آئے تھے۔ (ص۲۳۲ اصابہ) ۶۱ھ تاریخ وفات ہے ص۹۲ مگر اصابہ میں ۷۱ھ ہے۔

جرثوم بن ناسب بیعت حدیبیہ میں شریک تھے ۷۵ھ میں بعہد عبدالملک وفات پائی۔ مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔

جنادہ بن ابی امیہ ۸۰ھ میں بمقام شام وفات پائی۔ مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔ (ص۱۳۷)

جندب بن عبداللہ بن سفیان بجلی علقی کنیت ان کی ابو عبداللہ ہے کوفہ میں رہتے تھے پھر بصرہ چلے ... [illegible]

وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۴۷)

مصعب بن زبیر کا واقعہ ۶۷ھ و ۶۵ کا ہے انکی شرکت کی مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ کوفہ میں رہتے تھے۔

جندع انصاری اوسی

بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا سے سنا فرماتے تھے کہ جو شخص عمداً میرے اوپر جھوٹ بولے اُسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے اور میں نے آں حضرتؐ سے سنا ہے اگر نہ سنا ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں آپ حجۃ الوداع سے پلٹے اور غدیر خم میں پہونچے تو آپ لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھنے کھڑے ہو گئے اور آپ نے علی مرتضیٰؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا من کنت ولیہ فھذا ولیہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ عبید اللہ راوی کہتے تھے میں نے زہری سے کہا کہ یہ حدیث تم ملک شام میں نہ بیان کرو تم خود اپنے کانوں سے سب علی سن رہے ہو زہری نے کہا بس اسی حدیث پر تم کو ایسا خیال آیا۔ خدا کی قسم میرے پاس علیؑ کے فضائل اس قدر ہیں کہ اگر میں انھیں بیان کروں تو قتل کر دیا جاؤں۔ (صفحہ ۱۵۳ اسد الغابہ جلد ۲)

اس بیان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ زمانہ کیسا پُر آشوب تھا پھر بھی وہ خیر القرون کہا جاتا ہے پھر بتلائیے جب امام زہری اس خوف سے فضائل جناب امیرؑ نہ بیان کر سکتے تھے کہ قتل کیے جائیں گے تو اور کسی تابعی یا صحابی کا کیا حال ہو گا کیونکہ امام زہری خلفائے بنی اُمیّہ میں بہت مقرب تھے۔ اُن کے سامنے جناب امیرؑ کو گالیاں دی جاتی تھیں اور اُنھیں کچھ بھی اسلامی جوش نہ آتا تھا اگر یہ حدیث محض فضائل کے متعلق ہوتی تو کیوں اس قدر خوف ہوتا لھذا معلوم ہوا کہ یہ نص ہے خلافت پر۔

جنادہ بن اُمیّہ

اس حدیث کے راوی ہیں کہ جو شخص امامت جماعت کرے اُس حال میں کہ لوگ اُس کے جماعت سے کراہت کرتے ہوں تو اسکی نماز ترقوہ سے آگے نہیں بڑھتی اُنھوں نے شام میں اقامت کی ۶۷ھ میں وفات ہے۔ (اصابہ صفحہ ۲۵۷ ج ۱)

مگر افسوس نہ نصرت امامؑ کی اور نہ جب اہلبیتؑ داخل شام ہوئے تو کوئی خدمت انجام دی۔

جبیر بن حبّہ

یہ حضرت عمر کے لشکروں کے سردار رہے ہیں زمانہ عبد الملک میں ان کی وفات ہے، عراق میں کاتب دیوان تھے پھر زیاد نے انکو حاکم اصفہان بنایا۔ (صفحہ ۲۳۵ اصابہ)

مگر معرکہ کربلا میں اُنھوں نے شرکت نہ کی نہ کسی طرح امامؑ کی نصرت کی۔

حارث بن بدل سعدی

کا بیان ہے کہ میں نبیؐ کے ہمراہ شریک تھا جب آپ کے اصحاب کے قدم ہٹ گئے سوا عباس بن عبد المطلب اور ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب کے (صفحہ ۱۶۸)

اہلسنت غور کریں کہ آپ کے خلفائے ثلاثہ کیسے بہادر تھے کہ رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے، اور بجز جناب امیرؑ و حضرت عباس و ابو سفیان بن حارث کوئی نہ رہا کیونکہ انکی روایات سب اس پر متفق ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام موجود تھے۔

حارث بن عمرو ہذلی

سنہ ۷۰ھ میں انتقال کہتے ہیں۔ (صفحہ ۱۹۵ اسد الغابہ)

مگر نصرت امامؑ سے دست بردار رہتے ہیں۔

حارث بن عمرو انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے مجھے ایک شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے شادی کرلی تھی مجھے حکم دیا کہ میں اسکی گردن ماردوں۔ (ص۱۹۸)

مگر امام ابوحنیفہ ایسے شخص پر حد زنا بھی نہیں جاری کرتے خدا رحم کرے۔

حارث بن عمرو بن غزیہ مزنی کی وفات سنہ ہ میں ہوئی۔ (ص۱۹۹)

مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔

حارث ابن عوف ابو واقد لیثی بڑے مقدس صحابی ہیں حنین میں حضرتؐ کے ساتھ تھے سنہ ۶۵ھ یا ۶۶ھ میں انکی وفات ہوئی (ص۲۰۱)

استیعاب میں سنہ وفات ۶۸ھ لکھا ہے اور یہ کہ مدینہ میں مقبرہ مہاجرین میں دفن ہوئے فتح مکہ میں یہ علمبردار تین قبیلہ کے تھے۔ بنی لیث۔ ضمیرہ۔ سعد بن بکر۔ (ص۲۰۲)

مگر اہلبیت رسولؐ سے آپ کو کسی قسم کا تعلق نہ تھا جو نصرت امامؑ کرتے۔

حارث بن مسلم تمیمی ان کے باپ کا بیان ہے کہ رسولؐ نے ہمکو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا ہم نے آگے بڑھ کر اُن لوگوں سے کہا لا الہ الا اللہ کہہ دو تو جان بچ جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا جب میرے ساتھی آئے تو انھوں نے میری ملامت کی تم نے ہمیں مال غنیمت سے محروم کردیا حالانکہ وہ ہمارے لئے ثابت ہوچکی تھی ہم جب وہاں سے لوٹے تو لوگوں نے رسول خدا سے شکایت کی حضرت نے ہمکو بلا کر تعریف کی اور فرمایا کہ انمیں ہر شخص کے عوض اسقدر تیرے لئے نیکیاں لکھی ہیں یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز تک زندہ رہے اُس نے ان کا وظیفہ مقرر کردیا۔ (ص۲۰۳)

یہ ہے ان صحابۂ کرام کا ایمان کہ لوگوں کے مسلمان ہونے سے اس وجہ سے ناراض ہوتے ہیں کہ مال غنیمت اب نہ ملیگا ہائے کیا اسی کا نام محبت اسلام ہے پھر اُنسے کب اس کی امید ہوسکتی ہے کہ امامؑ کی نصرت کریں۔

حارث بن منبہ انس بن حارث نے منبہ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا میرا فرزند سرزمین عراق میں شہید کیا جائے گا جو شخص اس وقت کو پائے اُس کی مدد کرے۔ چنانچہ انس بن حارث حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔ (ص۲۱۱)

مگر افسوس اور صحابہ کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ امامؑ کی مدد کریں۔

حارثہ بن نعمان کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل نے رسول اللہ سے کہا یہ اسی لوگوں میں سے ہیں رسول خدا نے پوچھا اسکے کیا معنی جبرئیل نے کہا اسی آدمیوں کے سوا اور سب لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جائینگے (ص۲۲۳)

کیا اس پر بھی اہلسنت اپنے کل صحابہ کے ایمان و اسلام کو ثابت کرسکتے ہیں۔

حبیب بن بدیل بن ورقا کہتے تھے کہ ایک روز حضرت علیؑ محل سے برآمد ہوئے تو چند سواروں نے

جو تلواریں لیے تھے آپ کا استقبال کیا اور کہا السلام علیک یا امیر المومنین السلام علیک یا مولانا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت ؑ نے پوچھا کہ یہاں اصحاب نبی سے کون کون لوگ ہیں پس بارہ آدمی کھڑے ہوگئے جن میں قیس بن ثابت بن شماس اور ہاشم بن عتبہ اور حبیب بن بدیل بن ورقا بھی تھے ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے نبی ؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ (صفحہ ۲۳۷ جلد ۲ اسد الغابہ)

حبیب بن سباع

کہتے تھے ایک روز صبح کو ہم رسول خدا کے حضور میں گئے ہمارے ہمراہ ابو عبیدہ بن جراح بھی تھے ابو عبیدہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم سے بھی بہتر کوئی شخص ہے۔ ہم اسلام لائے اور ہمراہ آپ کے جہاد کیا اور ہم آپ پر ایمان لائے حضرت نے فرمایا تم سے بھی بہتر کچھ لوگ ہیں کچھ لوگ ہیں جو تمہارے بعد ہوں گے جو مجھ پر ایمان لائیں گے۔ (صفحہ ۱۴۱)

کیا اس پر بھی اہلسنت اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صحابہ خصوصاً خلفائے ثلاثہ سب سے افضل ہیں حالانکہ بنص رسول اس زمانہ کے مسلمان ان سے یقیناً افضل ہیں الا من فضلہ اللہ۔

حتات بن یزید بن علقمہ

رسول خدا صلعم نے اُن کے اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان میں مواخات کرا دی تھی جب حضرت معاویہ کو خلافت حاصل ہوئی تو حتات اور جاریہ بن قدامہ اور احنف بن قیس اُن کے پاس گئے یہ دونوں بھی قبیلہ بنی تمیم سے تھے حتات عثمان کے دوستوں سے تھے اور جاریہ اور احنف حضرت علی ؑ کے اصحاب سے تھے حضرت معاویہ نے ان دونوں کو حتات سے زیادہ دیا تو حتات نے اُن سے کہا کہ تم نے محرق (یعنی جلا دینے والے اور مخذل (یعنی پریشان کرنے والے) کو مجھ پر فضیلت دی حضرت معاویہ نے کہا (میں نے فضیلت نہیں دی) بلکہ میں نے ان سے اُن کا دین مول لیا ہے اور تمکو اس محبت پر چھوڑ دیا ہے جو تم کو حضرت عثمان کے ساتھ ہے حتات نے کہا مجھ سے بھی میرا دین مول لیلو جلانیوالا انھوں نے جاریہ بن قدامہ کو کہا کہ انھوں نے ابن حضرمی کو جلا دیا تھا اور پریشان کرنیوالا احنف بن قیس کو کہا کہ انھوں حضرت عائشہ وطلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے لوگوں کو پریشان کر دیا تھا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حتات حضرت معاویہ کے پاس گئے اور اُنھیں کے یہاں وفات پائی اور حضرت معاویہ اس اخوت کے سبب سے اُن کے وارث ہوئے حضرت معاویہ اس زمانہ میں خلیفہ تھے فرزوق نے اس معاملہ میں معاویہ سے مخاطب ہوکر یہ اشعار کہے تھے۔

ابوك وعمي یا معاوی اورثا   تراثا فیحتاز التراث اقاربه

اے معاویہ تمھارے چچا اور میرے باپ نے اپنے ترکہ کا اپنے وارثوں کو وارث بنایا اور یہ قاعدہ ہی ہے کہ مرنے والے کے قریبی رشتہ دار میراث پاتے ہیں۔

فما بال میراث الحتات اکلته   ومیراث صخر جامد لك ذائبه

تو حتات کا ترکہ تم نے کیسے کھا لیا جبکہ صخر کی میراث تم کو مل ہی چکی ہے۔

فلو کان هذا الامر جاهلیة   علمت من المرء القلیل حلائبه

اگر یہ معاملہ زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ وہ شخص کون ہے جس کے دوست کم ہیں۔

اس قصیدہ میں اس سے زیادہ اشعار ہیں اور فخریہ اشعار میں ہر سب سے عمدہ کلام ہے ان کا تذکرہ ابو عمر نے

کیا ہے۔ (صد ۲۵۱ اسد الغابہ ج ۲)

ہم نے اسکو صرف اس غرض سے لکھا ہے کہ اولاً ایمانداری معاویہ معلوم ہو کہ حکم میراث بذریعہ مواخات منسوخ ہو چکا مگر معاویہ نے اس کو بھی منسوخ کیا اس سے بڑھ کر کیا محبت مال ہو سکتی ہے کہ تمام ممالک اسلامی کا مالک اسطرح ناجائز وارث بنتا ہے پھر یہ لوگ جائز وارث کو کیوں نہ محروم کریں۔ ثانیاً صحابہ ایسے تھے کہ چند پیسوں کے لالچ میں اپنا دین بیچ ڈالتے تھے پھر اُن سے کیا امید ہو سکتی ہے ثالثاً حتات ایسا دین فروش تھا کہ خود کہہ رہا ہے کہ ہمارا ایمان مول لے لو مگر معاویہ نہیں لیتا۔ رابعاً معاویہ بھی اسکا اقرار کرتا ہو کہ محبت جناب امیرؑ عین ایمان ہے جس کو معاویہ جاریہ اور اخنف سے مول لے رہا ہے تو کیا اب بھی اہلسنت کو کفر و نفاق معاویہ میں شبہہ ہو سکتا ہے جو ایسے ایسے مقدس صحابہ کا ایمان مول لینا چاہتا ہو۔ خامساً اشعار فرزدق سے جہاں معاویہ کا دین سے خارج ہونا معلوم ہوا وہاں تمامی صحابہ کے نسب کا حال بھی معلوم ہوا کیونکہ وہ صرف ال النبیؐ کو ہر عیب سے پاک وصاف کہہ رہا ہے ورنہ اپنے قبیلہ کو سب سے افضل و اعلیٰ کہہ رہا ہے۔ اللھم صل علی محمد وال محمد۔

یہ حتات جو اپنا دین بیچ رہا ہے اُن لوگوں سے ہے جو جناب امیرؑ کے یہاں سے بھاگ کر معاویہ کے پاس آیا تھا جیسا کہ استیعاب میں ہے :- وھرب من علی رض الی معاویہ ۔ (صد ۱۵۳)

تین چار شعر اور بھی اسکے استیعاب میں منقول ہیں :-

لعمر ابیک فلا تکذبن	لقد ذھب الخیر الا قلیلا
لقد فتن الناس فی دینھم	وخلی ابن عفان شرا طویلا
وحال ابو الحسن دونھا	فما تستطیع الیھا سبیلا

اور اصابہ میں ہے۔ (صد ۳۲۵ ج اول)

وابقی ابن عفان شرا طویلا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر تو سب جاتا رہا صرف تھوڑا بچ رہا عثمان بن عثمان بڑا شر چھوڑ کر چلا گیا جناب امیرؑ کی حالت اُن سے جداگانہ ہے کہ وہاں کسی کا گذر نہیں۔

یہ اشعار ہیں اُس مقدس صحابی کے جو طرفدار حضرت عثمان تھا اور اپنا دین بیچنا چاہتا تھا مگر معاویہ نے نہ لیا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ عثمان سے تو بجز شر طویل کچھ نہ باقی رہا۔ افسوس کہ اسد الغابہ میں ان اشعار کو جگہ نہیں ملی حالانکہ استیعاب و اصابہ میں موجود ہے۔

حجاج بن علاط

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا تو حجاج بن علاط نے عرض کیا یا رسول اللہ مکہ میں میرا کچھ مال ہے اور وہیں میری بی بی بھی ہے میں چاہتا ہوں کہ وہاں جاؤں تو کیا مجھے اس بات کی اجازت ہے کہ میں آپ کی کچھ برائیاں کردوں یا کچھ کہہ دوں۔ ہمیں عبید اللہ بن احمد بن علی نے اپنے سند سے یونس بن بکیر کے حوالے سے خبر دی وہ محمد بن اسحاق سے روایت کرتے تھے کہ اُنھوں نے مجھ سے کہا مجھ سے بعض اہل مدینہ نے بیان کیا کہ جب حجاج بن علاط سلمی اسلام لائے تو خیبر میں رسول خدا صلعم کے ہمراہ شریک ہوئے اور عرض کیا کہ یا

رسول اللہ مکہ میں کچھ مال میرا تاجروں کے پاس ہے اور کچھ مال میری بی بی ام ابی شیبہ بنت ابی طلحہ کے پاس ہے جو بنی عبدالدار کی بہن ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ میرے اسلام سے واقف ہو جائینگے تو میرا مال ہضم کر لیں گے پس آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں وہاں جاؤں شاید اپنا مال لے آؤں رسول خدا صلعم نے فرمایا میں نے تمھیں اجازت دی پھر اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہاں مجھے یہ بھی ضرور ہے کہ کچھ کہوں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہو تم کو اجازت ہے، چنانچہ حجاج گئے وہ کہتے تھے کہ جب میں (مقام) ثنیہ بیضاء میں پہونچا تو وہاں قریش کے کچھ لوگ ملے جو خبروں کا تجسس کر رہے تھے جب اُنھوں نے مجھے دیکھا تو کہا کہ یہ حجاج ہیں ان کے پاس کچھ خبر ہوگی میں نے کہا کہ اُس شخص (یعنی محمد صلعم) کو تو بڑی شکست ہوگئی تم نے سنا ہوگا اور اُسکے اصحاب بھی مقتول ہوگئے اور محمد قید کر لیئے گئے لوگوں نے کہا کہ ہم اُن کو قتل نہ کرینگے اُن کو مکہ لے جائینگے اور وہاں سب لوگوں کے سامنے قتل کرینگے پھر ہم مکہ پہونچے تو ان لوگوں نے مکہ میں شور مچادیا کہ یہ حجاج آئے ہیں اور خبر لائے ہیں کہ محمد قید کر لیئے گئے اب صرف اس بات کا انتظار ہے کہ وہ یہاں لائے جائیں اور تم لوگوں کے سامنے قتل کیئے جائیں میں نے کہا تم لوگ میرا مال جمع کر دو کیونکہ میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں محمدؐ کا جو مال لوٹا گیا ہے اُس کو مول لوں گا قبل اسکے کہ تاجر لوگ وہاں پہونچیں۔ چنانچہ اُن سب لوگوں نے اچھی طرح میرا مال جمع کر دیا اور میں نے اپنی بی بی سے کہا کہ میرا مال لاؤ تاکہ میں خیبر جاؤں اور وہاں سے سستا مال خرید لاؤں اس نے بھی میرا مال مجھے دیدیا جب اس خبر کا مکہ میں بہت چرچا ہوا تو عباس میرے پاس آئے اُس وقت میں ایک تاجر کے خیمہ میں کھڑا تھا وہ نہایت شکستہ خاطر اور رنجیدہ میرے پاس آ کے کھڑے ہوگئے اور اُنھوں نے کہا کہ اے حجاج یہ خبر کیسی ہے میں نے کہا کہ آپ ٹھہر جائیے مجھے خلوت مل جانے دیجئے وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ اے حجاج تمھارے پاس کیا خبر ہے میں نے کہا میرے پاس واللہ وہ خبر ہے کہ آپ کو خوش کر دیگی میں نے واللہ آپکے بھتیجے کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اللہ نے خیبر ان پر فتح کر دیا اور وہاں کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے اور اُن کے مال آپکے بھتیجے کو اور اُن کے اصحاب کو ملے اور میں نے اُنکو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اُنھوں نے خیبر کی شاہزادی حضرت ام المومنین صفیہ سے نکاح کیا ہے اور میں تو مسلمان ہوں یہاں صرف اپنا مال لینے آیا ہوں پھر رسول خدا صلعم کے پاس لوٹ جاؤں گا آپ اس خبر کو تین دن تک محفوظ رکھیئے ورنہ مجھے خوف ہے کہ میرا تعاقب کیا جائے گا بعد اسکے میں چلدیا جب تیسرا دن ہوا تو حضرت عباس نے اپنا لباس پہنا اور خوشبو لگائی بعد اسکے عصا لے کر مسجد میں گئے اور حجر اسود کو بوسہ دیا قریش کے لوگوں نے اُن کو دیکھا تو کہا اے ابو الفضل تم اس سخت مصیبت پر ایسی تنگ دلی کرتے ہو حضرت عباس نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم خیبر فتح ہو گیا اور محمدؐ اور اُن کے اصحاب کو مل گیا اور محمدؐ نے وہاں کی شاہزادی سے نکاح کیا ہے اُن لوگوں نے پوچھا کہ تم سے یہ خبر کس نے بیان کی حضرت عباس نے کہا حجاج بن علاط نے وہ تو مسلمان ہو گئے ہیں اور اُنھوں نے محمدؐ کے دین کی پیروی کر لی یہاں وہ صرف اپنا مال لینے آئے تھے وہ پھر وہیں لوٹ جائینگے کفار قریش نے (یہ سنکے بہت واویلا کیا) کہا اے خدا کے بندو دیکھو وہ خدا کا دشمن ہمیں دھوکہ دے گیا پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد (فتح خیبر کی) خبر اُن لوگوں کو پہونچ گئی ان کا تذکرہ تینوں نے لکھا ہے (ترجمہ اسد الغابہ صفحہ ۱۵۲)

کیا اسکے بعد بھی کوئی سنی تقیہ پر اعتراض کر سکتا ہے کہ خود رسول اللہ اس کو اپنی بُرائی بیان کرنے کی

اجازت دیتے ہیں اور یہ صحابی ایسا سفید جھوٹ بول رہا ہے جسکی کوئی حد نہیں۔ استیعاب میں ہے:۔
واخص لهم رسول الله ان يقول فيهم بماشاء عند اهل مكة عام خيبر من اجل
ماله و ولده۔ (صفحہ ۱۳۲ جلد اول)

حجر بن عدی

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ اور اُن کے بھائی ہانی حاضر ہوکے تھے اور جنگ قادسیہ
میں شریک تھے فضلائے صحابہ میں تھے جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے اور نہروان
میں لشکر کے میسرہ پر تھے اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے مشاہیر صحابہ سے ہیں جب زیاد عراق کا حاکم ہوا
اور اُس نے سختی اور بدچلنی شروع کی تو حجر نے اُسکی بیعت واپس کردی اور حضرت معاویہ کی بیعت اُنھوں نے واپس نہ کی
تھی شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت اُنکی پیرو ہوگئی ایک دن تاخیر نماز کی بابت اُنھوں نے اور ان کے صحابیوں
نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے اُنکی شکایت حضرت معاویہ کو لکھ بھیجی حضرت معاویہ نے لکھا کہ انکو معہ ان کے اصحاب
کے میرے پاس بھیجدو چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو وائل بن حجر حضرمی کے ساتھ بھیجدیا اُنکے ساتھ بڑی جماعت تھی جب یہ
مقام مرج عذرا میں پہونچے تو اُنھوں نے کہا کہ میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام میں تکبیر کہتا ہوں پھر یہ اور ان کے
اصحاب مرج عذرا نامی قریہ میں جو دمشق کے قریب ہے اُترے حضرت معاویہ نے ان سب کے قتل کا حکم دیا مگر حضرت
معاویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی وہ چھوڑ دیے گئے۔ اور حجر اور اُنکے ساتھ چھ آدمی قتل کردیے گئے
اور چھ آدمی چھوڑ دیے گئے جب لوگوں نے اُنکے قتل کا ارادہ کیا تو اُنھوں نے دو رکعت نماز پڑھی بعد اسکے کہا کہ اگر
تم میری طرف کسی ایسی بات کا گمان نہ کرتے جو مجھ میں نہیں ہے (یعنی بزدلی) تو بیشک میں ان دونوں رکعتوں کو
طول دیتا بعد اسکے اُنھوں نے کہا کہ میرے ہتھیار نہ اُتارنا اور میرے خون کو نہ دھونا میں قیامت کے دن) معاویہ سے اسی
حال سے ملوں گا جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی اس بدسلوکی کی خبر ملی تو اُنھوں نے عبدالرحمان بن حارث کو حضرت
معاویہ کے پاس بھیجا کہ خدا کے لیے حجر اور اُنکے اصحاب کی بیحرمتی نہ کرنا مگر عبدالرحمان ایسے وقت میں پہونچے کہ وہ قتل
ہوچکے تھے تو عبدالرحمان نے حضرت معاویہ سے کہا کہ ابوسفیان تو حجر اور اُن کے اصحاب کے ساتھ
بہت بردباری کیا کرتے تھے یہ بات تم میں کیونکر ہوگئی تم نے انکو قید کیوں نہ کردیا کسی وبائی مقام میں کیوں نہ بھیجدیا حضرت
معاویہ نے کہا اُس وقت میری قوم میں تمھارے ایسے نیک مشورہ دینے والے) لوگ نہ تھے عبدالرحمان نے کہا
خدا کی قسم اب اہل عرب نہ تمکو حلیم سمجھیں گے اور نہ صاحب عقل تم نے ایسے لوگوں کو قتل کردیا جو مسلمان بھی تھے اور تمھارے
پاس قید کرکے بھیجے گئے حضرت معاویہ نے کہا میں کیا کرتا زیاد نے مجھے انکے بہت سخت حالات لکھے تھے اور لکھا تھا کہ یہ لوگ ایسا
رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں جو پھر بند نہ ہوسکے جب حضرت معاویہ مدینہ میں آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس
گئے حضرت عائشہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ایسی طویل گفتگو کی کہ حضرت معاویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ
چھوڑ دیجیے یہاں تک کہ ہم دونوں اپنے پروردگار کے یہاں ملیں نافع کہتے تھے کہ حضرت ابن عمر بازار میں تھے
جب اُن کو حجر کے وفات کی خبر ملی تو اُن سے صبر نہ ہوسکا اُٹھ کر چلے ہوئے اور رونے کی آواز ان سے بلند ہوگئی

محمد بن سیرین سے قتل کے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا مسئلہ پوچھا گیا انھوں نے کہا ان دونوں رکعتوں کو حجر اور خبیب نے پڑھا ہے اور یہ دونوں بڑے فاضل تھے حسن (بصری) حجر اور انکے اصحاب کے قتل کو بڑا حادثہ کہتے تھے ربیع بن زیاد حارثی کو جو حضرت معاویہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے حجر کے قتل کی خبر پہونچی تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ربیع کے لئے اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اسے اپنی طرف اٹھا لے اور جلدی کر چنانچہ وہ اس مقام سے ہٹنے نہیں پائے تھے کہ انکی وفات ہو گئی حجر کا وظیفہ دو ہزار پانچسو تھا اُن کا قتل ۵۱ھ میں ہوا اُن کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے مستجاب الدعوۃ تھے اُن کا تذکرہ ابو عمر وابو موسیٰ نے لکھا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ مولوی عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ)

اس تحریر پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ دیتے ہیں "شیعیان علیؑ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ رہتے تھے نہ فرقہ روافض"

اقول۔ معلوم نہیں کہ آپنے روافض اور شیعہ میں کیا فرق نکالا ہے کیونکہ شیعہ ہی کو تو آپ رافضی کہتے ہیں گذشتہ صفحات میں اس رسالہ کے آپ کے تحقیقات کا جواب ہو چکا ہے کہ کبھی تو آپ شیعہ کو قدمائے اہلسنت کہتے ہیں اور کبھی منافق کا خطاب دیتے ہیں یہاں آکر شیعہ اور روافض کو الگ کر دیا بہر حال آپ کو اپنے معاویہ کی فکر کرنی چاہیئے کہ اُس نے کیسے کیسے مقدس صحابی کو بلا جرم وخطا قتل کیا جس پر ابن عمر سا صحابی زور سے رویا ہے اور حضرت عائشہ نے اس قدر معاویہ کی ملامت کی تو کیا اب بھی معاویہ کے انجام میں آپ کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے کہاں تک آپ آیات واحادیث کی تکذیب کرینگے۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:۔

کہ معاویہ جب داخل مدینہ ہوا اور عائشہ کے ملاقات کو گیا تو عائشہ نے کہا اگر ہم کسی کو چھپا رکھتے جو بعوض محمد ابن ابی بکر تجھے قتل کرتا تو تیرا کیا نتیجہ ہوتا کیا دربارہ حجر تجھے خدا کا خوف نہیں ہوا کہ تونے انکو قتل کیا معاویہ نے کہا اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اُس پر گواہی دی مسروق روادی ہیں کہ عائشہ کہتی تھیں کہ اگر معاویہ جانتا کہ اہل کوفہ میں کچھ ہمت وغیرت ہے تو ہرگز وہ اس کی جرأت نہ کرتا مگر ہندہ جگر خوار کے بیٹے نے سمجھ رکھا تھا کہ آدمی چلے گئے کوفہ میں وہ سب مارے گئے قسم خدا کی حجر اور انکے اصحاب جمجمہ عرب تھے از راہ فقہ وقوت۔ (استیعاب ص۱۳۵)

ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:۔

حجر ابن عدی جناب امیرؑ کی صحبت میں رہے اور حضرتؑ کے شیعہ ہوئے۔ مالک اشتر اور حجر بن عدی شریک دفن و کفن حضرت ابوذر تھے بمقام ربذہ (جہاں عثمان نے ابوذرؓ کو نکلوا دیا تھا)

وجہ قتل زیاد جو معاویہ کی طرف سے حاکم کوفہ تھا اس نے خطبہ میں اس قدر طول دیا کہ نماز عصر کا وقت جاتا تھا اس پر حجر نے اسکو یاد دلایا کہ نماز جاتی ہے مگر وہ خطبہ پڑھتا رہا اس پر حجر نے اور لوگوں نے بھی اس پر کنکریاں پھینکیں زیاد منبر سے اترا اور معاویہ کو لکھ بھیجا۔ معاویہ نے لکھا کہ ہمارے پاس بھیجو جب حجر معاویہ کے پاس پہونچے تو کہا السلام علیک یا امیر المومنین معاویہ نے کہا کیا ہم امیر المومنین ہیں انکو لیجاؤ قتل کرو حجر نے کہا دیکھو ہمارے جسم سے بیڑیاں وغیرہ نہ نکالنا نہ ہمکو غسل دینا ہم اسی طرح سے خدا کے سامنے معاویہ سے مخاصمہ کریں گے۔ ابن عمر نے جب

ان کے شہادت کی خبر سنی تو وہ بازار میں تھے روتے ہوئے بآواز بلند وہاں سے روانہ ہوئے عائشہ نے معاویہ پر
اس بارہ میں عتاب کیا اور کہا ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ ہمارے بعد کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے جس پر خدا غضبناک ہوگا
اور اہل آسمان۔ ابراہیم بن جنید نے کتاب الاولیا میں نقل کیا ہے کہ جب معاویہ کے پاس جارہے تھے تو راہ میں ضرورت
غسل جنابت ہوئی آپ نے موکل سے کہا جو پانی تو مجھکو کل دینے والا ہے وہ آج ہی دیدے کہ ہم غسل کرلیں کل نہ دینا موکل نے
کہا خوف ہے کہ راہ میں تم پیاسے مرجاؤ اور معاویہ ہم کو اس وجہ سے قتل کرے لہذا پانی نہیں دیا۔ حجر نے خدا سے دعا کی جس پر
ایک ابر کا ٹکڑا نمایاں ہوا اور پانی برسا جس سے بقدر ضرورت اُنھوں نے لیا لوگوں نے کہا دعا کیجیے کہ خدا ہم کو اس
بلا سے نجات دے تو اُنھوں نے دعا کیا خداوندا جو ہمارے حق میں بہتر ہو اسکو اختیار کر اسکے بعد وہ قتل کیے گئے شہادت
آپ کی ۵۳ھ میں ہوئی آپکے دو بیٹے تھے عبد اللہ عبد الرحمان دونوں مختار کے ساتھ شہید ہوئے جبکہ مصعب نے کوفہ پر غلبہ
پایا۔ (اصابہ جلد اصـ ۳۲۹)

اب تو کچھ بتانیکی ضرورت نہ رہی کیونکہ ان کے مستجاب الدعا ہونیکو اصابہ۔ استیعاب۔ اسد الغابہ سب میں
لکھا ہے مگر افسوس معاویہ نے کسی کا خیال نہ کیا حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ اس کی خبر دے گئے ہیں کہ خدا اور فرشتے
اُن کے قتل پر غضبناک ہوں گے۔

جرم اُن کا صرف اس قدر قرار دیا گیا ہے کہ زیاد کو نماز کا وقت یاد دلایا کہ خطبہ کیوجہ سے نماز جاتی ہے کیا اب
بھی کسی کو نفاق معاویہ میں شبہ ہوسکتا ہے دو فرزند ان کے تھے وہ سب مختارؓ کے شریک تھے کہ امام حسینؑ کے خون کا
انتقام لیں مگر مصعب نے ان دونوں کو بھی قتل کیا۔

شہادت حجر بن عدی

اُن وقائع عظیم سے ہے جس پر تاریخ و حدیث کی ساری کتابیں رو رہی ہیں نصائح کافیہ
میں ہے جو فاضل اجل محمد بن عقیل حسینی کی تصنیف ہے اور وہ حیدرآباد
میں مُدرّس اعلیٰ ہیں۔

یعقوب بن سفیان اپنی تاریخ میں اور بیہقی دلائل النبوۃ میں روایت کہتے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا اے
اہل کوفہ بہت قریب ہے کہ تم میں سے سات آدمی قتل ہونگے مقام عذرا میں جن کی مثال اصحاب اخدود
کی ہوگی (جن کا ذکر قرآن میں ہے (وقتل اصحاب الاخدود) گڑھا کھود کر رہنے والے قتل کیے گئے سورہ
واذا السماء انشقت) پس قتل کیے گئے حجر اور اصحاب اُنکے کہا امام بیہقی نے کہ حضرت علیؑ کا اس طرح کہنا
بغیر اسکے نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ سے سنا ہو ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ معاویہ جب عائشہ کی خدمت
میں حاضر ہوا تو عائشہ نے کہا تو نے حجر اور اُن کے اصحاب کو قتل کیا حالانکہ ہم نے یہ حدیث سنی ہے کہ مقام عذرا
میں سات آدمی قتل کیے جائینگے جن کے لیے خدا اور اہل سما غضب میں آئینگے۔ یعقوب بن سفیان نے روایت
کیا ہے کہ عائشہ نے معاویہ کے اس حرکت پر نہایت ناراضی دکھائی کہ حجر کو اور انکے اصحاب کو بمقام عذرا
قتل کیا اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ مقام عذرا میں سات آدمی قتل کیے جائینگے جن کے لیے

خدا اور رسول غضبناک ہوگا۔

ان احادیث کو دیکھ کر اب اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائیے۔

و من یقتل مومناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعد لہ عذاباً عظیماً۔ (سورہ نساء پ ۵ ع ۱۰)

یعنی جو شخص کسی مومن کو عمداً و قصداً مار ڈالے تو اسکی جزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کا غضب اس پر ہے اور اس پر خدا لعنت کریگا اور ایسے شخص کے لئے عذاب عظیم مہیا کیا گیا ہے۔

اب ہم اہلسنت کو مبارک باد دیتے ہیں کہ کیسے امام کو آپ نے مقتدا بنایا ہے جس پر خدا کی لعنت ہے اور اسکے رسول کی۔ اصلی وجہ قتل اسکو تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ زیاد نے صرف اس جرم پر انھیں معاویہ کے پاس بھیجا تھا کہ انھوں نے نماز عصر کو یاد دلایا تھا کہ تیرے خطبہ کی وجہ سے اسکا وقت نکلا جاتا ہے مگر وقت شہادت تجربات حیرت زائی اس سے پوری حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ نصائح کافیہ میں ہے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے ہدبہ بن فیاض قضاعی حصین بن عبد اللہ کلابی آیا شریف بدرکلی کو حجر کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے اُن لوگوں کو جا کر قتل کرے تو قبل قتل ہدبہ نے کہا ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم سے کہیں کہ اگر تم لوگ تبرا کرو گے علیؑ سے اور اُن پر لعنت کرو گے تو تم کو چھوڑ دینگے اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تم کو قتل کرینگے سب نے جواب دیا ہم اسکو نہیں کر سکتے لہٰذا حکم دیا کہ قبر کھود دی جائے اور کفن حاضر کیا جائے حجر اور اُنکے اصحاب نے اُس شب کو تمام شب عبادت کیا صبح کو جب بارادہ قتل حجر کی طرف بڑھے تو کہا ہمکو دو رکعت نماز پڑھ لینے دو اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم کہو گے ہم موت سے ڈرتے ہیں تو ضرور زیادہ پڑھتے اسکے بعد حجر اور اُنکے اصحاب سے چھ آدمی قتل کئے گئے۔

عبد الرحمان بن حسان عنزی کریم خثعمی (منجملہ قیدیان) نے کہا ہم کو معاویہ کے پاس لے چلو کہ جو وہ چاہتا ہے ہم بھی کہیں گے معاویہ نے اجازت دی جب داخل ہوئے تو خثعمی نے کہا اے معاویہ خدا سے ڈر کہ تو اس دنیا سے دار الآخرت کی طرف جانیوالا ہے وہاں تجھ سے سوال کیا جائے گا کہ کیوں ہم لوگوں کو ناحق قتل کیا معاویہ نے پوچھا تو علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے خثعمی نے کہا جو تو کہتا ہے وہی ہم بھی کہتے ہیں ہم اس دین سے برأت کرتے ہیں جس دین پر حضرت علیؑ عبادت خدا کیا کرتے تھے معاویہ سنکر چپ ہو رہا شمر بن عبد اللہ نے کہا اس کو ہم کو بخشدیجئے معاویہ نے دیدیا اور یہ شرط لیا کہ کوفہ میں نہ داخل ہو لہٰذا انھوں نے موصل میں قیام کیا۔

پھر عبد الرحمان بن حسان سے پوچھا کہ تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو اُس نے کہا اس بارے میں نہ سوال کرو کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہے معاویہ نے کہا قسم بخدا ہم اس سوال کو نہیں چھوڑ سکتے اُس نے کہا ہم خدا کو گواہ کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ ان لوگوں سے تھے جو خدا کو بہت یاد کرتے اور حکم بحق کرتے اور عدل کے ساتھ قیام کرتے اور لوگوں سے درگذر کرتے معاویہ نے کہا کچھ عثمان کے بارے میں کیا کہتا ہے عبد الرحمان نے کہا وہ پہلا شخص ہے جس نے باب ظلم

کو کشادہ کیا اور باب حق کو بند کیا معاویہ نے کہا تو نے اپنے کو قتل کیا عبدالرحمان نے جواب دیا بلکہ تجھے قتل کیا معاویہ نے اس کو زیاد کے پاس واپس کیا اور لکھ بھیجا کہ سب سے بدتر طریقہ سے قتل کرو چنانچہ زیاد نے اُسے زندہ دفن کر دیا۔ علامہ ابن اثیر جزری نے اس واقعہ کو تاریخ کامل جلد ۳ میں بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے ملاحظہ ہو صٓ ۱۸۷ لغایت ۱۹۴ جو اس رسالہ مختصرہ میں نہیں آسکتا مگر چند فقرات اسکے ضروری ہیں:۔

(۱) معاویہ نے جب مغیرہ بن شعبہ کو ۴۱ھ میں حاکم کوفہ بنا کر بھیجا ہے تو کہا:۔

وقد اردت ایصاءک باشیاء کثیرۃ انا تارکھا اعتماداً علی بصرک ولست تارکا ایصاءک بخصلۃ لاتترک شتم علی وذمہ والترحم علی عثمان والاستغفار لھم والعیب لاصحاب علی والاقصاء لھم والاطراء بشیعۃ عثمان والادناء لھم فقال المغیرہ قد جربت وجربت وعملت قبلک لغیرک۔ (صٓ ۱۸۷)

ہمنے چاہا تھا کہ بہت سے باتوں کے بارہمیں تجھے وصیت کریں مگر چونکہ تیری عقل و فہم پر پورا اعتماد ہے لہذا سب کو چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ وصیت ضروری ہے جس کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے کہ تو اسکو کبھی نہ چھوڑنا کہ حضرت علی کو گالیاں دیا کرے اور اُن کی مذمت بیان کرے اور عثمان پر رحمت بھیجا کر اور اُنکے لئے استغفار کیا کرے اور حضرت علیؑ کے اصحاب کا عیب بیان کر اور اُنکو دور رکھا کر اور شیعیان عثمان کی تعریف کیا کر اور اُنکو اپنے سے نزدیک کر مغیرہ نے کہا تم کو بھی تجربہ ہو چکا ہے اور ہمکو بھی اور پہلے خلفا کی طرف سے بھی ہم کام کر چکے ہیں۔

(۲) فاقام المغیرہ عاملاً علی الکوفہ وھو احسن شئی سیرۃ غیر انھم لایدع شتم علیؑ والوقوع فیھم والدعاء لعثمان والاستغفار لھم۔

یعنی مغیرہ نے ہر طرح انتظام کیا مگر جناب امیرؑ کے گالے دینے اور مذمت کرنیکو کبھی نہ چھوڑا اسی طرح عثمان کے لئے دعا اور استغفار کو کبھی نہ ترک کیا۔

اسکے بعد وفات مغیرہ ہے اور حکومت زیاد اور حجر بن عدی کے گرفتاری کا حکم اور اُن کا کوفہ سے بھاگنا اور صیفی کا گرفتار ہونا۔ اسکے بعد زیاد کا لوگوں کا گواہ بنانا۔

(۳) فشھد اسحٰق وموسیٰ ابنا طلحہ بن عبید اللہ والمنذر بن الزبیر وعمارہ بن عقبہ بن ابی معیط وعمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرھم وکتب فی الشھود شریح بن الحرث القاضی وشریح بن ھانی فاما شریح بن ھانی فکان یقول ما شھدت وقد ندمت۔ (صٓ ۱۹۱)

یعنی زیاد نے جو خط بنام معاویہ لکھا اُس پر اسحٰق۔ موسیٰ پسران طلحہ نے گواہی کی اور منذر بن الزبیر نے اور عمارہ بن عقبہ (جو غالباً برادر مادری حضرت عثمان ہی) اور عمرو بن سعد ابی وقاص (قاتل امام حسینؑ) اور شریح بن حارث کا نام لکھ دیا اور شریح بن ہانی کا، حالانکہ شریح بن ہانی اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص کو کیسی عداوت تھی جناب امیرؑ سے کہ اس جھوٹی شہادت

میں وہ شریک ہوئے۔

اب ہم اس واقعہ کو تمام کرتے ہیں حجر کے ساتھ یہ لوگ بھی شہید کئے گئے۔ شریک بن شمر حضرمی۔ صیفی بن سلمہ شیبانی قبیصہ بن ضبیعہ عبسی۔ محرز بن شہاب سعدی تمیمی۔ کدام بن حیان عنزی۔ عبدالرحمان بن حسان عنزی جن کو زیاد نے زندہ دفن کیا۔ (ص۱۹۳ کامل)

(۴) یعنی امام حسن بصری کہتے ہیں: ۴ خصلتیں معاویہ میں ایسی تھیں کہ ان میں سے ایک بھی اسکے ہلاکت کو کافی تھی ایک یہ کہ امت محمدی پر بزور تلوار مسلط ہوا بغیر مشورہ کے حالانکہ بہت سے اصحاب صاحبان فضیلت اُن میں موجود تھے دوسرے اپنے بیٹے کو خلیفہ کیا جو شراب خوار تھا ہر وقت بدمست رہتا ریشم پہنتا اور طنبورہ بجاتا۔ تیسرے یہ کہ زیاد کو اپنا بھائی بنایا حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ چوتھے یہ کہ حجر اور اوس کے اصحاب کو قتل کیا پس وائے ہو اس پر حجر کیطرف سے اور وائے ہو اس پر حجر کے اصحاب کی طرف سے

حضرت حجر نے بوقت شہادت کہا تھا ہمکو یوں ہی بیڑیوں سمیت دفن کرنا ہم معاویہ سے سمجھ لیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصائح کافیہ میں ہے:۔

قال ابن سیرین بلغنا ان معاویۃ لما حضرتہ الوفاۃ جعل یقول یومی منک یا حجر طویل۔ (صفحہ ۵۹)

کہ جب وقت وفات معاویہ قریب ہوا تو کہنے لگا اے حجر ہمارا دن تم سے بہت طویل ہے۔

چونکہ اس رسالہ کی بنا اختصار پر ہے اس لئے زیادہ طول دینا مناسب نہیں اگر اس سے زیادہ مفصل حال دیکھنا ہو تو نصائح کافیہ اور تشئید المطاعن وغیرہ ملاحظہ فرمائیے کیونکہ ہم جو کچھ لکھا ہے وہ اصابہ، استیعاب، اسد الغابہ۔ تاریخ کامل نصائح کافیہ سے جس سے آل و اصحاب کے تعلقات پر پوری روشنی پڑتی ہے صرف اس جرم پر اصحاب کبار قتل کئے جاتے تھے کہ وہ شیعہ جناب امیر تھے اس شرط پر زندہ چھوڑے جاتے تھے کہ وہ جناب امیرؑ سے تبرا کریں ورنہ زندہ دفن کر دیئے جاتے کیسے کیسے مقدس صحابی سب و شتم جناب امیرؑ کو علانیہ منبروں پر ادا کرتے پھر دنیا میں مذہب شیعہ کیونکر باقی رہ سکتا تھا مگر یہ بھی معجزہ جناب امیرؑ و ائمہ اطہار ہے کہ اب بھی وہ مذہب حق باقی ہے اور مطابق وعدۂ خدا و وعدۂ رسولؐ سب پر غالب ہے اگرچہ عدد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔

حذیفہ بن یمان

نبی صلعم کے حضور میں ہجرت کر کے آئے تھے اُن کا نام اس طرح لیا جاتا تھا حذیفہ صاحب سر رسول اللہ فی المنافقین منافقوں کے حالات رسول خدا نے سوائے حذیفہ کے اور کسی کو نہ بتائے تھے۔ حضرت عمر نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ کیا میرے عمال میں کوئی منافق ہے حضرت حذیفہ نے کہا ہاں ایک ہے حضرت عمر نے پوچھا وہ کون ہے انھوں نے کہا میں نہ بتاؤں گا حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس منافق کو معزول کر دیا۔ نبی صلعم سے فتنہ کے حالات بہت پوچھا کرتے تھے تاکہ اس سے بچیں

ایک شخص نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت فتنہ کون ہے اُنھوں نے کہا یہ کہ نیکی اور بدی دونوں تمھارے سامنے پیش کی جائیں اور تم نہ سمجھ سکو کہ کس کو اختیار کریں اُن کی وفات حضرت عثمان کی شہادت کے چالیس دن بعد ہوئی ۳۶ھ میں اسد الغابہ صفحہ ۲۶۶ ج ۲)

اصابہ میں ہے:-

وروی مسلم عن عبد اللہ بن یزید الخطمی عن حذیفۃ قال لقد حدثنی رسول اللہ ما کان وما یکون حتّٰی تقوم الساعۃ

یعنی صحیح مسلم میں ہے کہ حذیفہ نے کہا رسول اللہ نے ہم کو خبر دی ہے کل ان باتوں سے جو ہو چکیں یا ہونگی روز قیامت تک۔

کیا اس حدیث کو بھی دیکھکر اہل حدیث اس پر ایمان نہ لائینگے کہ رسول اللہ کو علم ما کان وما یکون یعنی علم غیب تعلیم خدا حاصل تھا۔

روایت اسد الغابہ میں یہ ہے کہ عمر اپنے عمال کے نسبت پوچھتے تھے کہ ان میں کوئی منافق ہے یا نہیں حالانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

کسی نے حذیفہ سے سوال کیا کہ تمکو نام منافقین کا کیونکر معلوم ہوا حالانکہ ابوبکر و عمر تک نہجانتے تھے حذیفہ نے کہا شب عقبہ ہم سواری رسول خدا کے پیچھے پیچھے جاتے تھے حضرت کو کچھ نیند آگئی تھی کہ ہمنے سنا کچھ لوگ کہتے ہیں اگر ہم لوگ حضرت کو اونٹ سے گرا دیں کہ گردن ٹوٹ جائے تو اُنکے ہاتھ سے خلاصی پائیں حذیفہ کہتے ہیں کہ یہ سنکر ہم درمیان میں آگئے اور آواز کو بلند کیا حضرت بیدار ہوگئے پوچھا کون ہے میں نے عرض کیا میں ہوں حذیفہ پھر پوچھا یہ کون لوگ ہیں میں نے سب کے نام بتائے حضرت نے فرمایا یہ سب منافق ہیں کسی کو انکا نام نہ بتانا اور تاریخ سے منقول ہے کہ رسول خدا نے بجز حذیفہ کسی کو منافقین کے نام نہ بتائے ہم لوگ بارہ آدمی تھے۔ (اسماء الرجال صفحہ ۱۷)

پھر اوسی کتاب میں ہے:-

وکان عمر یسأل حذیفہ عن حدیث العقبۃ ویسئلہ عن علامات النفاق هل تری فیہ شیئًا۔

کہ عمر پوچھا کرتے تھے حدیث عقبہ کو اور علامات نفاق کو اور اس بات کو کہ آیا ہم میں بھی کچھ علامات نفاق پاتے ہو۔

پھر تعجب ہے کہ اصل واقعہ کو یہ لوگ چھپا کر کیوں ایسی باتیں بناتے ہیں۔ میزان الاعتدال علامہ ذہبی میں ہے کہ عمر نے کہا:-

یا حذیفہ باللہ انا من المنافقین (صفحہ ۲۲۶)

کہ اے حذیفہ قسم خدا کی ہم منافقوں سے ہیں۔

پھر نہ معلوم اس قسم کے افترا پردازی سے کیا کیا فائدہ۔

حر بن قیس

یہ بھتیجے ہیں عیینہ بن حصین کے حر نے عیینہ کے لیئے اجازت طلب کی عمر نے اجازت دی تو عیینہ نے عمر سے کہا اے ابن خطاب خدا کی قسم تم ہمیں مال نہیں دیتے اور ہمارے درمیان انصاف نہیں کرتے۔ (اسد الغابہ صہ ۲۷۶)

اب اس سے بڑھ کر کونسی شہادت ہو سکتی ہے اسکی کہ عمر ناانصافی کرتے کیونکہ خود صحابی رسول گواہی دے رہا ہے

حرام بن ملجان

اصابہ میں اسی کے ترجمہ میں ہے۔

وکان مسلما یکتم اسلامہ لامرأة من قومہ (۲۷۶)

کہ اپنا اسلام خوف سے ایک عورت کے مخفی رکھتا تھا۔

کیا اب بھی تقیہ پر اعتراض ہو سکتا ہے جب ایسا صحابی اپنے اسلام کو مخفی رکھتا تھا۔

حرقوص بن زہیر سعدی

عمر نے ان کو مسلمانوں کے مدد کے لیئے بھیجا تھا یہ پہلے جناب امیرؑ کے ساتھ بھی جنگ صفین میں تھے مگر آخر میں خارجی ہو گئے جب حضرت علیؑ نے خوارج سے قتال کیا تو یہ خوارج کے ساتھ اور اسی زمانہ میں ۳۷ھ میں مقتول ہوئے اسد الغابہ صہ ۲۷۵)

حریز بن شراحیل کندی

صحابی ہیں انھوں نے ۶۶ھ میں شہادت پائی صفحہ ۲۸ اسد الغابہ مگر افسوس نصرت امام حسین نہ کی۔

حزن بن ابی وہب

رسول اللہ نے اُن کا نام سہل رکھا اُنھوں نے عرض کیا کہ میں اپنا نام نہ بدلونگا۔

(اسد الغابہ جلد)

کیا ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت نازاں ہیں جو حضرت کے حکم سے اپنا نام بھی بدلنا نہ پسند کرتے۔

حسان بن ثابت انصاری

بڑے اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے کفار و مشرکین کی ہجو کیا کرتے حضرت عائشہ پر تہمت لگانے میں یہ بھی شریک تھے حسان بن ثابت۔ مسطح بن اثاثہ۔ حمنہ بنت جحش۔ حضرت نے ان لوگوں کو اسی اسی درّے مارے یہ نہایت بزدل تھے حضرت نے غزوہ خندق میں اُنکو بھی عورتوں کے ساتھ ایک بلند مقام پر پہونچا دیا تھا جو بمنزلہ قلعہ تھا ایک کافر آیا تو حضرت صفیہ نے کہا اسے قتل کرو کہا ہم اس کام کے نہیں حضرت صفیہ نے خود اُسے قتل کیا تو حسان سے کہا جا کر اس کا لباس وغیرہ اتار لو حسان سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ (۵ اسد الغابہ جلد ۳)

ہمنے اس غرض سے اُن کا حال لکھا ہے کہ اہلسنت دعویٰ کرتے ہیں الصحابۃ کلھم عدول صحابہ جتنے ہیں وہ عادل ہیں تو اب وہ غور کریں کہ جب خود رسول اللہ کے روبرو حضرت کی محبوبہ پر ایسی تہمت لگائی جس پر اسی اسی درّے لگائے گئے تو پھر اس پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ وہ بعد وفات رسول اپنے ذاتی اغراض کیلیئے افترا کریں اس لیئے کہ اسلامی دنیا میں جو کچھ فساد ہوا وہ انھیں صحابہ کے بدولت۔

تاریخ کامل میں سولہ آدمیوں کا نام لکھا ہے جنھوں نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی اُن میں حسان بن ثابت کا بھی نام ہے

فاما حسان فکان شاعراً لا یبالی ما یصنع واما زید بن ثابت فولاہ عثمان الدیوان وبیت المال (صفحہ ۸۵ جلد ۳)

یعنی حسان تو مرد شاعر تھے انکو کچھ پروانہ تھی کہ کیا کرتے ہیں اور زید بن ثابت کو عثمان نے دیوان اور بیت المال کا متولی قرار دیا تھا۔ اس وجہ سے اُنھوں نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی یہی زید بن ثابت کاتب قرآن بھی ہیں جنھوں نے حسب خواہش عثمان ترتیب دیا تھا۔

جناب امام حسن علیہ السلام کا نام بھی اسی فہرست میں لیا گیا ہے لہٰذا ہم کو بھی یہیں لکھنا پڑا ورنہ آپ کا ذکر خیر تو رسول اللہ کے ساتھ ہوتا۔

سیدنا وابن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

فرزند جگر گوشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ابن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ قریشی ہاشمی کنیت ابو محمدؑ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں والدہ اُنکی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ جوانان اہل جنت کے سردار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی بہار ہیں (صورت میں بھی) آپ کے مشابہ تھے اُنکا نام حسن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور اُن کی کنیت ابو محمد آپ ہی نے قائم کی تھی اور ولادت سے ساتویں دن آپنے عقیقہ کیا تھا اور اُنکے بال منڈوائے تھے اور حکم دیا تھا کہ اُن کے بالوں کے ہموزن چاندی خیرات کیجائے اہل کسا کے پانچویں شخص ہیں۔

ابو محمد عسکری نے کہا ہے کہ یہ نام جاہلیت میں کسی کا معلوم نہیں ہوتا اور اُنھوں نے ابن اعرابی سے اُنھوں نے مفضل سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ دو نام حسن اور حسین چھپا رکھے تھے یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں صاحبزادوں کا نام حسنؑ اور حسین رکھا ابن اعرابی کہتے ہیں میں نے مفضل سے کہا کہ دو شخص یمن میں تھے (انکا نام بھی تو حسنؑ اور حسینؑ تھا) مفضل نے کہا ان کا نام حَسن ساکن السین اور حَسین بفتح حا وکسر سین تھا ان دونوں صاحبزادوں سے پہلے حسنؑ اور حسینؑ کسی کا نام نہ تھا صرف حسن کے نام سے ایک گاؤں بلاد ضبہ میں ہے (جسکی نسبت) ابن عنمہ (شاعر) نے یہ شعر لکھا ہے۔ غداۃ اضر بالحسن البسیل اسی مقام میں بسطام بن قیس شیبانی قتل کئے گئے۔

حسن بن ابی طالب جن کی والدہ فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھیں نصف رمضان ۳ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور مدینہ منورہ میں ۴۹ سنہ ہجری میں اُن کی وفات ہوئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُن کی ولادت نصف شعبان ۳ سنہ ہجری میں ہوئی اور بعض کہتے ہیں غزوۂ اُحد

کے ایک سال بعد اور بعض کہتے ہیں دو سال بعد پیدا ہوئے ہجرت کے اور غزوہ اُحد کے درمیان میں دو برس چھ مہینے پندرہ دن کا فصل تھا۔ ام فضل نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ گویا ایک عضو آپ کا میرے گھر میں ہے حضرت نے فرمایا کہ تم نے اچھا (خواب) دیکھا فاطمہ سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کو تم قثم کا دودھ پلاؤ گی چنانچہ حضرت حسنؑ پیدا ہوئے اور ام فضل نے انکو قثم کا دودھ پلایا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے تھے جب حسنؑ پیدا ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا (میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اسکا نام کیا رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے حضرت نے فرمایا (حرب) نہیں ہے بلکہ اس کا نام حسن ہے پھر جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو ہم نے اُن کا نام بھی حرب رکھا جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپنے (بدستور سابق) فرمایا میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اسکا کیا نام رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے حضرت نے فرمایا وہ (حرب نہیں ہے) بلکہ (اسکا نام) حسینؑ ہے پھر جب تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اسکا نام حرب رکھا آپنے فرمایا وہ (حرب نہیں ہے) بلکہ (اس کا نام) محسن ہے بعد اسکے آپنے فرمایا کہ میں ان تینوں کے وہ نام رکھتا ہوں جو ہارون (پیغمبر علیہ السلام) کے بیٹوں کے نام تھے (یعنی) شبّر اور شبیر اور مشبّر (حضرت حسنؑ سے ام المومنین) عائشہ نے اور شعبی اور سوید بن غفلہ اور شقیق بن سلمہ اور ہبیرہ بن یریم اور شعیب بن نجبہ اور اصبغ بن نباتہ اور ابو الحوراء اور معاویہ بن خدیج اور اسحاق بن بشار اور محمد بن سیرین وغیرہم نے روایت کی ہے)

حضرت حسنؑ بن علی فرماتے تھے مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات تعلیم فرمائے ہیں جنکو میں وتر (کی دعائے قنوت) میں پڑھ لیا کرتا ہوں (وہ کلمات یہ ہیں):۔

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک وانّک لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔

یزید بن ابی مریم نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے حضرت حسنؑ بن علیؑ سے عرض کیا کہ آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں یاد ہوں تو بیان کیجئے اُنھوں نے کہا مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بات یاد ہے میں نے (ایک مرتبہ) صدقے کے چھوہاروں میں سے ایک چھوہارا لیکر اپنے منھ میں رکھ لیا تھا حضرت نے اُسکو (میرے منھ سے) نکال لیا اس حال میں کہ اس میں میرا لعاب (دہن) مل چکا تھا اور اُسکو صدقے کے چھوہاروں میں ملا دیا کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ ایک چھوہارے کی کیا بات تھی (آپنے کھا لینے دیا ہوتا) آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیئے یعنی آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیئے صدقہ حلال نہیں ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس بات میں تم کو شک ہو اُسکو ترک کردو کیونکہ سچائی نام اطمینان کا ہے اور شک جھوٹی چیز ہے اور حضرت ہمیں اس دعا

کی تعلیم دیا کرتے تھے اس کے بعد انھوں نے قنوت کی حدیث ذکر کی۔

سفیان ثوری نے خبر دی کہ وہ کہتے تھے حضرت حسنؑ بن علیؑ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص نماز پڑھ کر اپنے مصلا پر بیٹھا رہے یہاں تک کہ آفتاب نکل آئے تو یہ کام اُسکے لیئے دوزخ سے حجاب ہو جائے گا یا فرمایا کہ دوزخ ایک پردہ ہو جائے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں سواد وخالہ زاد بھائیوں یعنی حضرت علیسیٰ اور یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے۔ اُسامہ بن زید نے خبر دی وہ کہتے تھے کہ میں ایک رات کو کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ میرے پاس باہر تشریف لائے اور آپ کسی چیز کو اُٹھائے ہوئے (چادر میں چھپائے ہوئے) تھے مجھے معلوم نہیں ہوا کہ آپ کس چیز کو اُٹھائے ہوئے ہیں پھر جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا حضرت یہ کیا چیز ہے جسکو آپ اُٹھائے ہوئے ہیں آپ نے چادر کھول دی تو (معلوم ہوا کہ) وہ حسنؑ اور حسینؑ ہیں جنکو آپ اپنی گود میں لیئے ہوئے تھے پھر آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں لے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان دونوں سے محبت رکھ اور جو شخص انسے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت رکھ۔ (ایک مرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میرا بیٹا (یعنی حسن) سردار ہے اسکے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ پڑھ رہے تھے اُسی حالت میں حسنؑ اور حسینؑ (گھر سے باہر) آئے سُرخ کرتے پہنے ہوئے چلے آرہے تھے اور اُنکے پیر لڑکھڑاتے تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اُتر پڑے اور اُنکو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھا لیا بعد اسکے فرمایا اللہ سچ فرماتا ہے انما اموالکم واولادکم فتنة میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آرہے ہیں اور اُنکے پیر لغزش کرتے ہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کر دی اور اُنکو اُٹھا لیا۔ نیز وہ کہتے تھے انس بن مالک سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے حسن بن علی سے زیادہ (صورت میں) رسول خدا صلی اللہ وسلم کے مشابہ کوئی نہ تھا۔ ابن عباس سے نقل کر کے خبر دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) حضرت حسن کو اپنے شانہ پر سوار کیئے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ لے صاحبزادے تم کیسی اچھی سواری پر سوار ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سوار بھی تو اچھا ہے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حسن بن علیؑ کو اپنے شانے پر سوار کیے ہوئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اے اللہ میں اسکو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُسے دوست رکھ۔ عمر بن ابی سلمہ ربیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر کے خبر دی کہ وہ کہتے تھے حضرت ام سلمہ کے گھر میں جب یہ آیت نازل ہوئی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا تو ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بھی ان لوگوں میں ہوں تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر ہو اور تم بہتری پر ہو۔ زید بن ارقم سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دو گرانقدر چیزیں تم میں چھوڑے جاتا ہوں جب تک اُنکے ساتھ تمسک کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک چیز ان میں سے بہ نسبت

دوسرے کے بڑی ہے (وہ دونوں یہ ہیں) کتاب اللہ جو مثل ایک رسی (کے) ہے آسمان سے زمین کیطرف لٹکی ہوئی اور میری عترت یعنی میرے اہلبیت اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر (ساتھ ہی ساتھ) پہونچ جائے گی پس خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت رکھو بوجہ اُن نعمتوں کے جو روزانہ تم پر فائض ہوتی ہیں اور بوجہ اللہ کی محبت کے مجھ سے محبت رکھو اور بوجہ میری محبت کے میرے اہلبیتؑ سے محبت رکھو لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت حسنؑ بن علیؑ نے کئی حج پاپیادہ کیئے اور فرماتے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ میں اس حال میں اس سے ملوں کہ میں اسکے گھر تک پاپیادہ نجاؤں اور تین مرتبہ اُنھوں نے اپنا نصف مال اللہ کی راہ میں دیا (نصف بھی اس طرح کہ) ایک جوتی رکھ لیتے تھے اور ایک جوتی دیدیتے تھے اور دو مرتبہ اپنا پورا مال دیدیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ حسن بھی اسباط میں سے ایک سبط ہیں حضرت حسن بہت ہی بردبار اور کریم و پرہیزگار تھے اُنکی پرہیزگاری ہی نے اُنھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اُنھوں نے اللہ کے یہاں کے ناز و نعیم پر قناعت کر کے دنیا اور اُسکی سلطنت چھوڑدی اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حاکم بنوں اور میری حکومت میں کسی کا خون تپنے سے بھی گرایا جائے۔ حضرت عثمان بن عفان کی مدد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے حضرت علی سترہ رمضان سنہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے تھے حضرت حسن کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے جان دیدینے کے اقرار پر بیعت کی تھی یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے اُنکے والد حضرت علی سے بھی بیعت کی تھی مگر وہ حضرت حسن کے زیادہ اطاعت کرنے والے اور اُنسے زیادہ محبت رکھنے والے تھے حضرت حسن قریب سات مہینہ کے عراق اور اُسکے ماسوا یعنی خراسان اور حجاز اور یمن وغیرہ کے خلیفہ رہے پھر حضرت معاویہ شام سے اُن کی طرف چلے اور یہ حضرت معاویہ کی طرف چلے جب دونوں لشکر مقابل میں آگئے تو حضرت حسن نے خیال کیا کہ ایک کو دوسرے پر فتح نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے لشکر کا اکثر حصہ مقتول نہ ہوجائے لہٰذا اُنھوں نے حضرت معاویہ کو پیغام دیا کہ میں تمھیں خلافت دیئے دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تمھارے بعد پھر میں خلیفہ کیا جاؤں اور اس شرط پر کہ اہل مدینہ اور اہل حجاز و عراق سے ان چیزوں کو طلب نہ کرنا جو میرے والد کے وقت میں اُنھیں مل چکی ہیں اس کے علاوہ اور قواعد بھی تھے حضرت معاویہ نے اسکی درخواست منظور کرلی اور وہ معجزہ نبویّہ ظاہر ہوا جو حضرت نے فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرادے گا اور اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگی ہوگی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو سردار فرمایا۔

حضرت حسن اپنے والد امیر المومنین (علی مرتضیٰ) کی وفات کے بعد (خطبہ پڑھنے) کھڑے ہوئے اور اللہ عزوجل کی حمد کے بعد فرمایا ہمیں اہل شام (کی لڑائی) سے کسی شک یا ندامت نے نہیں روکا ہم اہل شام سے سلامتی اور صبر کے ساتھ لڑتے مگر اب عداوت کی وجہ سے سلامتی جاتی رہی اور جزع کی سبب سے صبر چلا گیا جب صفین کیطرف

تم بلائے جاتے تھے تو اس وقت تمھارا دین دنیا سے مقدم تھا مگر اب تمھاری دنیا تمھارے دین سے مقدم ہوگئی ہے آگاہ ہو ہم تو اب بھی تمھارے لیئے ویسے ہی ہیں جیسے تھے مگر تم ہمارے لیئے اب ویسے نہیں رہے جیسے تھے اسوقت دو قسم کے لوگ تمھارے مقتول ہو چکے ہیں جن کے لیئے تم رو رہے ہو اور کچھ لوگ نہروان میں مقتول ہو چکے ہیں جن کا انتقام تم طلب کر رہے ہو جو لوگ باقی رہ گئے ہیں وہ ناکام ہیں اور جو رو رہے ہیں وہ پریشان ہیں۔

سنو! معاویہ نے ہمیں ایک ایسی بات کیطرف بلایا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف پس اگر تم موت کے خواہشمند ہو تو ہم معاویہ کی بات نامنظور کردیں اور اللہ عزوجل کے سامنے تلوار کی باڑھ سے فیصلہ کریں اور اگر زندگی کے خواہشمند ہو تو ہم معاویہ کی بات مان لیں اور جس بات پر تم راضی ہو اُسی کو اختیار کریں تو سب لوگوں نے ہر طرف سے اُنھیں آواز دی کہ ہم باقی رہنے کے خواہشمند ہیں جب سب نے متفق ہو کر یہی بات کہی تو حضرت حسن نے صلح منظور کرلی۔

ایک شخص حضرت حسن بن علیؑ کے سامنے کھڑا ہوا جبکہ اُنھوں نے حضرت معاویہ سے بیعت کرلی اُس شخص نے کہا کہ تم نے مومنوں کے منہ میں کالک لگادی یا یہ کہا کہ اے مومنوں کے روسیاہ کرنے والے حضرت حسن نے فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے مجھے طعنہ نہ دے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (خواب میں) دکھایا گیا تھا کہ بنی امیہ آپ کے منبر پر کھڑے ہیں یہ بات آپ کو بہت ناگوار ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی:۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر

حضرت نے فرمایا کہ ہزار مہینوں سے مراد وہ ہزار مہینے ہیں) جن میں میرے بعد بنی اُمیّہ بادشاہت کریں گے۔

اس وقت کی تعیین میں اختلاف ہے جس میں حضرت حسنؑ نے خلافت حضرت معاویہ کے حوالے کی بعض لوگ کہتے ہیں جمادی الاولی ۴۱ھ میں اور بعض لوگ کہتے ہیں ربیع الآخر میں پہلے قول کے موافق حضرت حسن کی خلافت چھ مہینے بارہ دن رہی اور جو لوگ کہتے ہیں ربیع الآخرہ میں یہ واقعہ ہوا اُن کے قول کے موافق چھ مہینے اور کچھ دن رہی اور جو لوگ کہتے ہیں جمادی الاولی میں یہ واقعہ ہوا اُن کے نزدیک آٹھ مہینے رہی واللہ اعلم

ان تمام اقوال میں اُنھیں لوگوں کا قول صحیح ہے جو کہتے ہیں ۴۱ھ میں یہ صلح ہوئی۔

جب حضرت حسنؑ نے معاویہ سے بیعت کی تو قبل اس کے حضرت معاویہ کوفہ میں آئیں حضرت حسنؑ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اے لوگو! ہم تمھارے سردار اور تمھارے مہمان ہیں اور ہم تمھارے نبی کے اہلبیت ہیں جن سے خدا نے ناپاکی کو دور کردیا ہے اور اُنھیں خوب پاک کردیا ہے اس کلمہ کو کئی مرتبہ کہا یہاں تک کہ سب لوگ رونے لگے اور اُن کے رونے کی آواز کانوں میں آئی جب حضرت معاویہ کوفہ پہونچے تو لوگوں نے اُن سے بیعت کی عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ سے کہا کہ آپ حضرت حسنؑ سے کہیئے کہ خطبہ پڑھیں حضرت معاویہ نے کہا ہمیں اسکی ضرورت نہیں ہے عمرو

بن عاص نے کہا میں اسکو مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ان کی نا قابلیت ظاہر ہو جائے کیونکہ وہ ان باتوں کو نہیں جانتے حضرت معاویہ نے کہا اے حسن اُٹھو اور لوگوں سے بیان کرو اور جو ہمارے اور تمھارے درمیان واقعات گزرے ہیں ان کو ظاہر کرو پس حسن اس بات کے بیان کرنے کو کھڑے ہو گئے جس کے متعلق اُنھوں نے پہلے سے کچھ غور نہ کیا تھا اُنھوں نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی بعد اسکے فی البدیہہ فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے تمہیں ہمارے اگلے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے ہدایت کی اور ہمارے پچھلے کے (یعنی میرے) ذریعہ سے تمھارے جانوں کی حفاظت کی آگاہ رہو سب سے زیادہ عقلمندی پرہیزگاری ہے اور سب سے زیادہ بیوقوفی بدکاری ہے اور یہ معاملہ جس کے متعلق میں اختلاف ہوا دو حال سے خالی نہیں) یا تو وہ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں اور یا یہ میرا حق ہے جو میں نے اللہ عز وجل کے لیئے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے لیئے اور تمھاری جانوں کی حفاظت کے لیئے ترک کر دیا پھر جب حضرت معاویہ کے طرف متوجہ ہوئے فرمایا:۔ وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین تو حضرت معاویہ نے اُن سے کہا کہ اب منبر اتر پڑیے اور عمرو بن عاص سے کہا کہ تمھارا یہی مقصد تھا حضرت حسنؓ کے وفات کے وقت میں بھی اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں ۴۹ھ میں ان کی وفات ہوئی بعض لوگ کہتے ہیں ۵۰ھ میں اور بعض لوگ کہتے ہیں ۵۱ھ میں خضاب لگایا کرتے تھے۔ آپکی وفات کا سبب یہ ہوا کہ اُن بی بی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے انھیں زہر پلا دیا تھا اور دست آنا شروع ہوئے اور یہ حالت ہوئی کہ اُنکے نیچے طشت رکھ دیا جاتا تھا اور دوسرا اُٹھایا جاتا تھا قریب چالیس دن کے یہی حالت رہی اور اسی سے وفات ہو گئی جب اُنکا مرض بڑھ گیا تو اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اے بھائی مجھے تین مرتبہ زہر پلایا گیا مگر اس مرتبہ ایسا نہیں پلایا گیا میرے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کے گر رہے ہیں حضرت حسینؓ نے پوچھا کہ آپکو زہر کسنے پلایا ہے حضرت حسن نے فرمایا کہ یہ تم کیوں پوچھتے ہو کیا تم اُن لوگوں سے لڑنا چاہتے ہو؟ میں انھیں اللہ عز وجل کے حوالہ کرتا ہوں جب اُنکی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ کے پاس ایک آدمی بھیجکر اس امر کی اجازت طلب کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جاؤں حضرت عائشہ نے اسکو منظور کر لیا پھر اپنے بھائی سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو تم پھر عائشہ سے اجازت طلب کرنا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دفن کیا جاؤں میں نے اُن سے اجازت طلب کی تھی اور اُنھوں نے منظور کر لیا تھا مگر شاید اُنھوں نے میری مروت کیوجہ سے ایسا کیا ہو لہٰذا اسکے بعد اگر وہ اجازت دیں تو تم مجھے اُن کے گھر میں دفن کر دینا مگر مجھے خیال ہوتا ہے کہ بنی اُمیہ تمھیں روکیں گے لہٰذا اگر وہ ایسا کریں تو تم اُن سے اسکے متعلق مزاحمت نہ کرنا اور مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

چنانچہ جب اُنکی وفات ہو گئی تو حضرت حسینؓ حضرت عائشہ کے پاس اس کی اجازت طلب کرنے کے لیئے گئے حضرت عائشہ نے کہا مجھے خوشی سے منظور ہے جب یہ خبر مروان کو اور باقی بنی امیہ کو پہونچی تو اُنھوں نے کہا خدا کی قسم وہ وہاں ہرگز نہیں دفن کیئے جا سکتے حضرت حسینؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے اور ان کے ساتھ والوں نے ہتھیار اُٹھائے مروان نے بھی ہتھیار اُٹھائے حضرت ابو ہریرہ نے اسکو سنا تو اُنھوں نے کہا خدا کی قسم یہ بڑا ظلم ہے کہ حسنؓ کو اُنکے باپ کے پاس دفن ہونے سے روکا جاتا ہے واللہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں پھر وہ حضرت حسینؓ

کے پاس گئے اور اُنکو سمجھایا اور خدا کا واسطہ دلایا اور کہا کہ آپ کے بھائی نے نہ کہا تھا کہ اگر تمھیں (بنی امیہ کی مخالفت کا) خوف ہو تو مجھے مسلمانوں کے مقبرہ میں لیجانا حضرت حسینؑ نے مان لیا اور انھیں جنت البقیع میں اُٹھا لے گئے بنی امیہ میں سے کوئی شخص سوا سعید بن عاص کے اُنکے ساتھ نہ تھا سعید بن عاص مدینہ کے حاکم تھے حضرت حسین خود اُن کے پاس گئے تھے تاکہ وہ نماز جنازہ پڑھا دیں اور اُن سے فرمایا تھا کہ اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں ہرگز تمھارے پاس نہ آتا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اُن کے جنازہ میں خالد بن ولید بن عقبہ بن ابی معیط بھی شریک تھے انھوں نے بنی امیہ سے اجازت مانگی تھی اور اُنھوں نے اُنکو اجازت دیدی تھی حضرت حسنؑ نے اپنے بھائی حضرت حسین ع کو وصیت کی تھی اور اُن سے کہا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ نبوت اور خلافت دونوں کو خدا ہمارے گھر میں جمع نہ کرے گا لہذا اہل کوفہ تمھیں دھوکہ دے کے تمھیں لڑائی پر آمادہ نہ کریں۔ فضل بن دکین کہتے تھے جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مرض بڑھ گیا تو اُنھیں جزع کی حالت طاری تھی ایک شخص اُن کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اے ابو محمد۔ یہ جزع کیسی جس وقت آپ کی روح آپ جسم سے جدا ہوگی اُس وقت آپ اپنے والدین علیؑ اور فاطمہؑ اور نانا نانی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہ اور اپنے چچا یعنی حمزہ اور جعفر اور اپنے ماموں یعنی قاسم اور طیب اور طاہر اور ابراہیم اور اپنی خالہ یعنی رقیہ اور ام کلثوم اور زینب کے پاس پہونچیں گے یہ سن کر اُن کی وہ حالت دور ہو گئی جب حضرت حسنؑ کی وفات ہوئی تو بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک اُنکے لئے نوحہ کیا اور ایک سال تک سوگ کا لباس پہنا۔ (صا۲۱ جلد ۳)

تنقید :- اس تحریر میں چند امر تنقید طلب ہیں۔

(۱) جناب امیرؑ نے خود آپ کا نام حرب رکھا تھا بعد اسکے رسولؐ نے تبدیل کر کے حسنؑ رکھا حالانکہ بہت سی روایات اہلسنت اس کے خلاف ہیں۔ خود تاریخ خمیس میں ہے جو مشہور کتب تواریخ اہلسنت سے ہے۔

جب امام حسن پیدا ہوئے تو رسول اللہ نے فرمایا اے اسماء ہمارے فرزند کو لاؤ اسماء نے جب حاضر کیا تو پوچھا ہمارے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے جناب امیرؑ نے عرض کیا ہم اس بارے میں سبقت نہیں کر سکتے تھے آپ پر رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم بھی خدا پر سبقت نہیں کر سکتے۔ تب حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا کہ خدا بعد تحفہ درود و سلام فرماتا ہے کہ علیؑ تم سے بمنزلہ ہارونؑ کے موسیٰؑ سے ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔ لہذا جو نام فرزندان ہارون کا تھا وہی نام رکھو۔ پوچھا کیا نام تھا کہا شبرؑ حضرتؐ نے فرمایا ہماری زبان تو عربی ہے حضرت جبرئیل نے کہا تو پھر حسن نام رکھو حضرت نے یہی نام رکھا۔ سال بھر کے بعد جب جناب امام حسین پیدا ہوئے تو پھر رسول اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہی تقریر ہوئی اور حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا نام حسینؑ رکھو۔ (تاریخ خمیس جلد اول صا۴۱۸)

یہ روایت صرف تاریخ خمیس ہی میں نہیں ہے بلکہ ہدایت السعدا۔ شرف النبوۃ۔ وسیلۃ المتعبدین۔ ذخائر العقبیٰ ریاض النضرہ۔ کتاب الاکتفائی فضائل الخلفا میں موجود ہے جنکی کل عبارتیں کتاب مستطاب عبقات الانوار حدیث منزلت میں منقول ہیں ملاحظہ ہو صا۳۲۳ لغایتہ ۳۴۳،

اس سے نہ صرف اس مضمون کا ابطال ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے پہلے حرب نام رکھا تھا بعدہ رسول اللہ نے حسنؑ و حسینؑ رکھا بلکہ اسکا بھی کہ حضرت محسن پیدا ہو چکے تھے اور اُن کا نام رسول اللہ نے محسن رکھا کیونکہ یہ نام قبل از ازولادت رکھا گیا تھا۔

افسوس کہ توہین شان خاندان رسالت میں کسی وقت کوتاہی نہیں کی گئی اس لیئے یہ روایت تصنیف ہوئی کہ جناب امیرؑ نے بعد ولادت حرب نام رکھا حالانکہ ہم شرفا کے روزمرہ میں دیکھتے ہیں کہ جہاں اس قسم کے تعلقات ہوتے ہیں وہاں بزرگوں کی موجودگی میں کبھی اس کا اقدام نہیں کیا جاتا کہ بزرگوں کے رہتے ہوئے کوئی نام رکھے چہ جائیکہ اس خاندان میں جہاں بات ہو جو خاندان رسالت اور مہبط وحی ہو جب جناب سیّدہ کا عقد بلا حکم خداوند عالم نہ کیا جائے وہاں نام بغیر حکم خدا کیونکر رکھا جا سکتا ہے۔

محقق دہلوی شیخ عبد الحق اسماء الرجال مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔

وروی ان جبرئیل جاء با سمهما فی قطعة حریر من عند الله هدیة الی رسول الله

(صفحہ ۱۶ ورق قلمی)

حضرت جبرئیل ایک قطعہ حریر پر دونوں نام لکھے ہوئے لائے بطور تحفہ خدا کی طرف سے۔

پھر کیونکر عقل باور کر سکتی ہے کہ قبل از نزول وحی جناب امیرؑ نے یہ نام رکھ دیا ہو جبکہ بغیر حکم رسول آپ کوئی کام نہ کرتے ہوں۔ غرض جہاں وہ حصہ روایت غلط ہے کہ جناب امیر نے حرب نام رکھا تھا وہاں یہ حصہ بھی پورے طور سے موضوع ہے کہ تیسرا لڑکا محسن نامی حضرت کے زمانہ میں پیدا ہوا کیونکہ بجز اس روایت کے کوئی ذکر اُسکا نہیں پایا جاتا کہ وہ کب پیدا ہوئے ہاں معارف بن قتیبہ میں ہے۔ هلك وهو صغير (ص۱)

مگر یہ سب پردہ داری ہے اصلی کہ انکی شہادت عمر بن الخطاب کے ظلم و ستم سے ہوئی جس کا قصہ تمام عالم میں مشہور ہے یہاں تک کہ ابراہیم بن سیار نظام جو مذہب نظامیہ کا امام ہے وہ بھی اس پر مجبور ہوا کہ امر حق کو قبول کرے چنانچہ ملل و نحل شہرستانی میں ہے۔ (صفحہ مطبوعہ)

ان عمر ضرب بطن فاطمةؑ يوم البيعة حتى القت المحسن من بطنها وكان يصيح احرقوها بمن فيها وما كان فی الدار غير علی وفاطمة والحسن والحسين

کہ عمر نے شکم جناب سیدہ پر مارا جس سے حضرت محسن کا اسقاط ہوا وہ کہتا تھا کہ اس گھر کو جلا دو حالانکہ اُس مکان میں بجز جناب سیدہ اور جناب امیر و حسنین کوئی نہ تھا۔

چونکہ اس بحث کی کافی تحقیقات رسالہ "النار الموقدہ" میں ہو چکی ہے لہذا زیادہ ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرات اہلسنت نے اس ظلم صریح کے اخفا میں بہت کوشش کی ہے۔

ہاں بعض اشخاص نے یہ استبعاد کیا ہے کہ قبل از ولادت کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی اور اس کا نام کیونکر رکھا جا سکتا ہے لہذا اس کا دفعیہ اس عبارت سے کر لیجئے کہ محب الدین طبری ریاض النضرہ

میں بسلسلہ ذکر فراست و کرامات ابی بکر لکھتے ہیں:۔

وانه قد القى فى نفسى انها جاریة فولدت ام کلثوم (جلد ا صفحہ ۱۲۹)

یعنی ابوبکر نے عائشہ سے کہا ہم چار وارث چھوڑے جاتے ہیں دو بیٹا تین بیٹی تو عائشہ نے کہا تیسری بیٹی کون ہے تو کہا بنت خارجہ (زوجۂ ابوبکر کا نام) حاملہ ہے اور ہمارا گمان ہے کہ وہ لڑکی ہو جس کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئی۔

یہ وہی ام کلثوم ہے جس سے عمر نے عقد کرنا چاہا اور اُسنے انکار کیا اور یہ سب واقعات حضرت ام کلثوم بنت جناب امیرؑ کی طرف منسوب ہوئے۔

تو کیا اسکو یاد کر سکتے ہیں کہ ابوبکر تو بتا جائیں ہمارے لڑکی پیدا ہوگی اور جناب رسول اللہ کو اسکا علم نہ ہو کہ جناب سیدہ کے ایک اور بیٹا ہونے والا ہے حالانکہ ان احادیث میں اسکی تصریح موجود ہے کہ میں وہی نام رکھتا ہوں جو ہارون پیغمبر کے بیٹوں کے نام تھے یعنی "شبرؑ اور شبیرؑ اور مشبرؑ" جس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ حضرؐ کے عہد میں پیدا بھی ہو چکے تھے۔

(۲) اس واقعہ کو سب نے لکھا ہے کہ حضرت نے صدقہ کا خرما جناب امام حسنؑ کے منہ سے نکال لیا جسکے نسبت ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وهذه القصة اخرجها اصحاب الصحيح من حديث ابى هريرة (صفحہ ۱۱ جلد ۲)

اس حدیث کو کل اصحاب صحیح نے لکھا ہے بروایت ابوہریرہ مگر وہ اشخاص بہت کم ہیں جنھوں نے اس پر غور کیا ہو کیونکہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جو زمانہ آپکے رضاعت کا تھا اس پر رسولؐ کا فرمانا کخ کخ اما تعلم ان الصدقة حرام علینا ہاں ہاں تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

حسب تحریر قاضی نور اللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ احقاق الحق میں معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر عسقلانی نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ جناب امام حسنؑ اور دوسرے لڑکے برابر نہیں ہو سکتے لان الحسن فى ذالك الحال كان يطالع اللوح المحفوظ (صفحہ ۱۲۷ احقاق الحق)۔

کہ جناب امام حسنؑ اس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ فرماتے تھے مگر افسوس نسخہ حاضرہ میں یہ عبارت نہیں ملتی معلوم نہ کب نکال دی گئی مگر ہمکو اس سے بحث نہیں کیونکہ حضرت نے اس حدیث سے اسکو ظاہر کیا کہ رسولؐ کا اہلبیتؑ کون ہے کیونکہ صحیح مسلم میں باب اسکے لیئے قائم کیا گیا ہے۔ باب لا تحل الصدقة لرسول الله واهل بيته (صفحہ ۳۳۰ سراج وہاج شرح صحیح مسلم)

جس سے معلوم ہوا کہ اہلبیتؑ حقیقتاً یہی حضرات ہیں نہ کہ ازواج جن کے لیئے صدقہ عام طور سے مباح تھا چنانچہ اسی صحیح مسلم میں ہے انى لانقلب الى اهلى فاجد التمرة ساقطة على فراشى ثم ارفعها لاكلها ثم اخشى ان تكون صدقة فالقيها۔ (۳۴۴ شرح صحیح مسلم نووی)

کہ ہم اکثر اپنے ازواج کے پاس جاتے ہیں ہمارے فرش پر خرما گرا پڑا ہوتا ہے جسکو اٹھاتے ہیں کہ کھا جائیں پھر خیال ہوتا ہے کہ شاید صدقہ ہو لہذا پھینک دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول داخل اہل بیت نہیں ہیں ورنہ ان پر بھی صدقہ حرام ہوتا۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:۔ فنظر الیہم فاذا ھو یلوک تمرۃ فحرک خدہ وقال الق یا بنی الق یا بنی۔ (ص ۳۹ جلد ۴)

یعنی حضرت نے جو دیکھا کہ امام حسنؑ خرما کو کھائے جاتے ہیں تو آپ نے حضرت کے رخسار کو پکڑ کر حرکت دیا اور کہا اے فرزند پھینک دے اے فرزند نکالدے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو کس درجہ اس میں اہتمام تھا۔ پھر حیف ہے کہ اہلسنت نے اس سے بھی کوئی نتیجہ نکالا کہ اگر ازواج بھی داخل اہلبیتؑ ہوتیں تو حضرت کبھی انکی اجازت نہ دیتے کہ وہ صدقہ کھائیں۔

(۳) سیدا شباب اھل الجنۃ

یہ حدیث تمام مسلمانوں کے نزدیک ثابت و مسلم ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ اصابہ میں بھی ہے۔

ومن حدیث حذیفہ نعم الحسنؑ والحسین سید اشباب اھل الجنۃ ولہ طرق ایضا۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۱۲)

حذیفہ کی حدیث مرفوع میں ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا۔ حسنؑ و حسینؑ سردار ہیں جوانان اہل جنت کے۔ یہ حدیث اور بھی طریقوں سے مروی ہے۔

اپنی شہرت اور کثرت طرق کے لحاظ سے یہ حدیث تواتر کے درجہ تک پہونچی ہوئی ہے جس کی بنا پر کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں مگر بعض متعصب طبیعتیں آج کل اس سے انکار کرنے لگی ہیں مولوی عبدالشکور صاحب مترجم اسد الغابہ اس حدیث سے انکار کی تو جرات نہ کر سکے مگر حاشیہ کے ذریعہ اپنے دل کا غبار نکالنے سے باز نہ رہے چنانچہ اس حدیث پر حاشیہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جوانان جنت کے سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو نیک اور صالح آدمی بحالت جوانی دنیا سے گئے ان سب کے یہ سردار ہوں گے۔ ورنہ جنت میں تو جتنے لوگ ہیں سب جوان ہوں گے بوڑھا کوئی بھی نہ ہوگا۔"

مگر افسوس آپ علامہ ابن اثیر کی شروع کی عبارت کا ترجمہ کرتے وقت یہ حاشیہ چڑھانا بھول گئے شروع میں خود آپ ہی کے ترجمہ کی لفظیں ہیں۔

"والدہ ان کی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) کی بہار ہیں۔"

اس عبارت میں جناب سیدہ کو تمام عورتوں کا سردار حسنینؑ کو تمام جوانان اہل جنت کا سردار تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر آپ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ بہشت میں سب ہی جوان ہوں گے تو پھر اس قید کی کیا ضرورت پڑی کہ جو

لوگ جوانی میں مرینگے اُن کے سردار ہوں گے ؟
اگر آپ صحیح ترمذی مطبوعہ نول کشور کا حاشیہ دیکھ لیتے تو یہ حاشیہ لکھنے کی آپ کو نوبت نہ آتی۔

قیل یعنی افضل من شابا فی سبیل اللہ من اصحاب الجنۃ کذا نقل الطیبی و فیہ نظر لانہ لا وجہ لتخصیص فضلھما علی من مات شابا بل ھما افضل من کثیر من مات شیخا فالاولی ما قیل ان المراد سید اھل الجنۃ لان اھل الجنۃ کلھم شباب لکن یخص بما سوی الانبیاء و الخلفاء الراشدین
(صحیح ترمذی مطبوعہ نول کشور ص۵۳۶)

طیبی نے یہ معنی لکھے ہیں کہ جو لوگ بحالت جوانی مرے حسن و حسین اُن سے افضل ہیں مگر اس میں نظر ہے کیونکہ اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ دونوں بہت سے ایسے لوگوں سے افضل ہیں جو بوڑھے ہو کر مرے لہذا یہی کہنا ٹھیک ہے کہ یہ دونوں تمام اہل جنت کے سردار ہیں اس لئے کہ جنت والے سب کے سب جوان ہوں گے ہاں انبیاء اور خلفاء راشدین سے افضل نہیں ہیں۔

صحیح ترمذی کے اس حاشیہ سے اڈیٹر النجم کے اس نظریہ کی تو قطعی تردید ہو گئی کہ حسنین علیہم السلام جنت میں انھیں لوگوں کے سردار ہوں گے جو بحالت جوانی مرے۔ رہ گئی یہ بات کہ حسنین علیہم السلام انبیاء و خلفائے راشدین سے افضل نہیں یہ ایجاد بندہ ہے محشی نے اپنے اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں پیش کی حدیث کے الفاظ بالکل صاف ہیں اور حضرت یحییٰ و عیسیٰ کا استثنا بتا رہا ہے کہ حکم عام ہے اور تمام اہل جنت کو شامل ہے اگر خلفائے ثلثہ اہل جنت ہیں تو یقیناً حسنینؑ ان لوگوں سے بھی افضل ہیں۔

کاش اڈیٹر صاحب النجم اپنی نقل کردہ حدیث ہی پر غور کرتے جس میں مذکور ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں سوا دو خالہ زاد بھائیوں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ بن زکریا کے"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ کو چھوڑ کر حسنین علیہم السلام تمام جوانان جنت کے سردار ہیں خواہ وہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء کیونکہ اس حدیث میں پیغمبر خدا نے صرف انھیں دونوں بزرگواروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ سرداری انھیں لوگوں سے متعلق ہے جو حالت جوانی میں مرے۔

یہاں اڈیٹر صاحب النجم نے یہ حاشیہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"یعنی حضرات حسنینؑ کو ان دونوں (حضرت عیسیٰؑ و یحییٰؑ) پر فضیلت نہیں ہے یہی عقیدۂ اہلسنت ہے کہ نبی پر غیر نبی کو فضیلت نہیں ہو سکتی" (ص۱۲)

یہ کہنا بھی خلاف واقعہ اور الفاظ حدیث کے مغائر ہے کیونکہ رسول اللہ تو کل انبیاء پر حسنینؑ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں حضرت عیسیٰ و یحییٰ کو چھوڑ کر اور آپ کل انبیاء کو مستثنیٰ کرتے ہیں یا تو آپ سچے ہیں یا رسول اللہ

اڈیٹر صاحب النجم نے ایک حاشیہ اور تحریر فرمایا ہے۔

"اہل کساء سے مراد وہ لوگ ہیں جنکو آیت تطہیر کے نازل ہونیکے بعد ایک چادر اوڑھائی تھی اور اُن کے لئے

یہ دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ ان کو میرے اہلبیت میں داخل فرمادے۔

اس افترا و بہتان اور غلط بیانی کا کیا جواب یا جلیے پیغمبر خدا کی آیہ تطہیر بلفظیں ہیں اللھم ہولاء اہلبیتی خداوندا یہی ہیں ہمارے اہلبیت جس کا صریحی مطلب یہی کہ ان لوگوں کے سوا اور کوئی اہلبیت میں داخل نہیں مگر آپ رسول اللہ پر افترا کرتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا یا اللہ ان کو بھی میرے اہلبیتؑ میں داخل فرمادے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس افترا پردازی سے اڈیٹر صاحب النجم ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ خلافت نہیں جس پر آپ نے قبضہ کر لیا یہ تو عطیہ خداوندی ہے جسے ہتھیا لینا کسی کے بس کی بات نہیں۔

(۳) پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا جو شخص اُن سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ۔ اس پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ لکھتے ہیں:۔

"ان سے محبت رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف زبان سے محبت کا دعوے کرے جیسے مشرکین قریش ابراہیم سے محبت کا دعوے کرتے تھے بلکہ محبت قابل اعتبار وہی ہے کہ اپنے محبوب کی پیروی بھی کریں" (صفحہ ۱۵)

کاش اڈیٹر صاحب النجم یہ بھی بتا دیتے کہ محبت کا معیار کیا ہے کیونکہ پیروی کیجائے۔ ان کی پیروی تو جب ہی ممکن ہے جب اُن کو مطابق حکم رسول امام بھی مانیں اسی لیئے خداوند عالم نے فرمایا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو ہماری متابعت کرو۔ اب بتائیے کہ اگر رسولؐ کو رسول نہ مانئے تو کیا اُن سے محبت ہو سکتی ہے؟ اور آپ نے تو اچھی طرح ثابت کر دیا کہ آپ کو کسی طرح محبت نہیں کیونکہ جتنی حدیثیں رسول کی ابھی تک آپ نے لکھیں سب میں تاویل کر دی اور رسولؐ پر افترا کر کے اُن کے معانی بدل دیئے رسول تو فرمائیں وہ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں اور آپ فرمائیں مراد وہ لوگ ہیں جو جوانی میں مریں رسول اللہ فرمائیں اللھم ہولاء اہلبیتی خداوندا یہی ہیں میرے اہلبیت اور آپ فرمائیں اُن کے لئے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ ان کو میرے اہلبیت میں داخل کر دے۔ پھر کیونکر آپ دعوائے محبت کر سکتے ہیں۔

(۴) آپ لوگ اس حدیث سے اسلام معاویہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا مسلمانوں کے دو بڑے گروہ میں صلح کرا دے گا مگر نہ معلوم آپ اُس حدیث کو کیوں بھول جاتے ہیں جو حضرت نے عمارؓ کے بارے میں فرمایا تقتلہ الفئة الباغیة جس میں حضرت نے بتصریح تمام گروہ معاویہ کو فئہ باغیہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ تمام عالم کو معلوم ہے منافق بھی مسلمان ہی کہلاتے تھے پھر اس جملہ سے آپ وہ اسلام کہاں ثابت کر سکتے ہیں جو متنازع فیہ ہو ورنہ اس کا تو کوئی کبھی مدعی نہیں ہے کہ معاویہ وغیرہ ایسے کافر تھے جیسا کہ ابوجہل وغیرہ کافر تھے۔

(۵) انما اموالکم واولادکم فتنة اس پر اڈیٹر صاحب حاشیہ دیتے ہیں:۔

"اس سے شبہ نہ ہو کہ آں حضرتؐ پر محبت اولاد وغیرہ غالب تھی ہرگز نہیں حضرت کو جس سے بھی محبت تھی وہ محض اللہ کے لیئے۔ (صفحہ ۱۵)

مگر افسوس آپ حضرات کا عملدرآمد اسکے بالکل خلاف ہے کیونکہ ہر شخص دیکھ رہا ہے جہاں کوئی حدیث آپکو ان حضرات کے بارے میں ملتی ہے اس میں ایسی تاویل بلکہ تحریف کرتے ہیں کہ خواہی نہ خواہی اُسکے

معنی بدل جائیں۔

جس حدیث کو آپ نے لکھا ہے اور اُس پر آپ کو حاشیہ دینے کی ضرورت پڑی ایسی حدیث ہے کہ خود امام ترمذی نے جو اسکے بیان کرنے والے ہیں اسپر جرح کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

هذا حديث حسن غريب انما نعرفه من حديث الحسين بن واقد۔ (ص۲۷)

یہ حدیث حسن غریب ہے جس کو ہم صرف حسین بن واقد کے طریق سے جانتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ خود ترمذی نے پہلے ہی قدح کی مگر شکر خدا کہ آپ نے اُس کو صحیح مانا اور وہ حاشیہ چڑھایا جس میں کوئی عذر نہیں کیونکہ حضرتؐ کی محبت محض بحکم خدا تھی نہ از راہ ہوا و ہوس۔

(۶) اس روایت میں ہے کہ حضرت رسولؐ جناب امام حسنؑ کو اپنے شانے پر سوار کیئے ہوئے تھے کسی نے کہا اگرچہ اُس قائل کا نام نہ لکھا کہ وہ کون صاحب تھے جن کے مقولہ کے رد میں حضرت نے فرمایا وہ سوار بھی تو اچھا ہے اگر مؤلف زیادہ تفحص سے کام لیتا تو پتہ چل جاتا کہ وہ کون شخص تھا جس کو اتنی عظمت بھی جناب امام حسنؑ کی گوارا نہ ہوئی کتاب مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ میں ہے۔ (ص۲۷ جلد ۲)

حضرت عمر کے غلام اسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے کہا کہ:۔

جب رسولؐ نے حسنینؑ کو اپنے دوش پر سوار کیا ہم نے کہا کتنی اچھی سواری ہے تو حضرت نے فرمایا وہ دونوں سوار بھی تو اچھے ہیں۔

ابن عباد کی روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے حسنین کو آتے دیکھ کر ہاتھ پھیلا دیے اور فرمایا کیا خوب تمھارا اونٹ ہے خرگوشی کی روایت ہے کہ حضرات کے آنے میں دیر ہوئی تو حضرت نے آگے بڑھ کر اپنے پشت پر سوار کیا اور فرمایا کیا اچھی سواری تمھاری ہے اور کیسے اچھے سوار تم دونوں ہو اور باپ تم دونوں کے بہتر ہیں تم دونوں سے ابن مسعود کی روایت ہے کہ حضرت نے دونوں کو سوار کر کے فرمایا کیا اچھی سواری تمھاری ہے اور کتنے اچھے سوار تم دونوں ہو اور باپ تمھارا بہتر ہے تم سے۔ سید حمیری نے اس واقعہ کو نظم بھی کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا تم دونوں اچھے سوار ہو۔

ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ مؤلف اسد الغابہ نے اصل قائل کا نام چھپا دیا تھا تا کہ نہ معلوم ہو وہ جگر سوختہ کون تھا جس کو ناگوار گذرا کہ رسولؐ نے اپنے فرزندوں کو اپنے پشت پر سوار کیا اور حضرت نے فوراً اُسکا جواب دیا کہ صرف مرکب ہی ان دونوں کا نہیں بہتر ہے بلکہ سواری بھی بے مثل ہے۔

اس سوال وجواب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ پر انکی قلبی حالت کیسی واضح تھی کہ اُنکے اشارے کو سمجھ گئے کہ یہ ہماری تعریف خلوص دل سے نہیں ہے بلکہ خاص غرض سے جس سے ایک طرح کا اشارہ تھا حسنینؑ کے اس قابل حسد رتبہ و منزلت کی طرف۔

(۷) حضرت ام سلمہ کے گھر میں جب یہ آیت نازل ہوئی۔

انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا

اس پر اڈیٹر صاحب حاشیہ دیتے ہیں "یہ آیہ تطہیر کے نام سے مشہور ہے۔

ترجمہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہلبیت محمد تم سے ناپاکی کو دور کرے اور تمھیں خوب پاک کرے۔ اس آیہ کی تفسیر میں اہلسنت کا اتفاق ہے کہ اہلبیت سے مراد ازواج نبی ہیں لغت عرب بلکہ تمام دنیا کے لغت میں اہلبیت اور اہل خانہ اور گھر کے لوگ بی بی ہی کو کہتے ہیں اور سیاق آیت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس سے پہلے کی آیتوں میں تمامتر خطاب ازواج سے ہے مگر احادیث سے معلوم ہوا کہ آں حضرتؐ نے ازواج کے علاوہ حضرات حسنین اور حضرت علی مرتضی اور حضرت فاطمہ زہرا کو بھی اہلبیتؑ میں داخل فرمایا یا داخل کرنے دعا کی ازواج کا اس آیہ میں اضافۃً اور حقیقۃً داخل ہونا اس جواب سے بھی سمجھا جاتا ہے جو حضرت ام سلمہ کی درخواست پر جناب رسالت مآب صلعم نے دیا تھا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ (صفحہ ۱۶)

اس تحریر سے آپ کا عقیدہ معلوم ہوا کہ کس درجہ عداوت اہلبیتؑ آپ کے خمیر میں داخل ہے کہ لکھتے ہیں "اس آیہ کی تفسیر میں اہلسنت کا اتفاق ہے" حالانکہ جتنے علماء اہلسنت کچھ بھی تعصب سے پاک گزرے ہیں وہ سب اس آیہ کو بحق اہلبیت طاہرین خمسہ نجبا تسلیم کرتے ہیں یہاں تک کہ جن علماء نے احادیث مناقب اہلبیتؑ اور مناقب ازواج کو لکھا ہے سب نے مناقب اہلبیتؑ میں اس آیت کو لکھا ہے نہ مناقب ازواج میں چنانچہ قول مستحسن میں ہے۔

وقال الدهلوی فی شرح المشکوة لم یذکر الازواج المطهرة وعقد لهن بابا علیحدة اما لاستبدادهن بمناقب مخصوصة او لعدم دخولهن فی اهل البیت علی ما تعورف من اطلاقه علی الاربعة (ص ۲۲۶)

یعنی شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ مصنف نے اس باب مناقب اہلبیتؑ میں ازواج مطہرات کو نہیں داخل کیا اور ایک باب انکے لیے علیحدہ لکھا ہے اس وجہ سے کہ انکے فضائل مخصوصہ علیحدہ ہیں یا سوجہ سے کہ ازواج داخل اہلبیت نہیں ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ مراد اس سے چار ہی آدمی ہیں جناب امیرؑ جناب سیدہ حسنینؑ پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے کہاں سے یہ دعویٰ کیا کہ اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے حالانکہ ابن ابی حاتم طبرانی ابن ابی عاصم۔ ابوالشیخ۔ حاکم۔ مردویہ۔ بغوی نے مصابیح میں آیت تطہیر کو مناقب اہل میں داخل کیا ہے نہ کہ مناقب ازواج میں۔

ہاں صرف عکرمہ اور عروہ بن الزبیر نے البتہ ازواج نبی کو اہلبیت پیغمبرؐ میں داخل کیا ہے جس پر اہلسنت کا اتفاق ہے کہ وہ خارجی اور کذاب تھا پس اگر یہی مذہب اہلسنت ہے تو مجبوری ہے۔

وقال ابو حیان فی البحر وقول عکرمه ومقاتل وابو السائب ان اهل البیت فی هذه الآیة مختص بزوجاته لیس بجید اذ لو کان کما قالوا لکان الترکیب عنکن و یطهرکن وان کان هذا القول مرویا عن ابن عباس فلعله لا یصح (صفحہ ۲۱۵ قول مستحسن)

یعنی امام ابو حیان اپنے تفسیر بحر محیط میں لکھتے ہیں کہ عکرمہ۔ مقاتل وابن ابی السائب نے جو کہا ہے کہ

اہل بیت سے مراد ازواج ہیں تو درست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضمیریں مونث لائی جاتیں اور ترکیب یوں ہوتی لیذھب عنکن الرجس ویطھرکن تطھیرا اور اگر ابن عباس کی روایت ہو تو غالباً وہ صحیح نہیں ہے۔

قول مستحسن میں ہے ومن ھنا قد اختار ھذا القول جمھور المحدثین او رودہ فیما علمنا عن اربعۃ عشر صحابیا منھم اھل البیت علی والحسن والحسین وعبد اللہ بن جعفر وابن عباس اخوا دعائشۃ وام سلمۃ وابنھا عمرو واثلۃ وانس وسعد وابی سعید وابی حمراء ومعقل رضی اللہ عنھم عن غیر خلاف من غیر اولئک الاسلاف فیہ فمن جماعۃ من ائمۃ الاخلاف منھم زین العابدین والباقر والصادق ومجاھد وقتادہ۔ صفحہ ۲۲

یہیں سے جمہور محدثین نے اختیار کیا ہے کہ یہ آیہ پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوا کیونکہ چودہ صحابی سے یہ روایت آئی ہے جناب امیر، امام حسنؑ، امام حسین، عبد اللہ بن جعفر، ابن عباس، ام سلمہ، عائشہ، عمر بن ام سلمہ، واثلہ، انس سعید، ابو سعید، ابو حمراء اور معقل۔ جس میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔ اور ائمہ اخلاف سے جناب امام زین العابدین امام محمد باقر، امام جعفر صادق، قتادہ اور مجاہد اسکے راوی ہیں۔ پھر اڈیٹر صاحب بتائیں کہ انکا دعویٰ بہ اتفاق اہلسنت کیا ہوا کیا دنیا میں کوئی ایسا بھی جھوٹا ہوا ہے جو اپنے مذہب پر ایسا غلط اتہام لگائے؟

اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ غلط ہے کہ لغت عرب بلکہ تمام دنیا کی لغت میں اہل بیت بی بی ہی کو کہتے ہیں اس دعویٰ کی رد بھی قول مستحسن میں موجود ہے:۔

والاھلیۃ لھن علی کل حال جائزۃ الزوال لانہ عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن الآیہ وزعم بعضھم ان اطلاق اھل البیت علی نساء الرجل اخص واعرف عرفا وعادۃ لیس علی منھاج العلم نعم ھو بلسان العجم مسلم (صفحہ ۴۷)

ازواج کا اہل اور گھر والی ہونا ہر وقت قابل زوال ہے ارشاد الٰہی ہے عسیٰ ربہ الخ اگر رسول تم لوگوں کو طلاق دیدیں تو عنقریب ہی ان کا پروردگار تمہارے بدلے اُن کو تم سے اچھی بیبیاں عطا کرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ عورتوں پر اہلبیت کا اطلاق علمی حیثیت سے نہیں۔ ہاں زبان عجم میں اس کا استعمال مسلم ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہندی یا عجمی زبان پر عربی زبان کا قیاس کیا جاتا ہے۔ کاش اڈیٹر صاحب النجم صحیح مسلم ہی کی اس روایت پر نظر کرتے جسمیں صحابی پیغمبر زید بن ارقم کی صاف صاف صراحت ہے کہ ازواج اہلبیت میں داخل نہیں آج وہ شوہر کے گھر ہوتی ہیں کل اُن کا شوہر طلاق دیدیتا ہے تو وہ اپنے میکے رخصت ہو جاتی ہیں صحیح بخاری کی اس روایت کو پڑھ لیتے جس میں مذکور ہے کہ پیغمبر خدا نے امام حسنؑ سے فرمایا نحن اھل البیت لاتحل لنا الصدقۃ ہم اہلبیت پر صدقہ حلال نہیں۔ پھر ازواج پر صدقہ حلال ہونا دیکھ کر سمجھ لیتے کہ ازواج اہل بیت میں داخل نہیں۔

رہا سیاق آیت یعنی یہ کہ یہ آیت ازواج کے سلسلہ میں مذکور ہے تو اس سے دعویٰ کرنا اس وقت صحیح ہوتا جب

جب پہلے ہوتا کہ کلام مجید جس ترتیب سے نازل ہوا اسی ترتیب سے مدوّن بھی ہوا حالانکہ نہ یہی صحیح ہے کہ جس ترتیب سے نازل ہوا اسی ترتیب سے اس کی تدوین ہوئی نہ یہی حقیقت ہے کہ جتنی آیتیں نازل ہوئیں وہ سب ایک ایک کر کے قلمبند کر لی گئیں صرف ایک اسی سورۂ احزاب سے جس کی آیت تطہیر ایک آیت ہے بقول علامہ سیوطی ایک سو ستائیس آیتیں درج ہونے سے رہ گئیں (در منثور) اور نہ جانے کتنی آیتیں آگے پیچھے کر دی گئیں مدنی آیتیں پہلے درج ہو گئیں اور مکی آیتیں پیچھے ڈال دی گئیں جب یہ صورت حال ہے تو سیاق سے دعویٰ کرنا خوش فہمی نہیں تو اور کیا ہے؟ کاش وہ اسی پر غور کرتے کہ جن ازواج کی اتنی سرزنش قرآن میں عموماً اور سورۂ احزاب و سورۂ تحریم میں خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے وہ کیونکر ان آیات تطہیر کی مصداق ہو سکتی ہیں۔

یہ بھی صریحی افترا ہے کہ حضرت نے خمسہ نجبا کو بھی داخل اہلبیت فرمایا۔ اہل بیت میں داخل نہیں فرمایا بلکہ حصر فرمایا کہ اہلبیتؑ ہیں تو بس یہی ہیں۔ ایک دو نہیں بہت سی حدیثوں کے الفاظ ہیں اللھم ھولاء اھلبیتی خداوندا بس یہی ہیں میرے اہل بیت جب پیغمبرؐ نے انھیں پنجتن پاک میں حصر فرمایا تو پھر ازواج کیونکر داخل ہو سکتی ہیں۔

(۸) زید بن ارقم کی روایت جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں الخ اس روایت پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اہل بیتؑ کے ساتھ تمسک کا مطلب ہے کہ ان سے محبت رکھے"

مگر یہ مطلب بھی خاصی تحریف ہے کیونکہ پیغمبر خدا کا حکم تو دونوں کے ساتھ تمسک کا یکساں ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ تو تمسک کے معنی اطاعت ہوں اور دوسری جگہ محبت ہو ذرا الفاظ حدیث پر غور فرمائیے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و اھلبیتی عترتی ہم دو بزرگ چیزیں چھوڑے جاتے ہیں ایک کتاب خدا دوسرے میرے اہل بیت جب تک تم ان سے متمسک رہو گے گمراہ نہ ہو گے دوسری روایت کی لفظیں ہیں من استمسک واخذ بہ کان علی الھدیٰ کہ جو اس سے تمسک کرے اور لے اسکو تو وہ ہدایت پر ہوگا کیا اخذ بہ جو اسکو لے محبت کے معنی میں استعمال ہو سکتا ہے؟

مولوی صدیق حسن خاں صاحب اسکی شرح میں لکھتے ہیں ویقتدی بھم فیما یوافق الکتاب والسنۃ کہ ان کی اقتدا کرے ان چیزوں میں جو کتاب و سنت کے موافق ہوں پھر آپ نے صرف محبت کے معنی کہاں سے پیدا کئے۔

دوسرا حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"الحمد للہ کہ تمام فرق اسلام میں حسب اعتدال اور خوش اسلوبی کا معاملہ قرآن و اہل بیت کے ساتھ اہل سنت نے کیا کسی کو نصیب نہیں ہوا"

خدا نہ کرے کسی شخص کو یہ مخالفت قرآن واہلبیتؑ نصیب ہو جو اہلسنت کو نصیب ہوئی۔ قرآن میں تو سیکڑوں قسم کی تحریف کے قائل ہیں کہ رسول اللہ پورا قرآن بھول گئے، صدہا ہزارہا آیتوں کو بھول گئے جو قرآن موجود ہے کسی طرح عمل کے قابل نہیں، غرضکہ ایک دو نہیں سیکڑوں مخالفتیں قرآن کی گئیں اہل بیتؑ کے ساتھ جو سلوک اور برتاؤ روز وفات پیغمبرؐ سے کیا گیا وہ دنیا جانتی ہے کہ بضعۃ الرسول کے گھر میں آگ لگائی گئی جناب امیرؑ کو اس طرح بیعت پر مجبور کیا گیا کہ گلے میں ریسمان باندھ کر دربار خلافت میں لیجایا گیا امام حسنؑ کو زہر دلوایا گیا جنازہ پر تیر چلائے گئے امام حسینؑ کو تین دن کا بھوکا پیاسا ان کے اعزہ و رفقا کے ساتھ انتہائی بے دردی سے شہید کیا گیا اہلبیتؑ کے ساتھ یہ ساری بدسلوکیاں غیروں نے نہیں کیں بلکہ مسلمانوں نے کیں اور ایسے مسلمانوں نے جنھیں اہلسنت اپنا مقتدیٰ اور امام مانتے ہیں اس سے بڑھ کر کون سلوک ہو سکتا ہے؟

(۹) جناب امام حسنؑ کی بردباری اور پرہیزگاری نے اگر آپ کو ترک سلطنت پر آمادہ کیا تو آپ، حضرات شیخین کے متعلق کیا کہیں گے جنھوں نے خدا اور رسول کے صریحی ارشادات کی مخالفت کر کے خلافت پر جبریہ قبضہ پانے کی کوشش کی جنازہ رسولؐ کو بے غسل وکفن تین دن پڑا رہنے دیا ہزاروں مسلمانوں بلکہ صحابہ کا خون اسی وجہ سے کیا بلکہ انھیں زندہ آگ میں جلوا دیا کہ وہ بیعت سے دستکش رہے اور خلیفہ اول کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

جناب امیرؑ کا خلافت کو قبول کرنا اور امام حسنؑ کا بدرجہ مجبوری ترک کرنا یہ سب پرہیزگاری کی بنا پر تھا۔ ان حضرات سے خلاف تقویٰ کوئی فعل بھی سرزد نہیں ہوا ہاں غاصبین خلافت بہر صورت سزاوار عذاب الٰہی ہیں خواہ وہ جناب امام حسنؑ کو مجبور کریں یا جناب امیرؑ کو محروم۔

(۱۰) اڈیٹر صاحب النجم تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت عثمان کی مدد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔

مگر افسوس اس پر بھی وہ حضرت اور جناب امیر متہم کئے گئے کہ قتل عثمان میں شریک تھے

مگر یہ مطلب بھی خاصی تحریف ہے کیونکہ حضرت کا حکم تو دونوں کے ساتھ تمسک کا یکساں ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ تو تمسک کے معنی اطاعت ہوں اور دوسری جگہ محبت، ذرا الفاظ حدیث پر غور فرمایئے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ واھلبیتی عترتی کہ ہم دو چیز بزرگ چھوڑے جاتے ہیں کتاب اللہ اور اہلبیتؑ کہ جب تک ان سے تمسک کرو گے گمراہ نہ ہوگے۔ وفی روایۃ اخری من استمسک بہ واخذ بہ کان علی الھدیٰ کہ جو اس سے تمسک کرے اور لے اس کو تو وہ ہدایت پر ہوگا کیا اخذ بہ جو اسکو پکڑے محبت کے معنی میں استعمال ہو سکتا ہے۔ مولوی صدیق حسن خاں اسکے شرح میں لکھتے ہیں ویقتدی بھم فیما یوافق الکتاب والسنۃ کہ ان کی اقتدا کرے ان چیزوں میں جو موافق کتاب و سنت ہو پھر آپ نے صرف محبت کہاں سے نکالا۔ دوسرا حاشیہ دیتے ہیں:

الحمد للہ کہ تمام فرق اسلام میں جس اعتدال اور خوش اسلوبی کا معاملہ قرآن و اہلبیت کے ساتھ اہلسنت نے کیا ہے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

بجواب اسکے گذارش ہے کہ خدا نہ کرے کسی شخص کو یہ مخالفت قرآن و اہلبیتؑ نصیب ہو جو اہلسنت کو نصیب ہوئی قرآن میں تو صدہا قسم کے تحریف کے قائل ہیں کہ رسول اللہ پورا قرآن بھول گئے اور صدہا ہزارہا آیتوں کو بھول گئے جو قرآن موجود ہے کسی طرح قابل عمل نہیں صدہا آیتوں کا خلاف کیا اہلبیت کے ساتھ جو برتاؤ روز وفات رسولؐ سے ہوا وہ سب کو معلوم ہے بضعۃ الرسول کے گھر میں آگ لگائی گئی جناب امیرؑ کو بیعت پر سطرح مجبور کیا۔

(۱۱) یہ سچ ہے کہ حضرت کے ہاتھ پر چالیس ہزار آدمیوں نے بیعت کی تھی مگر یہ بیعت ویسی ہی تھی جیسی رسالت مآبؐ کے ہاتھوں پر لوگوں نے بیعت کی تھی اور ہر بار نکث بیعت کیا ورنہ اگر یہ لوگ ثابت قدم اور راسخ العقیدہ ہوتے تو جناب امام حسنؑ ترک خلافت پر کیوں مجبور ہوتے دیکھیے یہی ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے اہل کوفہ سے فرمایا

الا وانا واللہ ما یثنینا عن اہل الشام شک ولا ندم فان اردتم الحرب رددناہ علیہ وحاکمناہ الی اللہ عزوجل بظبا السیوف وان اردتم الحیاۃ قبلناہ واخذنا لکم الرضا فناداہ الناس من کل جانب البقیۃ البقیۃ وامضی الصلح و لما عزم علی تسلیم الامر الی معاویہ خطب الناس فقال ایہا الناس انما نحن امراءکم وضیفانکم ونحن اہلبیت نبیکم الذین اذہب اللہ عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا وبکی ذلک حتی ما بقی فی المجلس الا من بکی حتی سمع نشیجہ۔ (ص ۱۹۲ جلد ۳)

کہ قسم خدا کی ہم جو اہل شام سے لڑتے تھے تو اس میں نہ ہمکو ندامت ہوگی نہ کسی قسم کا شک اگر تم لوگ لڑنا چاہتے ہو تو ہم اس کے سوال صلح کو رد کریں اور اگر طالب زندگی ہو تو ہم قبول کرلیں ہر طرف سے آواز آنے لگی ہم زندگی چاہتے ہیں صلح کر لیجیے جب حضرت نے عزم بالجزم کرلیا تو خطبہ میں فرمایا ہم تمھارے امراء ہیں اور ہم تمھارے رسولؐ کے اہلبیت ہیں جن کو خدا نے پورے طور سے پاک کیا ہے (آیہ تطہیر)

پھر نہ معلوم کہاں سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ حضرت نے برضا ورغبت صلح کیا حالانکہ آپ نے کیسی مجبوری اپنی دکھائی ہے۔

یہ شرط بھی نہ معلوم کہاں سے ایجاد کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہم تمھارے بعد خلیفہ بنائے جائیں گے۔ تاریخ کامل میں ہے۔

وکان الذی طلب الحسن من معاویہ ان یعطیہ ما فی البیت مال الکوفۃ ومبلغہ خمسۃ آلاف الف وخراج دارابجرد من فارس وان لا یشتم علیا فلم یجبہ الی الکف عن شتم علی فطلب ان لا یشتم وہو یسمع فاجابہ

الی ذالک ثم لم یف بہ ایضاً۔ (ص۱۹۲ جلد ۳)

یعنی جناب امام حسن نے معاویہ سے مطالبہ کیا کہ بیت المال کوفہ میں جو پانچ لاکھ ہو وہ دیدے اور خراج دارابجرد جو ملک فارس میں ہے وہ دیا کرے اور جناب امیرؑ کو سب و شتم نہ کیا کرے معاویہ نے اس شرط کو نہ مانا کہ سب و شتم جناب امیرؑ کو موقوف کریں تب امام حسنؑ نے یہ کہا کہ اچھا وہاں پر شتم نہ کرو جہاں ہم موجود ہوں معاویہ نے اسکو قبول کیا مگر اسکو بھی نہ پورا کیا اور خراج دارابجرد کو بھی کچھ دنوں کے بعد اپنی تدبیروں سے رکوا دیا۔

پھر کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جناب امام حسنؑ نے بخوشی و رضا یہ صلح کی جب میں یہ بھی نہ قبول کیا گیا کہ جناب امام حسنؑ کے پدر بزرگوار پر سب و شتم موقوف کر دیا جائے گا۔

ہاں مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ ہمارے بعد آپ ہی خلیفہ ہوں گے مگر اس کا اندراج صلحنامہ میں معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ دوسری روایت ہو کہ اگر ہم سمجھتے کہ آپ امور ممالک کے ضابط ہونگے تو آپ سے جنگ ہی نہ کرتے۔

پھر کیونکر یہ روایت قبول کیجا سکتی ہے کہ حضرت نے اسکو قبول کیا ہو ہاں اس وجہ سے کہ معاویہ نے جناب امام حسنؑ کو زہر دیکر شہید کرایا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید اسی شرط کی وجہ سے قتل کیا ہو مگر یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اس کا مقصود اصلی تو یہی تھا کہ حضرت زندہ نہ رہیں خواہ اس وجہ سے کہ شاید آپکی طرف کوئی رجوع کرے یا کسی وجہ سے ہو۔

(۱۲) یہ لکھنا انتہا درجہ کی تاریخی بددیانتی ہے کہ معاویہ نے یہ درخواست منظور کرلی کیونکہ صلح کی درخواست امام حسنؑ نے نہیں کی تھی بلکہ خود معاویہ نے کی تھی۔

(۱۳) افسوس آپنے اصلی خواب کو رسول اللہ کے نہ لکھا کیونکہ حضرت نے خواب دیکھا تھا کہ بنی امیہ مثل بندر کے منبر پر چڑھ رہے ہیں جس سے حضرت کو بیحد ملال ہوا مگر آپ لوگ انھیں بنی امیہ کے تسلط پر خوش ہو رہے ہیں عثمان و معاویہ و یزید کے حمایت میں سرگرم ہیں۔

(۱۴) اسکو بھی لکھتے ہیں کہ جناب امام حسنؑ نے خطبہ میں آیۂ تطہیر انما یرید اللہ کو اپنے بارے میں پڑھا جہاں صدہا صحابی بھی تھے مگر آپ پھر بھی قول رسولؐ کی تصدیق نہیں کرتے کہ یہ آیہ انھیں خمسہ نجبا کے بارمیں نازل ہوا بلکہ بتقلید عکرمہ خارجی ازواج کے بارے میں مانتے ہیں جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا۔

(۱۵) اسکو بھی مانتے ہیں کہ عمرو عاص نے حضرت کے تذلیل کے لیے خطبہ دینے کا مشورہ دیا مگر عمرو عاص کو دشمن امام مانتے ہیں نہ معاویہ کو۔

(۱۶) جناب امام حسنؑ نے جو آیہ معاویہ کے بارمیں پڑھی افسوس کہ اہلسنت نے عموماً اور اڈیٹر صاحب نے خصوصاً اس سے سبق نہ لیا بلکہ معاویہ کو خلیفہ برحق مانتے ہیں حالانکہ حضرت نے اس آیہ کے تلاوت سے بتا دیا تھا کہ یہ خلافت فتنہ ہے جیسا کہ عمر نے خلافت ابوبکر کو فتنہ کہا مگر سب اسی پر جھکے رہے۔

(۱۷) سبب وفات میں لکھا کہ آپکی زوجہ بنت اشعث نے زہر دیا مگر افسوس حمایت معاویہ سے یہ نہ لکھا کیوں اُس نے زہر دیا حالانکہ خود استیعاب میں ہے :-

وقالت طائفة کان ذالک منها بتدلیس معاویہ وما بذل لھا فی ذالک وکان ھاضرابرو اللہ اعلم (ص۱۳۵ جلد اول)

یعنی ایک جماعت کا قول ہے کہ زہر دینا بتعلیم معاویہ تھا اور اسکے لیے معاویہ نے بہت سا مال صرف کیا مگر ابن اثیر کی ایمانداری دیکھیے کہ اس کا ذکر تک نہ کیا حالانکہ صدہا کتب اہلسنت میں اسکی تصریح موجود ہے ملاحظہ ہو ذوالفقار حیدر جلد ۳ اور مناظرہ امجدیہ حصہ اول و دوم ۔

(۱۸) دفن کے متعلق لکھا کہ عائشہ سے حضرت نے اجازت چاہی اور اُنھوں نے اجازت دی مگر دفن کے وقت مروان مانع ہوا حالانکہ یہ محض غلط ہے خود عائشہ سوار ہو کر خچر پر آئیں اور دفن امام حسنؑ کو روکا ملاحظہ ہو کشف الظلمات جلد ۳ ص۲۳۹، سبط اکبر سوانح عمری امام حسن ۔

(۱۹) ماتم کے بارہ میں لکھا ہے کہ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینے تک اُن کے لیے نوحہ کیا اور ایک سال تک سوگ کا لباس پہنا اس میں دیکھنا یہ ہے کہ اہل حدیث کا اس بارے میں کیا فتوٰے ہوتا ہے کیونکہ رونے کا حکم تین روز تک ہے اور یہاں ایک مہینہ تک نوحہ کیا گیا۔ کیا یہ بھی بدعت ہے ؟

ہم نے بہ نظر اختصار مولوی عبد الشکور صاحب کے اس ترجمہ کی چند سطروں پر تنقید کی ۔ مولوی عبدالشکور صاحب نے سیرۃ صحابہ کی اور کتابوں کو چھوڑ کر اسد الغابہ کو محض اس وجہ سے ترجیح دی اور اسکو لائق ترجمہ سمجھا کہ یہ تمامتر اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ صحابہ کے حالات پر جہاں تک ہو سکے پردہ ڈالا جائے ۔

۸۲ ۔ حصین بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی کا بیان ہے کہ آیہ فمن کان یرجو القاء ربہ در بارہ جناب امیر و حمزہ و جعفر و عبیدہ و طفیل و حصین فرزندان حارث نازل ہوا۔ (ص۱۷ اسد الغابہ جلد ۳)

۸۳ ۔ حصین بن یزید ۔ ایک سو چونتیس برس کے عمر میں مرے مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے ۔ (ص۲۷ اسد الغابہ)

۸۴ ۔ حصین بلا نسب راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا جو شخص دس آدمیوں پہ حکومت کرے وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ زنجیروں میں کسا ہوا ہوگا ۔ (ص۳۸)

مگر افسوس خلفائے ثلاثہ نے اس کا مطلق نہ خیال کیا اور بلا وجہ و استحقاق خلیفہ بن گئے ۔

۸۵ ۔ حضرمی حضرت نے بنی زینہ سے کہا تم لوگ کون ہو کہا بنی زینہ ہیں آپ نے فرمایا بنی رشدہ ہو ان لوگوں نے کہا ہم اپنے باپ کا نام نہ چھوڑیں گے ۔ (ص۳۹)

ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت کو ناز ہے جو حضرت کے حکم سے نام بھی بدلنا نہ پسند کرتے تھے کیا اچھا ایمان ہو

اصابہ میں ہے کہ حضرمی نے سورہ عبس کی تعلیم حاصل کی تو اس میں یہ اضافہ کیا والذی انعم الحبلیٰ فاخرج منہا نسمۃ تسعیٰ۔ (صـ۴۲ جلد ۲)

اب تو کسی کو اس میں عذر نہ ہوگا کہ خود صحابہ تحریف کیا کرتے تھے اگر حضرت منع نہ فرماتے تو یہ آیہ بھی قرآن میں موجود ہوتا۔

۸۶۔ حطیئہ شاعر۔ نے ایک آدمی کی ہجو کی عمر نے ایک حدیث بیان کر کے کہا اسکی زبان کاٹ ڈالو جب اس نے آکر عمر کے مدح میں دو شعر کہا تو قصور معاف کر دیا۔ (صـ۱۲ اسد الغابہ)

۸۷۔ حکم بن حارث سلمی۔ کی روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا جو ایک دینار چھوڑ جائے اسکو ایک داغ دیا جائے گا اور جو دو دینار چھوڑ جائے اسکو دو داغ۔ (صـ۲۲)

اب خلفائے ثلاثہ کے متروکات پر خیال کیجئے کہ وہ کس قدر مال چھوڑ گئے تھے۔

۸۸۔ حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس۔ حضرت عثمان کے چچا ہیں انھوں نے عہد کیا تھا کہ حضرت کو قتل کر ڈالیں مگر ایک آواز ہیبت ناک سن کر ڈر گئے حضرت نے اس شخص کو دیکھ کر کہا اس شخص حکم کی نسل سے میری امت کی خرابی ہوگی۔ یہ حکم حضرت کے نکالے ہوئے تھے حضرت نے مدینہ سے طائف کیطرف نکال دیا تھا اس کا بیٹا مروان بھی نکل گیا تھا یہ شخص رسول اللہ کا راز فاش کرتا تھا حضرت نے چاہا چاقو سے اسکی آنکھ پھوڑ دیں یہ حضرت کے رفتار کی نقل کیا کرتا تھا جس پر حضرت نے بددعا کی اور اس کے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا عبد الرحمان نے جو حکم کو لعین کہا تو اس وجہ سے کہ حضرت عائشہ نے مروان بن حکم سے کہا میں شہادت دیتی ہوں کہ رسول اللہ نے تیرے باپ پر لعنت کی اور اس وقت تو اپنے باپ کے پشت میں تھا پھر شیعہ جو نام لیکر دشمنان خدا و رسول پر لعنت کرتے ہیں تو اہلسنت کیوں چڑتے ہیں حالانکہ خود حضرت پیغمبر نے اور عبد الرحمان بن ثابت نے لعنت کی ہے۔ المختصر حکم کے لعنت اور اخراج میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں (اس سے بڑھ کر اخفائے واردات کیا ہو سکتا ہے) نبی کے زندگی میں حکم مدینہ سے جلاوطن رہے عثمان نے ابوبکر سے سفارش کی کہ حکم کو مدینہ واپس بلا لیجئے ابوبکر نے کہا میں اس گرہ کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول اللہ نے باندھا ہے ایسا ہی حضرت عمر نے بھی کیا پھر جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے حکم کو واپس بلا لیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ سے سفارش کی تھی اور حضرت نے وعدہ کیا تھا۔ (صـ۱۴۷ اسد الغابہ)

کیا اب بھی دروغ گوئی عثمان میں شبہہ ہو سکتا ہے کیا ابوبکر و عمر بھی انکو سچا نہ جانتے تھے جو ان کے رعایت کر کے حکم کو واپس بلاتے لہذا معلوم ہوا کہ عثمان نے قصداً مخالفت حکم رسول کیا اور اسکے ساتھ افترا بھی کیا کہ حضرت نے وعدہ فرمایا تھا۔

یہ قصہ بہت طولانی ہے اور تاریخ اسلامی کے سب ہی پڑھنے والے جانتے کہ حضرت عثمان نے حکم کی جلاوطنی منسوخ کر کے اور اسے مدینہ واپس بلا کر پیغمبر خدا کی بھی مخالفت کی اور حضرت ابوبکر و عمر کی بھی، ہمکو زیادہ لکھنے

کی ضرورت نہیں مگر یہ بات اہلسنت کے لئے عموماً اور اڈیٹر انجم کے لیۓ خصوصیت سے قابل عبرت ہے کہ ایسے ملعون و مطرود کو بھی ایڈیٹر انجم سیدنا کے لفظ سے ذکر کر رہے ہیں جس طرح ابوبکر و عمر کو لکھتے ہیں پھر بتایئے ان کے منافق اور طرفدار منافق ہونے میں کیا شک رہا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ابن سکین کا قول ہے کہ حضرت نے اس پر بددعا کی مگر ثابت نہیں۔ عطا بن یسار راوی ہیں کہ اصحاب رسول حضرت کی خدمت میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت حکم پر لعنت فرما رہے ہیں لوگوں نے پوچھا تو حضرت نے فرمایا ہم اپنے فلاں زوجہ کے ساتھ تھے تو اس نے منھ چڑھایا صحابہ نے کہا کہئے تو ہم بھی لعنت کریں تو حضرت نے فرمایا نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی اولاد ہمارے منبر پر چڑھتی اور ترقی ہے لوگوں نے کہا کہئے تو ہم اس کو پکڑ لائیں حضرت نے کہا نہیں۔ اور اسکو نکلوا دیا۔ معاویہ مروان کا بہت خیال کرتا تھا لوگوں نے پوچھا تو کہا اس کا باپ حکم ہمارے بہن ام حبیبہ کی کفش برداری کرتا تھا جب کہ رسول اللہ انھیں اپنی زوجیت میں لائے تھے حضرت نے حکم کی طرف نگاہ تیز دیکھا جب باہر نکلا تو رسول اللہ سے لوگوں نے پوچھا کیا وجہ تھی تو حضرت نے فرمایا جب اسکی اولاد تیس یا چالیس کے عدد پر پہونچے گی تو تمامی امور کی مالک ہو جائے گی عائشہ نے مروان سے کہا رسول نے تیرے باپ پر لعنت کی جبکہ تو اسکے پشت میں تھا۔

ابن حجر لکھتے ہیں اصل قصہ کو بخاری نے لکھا مگر آخر کے زیادتی کو حذف کر دیا (کیا امانت داری بخاری کی) ثعلبہ بن ابی مالک راوی ہیں کہ۔

اس حکم نے عہد عثمانی میں انتقال کیا تو اسکے قبر پر شامیانہ کھڑا کیا گیا کیونکہ زمانہ گرمی کا تھا لوگوں نے اعتراض کیا تو عثمان نے کہا زمانہ عمر میں زینب بنت حجش (زوجۂ رسول صلعم) نے انتقال کیا تو ان پر بھی شامیانہ لگایا گیا تھا کیا اس پر کسی نے اعتراض کیا تھا۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۲۸)

کیا عزت افزائی دشمن رسول ہے کہ بعد مردن اسکے قبر پر شامیانہ کھڑا کیا اور مثال کے لئے ام المومنین زینب بنت حجش کو پیش کیا اس پر بھی عثمان کے اسلام کا دعوی کیا جاتا ہے یا للعجب۔

(۸۹) حکم بن عمرو غفاری حاکم خراسان بنائے گئے تو زیاد نے انکو لکھا کہ معاویہ کا حکم ہے لڑائی میں سونا چاندی جو ملے وہ ہمارے لیئے رہنے دیا جائے مگر انھوں نے نہ مانا اور کہا کہ حکم خدا کے خلاف ہے لہذا سب کو تقسیم کر دیا غالباً انھیں سے روایت ہے کہ حضرت نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو منع فرمایا۔ (صفحہ ۴۹)

اس سے معاویہ کی مخالفت حکم خدا و رسول ظاہر ہے اور یہ روایت بھی طرفہ ماجرا ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کیا جائے۔

(۹۰) حکم بن عمر ثمالی اسکا شمار اہل شام میں ہے اسکی روایت ہے کہ میں نے رسول خدا کو دیکھا آپ نماز شب اور نماز صبح میں بسم اللہ باواز بلند کہتے تھے (ص ۵۰)

مگر اہلسنت کا عمل اسکے خلاف ہے، بتقلید شیخین بسم اللہ کہتے ہی نہیں یا آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

(۹۱) حمران بن جابر عنفی تمامی راوی ہیں کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا بنی اُمیّہ کے لئے خرابی ہے۔ صـ۶۳

مگر اہل سنت اُنھیں بنی اُمیّہ کے طرفدار ہیں۔

(۹۲) حمزہ بن عویمر کی وفات سنہ ۶۱ھ میں اسی برس کے سن میں ہوئی صـ۶۸

مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے۔

(۹۳) حمن عبدالرحمان بن عوف کے بھائی ہیں مگر نہ ہجرت کیا نہ مدینہ آئے، اسلام کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے عبداللہ بن زبیر کو اپنا وصی کیا (صـ۶۷)

مگر شرکت کربلا سے محروم رہے۔

حنظلہ غسیل الملائکہ کے حال میں لکھتے ہیں:۔

خزرج والوں نے کہا کہ ہم میں چار آدمی تھے جنھوں نے رسول اللہ کے زمانہ میں قرآن یاد کر لیا تھا انکے سوا اور کسی نے پورا قرآن نہ یاد کیا تھا۔ زید بن ثابت۔ ابو زید۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل (صـ۷۰)

جس سے معلوم ہوا کہ لاکھوں صحابی میں صرف یہی چار آدمی حافظ تھے اور کوئی نہیں اس میں سے بھی بوقت جمع قرآن کوئی نہ شریک کیا گیا بہ استثنائے زید بن ثابت جو عثمان کے عامل دیوان تھے پھر بتائیے قرآن کی کیا عظمت کی گئی۔

(۹۴) حوشب حمیری صفین میں حضرت علیؑ کو پکارا اور کہا کہ اے ابن ابی طالبؑ تم لوٹ جاؤ ہم تمھیں اور تمھارے خون کا واسطہ دلاتے ہیں ہم تمھیں عراق دیدیں اور تم ہمیں شام دیدو اور مسلمانوں کی خونریزی نہ کرو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے ابن ظلیم یہ بات بہت دور ہے خدا کی قسم اگر دین میں نرمی جائز ہوتی تو ہم ایسا ہی کرتے اور یہ بات میرے لئے آسان تھی مگر اللہ اس پر راضی نہیں ہے کہ اہل قرآن سکوت اور سستی کریں اس حال میں کہ اللہ کی نافرمانی بیجا ہو اور وہ لوگ اسکے روکنے اور جہاد کرنے کی طاقت رکھتے ہوں یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آجائے۔ (صـ۷۵)

کیا اب بھی کسی کو معاویہ اور اُسکے معاونین کے بے دین ہونے میں شک رہ سکتا ہے کہ اسکے ذریعہ سے خدا کی معصیت کیجاتی تھی اُس سے ترک جہاد ناجائز تھا۔ جنگ صفین میں اس حوشب کو سلیمان بن صرد خزاعی نے قتل کیا دوسری روایت میں ہے کہ مالک اشتر نے قتل کیا اور ذوالکلاع کو حریث بن جابر نے۔ اس واقعہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ قاتل و مقتول دونوں صحابی ہیں پھر فیصلہ ہو تو کیونکر، حق پر تھا کون، بل پر لہذا ایک خواب گڑھا گیا کہ عمر بن شرحبیل نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل ہوئے کچھ قبے نظر سے تو پوچھا یہ قبہ کس کیلئے ہے کہا ذوالکلاع اور حوشب کیلئے ہیں جو معاویہ کیطرف سے لڑتے گئے تھے تو اُنہے پوچھا عمار کہاں ہیں کہا کہ وہ اُنکے آگے ہیں پوچھا یہ کیونکر ہوا حالانکہ ان میں سے ایک دوسرے کا قاتل ہے تو کہا کہ خدا سے ملاقات کی تو اُسکو واسع المغفرہ پایا (صـ۷۶ جلد ۲ اصابہ)

یہ عزت افزائی اُسے صحابہ کی کہ خدا فرماتا ہے جو کسی مومن کو قتل کرے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر یہاں وہ

سب منسوخ ہوگیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں مزہ اڑا رہے ہیں۔

(۹۵) حوط بن مرہ کے نسبت بیان ہے کہ لیس بن حسن بن لیس نے کہا ہمنے ۲۴۶ھ میں آپکو دیکھا جو کہتے تھے میں خدمت رسول میں پہونچا تھا اور طعام جنت کھایا تھا ابن حجر اس روایت کو نہیں مانتے۔ (صـ)

(۹۶) حویطب بن عبد العزیٰ قریشی ہیں مروان بن حکم نے ایک مرتبہ حویطب سے کہا اے شیخ تم بہت دیر میں اسلام لائے یہاں تک کہ کم عمر لوگ تم سے سبقت لے گئے حویطب نے کہا اللہ ہی کے مدد سے کام چلتا ہے واللہ میں نے کئی مرتبہ اسلام کا ارادہ کیا مگر تمہارا باپ ہر مرتبہ مجھے اس سے باز رکھتا تھا اور مجھے منع کرتا تھا کہ تم اپنی بزرگی اور اپنے باپ دادا کا دین ایک نئے دین کے لئے کیوں چھوڑتے ہو اور کیوں دوسرے کے تابع ہوئے جاتے ہو مروان چپ ہوگیا اور اپنے اس بات پر نادم ہوا حویطب نے اس سے کہا کہ کیا تم سے حضرت عثمان نے نہیں بیان کیا کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو تمہارے باپ نے انہیں کیا کیا مصیبتیں پہونچی۔ (۹۰)

حکم کا حال سابقاً مذکور ہوچکا حضرت عثمان کے چچا ہیں اور اسلام لاچکے تھے مگر اس طرح دوسروں کو روکتے تھے اس کو حضرت نے مدینہ سے نکلوا دیا تھا ابوبکر عمر نے بھی نہ آنے دیا مگر عثمان نے اسکو مدینہ بلوایا اور مرنے پر اسکے قبر پر شامیانہ لگوایا۔

(۹۷) حارث بن سوید تیمی اُن لوگوں سے ہیں جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے اصحاب ابن مسعود میں نامی شخص گذرا ہے بہت سی روایتیں اس سے منقول ہیں سنہ وفات ۷۲ھ ہے بعہد ابن الزبیر کوفہ ہی میں رہتے تھے مگر نصرت امام ؑ سے محروم ہی رہے نہ وقت ورود اہلبیت ؑ کوفہ میں کوئی خدمت کی (صـ ج ۵ اصابہ)

(۹۸) حارث بن عمرو زبیری بھی حضرت کے زمانہ میں اسلام لائے زمانۂ یزید میں وفات ہے مگر شرکت کربلا سے محروم رہے۔ (صـ۵۴ اصابہ)

(۹۹) حارثہ بن بدر بھی صحابی ہے عراق میں رہتا تھا ۶۴ھ میں وفات ہے مگر نصرت امام ؑ اس نے بھی نہ کی۔ (صـ۵۶ اصابہ)

(۱۰۰) حارثہ بن عبید کلبی پانچسو برس زندہ رہا مگر نصرت امام نہ کی۔ (صـ۵۶ اصابہ)

(۱۰۱) حبہ ؓ کا بیان ہے ہم حالت شرک میں تھے جبکہ حضرت نے غدیر خم میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا یہ اس کا بھی راوی ہے کہ جب حضرت نے سب کے دروازے مسجد کی طرف بند کیے بہ استثنار جناب امیر تو دیکھا تھا کہ حضرت حمزہ آئے اور فرمایا تم نے اپنے چچا کو نکال دیا اور ابن عم کے دروازے کو باقی رکھا ۷۶ھ میں یا ۷۹ھ میں اس کی وفات ہے مگر نصرت امام ؑ سے محروم رہا (صـ جلد ۲ اصابہ)

(۱۰۲) حبیب بن مطہر (جن کا شیعوں میں نام مشہور حبیب بن مظاہر ہے) یہ بھی صحابی ہیں جناب امام حسین ؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے (صـ)

کیا اور صحابہ ان کی تاسی نہ کر سکتے تھے۔

(۱۰۳) حجر بن عبس اس کا راوی ہے کہ ابوبکر و عمر نے جناب سیدہ کی خواستگاری کی تو خود حضرت نے جناب امیر سے کہا ھل لک یا علی (ص۵۹)

(۱۰۴) حرام بن ربیعہ یہ بھائی ہے حرام بن خالد کا جسکی بیٹی ام البنین مادر حضرت عباس سے جناب امیر نے نکاح کیا تھا اس کا بیٹا روسا رکوفہ سے تھا اسکو مختار نے منجملہ شرکا رقتل امام قتل کیا۔ (ص۶۰)

(۱۰۵) حریث بن مخفض مازنی زمانہ حجاج تک زندہ رہا مگر نصرت امام سے دست کش رہا۔ (ص۶۰)

(۱۰۶) حصین بن نویرہ یزید کے بعد زندہ رہا جس نے یمامہ میں خروج کیا تھا نجدہ حروری پر مگر نصرت امام سے محروم رہا۔ (ص۶۱)

(۱۰۷) حمران بن ابا سایہ بڑے علمائے سے تھا عثمان کے پیچھے نماز پڑھتا عثمان جہاں بھول جاتے یہ لقمہ دیتا بصرہ میں رہا۔ ۷۱ھ یا ۷۵ھ میں وفات ہو مگر جناب امام حسینؑ کی اس نے بھی مدد نہ کی حالانکہ حضرت نے اہل بصرہ سے بھی اعانت طلب کی تھی۔ (اصابہ ص۶۵)

(۱۰۸) حنظلہ بن ربیعہ بھی صحابی ہے جو محاصرہ ابن الزبیر میں حجاج کے ساتھ شریک تھا وفات اسکی زمانہ مروان میں ہوئی مگر نصرت امامؑ سے دستکش رہا۔ (ص۶۶)

(۱۰۹) حنظلہ بن شرقی زبیر بن عبد المطلب کا ندیم تھا دو سو برس تک زندہ رہا (ص۶۶) مگر نصرت امامؑ اس نے بھی نہ کی۔

(۱۱۰) حکیم بن عیّاش کلبی شعرائے بنی امیہ سے تھا اس نے حضرت زید کی شہادت پر چند اشعار کہے جس میں سے دو شعر جناب امام جعفر صادقؑ کے سامنے پڑھے گئے ۵

صلبنا لکم زیداً علی راس نخلۃ ولم نر مھدیا علی الجذع یصلب

وقستم بعثمان علیا سفاھۃ وعثمان خیر من علی و اطیب

یعنی ہمنے حضرت زید کو درخت پر سولی دیا حالانکہ کوئی مہدی درخت پر سولی نہیں دیا جاتا تم لوگ اپنی سفاہت سے عثمان اور علی کا قیاس کرتے ہو حالانکہ عثمان بہتر ہیں علیؑ سے اور اطیب ہیں۔

قال فرفع جعفر یدہ فقال اللھم ان کان کاذبا فسلط علیہ کلبک فخرج حکیم فافترسہ الاسد قلت کان قتل زید بن علی سنۃ اثنین و عشرین فدل تاخر حکیم عن ھذہ الغایۃ۔ (ص۰ ج۱۲ اصابہ)

یعنی جناب امام جعفر صادقؑ نے جب ان اشعار کو سنا تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ خداوندا اگر یہ جھوٹا ہے تو اپنا ایک کلب مسلط کر چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ گھر سے باہر نکلا تو ایک شیر نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت زید کی شہادت ۱۲۲ھ میں ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ وہ اسکے بعد تک زندہ رہا تو اس سے معلوم ہوا وہ صحابی نہ تھا مگر ہم خود ابن حجر سے نقل کر چکے ہیں کہ بہت سے صحابہ پانچ سو برس

تک زندہ رہے ہیں۔

خالد بن ربعی کہتے ہیں کہ حضرت نے کسی کو بنی تمیم پر حاکم بنانا چاہا ابوبکر نے ایک شخص کا نام لیا عمر نے ایک دوسرے کا نام لیا حضرت نے فرمایا اگر تم متفق ہو کر بات کہتے تو میں دونوں کی رائے مان لیتا مگر تم کہیں کہیں مختلف ہو جاتے ہو اُس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ — خدا و رسول کے سامنے تم آگے آگے نہ ہو۔ (ص ۱۰۰ اسد الغابہ)

کیا اس سے ان لوگوں کے اسلام کی حالت نہ معلوم ہوئی کہ خدا کو منع کرنا پڑا۔

(۱۱۲) **خالد بن کلیب** (ابو ایوب انصاری) جن کے مکان پر رسول اللہ نے بعد ہجرت قیام کیا جب حضرت علیؑ کے خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے ابو ایوب سے پوچھا تھیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ ابو ایوب نے کہا میرا وظیفہ مجھ کو ملتا ہے اور آٹھ غلام مجھے چاہیئے کہ وہ میرے زمین کا کام کریں۔ ان کا وظیفہ چار ہزار تھا حضرت علیؑ نے اُس کو پچگنا کر دیا اور ۲۰ ہزار روپے اور ۴۰ غلام دیے۔ (ص ۱۱ ج ۳ اسد الغابہ)

مگر کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شیخین یا عثمان نے ان کے ساتھ سلوک کیا ہو حالانکہ کیسی کیسی خدمتیں رسول اللہ کی کی تھیں ہاں ابن عباس نے بھی … بدلہ دیا تھا کہ اپنا پورا مکان حضرت ابو ایوب انصاری کو بعوض حق خدمات رسول دیدیا تھا مگر شیخین یا عثمان نے کوئی معاوضہ اسکا نہ دیا۔ انکی وفات ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی۔

(۱۱۳) **خالد بن زید** سے حضرت نے فرمایا جو شخص گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھے اُسکے لیے جنت میں ایک محل ہے حضرت عمر نے عرض کیا اب تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے۔ (ص ۱۱۱)

کیا یہ کلام بطور استہزا نہ تھا حالانکہ یہی عمر ہیں جنھوں نے ابو ہریرہ کو اس بشارت پر کہ جو لا الٰہ الا اللہ اس پر جنت واجب ہے ایسا دھکا دیا تھا کہ وہ منھ کے بل گر پڑے۔

(۱۱۴) **خالد بن سعید** بن عاص اموی ہیں قدیم الاسلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوبکر کے بعد اسلام لائے تیسرے یا چوتھے مسلمان … بعض پانچویں کہتے ہیں حضرت علی اور ابوبکر و زید بن حارثہ و سعد کے بعد اسلام لائے (مگر ابوبکر خود پچاس آدمیوں کے بعد اسلام لائے تو یہ تیسرے یا چوتھے کیسے ہو سکتے ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ ابوبکر سے پہلے اسلام لائے کیونکہ اسلام ابوبکر کے بعد سے پھر نیا سلسلہ قائم ہوا) انھوں نے خواب میں جہنم کو دیکھا حضرت نے فرمایا تم اسلام لاؤ انکے باپ … جب معلوم ہوا تو بہت غصہ ہوئے اور گھر سے نکال دیا حضرتؐ کے پاس آئے اور آپ ہی کی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگے (بعد فتوحات اسلام) حضرتؐ نے یمن کے صدقات وصول … نے مقرر کیا اور بعض کہتے ہیں مذحج اور صنعا کے صدقات پر مقرر کیا عہد رسول ہی کام کرتے رہے بعد وفات رسول انھوں نے اس کام کو چھوڑ دیا ابوبکر کی بیعت میں توقف کیا اور بنی ہاشم سے کہا کہ آپ لوگوں کا شجرہ عالی نسب ہے اور اُس کا میوہ شیریں ہی ہم آپ کے تابع ہیں جب بنی ہاشم نے بیعت کر لی تو خالد اور اُن کے بھائی ابان نے

بھی بیعت کر لی ابو بکر نے خالد کو ایک لشکر کا سردار بنا کے شام کی طرف بھیجا (صلا اسد الغابہ)

اصابہ ابن حجر عسقلانی میں ہے:۔

قال خالد بن سعید اسلمت قبل علی لکن کنت افرق ابا احیحہ یعنی والدہ سعید بن العاص وکان لایفرق اباہ (ص۹۱)

یعنی خالد بن سعید کہتے ہیں کہ ہم اسلام تو لائے تھے حضرت علی ع کے پہلے مگر ہم اپنے باپ سعید بن العاص سے ڈرتے تھے اور حضرت علی نہیں ڈرتے تھے۔

اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ ابو بکر کے قبل اسلام لائے کیونکہ جناب امیرؑ کے نسبت تو سب کا بیان ہے حضرت دوشنبہ کو مبعوث ہوئے اور جناب امیرؑ سہ شنبہ کو اسلام لائے پھر حضرت پر تقدم تو کسی طرح ممکن ہی نہیں یہ روایت محض اسی غرض سے بنائی گئی ہے کہ ابو بکر پر اُنکی سبقت مخفی رہ جائے

یہاں تو اسی قدر لکھا ہے کہ خالد بن سعید نے خدمت حکومت کو بعد وفات رسولؐ ترک کر دیا مگر یہی ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں سنہ ۱۳ ہجری کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

سنہ ۱۳ھ میں ابو بکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا تو سب سے پہلا علم خالد بن سعید بن عاص کو دیا پھر انکو معزول کر دیا وجہ عزل یہ ہوا کہ انھوں نے ابو بکر کی بیعت میں توقف کیا تھا دو مہینہ تک اور جناب امیر و عثمان سے کہا اے ابو الحسن اے فرزندان عبد مناف کیا تم لوگ مغلوب ہوگئے جناب امیرؑ نے کہا یہ مغالبہ ہے یا خلافت ابو بکر کو تو اس کا کینہ نہیں ہوا مگر عمر کے دل میں اسکا کینہ رہا ابو بکر نے جب حکومت شام پر انکو نامزد کیا تو عمر نے اسقدر دق کیا ابو بکر کو کہ آخر معزول کر دیا امارت سے اور حکم دیا کہ تیما میں مسلمانوں کے حفاظت کرو ہیں اور جب تک ہمارا حکم نہ ہو وہاں سے علیحدہ نہ ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ خلافت تھی یا قیامت محض اسقدر کہنے پر کہ اے علیؑ تم مغلوب ہوگئے وہ صحابی جو سب سے پہلے اسلام لایا اور مدت العمر خدمت رسولؐ کرتا رہا وہ کس طرح محروم کیا گیا ابو بکر کو تو اسقدر غصہ نہیں آیا مگر عمر نے جب تک امارت لشکر شام سے موقوف نہ کر لیا چین نہ لیا۔ اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی کام انکا نیک نیتی سے تھا۔ تاریخ طبری میں ہے:۔

خالد جب حکومت یمن سے بعد وفات رسولؐ وارد مدینہ ہوئے اور دو مہینہ تک ابو بکر کی بیعت نہ کی تو کہتے تھے حضرت نے ہمکو امارت دی اور کبھی معزول نہ کیا یہاں تک کہ حضرت نے وفات پائی (مطلب یہ ہے کہ ہمارے رہتے یہ لوگ کیونکر خلیفہ ہو سکتے ہیں جن کو کبھی رسولؐ نے کہیں کا حاکم نہ بنایا) اسکے بعد حضرت علیؑ و عثمان سے ملاقات کی اور کہا کہ اے فرزندان عبد مناف کیونکر تم نے اسکو گوارا کیا کہ دوسرے لوگ تم پر حاکم ہوں ابو بکر کو تو اس کلام سے کچھ غصہ نہ آیا اگر عمر کے دل میں اسکا کینہ پڑ گیا ابو بکر نے جب شام کو لشکر بھیجنا چاہا تو پہلے اسی خالد بن سعید کو سردار لشکر بنایا مگر عمر نے اسقدر اصرار کیا کہ آخر ابو بکر نے

معزول کر کے یزید بن ابو سفیان کو سردار لشکر بنایا۔ (تاریخ طبری جلد ۴ ص۲۹)

یہ پہلا روز ہے کہ بنی امیہ کے ہاتھ میں حکومت گئی جسکے بانی حضرت عمر ہیں کہ ایسے مقدس صحابی کو معزول کر کے یزید کو حکومت شام دلوا دی جس کے بعد معاویہ اور اُسکا بھائی پھر یزید اور تمامی بنی امیہ کا دَور چلا۔ ع

خون شہدا تمام بر گردن اوست

پھر لکھتے ہیں:۔

خالد بن سعید بن عاص بعد وفات رسول اللہ مدینہ ہوئے تو وہ جُبّہ دیبا پہنے ہوئے تھے عمر نے چیخ کر کہا اسکے جبہ کو پھاڑ ڈالو کہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہے سب نے اُس کا جبہ چاک کیا خالد نے جناب امیرؑ سے کہا کیا آپ مغلوب ہوگئے جناب امیرؑ نے کہا یہ مغالبہ ہے یا خلافت؟ خالد نے کہا اے فرزندان عبد مناف تم اس بارے میں مغلوب نہیں ہوسکتے عمر نے کہا خدا تیرے مُنھ کو توڑے واللہ جھوٹا ہمیشہ مبتلا رہے گا اس میں جو تونے کہا مگر اس کا ضرر بجز اسکے نفس کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا عمر نے اس کلام کو ابوبکر تک پہونچایا جب ابوبکر نے قتال اہل ردہ کے لیئے علم مقرر کرنا شروع کیا تو ایک علم خالد کو بھی دیا عمر نے منع کیا اور کہا یہ مخذول ہے اور ضعیف المروۃ یہ ایسا جھوٹ بولا ہے جو کبھی جدا نہیں ہوسکتا ہرگز اسکو حکومت نہ دو ابوبکر نے بعض امروں میں عمر کی اطاعت قبول کی اور بعض میں نہیں کیونکہ بمقام تیما اُن کو مقرر کیا۔ (تاریخ طبری جلد ۴ ص۲۹)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شروع شروع سب و شتم صحابہ کی رسم حضرت عمر نے جاری کی کہ سعید کی قبا چاک کر ڈالی اُنھیں جھوٹا اور مفتری بنایا اس درجہ ابوبکر کو مجبور کیا کہ حکومت شام سے آخر محروم کر دیا حالانکہ یہ کیسے مقدس صحابی ہیں کہ ابوبکر سے پہلے اسلام لائے پھر اگر شیعہ ایسے صحابہ سے اظہار بیزاری کریں جو ظالم کاذب غاصب تھے تو نہ معلوم اہلسنت کیوں ناراض ہوتے ہیں حالانکہ ابتدا اس کی تو حضرت عمر سے ہوئی۔

(۱۱۵) **خالد بن عاص** ابو جہل و حارث کے بھتیجے ہیں ایک حدیث بھی اُنھوں نے رسولؐ سے نہیں سنی مگر چونکہ ابو جہل کے بھتیجے ہیں جو حضرت عمر کے رشتہ دار تھے لہذا عمر نے انکو حاکم مکّہ مقرر کر دیا۔ (ص۱۱۶ اسد الغابہ)

غور کرنے کا مقام ہے کہ خالد بن سعید بن عاص کو جو کہ ایسا قدیم الاسلام اور عامل رسول تھا اس جرم پر معزول کیا کہ اُس نے بیعت ابوبکر میں دو ماہ تک توقف کیا اور خالد بن عاص کو صرف اس وجہ سے مقرر کیا کہ وہ ان کا طرفدار اور ابو جہل کا بھتیجا تھا یعنی عمر کے ماموں کا بیٹا تھا سنہ وفات نہیں معلوم مگر زمانہ معاویہ تک زندہ رہا۔ (اصابہ جلد ۲ ص۹۳)

(۱۱۶) **خالد بن عرفطہ** بڑے درجہ کے صحابی ہیں کوفہ میں رہتے تھے حضرت سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا اے خالد عنقریب کچھ نئی باتیں اور اختلافات پیدا ہونگے جب ایسا ہو تو اگر تم سے ہوسکے تو مقتول بننا قاتل نہ بننا ان کی وفات کوفہ میں ہوئی جس سال حضرت امام حسین ؑ بن علی ؑ شہید ہوئے (ص۱۱۹ اسد الغابہ) مگر امام حسین ؑ کی نصرت نہ کی۔

اصابہ میں ہے کہ ایک شخص نے جناب امیرؑ سے عرض کیا کہ ہمارا گذر وادی القریٰ میں ہوا تو وہاں دیکھا کہ خالد بن عرفطہ مر گیا ہے اس کے لیئے استغفار فرمائیے حضرت نے فرمایا وہ نہیں مرا ہے اور نہ مریگا اسوقت تک کہ ایک لشکر ضلالت کا وہ سردار ہو جس کا علمبردار حبیب بن حمار ہوگا اور وہ اس مسجد کوفہ کے دروازے سے داخل ہوگا جسکو باب المقبل کہتے ہیں۔

یہ کلام سنکر وہاں ایک شخص کھڑا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا حبیب بن حمار تو میں ہی ہوں اور میں آپکا دوستدار ہوں حضرت نے فرمایا اگر ہوگا ایسا ہی ضرور چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابن زیاد نے جو عمر بن سعد کو جناب امام حسینؑ سے لڑنے کو بھیجا تو اُسنے خالد بن عرفطہ کو مقدمہ لشکر پر مقرر کیا اور حبیب بن حمار کو علمدار بنایا اور وہ علم لے کر داخل مسجد کوفہ ہوا باب مقبل سے (صفحہ ۹۵ جلد ۲ اصابہ)

غور فرمائیے کہ صحابہ اہلسنت کے کیا افعال تھے اسی لیئے شاید آنحضرتؐ نے وصیت کی تھی کہ قاتل نہ بننا اگرچہ مقتول ہی کیوں نہ ہو مگر کیا خوب اسکی تعمیل کی کہ خود فرزند رسول کو قتل کیا اور اس کو بھی اڈیٹر النجم سیدنا لکھ رہے ہیں۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ واقعہ کربلا کی اہمیت کسدرجہ تھی کہ خود رسول اللہ نے ہر رطب و یابس اس کا جناب امیرؑ کو بتا دیا تھا کہ حضرت نے قبل از واقعہ خبر دی اس پر بھی لوگ ایمان نہیں لائے کہ حضرتؑ کو علم کان و مایکون حاصل تھا۔

اہلسنت جو قتل امام حسینؑ کی نسبت شیعوں کی طرف دیتے ہیں شاید اسی حبیب بن حمار کے سبب سے جس نے دعوائے محبت امیر المومنینؑ کیا تھا مگر افسوس انھوں نے ہر ایسے مدعی کو شیعہ سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ ملعون ہے جو اس کا مرتکب ہوا تشیع سے اُسکو کیا واسطہ۔

(۱۱۷) خالد بن ولید جس کا لقب سیف اللہ مشہور ہے لقب کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرت نے اس کو حالت کفر میں یہ لقب دیا تھا۔ (صفحہ ۱۱۸ اسد الغابہ)

مالک بن نویرہ کے یہی قاتل ہیں جس پر خود حضرت عمر نے بہت ناراضی و برہمی ظاہر کی۔ (صفحہ ۱۳۰)

جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی کہ بنی مغیرہ کی عورتیں خالد پر رونے کے لیئے ایک گھر میں جمع ہوئی ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ہو کہ وہ ابو سلیمان کے لیئے روئیں بشرطیکہ بلند آواز اور بین نہ ہوں۔ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بنی مغیرہ کی کوئی عورت نہیں بچی جس نے خالد کی قبر پر اپنے سر کے بال نہ منڈائے ہوں (صفحہ ۱۳۱ اسد الغابہ)

مسلمانو! غور کرو یہ کس قسم کی بات ہے کہ حضرت عمر۔ جناب زینب و رقیہ و ام کلثوم دختران رسولؐ کے گریہ و بکا کو منع کریں اور ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ کی روایت کریں کہ میت پر اُس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

مگر خالد بن ولید کے لیئے سب جائز کر دیا اور عورتوں نے جس میں سب گویا صحابیات تھیں یہ ترقی کی کہ سب نے جاکر خالد بن ولید کی قبر پر سر منڈا دیا۔ واہ رے اسلام

استیعاب میں ہے کہ حضرت نے ایک قبیلہ پر اسکو بھیجا تو ناحق لوگوں کو اُس نے قتل کیا حضرت نے اُن کی دیت دلوائی اور فرمایا :-

اللھم انی ابرء الیک مما صنع خالد بن ولید وخبرہ بذالک من صحیح (اثر ۱۵ جلد ۱)

خداوندا ہم بیزاری ظاہر کرتے ہیں اُس سے جو کچھ خالد نے کیا اور یہ حدیث صحیح ہے۔

پھر اگر شیعہ بھی ایسے ہی صحابہ سے اظہار بیزاری کریں تو اہلسنت کیوں چڑتے ہیں

یہ خالد وہی ہے جس نے حضرت مالک بن نویرہ کو قتل کیا اور اسی شب کو اسکے زوجہ کے ساتھ زنا کیا جس پر حضرت ابوبکر سے حضرت عمر نے کہا یا قتل کرو یا سنگسار کردیا معزول کرو مگر ابوبکر نے ایک نہ مانا اور اسکو سیف اللہ کا خطاب دیا جب عمر خلیفہ ہوئے تو اسکو معزول کیا اور عمامہ میں جکڑا اور مال آن کا ادھا لے لیا اس پر بھی الصحابۃ کلھم عدول کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔

(۱۱۸) **خزیمہ بن ثابت انصاری** ان کا لقب : ذوالشہادتین ہے جنگ جمل وصفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے مگر قتال نہیں کیا جب جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر شہید ہوئے تو خزیمہ نے کہا میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا اسکے بعد انھوں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور قتال کیا یہاں تک کہ مقتول ہوئے۔ واقعہ صفین ۳۷ھ میں ہوا تھا۔ (ص ۱۵۶ اسد الغابہ جلد ۳)

مگر اس پر بھی اہلسنت نہ معاویہ کو باغی کہتے ہیں نہ اپنے کو فرقہ باغیہ میں داخل کرتے ہیں۔

(۱۱۹) **خویلد بن عمر** مدینہ میں آکر رہے تھے اور قبل فتح مکہ اسلام لائے مدینہ میں ۶۸ھ میں وفات پائی۔ (ص ۱۵۱ اسد الغابہ جلد ۳)

مگر ہائے رے شومی قسمت کہ امام حسینؑ کی مدد نہ کی اور شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے۔

(۱۲۰) **خیبر** ان کا نام عبد خیر تھا۔ سہل نے روایت کیا ہے کہ اُنکے والد نے عبد خیر سے کہا اے ابو عمارہ میں آپ کا جسم بہت توانا دیکھتا ہوں آپ کی عمر کس قدر ہے کہا کہ میری عمر ایک سو بیس برس کی ہے۔ (ص ۱۵۵)

مگر ہائے یہ بھی شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے نہ کسی طرح حضرتؑ کی مدد کی۔

(۱۲۱) **دغفل نسابہ** اس کو معاویہ نے یزید کے تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا یہ بھی صحابی ہے جس سے حسن بصری روایت کرتے ہیں ۶۰ھ میں اسکی وفات ہے (اصابہ ص ۱۶۴)

مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۲۲) **ذوالجوشن** شمر کا باپ ہے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ابو اسحاق نے انسے نہیں سنا بلکہ انھوں نے ان کی حدیث اُن کے بیٹے شمر بن ذی الجوشن سے سُنی ہے۔ (ص ۱۹۳)

بیچے شمر قاتل امام حسینؑ اہلسنت کے یہاں راوی حدیث بھی ہے جس سے ابو اسحاق روایت کرتے ہیں۔

اصابہ میں بھی ہے۔ ولہ حدیث عند ابی داؤد من طریق ابی اسحق عنہ و

یقال انہ لم یسمع منہ وانما سمعہ من ولدہ شمر۔ (ص۱۲۵ جلد ۲)

(۱۲۴۳) ذوالخویصرہ تمیمی ایک دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے ذوالخویصرہ نے جو بنی تمیم سے ایک شخص تھے کہا یا رسول اللہ انصاف کیجئے حضرت صلعم نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں نہ انصاف کروں گا تو کون انصاف کرے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اجازت دیجئے تو میں اس منافق کی گردن ماردوں حضرت نے فرمایا نہیں اس شخص کے کچھ ساتھ والے ہیں جن کے نماز روزے کے سامنے تم اپنے نماز روزے کو حقیر سمجھو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکلجاتا ہے اُسکے گانسے کیطرف دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملے گا اور اُسکے پر دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملیگا اور اسکی ڈنڈی کو دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملے گا حالانکہ لید اور خون سے ہو کے آیا ہے یہ لوگ اُسوقت ظاہر ہونگے جب لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو جائیگا اُنکی نشانی یہ ہے کہ اُنکے دو پستانوں میں ایک پستان عورت کے پستان کے مثل یا گوشت کے ٹکڑے کے مثل ہوگا وہ ہلتا ہوگا۔ ابوسعید کہتے تھے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا جب اُنھوں نے ان لوگوں سے قتال کیا مقتولین میں جستجو کی گئی تو ایک شخص اُسی ہیئت کا نکلا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔

ابو سعید خدری سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تقسیم کر رہے تھے حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ وہ ہوازن کا مال غنیمت تھا اور حنین کا دن تھا کہ یکایک ذوالخویصرہ تمیمی آئے جن کا نام حرقوص بن زہیر تھا وہی خوارج کی بنیاد ڈالنے والے تھے اُنھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ انصاف کیجئے حضرت صلعم نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا اس کے بعد اُنھوں نے وہی واقعہ بیان کیا جو اوپر گذر چکا پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر ہے واللہ اعلم۔ حرقوص کے نام میں اُن کے باقی حالات گذر چکے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص۱۴۰)

اس نام کو اگرچہ ہمارے رسالہ سے چنداں تعلق نہیں ہے مگر یہ تو معلوم ہوا کہ حضرات اہلسنت نے ایسے منافق کو بھی صحابہ میں داخل کیا ہے حالانکہ خود لکھ رہے ہیں یہ خوارج کا موجد ہے۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا تقسیم رسول اللہ پر اعتراض کرنے والا منافق ہے تو اب دیکھو یہ صفت اوروں میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں خود صحیح مسلم میں ہے۔ (ص۳۴۷ جلد اول)

عن سلمان بن ربیعہ قال عمر بن الخطاب قسم رسول اللہ قسماً فقلت واللہ یارسول اللہ لغیر ہولاء کان احق بہ منہم۔

یعنی سلمان بن ربیعہ راوی ہیں کہ عمر کہتے تھے ایک روز رسول اللہ نے کچھ تقسیم کیا تو ہم نے کہا یا رسول اللہ قسم خدا کی غیر لوگ اسکے زیادہ مستحق ہیں

اب فرمایئے اعتراض عمر اور اعتراض ذوالخویصرہ میں کیا فرق ہے کیونکہ ذوالخویصرہ یہ فرمائش کرتا ہے کہ انصاف

فرمائیے اس میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ آپ بے انصافی کرتے ہیں اگرچہ التزاماً یہ معنی پیدا ہوتے ہیں بخلاف اعتراض عمر کہ اس میں وہ بقسم کہتے ہیں کہ آپنے بے انصافی کیا غیر لوگ زیادہ مستحق تھے فرمائیے کس کا نفاق زیادہ ہوا افسوس کہ حضرت عمر ایسے شخص کو محض اتنی فرمائش پر کہ عدل کیجیے منافق کہتے ہیں اور اپنے متعلق خیال نہیں کرتے کہ ہمارا اعتراض تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اصابہ میں ہے:۔

ان النبیؐ قال لا یدخل النار احد شهد الحدیبیة الا واحد فکان هو حرقوص بن زهیر۔ (ص ۲۳۵)

پیغمبر خدا نے فرمایا جو لوگ حدیبیہ میں شریک ہوئے ان میں کوئی شخص بھی جہنم میں نہ جائے گا سوا ایک شخص کے وہ شخص حرقوص بن زہیر تھا۔ (اصابہ جلد اول ص ۲۳۵)

چونکہ ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر تھا اسلیئے اس حدیث کو لکھ دیا کہ معلوم ہو بنص رسولؐ یہ شخص جہنمی ہے۔ ذوالخویصرہ کو داخل صحابہ کرنا یہ بھی مخصوصات سے اس کتاب اسدالغابہ کے ہے۔ چنانچہ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:۔

ذکره ابن الاثیر فی الصحابةؓ مستدرکا علی من قبله وعندی فی ذکره من الصحابةؓ وقفة (ص ۱۵۷ جلد ۲)

یعنی ابن اثیر نے اس کو صحابہ میں لکھا ہے جسکی غرض اعتراض ہے اپنے سابقین پر ہمارے نزدیک مرد صحابہ میں اسکو ذکر کرنا قابل تأمل ہے۔

پھر بتائیے ابن اثیر کی غرض اس تذکرہ سے بجز اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ خوارج کو ہمسر اہلسنت بتائے کیونکہ جس طرح عمر صاحب صحابی ہو کر موجد مذہب اہلسنت ہوئے اسی طرح یہ صحابی بھی موجد مذہب خوارج ہوا شائد اسی سبب سے یہ نام استیعاب میں نہیں ملتا کیونکہ وہ تو کھلا ہوا منافق تھا۔

(۱۲۴) ذوالخویصرہ یمانی وہ ہے جس نے رسول اللہ کے حضور میں آکر مسجد رسول میں پیشاب کیا لوگوں نے کچھ سختی کرنا چاہا تو حضرتؐ نے فرمایا اس کو تعلیم دو۔

(۱۲۵) ذوالکلاع یہ زمانۂ رسول اللہ میں اسلام لائے تھے پھر شام کی طرف چلے گئے اور وہیں رہے جب زمانہ فتنہ آیا تو جنگ صفین کا ساماں انھیں نے کیا یہ معاویہ کی طرف تھے جب یہ مارے گئے تو معاویہ ان کے مقتول ہونے سے بہت خوش ہوا ان بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اپنے طرفدار صحابی کے مقتول ہونے سے معاویہ خوش ہوا، اس وجہ سے کہ ذوالکلاع کو جب یہ خبر ملی کہ نبیؐ نے عمار بن یاسر کے حق میں فرمایا ہے کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا اور عمار حضرت علیؑ کی طرف تھے تو انھوں نے حضرت معاویہ اور عمرو عاص سے کہا کہ ہم علی اور عمار سے کس طرح لڑ سکتے ہیں تو لوگوں نے یہ جواب دیا کہ حضرت عمار ہمارے ہی طرف آجائیں گے اور ہماری طرف سے

لڑیں گے مگر ذوالکلاع پہلے قتل ہوا اور اس کے بعد عمارؓ شہید ہوئے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ذوالکلاع نے حضرت معاویہ سے اس وجہ سے اختلاف کیا تھا کہ اُنکے نزدیک ثابت ہو گیا تھا کہ حضرت علیؑ حضرت عثمان کے خون سے بالکل بری ہیں۔ (ص ۱۹۹ اسد الغابہ)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معاویہ نے حدیث یقتلہ الفئۃ الباغیۃ کی صرف یہی تاویل نہیں کی تھی کہ اُنکی شہادت کے باعث حضرت علیؑ ہوئے جو ہمراہ لائے تھے بلکہ یہ تاویل بھی کی تھی کہ عمار ہمارے طرف آجائیں گے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذوالکلاع پر ہر طرح حقیقت جناب امیر ثابت ہو چکی تھی پھر بھی وہ باطل ہی پر مصر رہے اور اسی حالت میں قتل ہوئے پھر معاویہ کا اُنکی موت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ حق کا ظہور کچھ مخفی رہ گیا کس درجہ کی ایمانداری معاویہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

ہاں چونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ اس معاملہ میں حق ایک ہی طرف تھا اور نص صریح حق پر حضرت عمار تھے لہٰذا اس نص صریح کے ابطال کے لیئے یہ خواب بنایا گیا کہ عمر بن شرجیل نے یہ خواب دیکھا کہ ذوالکلاع اور حضرت عمار باغ کی روش پر کھڑے ہیں عمرو بن شرجیل نے پوچھا تو ذوالکلاع نے کہا ہم نے خدا کو بہت وسیع المغفرۃ پایا میں نے پوچھا کہ اہل نہروان یعنی خوارج کا کیا حال ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ وہ بڑے مصیبت میں ہیں۔ (ص ۲۰۰)

مگر اس خواب کی موضوعیت اسی سے ظاہر ہے کہ خوارج کا واقعہ اس کے بعد ہوا ہے پھر اُس وقت اُن کا حال کیونکر پوچھا جا سکتا تھا ایک جواب پہلے ہی مذکور ہو چکا ہے۔

(۱۲۵) ذوالثدیہ افسوس کہ اسد الغابہ میں انکا تذکرہ نہیں ہے مگر اصابہ ج ۲ ص ۱۱۴ میں پورا حال لکھا ہے جو حسب ذیل ہے:-

انس سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا کے زمانہ میں ایک شخص تھا جسکی عبادت اور ریاضت پر ہمیں بڑا تعجب ہوا کرتا ہم نے اسکا نام لے کر رسول اللہ سے ذکر کیا مگر آپنے نہیں پہچانا پھر ہم نے اُسکے اوصاف ذکر کیئے تب بھی آپنے نہیں پہچانا ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ شخص سامنے آگیا ہم نے رسول اللہ سے کہا حضور! یہی وہ شخص ہے حضرت نے فرمایا تم لوگ ایسے شخص کا ذکر مجھ سے کر رہے ہو جسکے چہرے پر شیطانی علامات ہیں وہ شخص قریب آکر کھڑا ہو گیا اور کسی نے اس سلام نہیں کیا حضرت پیغمبرؐ نے اُس شخص سے کہا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں سچ بتا کیا تو نے مجمع میں کھڑے ہو کر نہیں کہا تھا کہ لوگوں میں مجھ سے کوئی افضل یا بہتر نہیں اُس نے کہا ہاں کہا تھا پھر وہ شخص وہاں سے چلا گیا اور جا کر نماز پڑھنے لگا پیغمبرؐ نے فرمایا کون ہے جو جا کر اس شخص کو قتل کر ڈالے۔ ابو بکر نے کہا میں جاتا ہوں اُنھوں نے جا کر دیکھا کہ وہ شخص نماز پڑھ رہا ہے اُنھوں نے کہا سبحان اللہ کیا میں ایسے شخص کو قتل کروں جو نماز پڑھتا ہے حالانکہ رسول اللہ نماز گذاروں کے قتل سے ممانعت فرما چکے ہیں یہ کہہ کر واپس آئے رسول اللہ نے پوچھا کہو کیا کیا؟ ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ

وہ نماز میں مشغول تھا مجھے گوارا نہ ہوا کہ اُسے قتل کروں جبکہ آپ نماز پڑھنے والوں کے قتل سے ممانعت فرما چکے ہیں پیغمبر خدا نے پھر فرمایا کون ہے جو جاکر اسے قتل کرڈالے عمر نے کہا میں جاتا ہوں یہ جب پہونچے تو دیکھا وہ سجدہ میں ہے اُنھوں نے سوچا کہ ابوبکر مجھ سے افضل ہیں جب اُنھوں نے قتل نہیں کیا تو میں کیسے قتل کروں یہ بھی واپس آئے رسول اللہ نے پوچھا کیا ہوا عمر نے کہا یا رسول اللہ میں نے اُسے دیکھا کہ سجدہ میں ہے مجھے اس کا قتل گوارا نہ ہوا رسول اللہ نے پھر فرمایا کون ہے جو اسے جاکر قتل کرے۔ حضرت علیؑ نے کہا میں جاتا ہوں پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں بشرطیکہ تم اُسے پا بھی سکو علیؑ جب پہونچے تو دیکھا کہ وہ شخص جاچکا ہے رسول اللہ کے پاس واپس آئے پیغمبر نے پوچھا کیا ہوا علیؑ نے کہا یا رسول اللہ میں جب پہونچا تو وہ جاچکا تھا رسول اللہ نے فرمایا اگر آج یہ شخص قتل کردیا جاتا تو میری امت کے دو آدمی بھی اختلاف نہ کرتے نا اولیں تا آخریں۔

اس واقعہ کے راوی موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے محمد بن کعب کو کہتے سنا کہ ذی الثدیہ کو علیؑ نے قتل کیا۔

ابن حجر کہتے ہیں ذی الثدیہ کا یہ واقعہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے محمد بن قدامہ نے اپنی کتاب الخوارج میں ان تمام طریقوں کو اکٹھا کردیا ہے۔

اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جسے مسلم نے اپنے صحیح میں اور ابوداؤد نے اپنے سنن میں محمد ابن سیرین کے واسطہ سے اُنھوں نے عبیدہ سے اور اُنھوں نے حضرت علیؑ سے نقل کیا:۔

حضرت علیؑ نے اہل نہروان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ان میں ایک شخص ایسا ہے جسکے ایک ہی ہاتھ ہے اگر تم لوگ انکار نہ کرو تو ہم تمھیں بتا سکتے ہیں کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی زبانی اس شخص کے قتل کرنے والوں سے کیا وعدے کئے ہیں عبیدہ نے کہا کیا آپنے خود سنا ہے فرمایا ہاں قسم ہے پروردگار کعبہ کی۔

راوی کا بیان ہے کہ:۔

جب حضرت علی اہل نہروان سے فارغ ہوئے تو آپنے فرمایا اس شخص کو تلاش کرو ان لوگوں نے جاکر ڈھونڈھا پھر آکر کہا ہم نے اُسے نہیں پایا حضرتؑ نے تین مرتبہ انھیں بھیجا اور تینوں مرتبہ وہ لوگ واپس آئے حضرت علیؑ نے فرمایا قسم بخدا نہ ہم نے جھوٹ کہا نہ ہم سے جھوٹ کہا گیا آخر میں ان لوگوں نے سب لاشوں کے نیچے اُسے پایا جو کیچڑ میں دھنسا ہوا تھا راوی کہتا ہے ہم نے دیکھا وہ ایک حبشی ہے جس کا ایک ہاتھ مثل پستان کے ہے جس پر چند بال ہیں مثل دم یربوع کے

ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

ایسے واقعات کی تفصیل آپکو تنقید بخاری حصہ دوم صفحہ ۱۲۹ لغایت صفحہ ۱۴۱ میں ملے گی جس سے معلوم ہوگا کہ ان صحابہ نے حضرت کے احکام کی کیسی تعمیل کی ہے کہ حضرت حکم صریح قتل کا دیتے ہیں اور ابوبکر و عمر دونوں آدمی اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور قتل نہیں کرتے۔ اور مانعین زکوٰۃ کو بے تامل قتل کرڈالتے ہیں حالانکہ

وہ سب نماز گذار تھے۔

رافع بن خدیج۔ بڑے پایہ کے صحابی ہیں ایک تیر ان کے گلے پر لگا تھا جس کا زخم بزمانہ عبدالملک کھل گیا اور ۷۴ھ میں بعمر ۸۶ سال انھوں نے انتقال کیا ابن عمر ان کے جنازہ میں گئے تھے لوگوں نے عصر کے بعد تک تاخیر کر دی تھی تو ابن عمر نے کہا اپنے صاحب پر نماز پڑھ لو قبل اسکے کہ آفتاب غروب کرے انکی اولاد مدینہ اور بغداد میں تھی زرد خضاب لگایا کرتے اور مونچھیں منڈواتے تھے (صـ۲۱۱ اسد الغابہ ج ۲)

مگر افسوس شرکت معرکہ کربلا سے یہ بھی محروم ہی رہے حضرت کی مدد نہ کی۔

ربیعہ بن انمار حضرت معاویہ کے زمانہ میں لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے فقیہ تھے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ نے فرمایا شریعت پر مستقیم رہو کیا اچھی بات ہے اگر تم مستقیم رہو اور وضو کی حفاظت کرو اور تمھارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے مرج راہط کے واقعہ میں مقتول ہوئے ۶۴ھ میں مروان بن حکم اور ضحاک بن قیس فہری کے درمیان سفیر تھے (صـ۲۳۶ اسد الغابہ)

کیا ایسے مقدس صحابہ پر امام حسینؑ کی امداد نہ لازم تھی جو صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے اور صحابہ انکو اپنا قاضی و مفتی مانتے۔ خاص شام میں رہتے تھے۔

ربیعہ بن کعب بن مالک۔ یہ اصحاب صفّہ سے تھے رسول اللہ کے دروازے پر رہا کرتے تھے اور آپ کو وضو کے لیے پانی دیا کرتے تھے واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ھ میں وفات پائی (صـ۲۳۸)

مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ اہل حجاز سے ہیں۔

(۱۲۹) رافع بن عمر وقیل ھو رافع بن ابی رافع اصابہ میں ہے کہ غزوۂ ذات السلاسل میں ابوبکر کے ساتھ تھے رافع کہتے ہیں کہ ابوبکر ہمکو اپنے فرش پر سلاتے اور اپنا کپڑا اوڑھنے کو دیتے رافع نے ابوبکر سے کہا کچھ ایسی بات بتاؤ کہ ہم کو نفع دے ابوبکر نے کہا خدا کی عبادت کرو اور شرک نہ کرو اور نماز پڑھو تصدق کرو اگر مال ہو اور دار کفر چھوڑ کر ہجرت کرو اور دو آدمیوں پر بھی حکومت نہ اختیار کرو۔ (صـ۱۸۱ ج ۲)

استیعاب میں ہے لہ خبر فی صحبۃ ابی بکر فی غزوۃ ذات السلاسل (صـ۱۸۱ ج ۱)

کہ اسکی ایک خبر ہے دربارۂ صحبت ابوبکر بمقام ذات السلاسل اس کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔

اسد الغابہ میں بھی ہے یہ واقعہ غزوۃ السلاسل میں شریک تھے اور اس میں حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ رہے اور ان کا قصہ مشہور رہے (صـ۲۱۶ ج ۲)

مگر افسوس اصل روایت کو کسی نے نہ لکھا کہ ابوبکر سے انسے وہ کونسی بات ہوئی جس کے تعلق کہا جاتا ہے کہ قصہ اُن کا مشہور ہے اب اسکی اصلیت کنز العمال ج ۳ صـ۱۳۵ میں ملاحظہ فرمائیے۔

رافع بن ابی رافع صحابی کا بیان ہے کہ جب ابوبکر کو لوگوں نے خلیفہ بنایا تو ہم نے کہا یہ تو ہمارا وہی صاحب ہے جو حکم دیتا تھا کہ کبھی دو آدمی پر بھی حکومت نہ کرنا اسی خیال سے ہم نے گھر سے سفر

سفر کیا اور وارد مدینہ ہوئے ابوبکر سے ملاقات کرکے کہا ہم کو پہچانتے ہو کہا ہاں تب ہم نے کہا یہ بھی تم کو یاد ہی کہ ہمکو نصیحت کیا کرتے تھے دو آدمی پر بھی حکومت نہ کرنا پھر کیا ہو گیا کہ تم سارے امت کے حاکم بن بیٹھے۔ ابوبکر نے کہا حضرتؐ نے انتقال کیا اور لوگ تازہ عہد تھے کفر کے ساتھ (حضرت کی نبوت کو ۲۳ سال گذر چکے تھے اس پر بھی تازہ عہد تھے) لہذا ہم کو یہ خوف ہوا کہ کہیں مرتد نہ ہوں اور اختلاف نہ پیدا ہو اس لئے ہم اس میں داخل ہوئے حالانکہ کارہ تھے اور ہمیشہ ہمارے اصحاب سمجھاتے رہے ابوبکر اسی قسم کا عذر بیان کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انکا عذر قبول کیا۔

ہم کو ابوبکر کے کلام سے غرض نہیں کیونکہ دول یورپ جو کل تک اسلامی ممالک کے دست بُرد میں عذر کر رہے تھے اور اُن کے وزرا جس قسم کی تقریریں کرتے تھے وہ سب کے پیش نظر ہیں پھر حضرت ابوبکر تو سبکے استاد تھے مگر کون کہے کہ تیئس برس تک حضرت نبوت فرما چکے تھے اس پر بھی سب مسلمان تازہ عہد بکفر ہیں تو آپ کون سے قدیم الاسلام ہیں آپکے تازہ عہد بکفر ہونے کے متعلق تو وہی حدیث صحیح بخاری کافی ہے جس میں آن حضرت آپکی بیٹی عائشہ سے فرما رہے ہیں کہ اگر تیری قوم تازہ مسلمان نہ ہوتی جسمیں کسی مسلمان کو عذر نہیں ہو سکتا کہ ابوبکر اس میں ضرور داخل ہیں پھر حدیث ازالۃ الخفا دیکھئے کہ حضرتؐ نے بقسم شرعی فرمایا ابوبکر کے دل میں شرک کی چال چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے تو اُن کا یہ خلیفہ بننا زیادہ کفر کی علامت ہے یا خوف کرنا کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے۔

جس رسول نے تیئس برس تک امت کی تعلیم کی اُسکو تو اسکا خوف نہ ہوا کہ ہمارے بعد ہماری امت مرتد ہو جائیگی جس کے لئے آپ انتظام کر جاتے اور آپ کو خوف ہوا کہ خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ ہزار ہا روایات اہلسنت موجود ہیں جنمیں ذکر ہی کہ حضرتؐ نے اس کا اسی روز انتظام کیا تھا جس روز اپنی نبوت کا اعلان فرمایا پھر یہ کیسا مہمل عذر ہے کہ ہم نے لوگوں کے کہنے سے قبول کر لیا۔

ہماری غرض اس تذکرہ سے صرف اس قدر ہے کہ معلوم ہو جن علماء نے حالات صحابہ میں جو کتابیں لکھی ہیں اُنھوں نے کس درجہ بد دیانتی سے کام لیا ہے۔

(۱۳۰) رافع مولی النبیؐ سعید بن عاص (بنی امیہ) کا ایک غلام تھا جس کو اُسکے اولاد نے آزاد کیا مگر ایک شخص نے اپنا حصہ رسول اللہ کو ہبہ کیا اور حضرتؐ نے آزاد کر دیا اس وجہ سے وہ مولیٰ (آزاد کردہ) رسول کہلاتا ہے اشدق کے قریب عمرو بن سعید اشدق جو اُسی سعید بن عاص کے خاندان سے تھا خلیفہ بنا (جو آخر کو بعہد عبد الملک مارا گیا) تو اُس رافع کو بلا کر پوچھا تو کس کا غلام ہے اُس نے کہا آزاد کردہ رسول ہوں عمر بن سعید نے سو کوڑے مارے پھر دوبارہ پوچھا تو اُس نے وہی جواب دیا پھر سو کوڑے مارے گئے سہ بارہ جب سوال کیا تو جواب دیا میں تیرا غلام ہوں۔ (اصابہ ج ۲ ص ۱۹۱)

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اُسنے بھی جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ ۲۰ × ۲۲ برس

تک اُس کے بعد زندہ رہا وہاں بنی امیہ کی اسلامی حالت بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ کی طرف نسبت بھی انکو ناگوار تھی پھر تقیہ کی اجازت معلوم ہوئی کہ مارے خوف کے اس نسبت کو چھوڑ دیا اور غلامی عمرو بن سعید اشدق کو قبول کیا۔

(۱۳۱) رافع مولیٰ عائشہ غلام حضرت عائشہ راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا عادی ا للہ من عادی علیاً (صلا اصابہ) خدا اسکو دشمن رکھے جو جناب امیرؑ سے عداوت کرے۔

مگر افسوس اس نے بھی جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۱۳۲) رباح بن معترف۔ اس سے عبد الرحمان بن عوف نے فرمائش کی کچھ گاؤ تو اُسنے کہا عمر ہیں کہا جب وہ منع کریں تو چھوڑ دینا اُس نے گانا شروع کیا عمر نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا عبد الرحمان کی فرمائش ہے عمر نے اُن سے پوچھا تو کہا اس سے راہ کٹتی ہے عمر نے کہا اگر ایسا کرتے ہو تو ضرار بن خطاب کے اشعار گایا کرو۔ (صـ۱۵۳ اصابہ)

دیکھئے عبد الرحمان بن عوف کے خیال سے گانا حلال کر دیا گیا اور اُس پر فرمائش بھی کی گئی۔

(۱۳۳) ربیع بن زیاد۔ یہ مخصوصین حضرت عمرؓ سے تھے زیاد کی طرف سے حاکم خراسان تھے (صـ۱۹۵ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم رہے۔

(۱۳۴) ربیعہ بن عباد۔ یہ بھی بڑے پایہ کے صحابی ہیں ولید بن عبد الملک کے زمانہ تک زندہ رہے۔ (صـ۲۰ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۳۵) ربیعہ حرشی۔ یہ بڑے بزرگ صحابی ہیں زمانہ معاویہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے ضحاک بن قیس کے ساتھ واقعہ مرج راھط میں مارے گئے۔ ۶۴ھ۔ (صـ۲۲ اصابہ)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اور ضحاک بن قیس کے ساتھ جان دی۔

(۱۳۶) ربیعہ بن کعب بن مالک۔ یہ اصحاب صُفّہ سے تھے حضرت کے در دولت پر حاضر رہا کرتے بعد وفات رسول اللہ مدینہ سے ایک منزل پر جا کر قیام کیا ۶۳ھ زمانہ حرہ تک زندہ رہے مگر نصرت امام نہ کی (صـ۲۲ اصابہ)

(۱۳۷) ربیعہ بن یزید اسلمی۔ بخاری نے اسکو صحابی لکھا ہے مگر ابن عبد البر لکھتے ہیں:۔

کان من النواصب یشتم علیاً قال ابوحاتم لا یروی عنہ ولا کرامتہ ومن ذکرہ فی الصحابۃ فلم یصنع شیئاً انتھی وقد استدرکہ ابن فتحون و ابوعلی الغسانی وابن مسعود علی ابی عمر اعتماداً علی قول البخاری۔ (صـ۲۲)

ابو عمر کہتے ہیں یہ ملعون ناصبی تھا جو جناب امیرؑ کو گالیاں دیا کرتا ابو حاتم کہتے ہیں یہ اس قابل

نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے جس نے اسکو صحابہ میں لکھا ہے اُس نے بے کار کام کیا۔

مگر ابن فتحون ابو علی علی ابن معوز کلام عبد البر کو رد کرتے ہیں کیونکہ بخاری نے اُس کو صحابی لکھا ہے۔

مگر حق یہ ہے کہ ابن عبد البر صاحب کا اس وجہ سے اعتراض کہ وہ ناصبی تھا جناب امیرؑ کو گالیاں دیا کرتا تھا خود تعجب خیز ہے کیونکہ صدہا صحابہ دشمن جناب امیرؑ تھے اور وہ صحابی کہے جاتے ہیں پھر ربیعہ نے کیا قصور کیا جو وہ صحابیت سے خارج کیا جاتا ہے

(۱۳۸) رخصہ بن خزیمہ انصاری بن خفاف یہ اور ان کے بیٹے اریا سب صحابی ہیں اس پر ابن حجر لکھتے ہیں:۔

اس حساب سے موسیٰ بن عقبہ کا یہ قول کہ ایک خاندان میں چار آدمی کا صحابی ہونا مختص ہے خاندان ابو بکر سے رد ہو جاتا ہے۔ (اصابہ ص۲۰۵)

ہوا خواہان خلفا نے کیا کیا فضلیتیں خلفاء کے لئے گڑھی ہیں جس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک خاندان میں چار آدمی کا صحابی ہونا مخصوص ہے ابو بکر سے حالانکہ ابن حجر نے علاوہ رخصہ کے اور بھی دو تین خاندان کا نام لکھا ہے کہ وہ سب بھی صحابی تھے ابن اسامہ بن زید بن حارثہ دوسرے ابن سلمہ بن عمرو بن الاکوع۔

(۱۳۹) رفاعہ بن رافع۔ انصاری بہت اعلیٰ درجہ کے صحابی ہیں بدر۔ احد۔ خندق بیعت الرضوان اور تمام مشاہد میں رسول اللہ کے شریک تھے اسد الغابہ میں ہے ص۱۷۸ ج ۲

رفاعہ جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ کے ہمراہ تھے اور جنگ صفین میں بھی شعبی نے کہا ہے کہ جب طلحہ و زبیر بصرہ کی طرف گئے تو ام الفضل بنت حارث یعنی زوجہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم نے حضرت علیؑ کو اُنکی خبر لکھ کے بھیجی حضرت علیؑ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے لوگوں نے عثمان پر حملہ کیا اور اُن کو قتل کر دیا اور انھوں نے مجھ سے بغیر جبر کے بیعت کی اور طلحہ و زبیر نے بھی بیعت کی اب وہ لشکر لے کے عراق کی طرف گئے (پس حضرت علی مرتضیٰ سے مخاطب ہو کر) رفاعہ بن رافع زرقی نے کہا کہ جب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اٹھا لیا تو ہم سمجھے تھے کہ ہم لوگ (یعنی انصار) اس امر خلافت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ہم نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور ہمارا مرتبہ دین میں بڑا تھا مگر تم نے (اے مہاجرین) کہا کہ ہم مہاجرا ولین ہیں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دوست اور عزیز ہیں ہم تمھیں اللہ کی یاد دلاتے ہیں کہ تم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جانشینی میں ہم سے مزاحمت نہ کرو پس معاملہ خلافت ہم نے تمھارے لئے چھوڑ دیا اور تم اس سے خوب واقف ہو اور اسکی وجہ کچھ اور نہ تھی سوا اسکے کہ ہم نے دیکھا حق پر عمل ہو رہا ہے اور کتاب اللہ کی پیروی کیجاتی ہے اور سنت رسول قائم کیجاتی ہے تو ہم راضی ہو گئے اور ہمکو اسکے سوا اور کیا چاہیئے تھا اب ہم نے آپ کے

بیعت کی اور ہم نے رجوع نہیں کیا اب آپ سے اُن لوگوں نے مخالفت کی ہے جن سے آپ بہتر ہیں
اور بہ نسبت اُن کے زیادہ پسندیدہ پس آپ ہمیں اپنے حکم سے مطلع فرمائیے اسی اثنا میں حجاج بن غزیہ انصاری
آئے اور انھوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اس معاملہ کا تدارک اس سے پہلے کرنا چاہیئے کہ وقت ہاتھ
سے نکل جائے میری جان کو کبھی چین نہ نصیب ہو اگر میں موت کا خوف کروں اے گروہ انصار
امیر المومنین کی بھی مدد کرو جس طرح تم نے رسول خدا صلعم کی مدد کی تھی واللہ آخر کو اول سے نسبت
ہوتی ہے ہاں مگر اول بہت افضل تھے۔" ان کا تذکرہ تینوں نے لکھا ہے۔

اس قصہ کو اسد الغابہ میں بہت اختصار سے اسی قدر لکھا ہے حالانکہ یہ بہت عظیم الشان قصہ ہے لہذا
کتاب استیعاب سے لکھتے ہیں تاکہ ناظرین کو پورا فائدہ ہو ملاحظہ ہو۔ (ص ۱۸۲ ج ۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن)
شعبی سے روایت ہے کہ:۔

جب طلحہ وزبیر نے خروج کیا تو ام الفضل بنت حارث نے امیر المومنین کو اسکی اطلاع دی امیر المومنین نے
فرمایا طلحہ وزبیر پر بڑی حیرت ہے جب حضرت رسالت آب نے رحلت فرمائی تو ہم نے کہا کہ ہم حضرت ؑ کے
گھر والے اور آپ کے وارث ہیں پیغمبر ؐ کی حکومت کے بارے میں ہم سے کوئی نزاع نہ کرے گا مگر ہماری
قوم والوں نے ہماری مخالفت کی اور ہمارے غیر کو حاکم بنا لیا قسم بخدا اگر مسلمانوں میں پھوٹ پڑجانے
کفر کے دوبارہ پلٹ آنے اور دین خدا کے مٹ جانے کا خوف نہ ہوتا تو یقینا ہم اس منصوبہ کو الٹ
دیتے مگر ہم نے سختیوں پر صبر کیا پھر خدا کا شکر ہم نے کوئی برائی نہیں دیکھی پھر لوگ عثمان پر ٹوٹ
پڑے اور انھیں قتل کر ڈالا اسکے بعد لوگوں نے میری بیعت کی کسی کو بھی ہم نے بیعت پر مجبور نہیں کیا
طلحہ وزبیر نے بھی میری بیعت کی مگر بیعت کرکے ایک مہینہ بھی صبر سے نہ بیٹھے کہ بیعت توڑ کر عراق
چل کھڑے ہوئے خداوندا تو ان سے مواخذہ کر تاکہ انھوں نے مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالا۔

رفاع بن رافع زرقی نے عرض کیا جب حضرت رسول خدا نے دنیا سے انتقال کیا تو ہمیں خیال
ہوا کہ ہم اس حکومت کے زیادہ سزاوار ہیں کہ ہم نے رسول اللہ کی مدد کی تھی اور دین میں ہمارا مرتبہ بہت
بڑا ہے تم لوگوں نے کہا کہ ہم مہاجرین اولین ہیں رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار ہیں ہم تمھیں خدا کا واسطہ
دیتے ہیں کہ تم پیغمبر ؐ کی جانشینی کے لیے ہم سے نزاع نہ کرنا ہم نے حکومت کو تمھارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا
اور نزاع ترک کردی ہم تو صرف اس قدر دیکھ رہے تھے کہ حق کے مطابق عمل ہو رہا ہے کتاب خدا کی پیروی
کی جارہی ہے اور سنت رسول قائم ہے اسکے سوا ہمیں کچھ اور درکار نہ تھا یہی ہم چاہتے بھی تھے جب
دیکھا کہ اب خاندان پرستی کی جانے لگی ہے تو ہم محض خوشنودی خدا کے لیے مخالف ہو گئے۔
(اشارہ ہے قتل عثمان کی طرف) پھر ہم نے آپ کی بیعت کی اور خدا کے فضل وکرم سے خسارہ میں
نہیں رہے اب آپ کی مخالفت وہ لوگ کر رہے ہیں جن سے ہم آپ کو افضل جانتے ہیں اور پسندیدہ

سمجھتے ہیں لہذا جو حکم دیجئے ہم اسکی تعمیل کو حاضر ہیں۔

حجاج بن غزیہ انصاری آئے اور انھوں نے کہا امیر المومنین قبل اسکے کہ موقع ہاتھ سے نکلے جلد خبر لیجئے

اے گروہ انصار! تم امیر المومنینؑ کی نصرت کرو آخر میں جیسا کہ تم نے رسول کی نصرت کی تھی اول میں یہ نصرت پہلی نصرت کے مشابہ ہے مگر یہ کہ پہلی نصرت رسول اللہ کی افضل تھی۔

صالح بن کیسان شعبی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے جنگ جمل کو روانہ ہوتے وقت تقریر فرماتے ہوئے کہا۔

"خدا نے جہاد کو مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور اسکو اپنی نصرت اور جہاد کرنے والے کو اپنے ناصر کا خطاب دیا ہے دین و دنیا بغیر اس جہاد کے استوار نہیں ہوسکتی۔ ہم چار شخصوں میں مبتلا ہوئے ایک طلحہ جو بہت ہی چالاک اور سخاوت کرنے والے ہیں دوسرے زبیر جو شجاع ترین خلائق ہیں تیسرے عائشہ جن کی سب سے زیادہ اطاعت کیجاتی ہے چوتھے یعلے ابن امیہ جو سب سے زیادہ فتنہ کی طرف دوڑنے والا ہے خدا کی قسم وہ نہ ہمارے کسی فعل پر ناراض ہوئے نہ ہم نے کوئی مال ہتھیایا نہ اپنی خواہش سے کوئی کام کیا یہ لوگ مجھ سے وہ حق طلب کر رہے ہیں جسکو خود انھوں نے پورا نہیں کیا اور اس خون کا قصاص لینا چاہتے ہیں جسے خود انھیں نے بہایا ہے اب اگر میں اس میں ان کا شریک تھا تو پھر اس میں ان کا بھی تو حصہ نکلتا ہے اور اگر وہی اسکے مرتکب ہوئے ہیں میں نہیں تو پھر اسکی سزا بھی صرف انھیں کو بھگتنا چاہیئے۔

خون عثمان کا جو کچھ الزام ہو انھیں پر ہے اور وہی فئہ باغیہ ہیں انھوں نے خود ہماری بیعت کی اور پھر بیعت توڑ ڈالی انھوں اتنا بھی صبر نہ کیا کہ دیکھتے ہم عدل کرتے ہیں یا جور۔ اور ہم راضی ہیں حجت خدا کی ان پر تمام ہوئی اور علم خدا پر جو ان کے بارے میں ہے ہم ان سب باتوں کے باوجود انکھیں پھیر لاتے ہیں اور عذر خواہ ہیں اگر قبول کریں تو توبہ مقبول ہوتی ہے اور حق زیادہ سزاوار ہے بہ نسبت اسکے جسکی طرف وہ گئے ہیں اور وہ انکار کریں گے تو ہم بھی تلوار کی باڑھ کو انکے بارے میں جاری کریں گے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔ قسم خدا کی طلحہ و زبیر اور عائشہ خوب جانتے ہیں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔" انتہی۔ (ترجمہ استیعاب ج ا ص ۱۸۲)

اب استیعاب کی اس روایت کو دیکھئے اور اس روایت کو جو اسد الغابہ میں درج ہے تو معلوم ہو کس درجہ کتمان حق کی کوشش کی گئی ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے تو اور بھی کمال کیا مطلقاً اس واقعہ کو لکھا ہی نہیں بلکہ صرف اتنا لکھا ہے۔

"ضرار ابن صرد نے اپنے اسناد سے عبد اللہ بن ابی رافع سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ معرکہ صفین میں شریک ہوئے اور ابو عمرو صاحب استیعاب نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جنگ جمل میں بھی شریک ہوئے تھے ابن نافع کا بیان ہے کہ ان کا انتقال سنہ ۱۱ھ یا

سنہ ۴۲ھ میں ہوا۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۲۰۹)

اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ علمائے اہلسنت نے احوال صحابہ لکھنے میں کیسی کیسی تحریف کی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ متقدمین اہلسنت اپنی تصانیف میں اگر کچھ سچی باتیں لکھ بھی جاتے تھے تو بعد کے علماء بالالتزام ان باتوں کو حذف کر دیتے تھے کیونکہ استیعاب مقدم ہے اُسکے بعد اسد الغابہ لکھی گئی اسکے بعد اصابہ جس میں پوری طرح پردہ ڈال دیا گیا ہے۔

اس روایت نے اچھی طرح واضح کر دیا کہ جناب امیرؑ ان خلافتوں کو کیسا سمجھتے تھے حضرت فرماتے ہیں:۔

ہم اپنے کو سب سے زیادہ حقدار خلافت رسولؐ جانتے تھے اور ہمیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ کوئی ہم سے نزاع کرے گا مگر قوم نے غیروں کو خلافت دی اور دوسروں کو خلیفہ بنا دیا۔

اب اس سے بڑھ کر ظلم وغصب کی صراحت کیا ہو سکتی ہے کہ جن کو کسی طرح کا استحقاق نہ تھا وہ خلیفہ بنا دیے گئے اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ جناب امیرؑ میں اور ان میں اتحاد تھا حالانکہ حضرت فرماتے ہیں۔

"اگر اس کا خوف نہ ہوتا کہ لوگوں میں پھوٹ پڑ جائے گی کفر پھر پلٹ آئے گا اور دین خدا مٹ جائیگا تو ہم ضرور اس منصوبہ کو پلٹ دیتے"

اگر یہ انتظام خلافت درست تھا تو امیر المومنینؑ کو تبدیلی کی کیا ضرورت تھی اور انکا تبدیلی سے انکو خوف کیوں تھا کہ دین اسلام مٹ جائے گا تاریخ وحدیث کی کتابیں اسکی شاہد ہیں کہ حضرات شیخین نے ابو سفیان اور اشعث بن قیس ایسے منافقین و ملحدین کو اُن کی ذراسی دھمکی پر اس ڈر سے کہ کہیں یہ فساد نہ برپا کر دیں عہدہ و مناصب کی طمع دیکر اپنے سے ملا لیا لہٰذا کس کو شبہ ہو سکتا ہے اس میں کہ اگر امیر المومنینؑ ان قابضان خلافت سے جہاد کرتے تو یہ لوگ کھلم کھلا کافروں سے ساز باز کر کے اسلام کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکتے"

رفاعہ نے جو قوم انصار کی خدا ترسی کو بیان کیا کہ ہم لوگ محض اس وجہ سے حکومت پر قبضہ کرنے سے باز رہے کہ مہاجرین پیغمبرؐ کے ہم خاندان اور ان کے قرابت مند ہیں اسی چیز کو خود جناب امیرؑ نے مہاجرین کے مقابلہ میں پیش کیا۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ الامامت والسیاستہ میں لکھتے ہیں:۔

پھر حضرت علیؑ زبردستی ابوبکر کے پاس لائے گئے آپ فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور پیغمبرؐ کا بھائی ہوں، آپ سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو آپ نے فرمایا کہ میں خود تم لوگوں سے زیادہ حقدار ہوں بیعت کیے جانے کا میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا تمھیں خود میری بیعت کرنا چاہیئے تم نے انصار سے تو یہ کہہ کر خلافت لی کہ ہم رسولؐ خدا کے ہم خاندان اور قرابت دار ہیں مگر ہم جو اہل بیت پیغمبرؐ اور اُنکے گھر والے ہیں اُن سے تم اس خلافت کو غصب کیے لیتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے نہیں کہا تھا کہ ہم اس وجہ سے مستحق خلافت ہیں کہ رسولؐ ہم (مہاجرین) سے تھے انصار نے تمھاری بات مان لی اور خلافت تمھارے حوالے کر دی اب یہی دلیل ہم تم پر پیش کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ سے آپ کی زندگی اور مرنے کے بعد بہر حال

سب سے زیادہ قریب ترھیں پس اگر ایمان والے ہو تو انصاف سے کام لو ورنہ جس طرح چاہو جان بوجھ کر ظلم کر لو۔ عمر نے کہا تم چھوڑے نہ جاؤ گے جب تک بیعت نہ کرو گے۔ حضرت علیؑ نے کہا لے عمر آج ناقہ خلافت کا دودھ دوہ لو کہ تمھارا بھی اس میں حصہ ہے آج ابوبکر کے لئے اس خلافت کو مضبوط کر دو کہ کل تم ہی کو وہ واپس کر دینگے۔ پھر فرمایا اے عمر قسم بخدا ہم تمھارا کہنا ہرگز نہ مانیں گے نہ ابوبکر کی بیعت کریں گے۔ ابوبکر نے کہا اگر بیعت نہیں کرتے تو ہم مجبور بھی نہیں کرتے۔" (ص ۱۹)

ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ رفاعہ بن رافع انصاری نے مہاجرین کی خلافت مان لینے کی جو وجہ بیان کی تھی اُسکو خود جناب امیرؑ نے بھی مہاجرین کے سامنے پیش کیا کہ جب انصار اس حق سے دستبردار ہو گئے تو کیا وجہ ہے کہ جب وہی دلیل ہم پیش کرتے ہیں تو تم نہیں مانتے اور ظلم و جور پر آمادہ ہو۔
اسی کے ساتھ اس نیرنگی کو بھی دیکھ لیجیے جس کا مظاہرہ خلیفہ دوم نے بمقابلہ انصار کیا تھا۔
علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں:۔

جب انصار نے سقیفہ میں یہ صدا بلند کی کہ منّا امیر و منکم ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو تو عمر نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایک میان میں دو تلوار رہے۔ عرب والے کبھی اس پر راضی نہ ہونگے کہ خلیفہ تم میں سے ہو جبکہ پیغمبرؐ تم میں سے نہیں تھے وہی شخص حاکم ہو سکتا ہے جو خاندان نبوت سے ہو اگر عرب ہم سے مخالفت کریں گے تو ہمکو یہ حجت ظاہرہ اور سلطان مبین حاصل ہے کون شخص ہے جو سلطنت محمدؐ اور انکی میراث کے بارے میں ہم سے نزاع کرے جبکہ ہم پیغمبرؐ کے رشتہ دار اور انکے خاندان والے ہیں ایسا وہی کر سکتا ہے جو باطل پرست گناہگار اور ہلاکت میں غوطہ لگانے والا ہو۔
(کتاب الامامت والسیاستہ ص ۱۳)

اب بتائیے یہی سب خطایات خود اُن کو حاصل ہوئے یا نہیں جناب امیرؑ کے مقابلہ میں کہتے ہیں اگر بیعت نہ کرو گے تو قتل کر ڈالیں گے۔
سبحان اللہ انصار کے مقابلہ میں تو یہ دعوے ہو ہماری مخالفت کون کر سکتا ہے؟ ہم تو رسول اللہ کے قوم و قبیلہ سے ہیں اور جناب امیرؑ کے مقابلہ میں یہ ہوا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو گردن مارینگے۔
یہاں تو عمر صاحب وارث میراث رسول بنتے ہیں:۔

من ینازعنا سلطان محمد و میراثہ۔ (ص ۱۳) — کہ حضرتؐ کے سلطنت اور میراث میں کون ہماری مخالفت کر سکتا ہے۔

اور جناب سیّدہ کے مطالبۂ فدک میں یہ حدیث بنتی ہے:۔

نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث۔ — کہ ہم گروہ انبیا نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو میراث دیتے ہیں۔

فرمائیے یہ کس قسم کی دیانت داری ہے۔

(۱۳۹) روح بن زنباع جذامی ان کے صحابی ہونے میں اختلاف کیا گیا مگر امام مسلم بن حجاج (امام مسلم) نے الاسماء والکنیٰ میں لکھا ہو کہ ابو زرعہ یعنی روح ابن زنباع جذامی صحابی ہیں۔

یہ روح عبد الملک بن مروان بادشاہ شام کے یہاں بہت مقرب تھے عبد الملک کہتے تھے کہ روح میں اہل شام کی عبادت اور اہل عراق کی عقلمندی اور اہل حجاز کی فقہ جمع ہو (اسد الغابہ ج۲ صفحہ ۱۲۲) اصابہ میں ہے ومات سنة اربع وثمانين صفحہ ۲۱۷ کہ ۸۴ھ میں انکی وفات ہوئی۔

مگر افسوس نصرت امام حسین نہ کی بلکہ یہ مخالفین جناب امیر سے تھے کہ جنگ صفین میں یہ معاویہ کے ساتھ تھے۔

ہاں ایک واقعہ ان کا کتاب حیات الحیوان علامہ دمیری شافعی میں قابل دید ہے (صفحہ ۵۵ ج ۱) بخیال اختصار صرف ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

امام کسائی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ عباسی ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اپنے ایوان خلافت میں بیٹھے تھے اور سامنے اُن کے بہت سا مال پڑا ہوا تھا جس کو وہ اپنے خدام اور ارکان سلطنت میں تقسیم کر رہے تھے ہارون رشید کے ہاتھ میں ایک چمکیلا درہم تھا جس کی کتابت چمک رہی تھی اور بار بار بنظر غور و تامل دیکھ رہے تھے گویا کوئی خاص بات اس کی باعث تھی۔

ہارون رشید کی عادت تھی کہ اکثر مجھ سے (امام کسائی سے) ادھر اُدھر کی حکایتیں بیان کیا کرتے پوچھا کہ جانتے ہو کس نے سب سے پہلے اس سکہ کو طلا و نقرہ میں جاری کیا۔

امام کسائی۔ عبد الملک بن مروان نے اسکو جاری کیا۔

ہارون رشید۔ اس کا سبب کیا ہوا کیوں اسکی ایجاد ہوئی؟

امام کسائی۔ مجھے تو اور کچھ نہیں معلوم صرف اس قدر جانتا ہوں کہ عبد الملک نے جاری کیا۔

ہارون رشید۔ یہ فعل خالی از علت نہیں ہے اسکی ایک وجہ ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں اصل یہ ہے کہ سابق زمانہ میں کاغذ جتنا ہوتا وہ سب رومیوں کے کارخانہ سے آتا تھا اور اہل مصر چونکہ نصرانی تھے قیصر روم کے مذہب پر اس لیئے (طراز) مارکہ ان سب کاغذوں کا اس عنوان سے ہوتا "ابن اب وروح" عبد الملک کے خلافت تک یہی مارکہ رومی جاری رہا چونکہ یہ معرکہ زبان رومی میں تھا اور طغرا میں دسلیے کسی کو خبر نہ ہوئی نہ کسی نے اس کی تفتیش کی برابر یہی کاغذ مروج رہے۔ عبد الملک کو ایک دفعہ کچھ شبہ ہوا ایک کاغذ دیکھ کر

مترجم سے کہا اس کا عربی میں ترجمہ کرو، اس نے بیان کیا کہ اقانیم ثلثہ۔ اب۔ ابن۔ روح
کے نام کا مارکہ بنایا گیا ہے اس پر عبد الملک نے کہا یہ تو اسلامی قواعد کے بالکل خلاف ہے کہ اس قسم
کا مارکہ مملکت اسلامی میں جاری ہو حالانکہ یہ کاغذ سب ممالک بعیدہ میں جاتے ہیں موقوف ہونا چاہیے
یہ مارکہ عیسائیوں کا صرف کاغذ ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ ظروف وغیرہ کبھی جو مصر میں بنتے یا پردے
وغیرہ بنائے جاتے یا کسی قسم کا کپڑا وہاں تیار ہوتا ان سب پر بھی مارکہ رہتا اور وہی تمام ممالک
اسلامی میں رواج پاتا کیونکہ یہ کل صنعتیں رومیوں سے متعلق تھیں لہذا عبد الملک نے اپنے بھائی
عبد العزیز بن مروان کے نام جو مصر کا منجانب عبد الملک گورنر تھا اس مضمون کا حکمنامہ بھیجا کہ اس
عیسائی مارکہ کو موقوف کرے کاغذ یا پردہ یا اور جو کپڑہ وغیرہ وہاں تیار ہو ان سب سے یہ مارکہ موقوف
کر دیا جائے اور اس حکم کی منادی کر دو کہ جو اسکی مخالفت کرے گا وہ مستحق تعزیر ہوگا اور کاغذ کے
کارخانہ داروں کو ہدایت کیجائے کہ وہ اس مضمون کا مارکہ تیار کریں شہد اللہ انہ لا الٰہ
الا ھو چنانچہ یہ مارکہ اُس وقت سے آج تک تمامی ممالک اسلامی میں جاری ہے اس مضمون کے فرمان
شاہی تمام ممالک مقبوضہ میں جاری ہوئے کہ جو کاغذ رومی نشان کے ملک میں جاری ہیں ان سب کو
منسوخ کر کے نئے نشان کے کاغذوں کو رواج دیں اور جو مخالفت کرے گا وہ مستوجب تعزیر ہوگا۔

جب اس نئے نشان کے کاغذوں نے رواج پایا جس کلمہ توحید ثبت تھا تو اہل روم کو بھی اس
واقعہ سے اطلاع ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ خبر قیصر روم کو بھی پہونچی جس سے وہ نہایت درجہ طیش میں
آیا اور ایک دوستانہ خط بنام عبد الملک لکھا کہ تمہارے قبل جتنے خلفا گذرے ہیں ان سب نے اسی
مارکہ کو جائز رکھا تھا نہ کسی نے کچھ اعتراض کیا نہ تبدیلی کا قصد کیا یہاں تک کہ تمہاری خلافت
کا زمانہ آیا اب اسکا اقرار کرو کہ تم بر سر خطا ہو اور خلفاء ماسبق سب بر سر صواب تھے یا وہ سب خاطی
تھے اور تم بر سر صواب ہو ان دونوں باتوں سے ایک بات
کا اقرار کرنا تم پر لازم ہوگا دیکھو میں تمہاری شان کے موافق تحفے و ہدایا روانہ کرتا ہوں جس کے بارے
میں مجھے امید ہے کہ تم قبول کروگے اور میری حاجت برلاؤ گے کہ پرانے مارکہ کے اجرا کی اجازت
دو میں آپ کا شکر گذار رہوں گا۔

عبد الملک نے سفیر کو مع ہدایا واپس کیا اور خط کا کچھ جواب نہ لکھا تاکہ معلوم ہو یہ عرض
قابل قبول نہیں۔

قیصر نے دوبارہ سفیر روانہ کیا اور تحفہ کے مقدار کو المضاعف (دو تا) کیا اور اسی مضمون کا
خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میرے ہدیہ کو کم مقدار سمجھا لہذا المضاعف کر کے اسی مطلب کا
خواستگار ہوں۔

عبدالملک نے اس دفعہ بھی کچھ جواب نہ دیا اور سفیر کو مع تحائف واپس کیا۔

تب تیسری دفعہ قیصر نے یہ تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے میرے خط کا کوئی جواب نہ دیا اور میرا ہدیہ قبول کیا نہ میری حاجت براری کی۔ پہلے تو مجھے گمان تھا کہ تم نے مقدار ہدیہ کو کم تصور کیا ہے لہذا دو بارہ اسکی افزائش کی۔ اور پھر سہ بارہ میں نے اس کی مقدار بڑھائی۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ تم میری توہین چاہتے ہو نہ جواب خط دیتے ہو نہ میرے ہدایا کو قبول کرتے ہو اب میں مسیح کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے رومی سکہ کے رواج کا حکم نہ دیا۔ اور اپنے اس مارکہ توحید کو بند نہ کیا تو میں بھی درہم و دینار کے بارے میں حکم جاری کروں گا کہ تمھارے رسول اللہ پر گالیاں کھلے لفظوں میں نقش کئے جائیں جو تمھارے تمامی ملک میں رواج پائے گا۔ کیونکہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی ملک کا کوئی سکہ نہیں جو نقش ہمارے ملک میں سکوں پر پڑتا ہے وہی سکہ تمھارے ملک میں جاری رہتا ہے اس خط کو پڑھ کر اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالو۔ اور میرا ہدیہ قبول کر کے بدستور سابق قدیم مارکہ کے رواج کا حکم دو جس سے ہماری اور آپکی محبت سابقہ بحال و قائم و برقرار رہے۔

قیصر روم کا یہ خط جس وقت پہونچا۔ عبدالملک پر اس نے ایسا گہرا اثر ڈالا کہ دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہو گئی کوئی بات نہیں بنتی تھی۔ سوچتا ہے کہ میں کیسا شامتی پیدا ہوا جس کے بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر علی العموم گالیاں رواج پائیں گی۔ اس عیسائی بادشاہ نے اگر اپنا قول پورا کیا تو ہمیشہ کو یہ الزام مجھ پر رہجائے گا جس کا کوئی دفعیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ تمامی ممالک اسلامی کے معاملات انھیں درہم و دینار سے ہوتے ہیں جو ملک روم میں ڈھلتے ہیں اور ہم کوئی جواب اس کا نہیں رکھتے۔

عبدالملک کے اس تردد و انتشار نے یہاں تک ترقی کی کہ جتنے علماء و فضلاء و صحابہ و تابعین اہل اسلام سے وہاں موجود تھے سب کو جمع کیا اور اس بارے میں کمیٹی کی کہ کونسی تدبیر اختیار کی جائے جو یہ بلا دفع ہو اور پھر اپنی بات بھی رہ جائے؟

یہ معاملہ ایسا نہ تھا کہ معمولی عقل والے انسان اس کو طے کر لیتے۔ سب خاموش رہے۔ کچھ جواب نہ دے سکے۔ تب وزیر اعظم روح بن زنباع نے نہایت آزادی اور جرأت سے کہا کہ تو خوب جانتا ہے اس شخص کو جسکی بدولت اس مخمصہ سے نجات پا سکتا ہے مگر عمداً اسکو ترک کرتا ہے۔

"عبدالملک وائے ہو تجھ پر وہ کون شخص ہے"

روح بن زنباع تجھے لازم ہے کہ رجوع کرے حضرت امام محمد باقرؑ کی طرف جو اہلبیت نبی علیہ السلام سے ہیں کہ صرف انھیں سے یہ معمہ حل ہو سکتا ہے۔

عبد الملک اسچ کہا تو نے مگر میری رائے اُن کے بارے میں متزلزل ہے" (اس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے جانتا تھا مگر متامل تھا) اس کے بعد گورنر مدینہ کے نام خط لکھا کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو بہ تعظیم و احترام میرے پاس روانہ کرو اور اُن کے زاد راہ و اخراجات کے لیۓ ضروری سامان فراہم کرو۔ اور روانگی میں سختی نہ کرنا بلکہ بملاطفت و نرمی روانہ کرنا کہ جس کو چاہیں اپنے ہمراہ لائیں۔

عبد الملک نے یہ خط مدینہ روانہ کیا اور سفیر قیصر روم کو اُس وقت تک اپنا مہمان رکھا کہ حضرت تشریف لائے۔ جب جناب امام محمد باقر علیہ السّلام تشریف لائے تو عبد الملک نے یہ سارا ماجرا عرض کیا۔ امام ؑ نے فرمایا یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی جس میں تو اسقدر پریشان ہو کیونکہ اوّلاً خود خداوند عالم محافظ ہے جو قیصر روم کے ارادہ کو کبھی اس بارے میں کامیاب نہ ہونے دیگا کہ رسول اللہ پر سبّ و شتم جاری ہونے پائے۔

ثانیاً تو مجبور بھی نہیں ہے بخوبی اسکی تدبیر کر سکتا ہے۔

عبد الملک میں کیا کر سکتا ہوں؟

امام علیہ السلام! تو اسی وقت کاریگروں کو بلوا کر درہم و دینا کا اسلامی سکّہ ڈھلوا سکتا ہے ایک طرف کلمۂ توحید ثبت کرلے اور دوسری طرف اسم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ اور اُس کے حلقہ میں نام شہر اور سنہ ضرب ثبت کراؤ کہ یہی اسلامی سکہ رواج پائے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اوزان سکّے بتائے کہ سکّے درہم کے اس وقت جاری ہیں ایک بغلی جو ۱۰ مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ دوسرے سمری خفاف جو ۶ مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ اور تیسرا ۵ مثقال کا دس یہ کل ۲۱ مثقال ہوئے۔ اسکو ۳ پر تقسیم کیا تو حاصل تقسیم ۷ مثقال ہوا۔ اسی سات مثقال کے دس درہم بنوالئے اور اسی ۷ مثقال کی قیمت کے سونے کے دینار بنا جس کا خوردہ دس درہم ہو۔

سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں تھا اس لیۓ فارسی ہی میں اس کا بھی نقش رہنے دیا اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں۔ کیونکہ اسی انداز کے سکّہ کی چلنساری تھی۔

اور ڈھلنے کا سکہ کانچ کا بنوایا تاکہ زیادتی و نقصان سے محفوظ رہے۔

امام علیہ السّلام نے یہ سب تعلیم دیکر ارشاد فرمایا کہ اس اسلامی سکہ کو تمامی بلاد اسلامیہ میں جاری کر دے اور اس مضمون کے فرمان کا اعلان کر کہ ہر شخص اس نئے سکّے کو استعمال کرے اور بصورت خلاف ورزی وہ مستحق سزا ہوگا اس ذریعہ سے رومی سکّہ کا استعمال موقوف

ہو جائے گا اور یہی اسلامی سکہ ہر جگہ رواج پائے گا۔
عبد الملک نے جناب امام علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اسلامی سکہ بنوایا۔ اور ہر جگہ اس مضمون کا فرمان بھیجدیا کہ جو اس سکہ کے خلاف دوسرے سکہ کو مصرف میں لائیگا وہ واجب القتل ہوگا۔
تب سفیر قیصر روم کو رخصت دی اور وہی جواب جو امام علیہ السلام نے فرمایا تھا اُس سفیر سے کہا کہ جا کر قیصر روم سے کہدینا کہ جس بات کی تونے دھمکی دی ہے اُس کو کر ڈالے کہ خدا کبھی نہ اسکو چلنے دیگا۔ میں نے تیرے سکہ کو اپنے ممالک مقبوضہ میں باطل کر دیا ہے اور اس مضمون کا فرمان جاری کیا ہے کہ جو شخص سکہ رومی کو یا رومی مارکہ کی اشیا، کو استعمال میں لائے گا وہ واجب القتل ہوگا
قیصر روم کے پاس جب یہ جواب پہونچا تو وہ دم بخود ہو کر خاموش ہو گیا۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ جو دھمکی تو نے بادشاہ عرب کو دی تھی (دشنام دہی رسول اللہ کی) اب کیوں نہیں اُسکا اجرا کرتا؟
تو قیصر نے جواب دیا کہ جس وقت میں نے دھمکی دی تھی اُس وقت البتہ میں اس پر قادر تھا اب تو مجبور ہوں کیونکہ اہل اسلام اس سکہ سے لین دین نہ کرینگے۔ تو پھر اس قسم کے سکہ سے کیا نفع ہوگا۔
امام علیہ السلام نے جسکی خبر دی تھی کہ قیصر اس امر کی اشاعت پر قادر نہیں ہوگا اس کی تصدیق بخوبی ظاہر ہوئی۔ یہ حکایت بیان کر کے ہاروں رشید نے وہ درہم جو ہاتھ میں لیئے تھا پھینک دیا۔
افسوس کہ باوصف عرفان حق دنیا کی محبت ایسی غالب تھی کہ محبت خاندان رسالت کو چھوڑ کر یہ خلفائے بنی امیہ کے رازدار اور طرف دار تھے جس کا نتیجہ یہ ملا کہ ولید نے خود عبد الملک کے سامنے کہا یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ (صـ ۲۶۲)
تو کیا ایسے ہی جھوٹے صحابی پر اہلسنت کو ناز ہے۔
(۱۳۹) ربیعہ بن زرارہ عتکی۔ یہ بصرہ میں رہتے تھے ایک سو بیس برس زندہ رہے زمانہ حجاج میں وفات ہے (صـ ۲۲ اصابہ جلد ۲)
مگر افسوس نصرت امام حسینؑ نہ کی۔
(۱۴۰) رفیع بن مہران ابو العالیہ۔ زمانہ رسول میں پیدا ہوئے اصحابی ہوئے) ابوبکر و عمر کے پیچھے آکر نماز پڑھا بہت بڑے تابعی ہیں روات اہلسنت میں داخل ہیں مگر امام شافعی ان کی روایت کو ریاح کہتے ہیں ۹۰ھ یا ۹۳ھ یا ۱۰۶ھ میں وفات ہے۔ (اصابہ صـ ۲۲)
مگر نصرت امام حسین میں انھوں نے بھی ایک قدم نہ بڑھایا۔
(۱۴۱) ربیعہ بن امیہ۔ بن خلف بن وہب قرشی ہے حجۃ الوداع میں شریک تھا۔ حضرت نے اُس کو بھی ایک جگہ کی حکومت دی تھی اُس نے خواب دیکھا تھا کہ ہم زمین شاداب سے نکل کر ایک غیر آباد

زمین میں چلے گئے ہیں جب ابوبکر سے بیان کیا اور کہا

ورائیتک فی جامعۃ من حدید — اور میں نے آپ کو دیکھا کہ غل و زنجیر میں

عند سریر الی الحشر۔ (ص ۲۲۴ اصابہ) — میں گرفتار ہیں حشر تک۔

جسکی ابوبکر نے یہ تعبیر دی کہ تو اسلام سے نکل کر کافر ہو جائے گا اور جس دین میں ہم ہیں یہ اشد الاشیا ہے حشر تک (مگر افسوس ایسی تعبیر دی جو خلاف واقع ہے کیونکہ یہ خواب خلافت کے متعلق تھا جسمیں وہ قیامت تک مبتلا رہے) مگر استیعاب میں ہو کہ یہ تعبیر عمر نے دی تھی۔

یہی ربیعہ بن امیہ ہے جو رات کو شراب پی رہا تھا تو عمر سیڑھی لگا کر اسکے مکان پر چڑھ گئے اور اس نے جواب دیا کہ ہم نے اگر ایک خطا کی تو تو نے تین کہ سیڑھی لگا کر ہمارے گھر میں داخل ہوا اور تجسس کیا اور بغیر سلام داخل ہوا حالانکہ خدا نے منع کیا ہے۔

اسی ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا تھا جو حاملہ ہوئی اس کے بعد عمر نے متعہ سے منع کیا۔

عمر نے ربیعہ بن امیہ پر حد شراب خمر نہیں جاری کیا بلکہ مدینہ سے نکلوا کر حکم دیا کہ خیبر میں رہا کرے وہاں سے نکل کر ہرقل شاہ روم کے پاس چلا گیا جسکے بعد عمر نے کہا اب میں کسی مجرم کو جلا وطن نہ کرونگا۔ (ص ۲۲۵ اصابہ جلد ۱)

(۱۴۲) رویشد ثقفی۔ صحابی ہیں ان کے مکان میں شراب کی بھٹی تھی جہاں شراب فروخت ہوا کرتی عمر نے اس مکان کو جلوا دیا کیونکہ اسی مکان میں یہ بھی رہتا تھا جو محلہ بنی عدی خاندان عمر تھا۔

(ص ۲۱۴ اصابہ)

(۱۴۳) ربیعہ بن عبد اللہ بن ہدیر بھی بقول ابن حبان صحابی ہے کان من خیار الناس تعریف میں کہا جاتا ہے خیار ناس سے تھا۔ مگر افسوس اس نے بھی امام حسین ع کی نصرت نہ کی سنہ ۹۳ھ میں وفات کی (ص ۲۱۶ اصابہ جلد ۲)

(۱۴۴) ربعی بن خراش کو بعض لوگ تابعی جلیل لکھتے ہیں خیثمہ نے فضائل الصحابہ میں ان کا ذکر لکھا ہے:-

قال العجلی تابعی ثقۃ من خیار الناس لم یکذب قط — بہت اچھا آدمی تھا کبھی جھوٹ نہ بولا۔

کوفہ میں رہتا تھا حضرت نے اس کے باپ کو خط لکھا اس نے اس خط کو چاک کر ڈالا اس سے معلوم ہوا کہ ربعی حضرت پیغمبر خدا کے زمانہ میں صاحب ہوش و حواس تھا سنہ ۱۰۱ھ میں وفات ہو۔ (اصابہ ص ۱۵۱)

مگر نصرت امام حسین ع سے یہ دستکش رہا اور کسی طرح حضرت کی مدد نہ کی حالانکہ کوفہ میں رہتا تھا۔

(۱۴۵) ربیع بن محمود۔ ماردینی مدعی صحابیت تھا ۵۹۹ھ تک زندہ رہا۔ (ص ۲۲۳ اصابہ)

حضرات اہلسنت کے صحابہ پرستی کی حد ہو گئی کہ جس شخص نے بھی دعوی صحابیت کیا وہ صحابی ہو گیا

ذہبی تو اس کو دجال کہتے ہیں مگر بہت سے علماء یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرتؐ کو اس نے خواب میں دیکھا تھا۔

(۱۴۶) رتن بن عبداللہ ہندی۔ سات سو برس زندہ سنہ وفات ۵۹۶ھ ہے اس میں بھی اختلاف ہے بہت سے لوگ تو منکر ہیں مگر علامہ صلاح صفدی بہت زور سے اسکا وجود ثابت کرتے ہیں

ولما اجتمعت بشیخنا مجد الدین الشیرازی شیخ اللغۃ بزبید وھو اذ ذاک قاضی القضاۃ ببلاد الیمن رایتھم ینکر علی الذھبی انکار وجود رتن (ص۲۳ اصابہ)

یعنی قاضی القضاۃ مجد الدین شیرازی بہت انکار کرتے تھے ذہبی پر جو منکر وجود رتن تھے مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت سے یہ بھی محروم رہا۔ ہاں چند حدیثیں اسکی یادگار رہ گئی ہیں جن میں سے ایک حدیث یہ ہے:۔

ما من عبد یبکی یوم اصیب ولدی الحسین الا کان یوم القیامۃ مع اولی العزم من الرسل وقال البکاء فی یوم عاشورا نور تام یوم القیامۃ۔ (ص۲۲۶ اصابہ)

یعنی جو شخص مصیبت امام حسینؑ پر بروز عاشورا گریہ و بکا کرتا ہے وہ بروز قیامت پیغمبران اولوالعزم کے ساتھ محشور ہوگا اور گریہ روز عاشورا نور تام ہے بروز قیامت۔

قال القشھری وھذا السند یتبرک والو لم یوثق بصحتہ۔ (ص۲۳۱ اصابہ)

یعنی روایات رتن کے نسبت امام قشہری کا حکم ہے کہ اس سند کے ساتھ تبرک حاصل کرنا چاہیئے اگرچہ سند صحیح نہ ہو۔

(۱۴۷) زبرقان بن اسلم۔ خاندان ذی لغوہ سے ہیں ابو وائل یعنی شقیق بن سلمہ نے روایت کی ہے کہ:۔

جب حضرت حسینؑ بن علی میدان کربلا میں جنگ کے لیئے باہر تشریف لائے تو آواز دی ھل من مبارز پس ایک شخص خاندان ذی لغوہ سے مقابلہ میں گئے جن کا نام زبرقان بن اسلم تھا۔ زبرقان بڑے جنگجو تھے اُنھوں نے پوچھا تو کون ہے؟ مخاطب نے کہا میں حسینؑ بن علیؑ ہوں۔ زبرقان نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تم لوٹ جاؤ اس لیئے کہ خدا کی قسم میں نے ایک مرتبہ رسول خدا کو دیکھا آپ قبا کی طرف سے ایک سرخ اونٹنی پر سوار چلے آرہے تھے اور تم اونکے آگے بیٹھے ہوئے تھے پس میں نہیں چاہتا کہ رسول خدا سے اس حال میں ملوں کہ تمھارا خون میرے اوپر ہو۔ پس حضرت حسینؑ بن علیؑ لوٹ گئے اور زبرقان بھی لوٹ آئے۔ (ص۲۶۹ اسد الغابہ)

اب کہاں ہیں وہ حضرات اہلسنت جو مدعی محبت اصحاب ہیں اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ دیکھیں کہ یہ زبرقان صحابی ہے جو لشکر یزید میں امام حسینؑ سے لڑنے آیا ہے یہاں تک کہ حضرت سے لڑنے نکلا۔ مگر

وہ واقعہ یاد کر کے جنگ سے باز آیا۔ تو کیا اس پر یہ حق نہ تھا کہ حضرت پر اپنی جان نثار کرتا یا اہلبیت طاہرین کی کسی طرح مدد کرتا کیونکہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک ضرور ہی گیا ہوگا۔

اصابہ میں اس واقعہ کو جنگ صفین کے متعلق لکھا ہے۔

(۱۴۸) **زبرقان بن بدر** بصرہ میں رہتے تھے زمانۂ جاہلیت میں بھی سردار تھے اور زمانہ اسلام میں بھی باعظمت تھے بنی تمیم کے وفد کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے بہت کچھ جوائز انعام بھی دیے حضرت نے انکو ان کی قوم بنی عوف کے صدقات کا متولی کیا بعد وفات رسول اللہ ابوبکر کو صدقات دیتے تھے عمر نے بھی انکو اپنے عہدہ پر قائم رکھا حطیئہ شاعر نے ان کی ہجو کی تو عمر نے تہ خانہ میں بند کیا۔ زبیر اور عبدالرحمان بن عوف کی سفارش پر رہا کیا۔

(اسد الغابہ صفحہ ۲۷ جلد ۳)

اصابہ میں ہے کہ زمانہ عبدالملک تک زندہ رہا اور پچیس گھوڑا دربار میں لایا اور سب کا نسب نامہ بیان کیا۔ (صفحہ جلد ۳)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دست بردار رہا حالانکہ بصرہ ہی میں رہتا تھا اور سردار تھا مگر طرفداران ابوبکر و عمر سے تھا پھر اس سے کیا امید ہو سکتی تھی

(۱۴۹) **زرارہ بن خبری** صحابی ہیں ہشام کلبی نے روایت کی ہے کہ جب مروان کی بیعت ہو چکی (بعد موت یزید) تو ایک دن اس کا گذر زرارہ کی طرف ہوا وہ اُس زمانہ میں بہت بڈھے ہو گئے تھے مروان نے ان سے حال پوچھا تو کہا بہت اچھا حال ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ)

مگر جناب امام حسینؑ کی انھوں نے بھی مدد نہ کی اصابہ میں ہے کہ بہت مالدار تھے عمر کو انھوں نے بتایا تھا کہ زوجہ کو شوہر کے دیت سے بھی حصہ ملنا چاہیئے۔

(۱۵۰) **زر بن حبیش اسدی**۔ زمانہ جاہلیت کو پایا تھا نبی کو دیکھا نہیں تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں حضرت عمر اور حضرت علیؑ اور ابن مسعود سے روایت کی ہے بڑے فاضل اور قرآن کے عالم تھے ۸۳ھ میں اُن کی وفات ہوئی جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔

(صفحہ ۲۷۷ جلد ۳ اسد الغابہ)

(۱۵۱) **زہرہ بن حویہ**۔ یہ بہت دنوں زندہ رہے شبیب ابن یزید خارجی نے اُن کو بازار حکمہ میں حجاج کے عہد میں قتل کیا ۷۷ھ۔

مگر افسوس نصرت حضرت امام حسینؑ سے یہ بھی محروم رہے حالانکہ بڑے بہادر تھے اہل فارس کی جنگ میں سعد کے آگے والے لشکر کے یہ سردار تھے۔ (صفحہ اسد الغابہ جلد ۴)

(۱۵۲) **زیاد بن سمیہ**۔ جس کے بیٹے عبیداللہ بن زیاد نے جناب امام حسینؑ کو شہید کیا یہ بھی

صحابی ہے ملاحظہ ہو۔ (اسد الغابہ صفحہ ۱۷ جلد ۴)

(۱۵۳) **زید بن ارقم**۔ یہ سب سے پہلے مقام مریسیع کے موقع پر شریک ہوئے کوفہ میں رہتے تھے اور مقام کندہ میں اُن کا گھر تھا اور یہیں ۶۵ھ ہجری میں انتقال ہوا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۲)

زید بن ارقم کی روایتوں سے کتب اہلسنت مالا مال ہیں عبد اللہ بن ابی سلول منافق نے جو کہا تھا کہ ہم مدینہ واپس گئے تو ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے جس کا تذکرہ سورۂ منافقون میں ہے تو جب آنحضرت نے یہ خبر سنی تو عبد اللہ بن ابی سلول نے انکار کر دیا خدا نے زید بن ارقم کی تصدیق نازل کی تو ابوبکر و عمر دوڑے کہ اس بشارت کے زید بن ارقم تک پہونچائیں ابوبکر دوڑ کر عمر کے پہلے پہونچ گئے تو عمر نے قسم کھالیا اب کبھی ابوبکر پر سبقت نہ کریں گے۔ (استیعاب جلد اول صفحہ ۱۹۶)

زید بن ارقم اُس وقت حاضر دربار تھے جب سر امام حسین ابن زیاد کے پاس آیا ہے اور یہ اپنے بالاخانہ پر تھے جبکہ حضرت کا سر مبارک بازاریں گشت کے لیئے جاتا تھا اور تلاوت کرنا قرآن کا سنا تھا مگر حضرتؑ کی نصرت نہ کی اڈیٹر النجم نے بھی اس کا اقرار کیا ہے اور کہا ہے اسکی وجہ سمجھائی جاہیئے مگر کوئی وجہ نہ بتلا سکے کہ کیوں انھوں نے حضرت کی مدد نہ کی۔

(۱۵۴) **زل بن عمرو**۔ ایک بُت سے آواز سُن کر خدمت رسول میں حاضر ہوا تو حضرتؐ نے فرمایا یہ مومن جن کی آواز ہے حضرتؐ نے اس کو اپنی قوم کا جھنڈا دیا اُس علم کے ساتھ معاویہ کا شریک ہوا جنگ صفین میں اسکو معاویہ نے اپنے شرطہ پر مقرر کیا اور یزید نے نہر کا افسر بنایا مرج راہط میں مروان کے ساتھ مارا گیا ۶۴ھ میں۔

(اصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۲ اسد الغابہ صفحہ ۶ جلد ۴)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اس کی روایت اہلسنت کے یہاں موجود ہے۔

(۱۵۵) **زہیر بن قیس**۔ اسکی کنیت ابا شداد ہے مصر کی لڑائی میں شریک تھا عبد العزیز بن مروان جب حاکم مصر تھا تو عبد العزیز نے کچھ سخت کلامی کی تو زہیر نے جواب دیا کیا تو یہ کلام ایسے شخص سے کرتا ہے جس نے قرآن کو جمع کیا قبل اس کے کہ تیرے ماں باپ جمع ہوں ۷۶ھ ہجری میں بمقام برقہ مارے گئے۔ (صفحہ ۱۱۷ اصابہ جلد ۳)

مگر ہائے افسوس اُنھوں نے بھی امام حسینؑ کی نصرت نہ کی محبت دنیا نے طرفدار بنی اُمیہ بنا دیا۔

(۱۵۶) **زید بن خالد جہنی**۔ بڑے صحابی ہیں۔ حدیبیہ میں شریک تھے اور فتح مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کا علم انکے ساتھ تھا خود صحابہ ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ قیام اُن کا مدینہ میں تھا ۷۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (صفحہ ۲۳۲ اسد الغابہ جلد ۴)

(۱۵۷) **زندیب بن شرملا**۔ طبری نے صحابہ میں ذکر کیا ہے جب سعد نے مقام حلوان کو فتح

کیا تو ایک شخص نے آواز سنی قسم دیا تو وہ شخص نمایاں ہوا کہا میں حواری حضرت عیسیٰؑ سے ہوں۔

ان عیسی بن مریم دعا لہ بطول العمر وانہ یعیش الی ان ینزل عیسٰے

ولہ طریق اخریٰ (صفحہ ۱۳ اصابہ جلد ۳)

یعنی حضرت عیسیٰؑ نے دعائے طول عمر دی ہے اور یہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو۔

اس حدیث پر تو حضرات اہلسنت ایمان لاتے ہیں مگر اس کو نہیں مانتے کہ حضرت مہدی موعود زندہ ہیں یا للعجب۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں اسکو لکھا ہے۔

(۱۵۸) **زیاد بن قائد لخمی** بھی صحابی ہے جنگ مصر میں شریک رہا ۶۵ھ تک زندہ رہا۔ (اصابہ صفحہ ۴۴)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی بلکہ مروان کے ساتھ مصر میں رہا۔

(۱۵۹) **زید بن وہب جہنی**۔ بڑے بزرگ صحابی ہیں ان کی روایت تاریخ بخاری وغیرہ میں موجود ہے کوفہ میں رہتے تھے ۹۶ھ میں وفات ہے۔ (صفحہ ۲۷ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

(۱۶۰) **زیاد بن جاریہ** شیبہ بن ابی عاصم نے انکو بھی صحابہ میں لکھا ہے ایک روز یہ مسجد دمشق میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگوں نے نماز جمعہ کو اسدرجہ مؤخر کر دیا کہ عصر کے وقت نماز جمعہ پڑھی گئی اس پر انھوں نے کہا محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد تو کوئی نبی نہیں آیا پھر کس کے حکم سے اس قدر تاخیر کی جاتی ہے اس پر وہ گرفتار ہوئے اور قبہ خضرا میں قتل کیے گئے۔ یہ زمانہ ولید بن عبد الملک خلیفہ کا تھا۔ (صفحہ ۹۵ اصابہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت تک یہ زندہ رہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۶۱) **سائب بن حباب**۔ ان کی کنیت ابو مسلم ہے صاحب المقصورہ کے لقب سے مشہور تھے ۹۲ سال کی عمر میں ۷۳ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ صفحہ ۵۸)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اہلسنت کے یہاں انکی بھی روایت موجود ہے۔

(۱۶۲) **سائب بن خلاد**۔ یہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا کہ اپنے اصحاب کو بلند آواز سے لبیک کہنے کا حکم دوں۔ معاویہ نے اُن کو یمن کا حاکم مقرر کیا تھا ۹۱ھ میں وفات ہے۔ (صفحہ ۵۹ اسد الغابہ)

مگر امام حسینؑ کی کسی طرح مدد نہ کی۔

(۱۶۳) **سائب بن یزید**۔ اور عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت عمر کی طرف بازار مدینہ کے عامل تھے چند روایتوں کے راوی ہیں ۸۰ھ یا ۹۱ھ میں وفات ہے ۹۴ یا ۹۶ برس کی عمر میں (صفحہ ۹۵)

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کی۔ حالانکہ خاص مدینہ میں رہتے تھے

(۱۶۴) سرباتک ہندی۔ اسحاق بن ابراہیم طوسی سے روایت ہے کہ اسکی عمر اس وقت ۹۷۱ برس کی تھی وہ کہتے تھے میں نے شاہ ہند سرباتک ہندی کو قنوج میں دیکھا میں نے پوچھا کہ تمہاری عمر کیا ہوگی اس نے جواب دیا ۹۲۵ برس کی وہ مسلمان تھا اور کہتا تھا نبیؐ نے اپنے دس صحابی بھیجے تھے ہم نے اسلام قبول کیا۔ (ص۲۰) حضرات اہلسنت اس سرباتک کی اتنی طولانی عمر کا اقرار کرنے میں نہیں شرماتے مگر حضرت مہدیؑ کی طول عمر پر انکو تعجب ہوتا ہے۔

(۱۶۵) سعد بن ایاس۔ یہ اونٹ چرا رہے تھے کہ ایک آواز سنی تہامہ میں ایک نبی نکلے ہیں چالیس برس کے سن میں جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے ۹۵ھ میں ایک سو بیس برس کے ہو کر انتقال کیا کوفہ میں رہتے تھے ۹۷ھ۔

مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی حالانکہ خاص کوفہ میں رہتے تھے۔

(۱۶۶) سعد قرظ۔ مؤذن ہر زمانہ حجاج تک زندہ رہے۔

مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔

(۱۶۷) سعد بن عبادہ۔ بڑے بزرگ صحابی ہیں ہر روز ایک بڑا پیالہ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا رسول اللہ کے واسطے لاتے تھے سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے بابت مشہور ہے کہ قریش نے رات کے وقت جبل ابو قبیس پر کسی پکارنے والے کو پکارتے سنا ؎

فان یسلم السعدان یصبح محمد | بمکۃ لا یخشی خلاف مخالف

اگر دونوں سعد مسلمان ہو جائیں تو پھر محمدؐ کو مکہ میں کسی مخالف کی مخالفت کا خوف نہ رہے۔

قریش کو گمان ہوا کہ دو سعد سے مراد سعد بن زید سیاہ تمیم اور سعد ندیم قبیلہ قضاعہ کے مراد ہیں دوسرے روز یہ آواز سنی ؎

ایا سعد سعد الاوس کن انت ناصرا | ایا سعد سعد الخزرجین الغطارف

اجیبا الی داعی الحق وتمنیا | علی اللہ فی الفردوس منیۃ عارف

وان ثواب اللہ لب الھدی | جنان من الفردوس ذات زخارف

اے قبیلہ اوس کے سعد تو مددگار ہو اور اے قبیلہ خزرج کے سعد ہدایت کی طرف بلانے کو قبول کرو

جب حضرت پیغمبرؐ کی وفات ہوئی تو آپ کو خلافت کی خواہش ہوئی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت لینے کے واسطے بیٹھے اتنے میں ان کے پاس ابوبکر و عمر آئے اور لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی اور سعد کو چھوڑ دیا سعد نے نہ ابوبکر کی بیعت کی نہ عمر کی اور شام کی طرف چلے گئے اور مقام حوران میں اقامت کی یہاں تک کہ ۱۵ھ یا ۱۴ھ یا ۱۶ھ میں انتقال کر گئے اس پر سب مورخوں کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے نہانے کی جگہ پر مرے

ہوئے پائے گئے اُن کا بدن سبز ہو گیا تھا مدینے والوں کو اُنکی موت کی خبر ہوئی ابن عباس وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن سیکھ کر پھر اسکو بھلائے وہ خدا سے کوڑھی ہو کر ملے گا اور جو شخص دس آدمیوں کا حاکم بنے وہ قیامت کے دن بندھا ہوا آئے گا حتی کہ عدل آکر اس کو چھوڑا دے۔

(صفحہ ۹۴ اسد الغابہ)

اگرچہ اس رسالہ سے اُنکو تعلق نہیں ہے۔ مگر اس غرض سے یہ نام لکھا کہ معلوم ہو ایسے ایسے صحابی بزرگ کو بھی طمع خلافت نے اسپر مجبور کیا کہ اسکی فکر ہیں تو پھر ابوبکر و عمر کے طمع خلافت پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے حالانکہ ان کا درجہ سعد بن عبادہ کے برابر بھی نہ تھا کہ روز حضرتؐ کے واسطے ثرید لایا کرتے اور ہاتف نے انکے نصرت کی شہادت دی کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں تو پھر حضرت کو ہر طرح کا غلبہ ہو یہ خود رسول اللہ سے حکومت کی مذمت روایت کرتے ہیں مگر پھر بھی طمع خلافت میں قدم بڑھاتے ہیں لطف تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بھی اسی طرح کی روایت کرتے ہیں جیسا کہ رافع بن ابی رافع کے حال میں مذکور ہوا مگر تحصیل خلافت کے وقت سب بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

(۱۶۸) **سعید بن حریث مخزومی قریشی**۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ کوفہ میں قیام کیا جنگ خراسان میں شریک تھے جو واقعہ کربلا کے بہت بعد کا واقعہ ہے کوفہ میں ان کی قبر ہے۔ (صفحہ ۳۱۱ اسد الغابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔

(۱۶۹) **سعید بن نمران ہمدانی**۔ حضرت علیؑ کے کاتب تھے حجر بن عدی کے ہمراہیوں سے تھے معاویہ نے انکو بھی قتل کرنا چاہا مگر حمزہ بن مالک کی سفارش پر چھوڑ دیئے گئے مصعب بن زبیر کو جب کوفہ پر تسلط ہوا تو اُن کو قاضی بنایا پھر معزول کر کے عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو قاضی مقرر کیا۔ (صفحہ ۱۷ اسد الغابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

(۱۷۰) **سلمہ بن اکوعؓ** اُن لوگوں سے ہیں جنھوں نے شجرہ کے نیچے دو مرتبہ بیعت کی تھی مدینہ میں رہتے تھے پھر ربذہ چلے آئے بڑے شجاع تیر انداز تھے صلح حدیبیہ میں موت پر بیعت کی تھی ۷۴ھ میں بعمر اسی سال بمقام مدینہ انتقال کیا۔ (اسد الغابہ صفحہ ۳۳۱)

یہ مخصوصین حضرت عمر سے تھے۔ پھر کب ممکن تھا کہ یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے حالانکہ معرکہ کربلا کے بعد چودہ برس تک زندہ رہے۔

اس نام کے ساتھ سلمہ بن امیہ کا بھی ذکر ہے جو ان لوگوں سے ہیں جو ہمیشہ متعہ کو جائز جانتے اصابہ میں ہے

قال ابن حزم فی المحلی ثبت علی تحلیل المتعۃ بعد النبیؐ من الصحابۃ ابن مسعود وابن عباس وجابر و سلمہ و معبد ابنا امیہ ابن خلف و ذکر اٰخرین۔ (اصابہ صفحہ ۱۷۱ جلد ۳)

یعنی ابن حزم لکھتے ہیں کہ ابن مسعود۔ ابن عباس۔ جابر۔ سلمہ، مغیرہ پسران امیہ بن خلف سب اس کے قائل تھے کہ متعہ جائز ہے۔

(۱۷۱) سلمہ بن ابی سلمہ زمانہ عبد الملک تک زندہ رہے مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی۔ (صفحہ ۱۵ اسد الغابہ)

(۱۷۲) سلیمان بن صرد خزاعی۔ ان کا نام جاہلیت میں یسار تھا حضرت نے سلیمان نام رکھا یہ سردار اور برگزیدہ دیندار عابد تھے کوفہ میں پہلی مرتبہ جب مسلمان وہاں مقیم ہوئے انھوں نے بھی سکونت اختیار کی تھی یہ اپنی قوم میں صاحب مرتبہ و شرافت تھے۔ حضرت علی رضؓ کے تمام مشاہد میں شریک ہوئے تھے انھوں نے حوشب ذوظلیم الہانی کو معرکہ صفین میں قتل کیا تھا اور یہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے حسین بن علی رضؓ کو معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ میں بلایا تھا اور جب وہ کوفہ میں آئے تو اُنکے ساتھ ہو کر نہ لڑے اور جب حسینؑ شہید ہوگئے تو یہ اور مسیب بن نخبہ فزاری اور جن لوگوں نے مدد نہ کی اور لڑائی میں نہ شریک ہوئے تھے نادم ہوئے اور کہا ہماری توبہ نہیں ہو سکتی ہے مگر یہ کہ امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لیں اور ربیع الآخر کی چاند رات ۶۵ھ میں کوفہ سے نکلے اور سلیمان بن صُرد کو اپنا سردار بنایا اور اُن کا نام امیر التوابین رکھا اور عبید اللہ بن زیاد کی طرف چلے وہ شام سے بہت بڑا لشکر لئے ہوئے عراق کو جا رہا تھا دونوں لشکروں میں بمقام عین الوردہ (جو جزیرہ کے سرزمین میں ایک چشمہ کا سر) ہی مقابلہ ہو گیا اور سلیمان بن صرد اور مسیب بن نخبہ اور اُنکے ہمراہی بہت سے مقتول ہوئے اور سلیمان اور مسیب کا سر مروان بن حکم کے پاس ملک شام میں گیا قتل کے وقت اُن کی عمر ۹۳ برس کی تھی ان سے ابو اسحاق سبیعی اور عدی بن یاسر اور عبد اللہ بن یسار وغیرہم نے روایت کی ہے۔ عدی بن ثابت بن سلیمان صرد سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے آپس میں سخت کلامی کی اور ان میں سے ایک کا غصہ زیادہ بڑھ گیا نبیؐ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ اسکو کہہ لے تو غصہ فرو ہو جائے وہ کلمہ یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ان کا تذکرہ تینوں نے کیا ہے۔ (صفحہ ۱۶۵ اسد الغابہ جلد ۴)

اب تو کسی کو اسمیں عذر نہیں ہو سکتا کہ امام حسینؑ کے دعوت دینے والے کوفہ میں اور حضرت کو بلانے والے ایک ایسے صحابی رسولؐ ہیں جو برگزیدہ دیندار اور عابد تھے اپنی قوم کے سردار و رئیس تھے اور حضرتؑ کو بلا کر خاموش بیٹھ رہے کسی طرح مدد نہ کی جب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی وجہ سے مجبور تھے پھر فرمائیے اس خون ناحق کا باعث کون ہوا؟

وہی صحابہ جن کی پرستش کو اہلسنت اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔

اڈیٹر النجم نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں قاتلان امام حسینؑ کو شیعہ کہا تھا جس کا جواب قتلۃ الحسین میں دیا گیا اگرچہ وہ ناتمام ہے۔ اب وہ خود غور کریں کہ انکی اس تحریر نے کیا بتایا کہ باعث قتل امام حسینؑ کون ہوا؟ صحابی یا شیعہ کیونکہ وہ کسی شیعہ کو صحابی کہہ نہیں سکتے۔ اصابہ میں ہے۔

ثم کان ممن کاتب الحسین ثم یعنی اُنھوں نے جناب امام حسینؑ کو کوفہ میں بلایا
تخلف عنہ۔ (ص۱۲۷ جلد ۳) پھر بیٹھ رہے اور مدد نہ کی

(۱۷۳) **سماک بن مخرمہ** یہ حضرت عمر کے پاس اہل کوفہ کے وفد میں خمس لے کر آئے تھے جب جناب امیرؑ کوفہ میں تشریف لائے تو یہ وہاں سے جزیرہ کی طرف چلے گئے۔ (ص۱۷۰ اسد الغابہ)
یہ انتہا درجہ کی عداوت ہے کہ کوفہ کی بود و باش کو بھی چھوڑ دیا۔

(۱۷۴) **سنان بن سلمہ** صحابی ہیں بڑے جواں مرد بہادر تھے جب عبد اللہ بن سوا قتل ہوئے تو معاویہ نے زیاد کو لکھا ایسا آدمی تلاش کرو جو سرحد ہند کے لائق ہو زیاد نے انکو مقرر کیا آخری زمانہ حجاج میں انکی وفات ہوئی۔ (ص۱۷۵ اسد الغابہ)
مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ انکی روایتیں بھی کتب اہلسنت میں موجود ہیں ان کی وفات ۷۲ھ مرقوم ہے۔

(۱۷۵) **سنان شفعلہ اوسی** یہ اس روایت کے راوی ہیں کہ حضرت نے جبرئیل سے یہ روایت بیان کی کہ جب جناب سیدہ کا عقد ہوا تو خدا نے رضوان داروغہ بہشت کو حکم دیا کہ محبان اہلبیت کے عدد کے موافق پتوں کا حامل ہو جائے درخت طوبیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالےٰ فرشتوں کو انکے پتوں کے ساتھ اتاریگا اور محبان اہلبیتؑ سے ہر ایک کو ایک پتہ دیگا جس میں آگ سے بری ہونا لکھا ہوگا۔ (ص۱۷۶ اسد الغابہ ۲)
افسوس کہ اہلسنت ایسی روایتیں دیکھتے ہیں مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۷۶) **سہل بن سعد ساعدی**۔ انھوں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا اور آپ سے حدیث کی سماعت کی تھی وفات رسولؐ کے وقت یہ پندرہ برس کے تھے بہت طویل العمر ہوئے زمانہ حجاج کو اُنھوں نے پایا تھا۔ ۷۴ھ میں حجاج نے کہا تم نے عثمان کی مدد کیوں نہ کی۔ سہل نے کہا میں نے مدد کی تھی حجاج نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو پھر حکم دیا کہ ان کی گردن میں مہر لگادی جائے۔ اور انس بن مالک کی گردن میں بھی مہر لگا دی گئی یہاں تک کہ عبد الملک کا حکم ان کے بارے میں حجاج کے پاس آگیا اور جابر بن عبد اللہ کے بھی ہاتھ میں مہر لگائی گئی تھی مقصد اس مہر لگانے سے یہ تھا کہ ان لوگوں کو ذلیل کرے اور تاکہ لوگ ان سے دور رہیں اور ان لوگوں سے سماعت حدیث نہ کریں سہل ۸۸ھ میں ۹۶ برس کے ہو کر فوت ہوئے (ص۳۶۶ اسد الغابہ)
اب حضرات اہلسنت کو اس میں عذر نہ ہوگا کہ صحابہ کو اہلبیت طاہرینؑ سے کیسی محبت تھی کہ سب کچھ گوارا کرتے مگر خلفائے جور کا ساتھ نہ چھوڑتے۔

مومنین نے اکثر روایتوں میں اس نام کو سنا ہوگا کہ جب اہلبیت طاہرین قید ہو کر وارد دمشق ہوئے ہیں تو اُنھوں نے حضرات اہلبیتؑ کے مصائب کو سنکر بہت گریہ و بکا کیا ہے مگر یہ نہ ہو سکا کہ امام حسینؑ پر اپنی

جان قربان کر دیتے اور اس ذلت سے نجات پاتے کہ حجاج اُن کے ہاتھ اور گردن پر مہر لگائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ اُسکا عمل تھا۔

(۱۷۷) **سہل بن قیس انصاری** یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ واقعہ حرا میں نکلا اور اُنکے پتھر لگا تو انھوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس نے رسول خدا کو پریشان کیا ہم نے پوچھا یہ کیا بات ہے تو کہا حضرت نے فرمایا ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو پریشان کیا اُس نے میرے دل کو پریشان کیا۔ (صـ۱۸۸ اسد الغابہ)

مگر افسوس ان دونوں باپ بیٹوں سے یہ نہ ہو سکا کہ امام حسینؑ کی مدد کرتے اور اس وقت تک زندہ رہے جبکہ یہ واقعہ حرا پیش آیا جس میں ہزاروں صحابہ کی لڑکیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

(۱۷۸) **سوید بن غفلہ**۔ ان کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی کوفہ میں رہتے تھے ایک مرتبہ شیر شیر کا غل مچا سوید شیر کی طرف گئے اور اُسکے سر پر ایک وار کیا کہ تلوار پشت کی ہڈی کاٹتی ہوئی دُم سے نکل گئی۔ یہ سوید صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور حجاج کے زمانہ میں ۸۰ھ یا ۸۲ھ بمقام کوفہ انتقال کیا۔ (صـ۲۱)

(۱۷۹) **سالم بن واقصہ اسدی**۔ طبری نے انکو بھی صحابی لکھا ہے زمانہ عثمان میں پورے جوان تھے زمانہ ہشام بن عبد الملک تک زندہ رہے۔ (صـ۵۶ اصابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسین سے یہ بھی دستکش رہے محمد بن مروان کی طرف سے یہ رقہ کے حاکم تھے۔

(۱۸۰) **سائب بن خلاد انصاری**۔ ۷۱ھ میں وفات ہے۔ (صـ۶ اصابہ)

مگر نصرت امام حسین سے محروم رہے۔

(۱۸۱) **سخبور بن مالک**۔ یہ بھی صحابی ہیں عبد اللہ بن زبیر کے طرفداروں سے تھے جب اہل مصر اور مروان میں صلح ہوئی تو یہ وہاں موجود تھے۔ (اصابہ صـ۶۷)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۱۸۲) **سعد بن مالک ابو سعید خدری**۔ بہت بڑے صحابی ہیں جنسے ہزاروں روایتیں کتب اہل سنت میں منقول ہیں حضرتؐ کے ساتھ بارہ غزووں میں شریک ہوئے:

کان من افقہ احداث الصحابۃ وقال الخطیب کان من افاضل الصحابۃ و حفظ حدیثا کثیرا۔

کم سن صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے اور افاضل صحابہ سے تھے اور بڑے حافظ حدیث۔

وفات ۷۴ھ میں ہے یا ۶۴ھ یا ۶۳ھ یا ۸۶ھ (اصابہ)

غور فرمائیے اگر ایسے صحابی شریک معرکہ کربلا ہوتے تو کب ممکن تھا مخالفین کو جرأت ہوتی یہ واقعہ حرا

سنہ ۶۳ھ میں ایک غار میں پوشیدہ ہوئے ایک شامی نے ان کو قتل کرنا چاہا یہ للکارے کہ اگر یہاں آیا تو قتل کیا جائے گا اُس نے کہا کیا آپ ابوسعید خدری ہیں میرے لئے استغفار کیجیے جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر یہ شریک امام حسینؑ ہوتے تو کیا نتیجہ ہوتا کیونکہ شامی نے جب پہچان لیا تو وہ توبہ و استغفار کرنے لگا۔

آپ نے اکثر روایتوں میں سنا ہوگا کہ جناب امام حسینؑ نے جب اپنے فضائل و مناقب بیان کئے ہیں تو کہا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو تو ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہؓ سے پوچھ لو جس سے معلوم ہوا کہ مخالفین پر انکی عظمت ایسی ثابت تھی کہ بمقام استشہاد حضرت ان کا نام لیتے۔

(۱۸۳) **سعید بن شراحبل شبیب** ۔ خارجی کی جنگ میں جو حجاج سے ہوئی تھی یہ مارے گئے۔ (صفحہ ۹ اصابہ ۲)

(۱۸۴) **سفیان بن وہب خولانی** ۔ یہ بھی صحابی ہیں جو افریقہ کی حکومت پر عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں فائز تھے وفات سنہ ۸۲ھ۔ (اصابہ صفحہ ۱۱۰)

مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی۔

(۱۸۵) **سلمی بن نوفل** ۔ یہ ابن الزبیر کی خلافت تک زندہ تھے دونوں سے کچھ معارضہ بھی ہوا مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی (صفحہ ۱۲۲ اصابہ)

(۱۸۶) **سمرہ بن جنادہ** بقول امام خطیب یہ جنگ مدائن میں سعد بن ابی وقاص کے ساتھ تھے اور اُسکی بہن سے نکاح کیا ابن حبان ابن منجویہ کہتے ہیں کہ عہد عبدالملک میں بمقام کوفہ انتقال کیا مگر دوسری تحقیق پر ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وماتَ سمرة قبل سنة ستين قال ابن عبد البر سقط في قدر ة مملوة ماءً حاراً فكان ذالك تصديقاً لقول رسول الله لهو ولابي هريرة وابي محذورة اخركم موتاً في النار (صفحہ ۱۳۱ اصابہ)

کہ سمرہ سنہ ۶۰ھ کے پہلے مرا ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ دیگ میں پانی گرم بھرا ہوا تھا اس میں یہ گر پڑا جس سے حضرتؐ کے اُس قول کی تصدیق ہوئی جو آپ نے ابوہریرہ اور ابو محذورہ سے فرمایا تھا تم سے جو آخر میں مرے گا وہ آگ میں مرے گا۔

افسوس ہے کہ حضرات اہلسنت ہزاروں واقعات میں قول رسولؐ کی تصدیق دیکھتے ہیں مگر اس پر ایمان نہیں لاتے۔

(۱۸۷) **سندر مولی زنباع** ۔ یہ بھی عبدالملک کے زمانہ تک زندہ رہا رسولؐ سے حدیث کا راوی بھی ہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (اصابہ صفحہ ۱۳۷ جلد ۲)

(۱۸۸) **سیمونہ** مشہور سیاہ بلقادی ہے یہ پہلے نصرانی تھے خود عہد رسولؐ میں بغرض تجارت

حاضر مدینہ ہوئے اسلام لائے اکیسویں برس تک زندہ رہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔ (ص۱۵۱ ج۲)

(۱۸۹) سائب بن ابی لبابہ۔ حضرتؐ کے عہد میں پیدا ہوئے حضرت کو دیکھا بسند صحیح ان سے روایتیں بھی ماخوذ ہیں۔ مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی حالانکہ سنہ کے بعد وفات کی (ص۱۵۱ ج۲)

(۱۹۰) سائب بن ہشام قرشی۔ مسلمہ بن مخلد کے قاضی تھے مصر میں واقعۂ کربلا کے بہت دنوں بعد وفات ہے۔

(۱۹۱) سعد بن زید انصاری۔ آخر خلافت عبد الملک میں ۸۰ھ میں مرے۔

(۱۹۲) سعد بن ابی العادیہ۔ بھی اسی طرح عہد رسول میں پیدا ہوئے اور واقعہ کربلا کے بعد زندہ رہے مگر نصرت امام سے محروم رہے۔

ہاں سلمہ بن طریف بن ابان بن سلمہ بن حارثہ بن فہم کے باپ صحابی ہیں اور خود انھوں نے حضرت کی زیارت کی ہے انکے بیٹے حبشہ بن قیس بن سلمہ بن طریف معرکہ کربلا میں حضر کیا تھا شہید ہوئے (ص۱۵۹)

تو کاش اہلسنت انھیں کے خیال سے حضرت امام حسینؑ کے مصائب کو سنتےؒ اور گریہ و بکا کرتے۔

(۱۹۳) سعید بن عمران ہمدانی بھی ان لوگوں سے ہیں جو اس عہد میں پیدا ہوئے اور ۷۰ھ تک زندہ رہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ مصعب بن زبیر نے انکو قاضی کوفہ مقرر کرنا چاہا مگر انکے بھائی نے منع کیا کہ وہ اصحاب جناب امیرؑ سے تھا لہذا قاضی نہ بنایا۔ (ص۱۶۶ اصابہ)

(۱۹۴) سعد بن وہب خیولی۔ بھی اسی قسم کے صحابی ہیں ۹۶ھ میں وفات ہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔ (ص۱۶۷)

(۱۹۵) سلیم بن عنتر ۷۵ھ میں مرے مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔ (ص۱۶۸)

(۱۹۶) شداد بن الہادیہ۔ اس روایت کے راوی ہیں کہ حضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے اور حسنین آپ کی پشت پر سوار تھے لوگوں نے عرض کیا آپنے ایک سجدہ اسقدر دراز کیا کہ ہمکو گمان ہوا کہ کوئی نئی بات پیدا ہوگئی یا آپ پر وحی آنے لگی آپنے جواب دیا یہ کچھ بھی نہ تھا بلکہ میرا لڑکا میری پشت پر سوار ہوگیا اس وجہ سے میں نے جلدی کرنے کو ناپسند کیا۔ (اسد الغابہ ص۳۱۱ جلد ۲)

مگر افسوس اس پر بھی حضرت امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ کوفہ میں ان کا گھر تھا۔

(۱۹۷) شریح بن حارث۔ قاضی انھوں نے زمانہ نبی پایا ہے مگر ملاقات میں اختلاف ہے زمانہ عمر سے یہ کوفہ کے قاضی تھے عہد عثمان اور جناب امیرؑ میں بھی قاضی رہے۔ (ص۳۱۱ اسد الغابہ)

مگر جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ مضافات کوفہ میں قیام تھا۔

(۱۹۸) شریح بن ہانی۔ انھوں نے حضرت نبی کو پایا ہے اور آپنے انکو دعا دی ہے ۷۸ھ میں مارے گئے (ص۳۱۹ اسد الغابہ)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ مضافات کوفہ میں قیام تھا۔

(۱۹۹) **شیبہ بن عثمان**۔ جن کے خاندان میں ابتک خانہ کعبہ کی تولیت ہے اور باب الشیبہ سے حاجی لوگ داخل خانہ کعبہ ہوتے ہیں اُس نے چاہا تھا کہ حضرت کو ہلاک کرے کہ ایک برق نمایاں ہوئی جس سے نہایت مرعوب ہوا حضرتؐ نے اسکے سینہ پر دست مبارک رکھا اور وہ اسلام لایا زمانہ یزید بن معاویہ تک زندہ رہا مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ خانہ کعبہ میں جناب امام حسینؑ پانچ مہینہ پناہ گزین رہے اور خانہ کعبہ کی تولیت رسول اللہؐ نے ہمیشہ کیلئے اس خاندان کو عنایت فرمائی تھی۔ (صـــ ۲۱۸ اصابہ)

(۲۰۰) **شبث بن ربعی**۔ یکے از قاتلان امام حسینؑ یہ بھی صحابی ہے اور حدیثوں کا راوی بھی ہے سجاح بنت منذر جو بعد حضرت مدعی نبوت ہوئی اُس کا موذن بنا پھر توبہ کرکے اسلام میں داخل ہوا جب جناب امیرؑ وارد کوفہ ہوئے تو یہ حضرتؑ کے اصحاب میں داخل ہوا پھر خوارج کا ساتھی ہوگیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل عثمان میں اعانت کی۔ پھر جناب امام حسین سے لڑنے یہ کربلا گیا اسکے بعد بھی زندہ رہا ۸۰ھ میں واصل جہنم ہوا (اصابہ صـــ ۲۲۰)

اب کہاں ہیں وہ اہلسنت جو اسکے مدعی ہیں کہ کوئی صحابی قتل امام حسینؑ میں نہیں شریک ہوا وہ دیکھیں کیسے کیسے مقدس صحابہ اس جنگ میں نظر آتے ہیں کیونکہ یہ شبث بن ربعی کوئی معمولی شخص نہیں ہے امام محمد بن کعب قرظی اور سلیمان التیمی کے شیوخ سے ہے کہ بہت سی روایتیں اسکی کتب اہلسنت میں موجود ہیں

(۲۰۱) **شدید**۔ ابو بکر کا غلام ہے خدمت رسول میں یہ بھی حاضر ہوا ہے قیس بن ابی حازم کہتے ہیں ہم نے عمر کو دیکھا اس طرح کہ اُن کے ہاتھ میں شاخ خرما کا ایک ڈنڈا تھا اور وہ لوگوں کو بٹھائے ہوئے تھا اور کہہ رہے ہیں خلیفہ رسولؐ کی وصیت سنو اتنے میں ابو بکر کا غلام شدید آیا اُس نے فرمان ابو بکر کو سنایا کہ جس شخص کا نام اس کاغذ میں ہے سب اسکی اطاعت کریں کہ ہم کبھی خیر خواہی سے باز نہیں رہے اسکے بعد عمر منبر پر گئے۔ (اصابہ جلد ۳ صـــ ۲۲۵)

یہ ہے ایمانداری حضرت عمر کہ رسول اللہؐ نے جب وصیت نامہ لکھنا چاہا تو انھیں عمر نے ان الوجل لیھجر کا نعرہ بلند کیا۔ اور اپنے نام کا جو وصیت نامہ ابو بکر سے لکھوایا تو اس میں یہ اہتمام ہے کہ خود ڈنڈا لئے ساتھ ہیں صحابہ کو سنا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرمان خلیفہ سنو اور خلیفہ اول کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ صاف صاف کہیں ہم نے عمر کو خلیفہ کیا۔

(۲۰۲) **شریح بن ہانی بن یزید**۔ انھوں نے بھی حضرت کی زیارت کی ہے انکی روایتیں بھی صحیح مسلم میں موجود ہیں ایک سو دس برس کے سن میں وفات کی ۷۸ھ (صـــ ۱۲۲۳ اصابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کو انھوں نے بھی ضروری نہ سمجھا۔

(۲۰۳) **شریک بن سلمان**۔ یہ بھی صحابی ہیں عبداللہ بن زبیر کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا اور یزید بن معاویہ کی موت پر اسکا مرثیہ کہا۔ (صفحہ ۲۲۴)

پھر بھلا ایسا صحابی کب امداد جناب امام حسینؑ کر سکتا تھا۔

(۲۰۴) **صُدی بن عجلان**۔ مشہور ابو امامہ باہلی یہ صحابی ہیں آں حضرتؐ سے روایت بھی کرتے ہیں شام میں انھوں نے سکونت اختیار کی جناب امیر کے لشکر میں یہ بھی تھے ۸۶ھ میں وفات ہے۔ (صفحہ ۲۴۲ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔ اہل سنت انکے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے انکے بارے میں کہا انت منی وانا منک جس کی موضوعیت میں کسی کو شبہ نہیں ہے یہ حضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمکو اپنی امت سے جھوٹ اور تعصب سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں۔

(۲۰۵) **صرمہ بن انس** ابو قیس ایک سو بیس برس کے ہو کر مرے۔ (صفحہ ۲۴۲)

(۲۰۶) **صفوان بن امیہ** یہ بھی صحابی اور ہمراہیان عبداللہ بن زبیر سے ہیں انکے ساتھ یہ بھی قتل ہوئے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (صفحہ ۲۴۶)

(۲۰۷) **صالح بن شریح**۔ کوفی زمانہ عبدالملک ۷۸ھ تک زندہ رہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (صفحہ ۲۵۶ اصابہ)

(۲۰۸) **صفوان بن محرز**۔ ابن شاہین نے انکو صحابہ میں ذکر کیا ہے مگر تابعی ہونے میں تو کسیکو عذر ہی نہیں (تابعی ثقہ وقال لیجی فضل وورع ۷۴ھ میں وفات ہو۔ (اصابہ صفحہ ۲۶۶)

(۲۰۹) **ضحاک بن قیس فہری** یہ بھی صحابی ہے بعض لوگ بدری بھی کہتے ہیں موت معاویہ کے بعد بیعت یزید کے بھی متولی رہے یزید اور معاویہ پسر یزید کی وفات کے بعد خود مدعی خلافت ہوا جس کو عبیداللہ بن زیاد نے دھوکھا دیا آخر مروان سے اس سے لڑائی ہوئی اور ۶۴ھ میں مارا گیا۔

صفحہ ۲۶۸، اسد الغابہ صفحہ ۳۷ جلد ۵

پھر اس سے کب امید ہو سکتی ہے کہ یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتا۔

(۲۱۰) **ضحاک بن عبدالرحمان اشعری**۔ یہ بھی صحابی ہیں عمر بن عبدالعزیز نے انکو والی دمشق مقرر کیا ۱۰۵ھ میں وفات ہے۔ (صفحہ ۲۷۹ اصابہ)

(۲۱۱) **ضرار بن ازور** صحابی ہیں انھوں نے شراب پی تھی اور ان سے ابو عبیدہ نے پوچھا تم نے شراب کیوں پی تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ فھل انتم منتھون یعنی کیا تم شراب پینے سے باز آؤگے۔ میں کوئی تاکیدی حکم نہیں دیا گیا (صفحہ ۴۹ اسد الغابہ جلد ۵

یہ صحابی ہیں اور شراب کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں۔

(۲۱۲) طلحہ بن عبید اللہ مشہور طلحہ یکے از عشرہ مبشرہ کو بھی اس رسالہ سے تعلق نہیں کیونکہ وہ جنگ جمل میں مارے گئے مگر اسد الغابہ میں ان کے اسلام کی یہ وجہ لکھی ہے کہ ان کو ابو بکر صدیق نے اسلام کی ترغیب دی تھی اور وہی ان کو خدمت رسولؐ میں لے گئے۔ (ص۵۹)

مگر اصابہ میں ہے کہ یہ بازار بصریٰ میں گئے تھے وہاں ایک راہب نے ان سے پوچھا:-

هل ظهر احمد قلت من احمد قال ابن عبد الله بن عبد المطلب هذا شهره الذی یخرج فیه وهو آخر الانبیاء ومخرجه من الحرم ومهاجره الی نخل وحرة وسباخ فایاك ان تسبق الیه (ص۲۹۱ جلد۳)

کہ کیا احمد ظاہر ہوئے طلحہ نے پوچھا کون احمد؟ کہا ابن عبد اللہ بن عبد المطلب یہی مہینہ اُن کے ظہور کا ہے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی سبقت لیجائے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ جب یہ اسلام لائے تو نوفل بن خویلد عدویہ نے ابو بکر اور طلحہ کو پکڑ کر ایک رسی میں باندھا اسی وجہ سے ابو بکر اور طلحہ کو قرینین کہتے ہیں اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے ان دونوں کو باندھا تھا وہ عثمان بن عبید اللہ تھا طلحہ کا بھائی۔ (ص۵۹ اسد الغابہ)

اب کہاں وہ بیان کہ ابو بکر کی قریش میں وہ عزت کہ سب ان کا احترام کرتے اور کہاں یہ بیان کہ ایک ادنیٰ کافر نے پکڑ کر دونوں کو رسی میں باندھ دیا۔

غزوہ بدر میں شریک نہ تھے۔ جنگ احد میں بڑا کام ان کا یہ تھا کہ حضرت نے چاہا پہاڑ پر چڑھ جائیں

فلما ذهب لینهض لم یستطع فجلس تحته طلحة فنهض حتی استوی علیها

(ص۲۹۱ اصابہ)

تو چونکہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے حضرت اوپر چڑھ نہ سکے طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے حضرت ان کی پشت پر سوار ہو کر اوپر چڑھ گئے۔

ان کے ایمان کی یہ حالت تھی کہ جب اُن کا ہاتھ زخمی ہوا:-

فقال صرصر فقال لو قلت بسم الله لرایت بناءك الذی بنی الله لك فی الجنة وانت فی الدنیا

تو انھوں نے کہا صرصر معلوم ہوتا ہے قریش میں یہ رسم تھی کہ زخم کھا کر صرصر کہتے تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تم بسم اللہ کہتے تو تم اس بنا کو دیکھ لیتے جو خدا نے جنت میں بنایا ہے اور تم دنیا میں تھے کیا ایمان ہے کہ بسم اللہ نہ کہا اور کہا تو صرصر۔

وجہ قتل اسد الغابہ میں ہو (ص۶۱)

حضرت طلحہ جنگ جمل میں مارے گئے اس حال میں کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب سے قتال کر رہے

تھے رضی اللہ عنہما۔ بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کو (علیحدہ) بلایا اور جس طرح حضرت زبیر سے گفتگو کی تھی اسی طرح ان سے بھی کی اپنی اسلامی خدمات کا ذکر فرمایا جن کو سنکر حضرت طلحہ نے جنگ کا ارادہ فسخ کیا اور کسی صف میں جا کے بیٹھ رہے دفعۃً ایک تیر اُنکے پیر میں لگ گیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تیر اُنکے گلے میں لگا تھا غرض اسی تیر کے زخم سے) وفات پائی یہ تیر مروان بن حکم نے مارا تھا۔ عبدالرحمان بن مہدی نے حماد بن زید سے اُنھوں نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا حضرت طلحہ نے جنگ جمل کے دن یہ شعر پڑھا ؎

ندمت ندامۃ الکسعی لما شریت رضی بنی جرم برغمی

(اور اس شعر کے بعد کہا) یا اللہ عثمان کا عوض مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے یہ انھوں نے صرف اس سبب سے کہا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بہت سختی کیا کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو جب حضرت طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ کے (مخالفت اور اُنکے بصرہ) جانے کی خبر پہونچی تو فرمایا کہ اس وقت مجھے چار آدمیوں کے مخالفت کی خبر سنائی گئی ہے سب سے زیادہ بارعب اور سخی طلحہ ہیں اور سب سے زیادہ بہادر زبیر ہیں اور یہ لوگ سب سے زیادہ حضرت عائشہ کو مانتے ہیں اور سب سے زیادہ مالدار یعلی بن منبہ ہیں (یہ چاروں میرے مخالف ہو گئے ہیں) مگر واللہ اُنھوں نے مجھ میں کوئی عیب نہیں نکالا نہ میں (ان کے نزدیک) مال دنیا کا حریص ہوں اور نہ ہوائے نفسانی کا متبع ہوں بلکہ وہ مجھ سے وہ حق طلب کرتے ہیں جس کو اُنھوں نے خود چھوڑ دیا اور اُس خون کا قصاص مانگتے ہیں جس کو انھوں نے خود گرایا بیشک اُنھوں نے خود اس کام کو کیا میں اُنکے ساتھ نہ تھا اگرچہ عثمان پر اعتراض کرنے میں میں بھی ان کا شریک تھا مگر قتل عثمان پر میں راضی نہ تھا) قتل عثمان کا گناہ خود اُنھیں لوگوں پر ہے ان لوگوں نے مجھ سے بیعت کی اور بیعت کو فسخ کر دیا اور مجھ کو اچھی طرح جانچا بھی نہیں کہ ان کو میرا ظلم اور میرا عدل معلوم ہوتا اب میں خدا کی حجت پر جو اُنکے اوپر قائم ہے اور خدا کے علم پر جو ان کے متعلق اُسے ہے قناعت کرتا ہوں اور میں باوجود ان سب باتوں کے اُنھیں بلاؤنگا اور اُن سے معذرت کرونگا اگر وہ قبول کرلیں تو بہتر ہے) تو یہ بھی قبول کرلیجاتی ہو پھر حق تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسکی طرف رجوع کیا جائے اور اگر یہ لوگ میرا عذر قبول نہ کرینگے تو پھر اُنھیں تلوار کی باڑھ (کا مزا چکھا) دونگا میری تلوار بہ باطل سے شفا دینے کو اور اُس پر فتح پانے کو کافی ہے۔ حضرت علیؑ سے یہ بھی روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ہم اور طلحہ اور عثمان اور زبیر اُن لوگوں میں ہیں جنکے حق میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین

حضرت طلحہ کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ مروان بن حکم نے انھیں ایک تیر مارا جو اُن کے گھٹنے میں لگا (زخم سے جو خون جاری ہوا تو یہ حالت ہوئی کہ) جب لوگ زخم کا منھ بند کرتے تھے تو پیر پھول جاتا تھا اور جب چھوڑ دیتے تھے تو خون بہنے لگتا تھا تو حضرت طلحہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو یہ تیر اخدا کا بھیجا ہوا

ہے چنانچہ اُسی زخم سے انتقال کیا مروان نے (جب اُنکو زخمی کیا تو) کہا اب میں آج کے بعد کسی سے اپنا انتقام نہ لوں گا اور حضرت عثمان کے فرزند سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ کے ایک قاتل کا تو کام تمام کر دیا۔ حضرت طلحہ جانب کلا میں مدفون ہوئے واقعۂ جمل ۱۰ رجمادی الآخر ۳۶ھ میں ہوا تھا اسوقت حضرت طلحہ کی عمر ساٹھ برس کی تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں باسٹھ برس اور بعض لوگ کہتے ہیں چونسٹھ برس رنگ گندمی تھا بہت خوبصورت تھے (سر میں) بال بہت تھے بال نہ بہت پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے (بالوں کی) سپیدی کو (خضاب سے) متغیر نہ کرتے تھے رنگ سفید تھا مائل بسرخی میانہ قد سے کچھ کم تھے سینہ چوڑا تھا شانے چوڑے تھے جب کسی طرف دیکھتے تو پوری طرح دیکھتے (گوشۂ چشم سے دیکھنے کی عادت نہ تھی) پیر پر گوشت تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ترجمہ مولوی عبد الشکور)

ان حالات پر کسی حاشیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ جناب امیرؑ سے لڑ رہے تھے عثمان کو قتل کر چکے تھے مگر اہل سنت ہیں کہ عثمان کے بھی عاشق اور اُنکے قاتل کے بھی عاشق اور دونوں کو جنتی جانتے ہیں اور نہ صرف خود بلکہ رسولؐ پر اسکی تہمت دھرتے ہیں کہ حضرتؐ نے انکو دو مرتبہ بہشتی کہا ہے۔

اڈیٹر النجم نے یہاں دو حاشیہ دیا ہے ایک طلحہ کے اس قول پر "یا اللہ عثمان کا عوض مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے یہ انھوں نے صرف اس سبب سے کہا کہ وہ حضرت عثمان پر بہت سختی کرتے تھے"۔ حاشیہ حسب ذیل ہے:۔

"حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کی اخیر خلافت میں بعض بعض صحابہ ان کے مخالف ہو گئے تھے اور اُن پر اعتراض کیا کرتے تھے یہ مخالفت و اعتراض ویسا نہ تھا جیسا کہ معاذ اللہ شیعوں کو ہے بلکہ جس طرح ایک معاصر نہایت نیک نیتی کے ساتھ کسی دوسرے معاصر کو نصیحت کرے اس مخالفت و اعتراض کی تمام تر وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان کی خلافت شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بعد علی الاتصال قائم ہوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو بشر تھے معصوم نہ تھے لیکن اگر حق تعالیٰ شیخین کے بعد کسی فرشتے کو خلافت کے لئے آسمان سے بھیجدیتا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو خلافت کے منصب پر مقرر فرماتا تو یقیناً شیخین کی خلافت کے بعد اس فرشتے کی خلافت بھی قابل اعتراض سمجھی جاتی یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب خیر اعلیٰ کے بعد ہم خیر ادنیٰ کو دیکھتے ہیں تو ہم کو بصورت شر معلوم ہوتا ہے روز روشن کے بعد جب شب ماہ آتی ہے تو ہمیں تاریک معلوم ہوتی ہے مگر جب ماہتاب بھی نظر سے غائب ہو جاتا ہے صرف تاروں کی روشنی رہجاتی ہے اس وقت ہمیں شب ماہ کی قدر معلوم ہوتی ہے یہی حال بالکل اس زمانہ کا تھا جو لوگ عوام میں شمار کئے جاتے تھے ان کا تو ذکر ہی نہیں خواص کی یہ کیفیت تھی کہ ان میں بھی فیصدی دو چار ضرور ایسے تھے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی آفتاب جیسے روشن اور منور خلافت کے بعد جو حضرت عثمان کی ماہتاب جیسی نورانی خلافت میں آئے تو اُنکی عقلیں صحیح اندازہ کرنے سے قاصر ہو گئیں

اور اس بے مثال روشنی کو حضرت عثمان کی خلافت میں بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اس روشنی کی کمی کو حضرت عثمان کی سوء تدبیری پر محمول کر کے اُن پر معترض ہوتے تھے اور بعض بعض لوگ نہایت سخت الفاظ میں اُن کو نصیحت کرتے تھے مگر بعد حضرت عثمان کے سب کو قدر و عافیت معلوم ہوگئی اور جو لوگ اُنکے مخالفت کرتے تھے بہت پچھتائے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی اُنھیں لوگوں میں تھے۔" (ص۳)

اقول۔ افسوس یہ ایسی تحریر ہے کہ اگر اسکے ہر فقرہ کا جواب دیا جائے تو بہت طول ہو مگر مختصر یہ ہے کہ صحابہ کی مخالفت عثمان ہرگز ویسی نہ تھی جیسی شیعوں کو مخالفت شیخین سے ہے کیونکہ مخالفت شیعہ صرف اسی قدر ہے کہ وہ بوجہ نفاق وظلم برحق اہلبیت طاہرین انسے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں برخلاف صحابہ کہ وہ عثمان کو منافق اور خارج از اسلام جانتے تھے بلکہ واجب القتل یہاں تک کہ آخر قتل ہی کر ڈالا اگر اسکا نام نیک نیتی اور ایک معاصر کا دوسرے کو نصیحت کرنا ہے تو لعنت کرنا ہزار درجہ اس سے بہتر ہو اب ذرا تواریخ پڑھیئے تو معلوم ہو صحابہ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور یہ اپنی ضد اور ہٹ سے نہیں باز آئے تب جاکر کیا جو کیا۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے:۔

وذکروا انھم اجتمع ناس من اصحاب النبی فکتبوا کتابا ذکروا فیہ ما خالف عثمان من سنۃ رسول اللہ سنۃ حبیہ وما کان فیہ من ھبۃ خمس افریقھم لمروان وفیہ حق اللہ ورسولھما ومنھم ذو القربی والیتامی والمساکین وما کان تطاولھم فی البنیان حتی عدوا سبع دور بناھا بالمدینہ۔ (ص۴۲)

یعنی بہت صحابہ جمع ہوئے اور ایک محضر تیار کیا جس میں ان باتوں کو لکھا جن میں عثمان نے سنت رسول کی مخالفت کی تھی اور سیرت شیخین کی اور جو کچھ عثمان نے خمس افریقہ مروان کو ہبہ کیا تھا حالانکہ اسمیں حق خدا اور رسول و سہم ذوی القربی و یتامی و مساکین تھا جو اُنھوں نے عمارات عالیہ بنوائے مدینہ میں جسمیں سات عمارت کا ذکر کیا تھا۔

اب فرمائیے بعض صحابہ مخالف ہوگئے تھے یا اکثر صحابہ اجتمع ناس من اصحاب النبی دیکھئے انکا اعتراض کیا تھا؟ ما خالف من سنۃ رسول اللہ کیا اس کا نام اعتراض ہے۔ کیونکہ سنت رسول کا مخالف تو مسلمان نہیں کہلاتا۔ کیا اس سے زیادہ کسی شیعہ کا اعتراض ہوتا ہے کہ شیخین نے خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی کی۔

آپ خلافت شیخین کی تعریف کرتے ہیں مگر افسوس رسول اللہ تو اسکو شر فرماتے ہیں صحیح بخاری میں ہو۔

حذیفہ کا بیان ہے کہ اور صحابہ تو حضرتؐ سے خیر کی باتیں پوچھا کرتے اور ہم شر کی باتیں اس خوف سے کہ ہمکو اس کا سابقہ پڑے اسلئے حضرتؐ سے عرض کیا یا حضرت ہم لوگ پہلے جاہلیت و شر میں تھے یہاں تک کہ خدا اُس خیر کو لایا۔ تو کیا اسکے بعد شر ہوگا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں ہم نے کہا پھر اس شر کے بعد بھی خیر ہوگا

حضرتؐ نے فرمایا ہاں مگر اسمیں کچھ کدورت ہوگی ہم نے عرض کیا وہ کیا ہے حضرتؐ نے فرمایا لوگ ہماری ہدایت کے خلاف چلیں گے کہ بعض لوگ انکے نیک رفتار ہونگے بعض بدکردار ہم نے عرض کیا اسکے بعد پھر شر ہوگا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ ہونگے جو بلانے والے ہوں گے ابواب جہنم پر جو انکی اجابت کرے گا اسکو جہنم میں ڈالیں گے۔ میں نے عرض کیا حضرتؐ انکے اوصاف بیان فرمائیے۔ فرمایا ظاہر قرآن کا ہمارے دین پر ہوگا اور ہماری زبان سے کلام کریں گے۔ میں نے کہا پھر ہمکو کیا حکم ہے فرمایا کہ جماعت مسلمین اور انکے امام کی پیروی کرو میں نے کہا اگر مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام نہ ہو تو آپ نے فرمایا ان سب فرقوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤ اگرچہ تجھے بیخ درخت دانتوں سے کاٹنا پڑے اور تجھے موت آجائے اس حالت پر۔ (صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۳۵)

کیوں صاحب رسول اللہ تو اپنے زمانہ کے بعد والے زمانہ کو شر کہیں اور آپ اسکو ایسا زمانہ خیر بتاتے ہیں کہ اگر فرشتے بھی آتے تو شیخین کی خلافت کے بعد اس فرشتے کی خلافت بھی قابل اعتراض سمجھی جاتی" تو اس کا کیا جواب ہے کہ رسول اللہ اسکو شر فرمائیں اور آپ خیر، زیادہ تفصیل کا شوق ہو تو تنقید بخاری حصہ سوم صفحہ ۲۱۸ ملاحظہ ہو۔

اگر آپ عشق شیخین میں بیخود و سرشار نہ ہوتے تو سمجھتے اسلامی دنیا میں جو کچھ فساد ہوا۔ اسلام پر جس قسم کا اعتراض ہوا وہ صرف شیخین کی خلافت سے۔ سب صحابہ کے موجد آپ کے خلیفہ دوم ہوئے۔ توہین اہلبیت طاہرینؑ کے موجد آپکے شیخین ہوئے۔ قرآن کے ضائع و برباد ہونے کے موجد آپ کے شیخین ہوئے خانہ کعبہ میں ترمیم و تنسیخ یا تبدیل و تغیر جو کچھ ہوا وہ آپکے شیخین کی بدولت نماز روزہ کے احکام میں جو تغیر ہوا وہ شیخین کی بدولت پس اگر یہی مراد ہے کہ بعد شیخین اگر فرشتہ بھی خلیفہ ہوتا تو قابل اعتراض سمجھا جاتا۔ تو درست ہے کیونکہ وہ ضرور اصلاح کرتا۔ اور عثمان نے تو اس قدر ان تغیرات پر اضافہ کیا کہ تواریخ شاہد ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بعد حضرت عثمان کے سب کو قدر و عافیت معلوم ہوگئی کیونکہ اس کی تخصیص عثمان ہی سے نہیں بلکہ معاویہ کے بعد یزید کا زمانہ آیا تو معاویہ کی قدر معلوم ہونے لگی یزید کے بعد عبد الملک آیا تو یزید کی قدر و عافیت معلوم ہونے لگی مگر کیا اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکے افعال و اعمال قابل ستائش تھے۔

آپ کو قرآن و حدیث پر نظر کر کے دیکھنا چاہیئے کہ ابو بکر یا عمر یا عثمان کا فعل اسکے مطابق تھا یا مخالف، اگر موافق تھا تو مدح کیجیے ورنہ قابل نفرین قرار دیجیے۔ دیکھیے سیرت شیخین ایسی قابل نفرت تھی کہ جناب امیرؑ نے خلافت ایسی چیز سے انکار کر دیا کیونکہ اس میں شرط کی گئی تھی کہ سیرت شیخین پر عمل کرنا ہوگا۔ اور عثمان نے شرط عمل سیرت شیخین کو قبول کر کے خلافت حاصل کیا اگر وہ سیرت ایسی قابل نفرت تھی کہ اسکو لائق عمل نہ سمجھا پھر کیونکر آپ اس خلافت کی تعریف کر رہے ہیں۔

جناب امیرؑ نے جو یہ فرمایا تھا "وہ مجھ سے اس حق کو طلب کرتے جس کو میں نے خود چھوڑ دیا

تھا اس پر بھی ایک حاشیہ دیا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

"مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے باعث یہ لوگ خود ہوئے اور اب مجھ سے قصاص طلب کرتے ہیں ان حضرات کو باعث قتل کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کے علم میں ان حضرات نے کوئی ایسی بات کی ہوگی جس سے حضرت عثمان کے قاتلین کا حوصلہ بڑھا یا در حقیقت ان حضرات کی وجہ سے انکی نادانستگی میں قاتلین حضرت کو کچھ تائید ملگئی ہو ان حضرات کو حضرت عثمان پر معترض دیکھ کر قاتلین حضرت عثمان یہ سمجھتے ہوں کہ اگر ہم حضرت عثمان کو قتل کر دینگے تو ان نامور صحابہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا اور یہ حضرات ہماری حمایت کر کے ہمیں قصاص سے بچالیں گے بہر حال اس عبارت کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان کو خود ان لوگوں نے شہید کیا یا وہ انکی مرضی یا حکم سے شہید کیے گئے۔ یا فی الحقیقت ان حضرات کی وجہ سے قاتلان حضرت عثمان کو کوئی تائید بھی نہ ملی ہو بلکہ کسی غلط فہمی کے باعث حضرت علی مرتضیٰ کو اُن کی طرف ایسا خیال ہوا جیسے حضرت علی مرتضیٰ کی طرف حضرت معاویہ کو یہ خیال تھا"

اقول اگر کلام جناب امیر اس وجہ سے کہ وہ حضرت کا کلام صداقت التیام ہے محل شک ہے تو کلام مروان میں تو آپ کو شک نہ ہوگا جو طلحہ کو قتل کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے " اب آج کے بعد کسی سے اپنا انتقام نہ لوں گا اور حضرت عثمان کے فرزند سے کہا کہ میں نے تمھارے باپ کے ایک قاتل کا کام تمام کر دیا کیونکہ جو کچھ مروان کہہ رہا ہے وہی تو جناب امیرؑ نے بھی فرمایا تھا " اس خون کا قصاص مانگتے ہیں جس کو انھوں نے خود گرایا تھا"

اسی پر آپنے یہ حاشیہ دیا تھا تو کیا اب بھی آپکو تصدیق کلام جناب امیرؑ میں عذر ہو سکتا ہے اگر کلام جناب امیرؑ میں شک ہے تو اپنے سعد بن ابی وقاص کا خط دیکھیے جو عمرو عاص کو لکھتے ہیں:۔

"پس تو جو قتل عثمان کو پوچھتا ہے تو عثمان اُس تلوار سے مارے گئے جس کو کھینچا تھا عائشہ نے اور صیقل کیا تھا طلحہ نے اور زہر آلود کیا تھا جناب امیرؑ نے اور زبیر نے سکوت کیا مگر ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم سب نے ہاتھ کھینچ لیا اور اگر چاہتے تو اس کو دفع کرتے لیکن عثمان نے بدل دیا شریعت کو اور خود بھی بدل گئے اچھا بھی کیا برا بھی اگر ہم لوگوں کا یہ کام اچھا تھا تو خیر اچھا تھا اور اگر برا تھا تو خدا سے استغفار کرتے ہیں۔ اور ہم تجھے خبر دیتے ہیں کہ زبیر تو اپنے اہل وعیال کی رائے کے سبب سے مغلوب ہیں اور طلحہ اس قدر امارت و حکومت کے حریص ہیں کہ اگر انکو یہ معلوم ہو اپنا پیٹ چاک کرنے سے یہ مطلب حاصل ہوگا تو اسکو بھی چاک کر ڈالے" (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۴۸)

تو کیا اب بھی تصدیق کلام جناب امیرؑ میں شک ہو سکتا ہے جو آپ یہ سب توجیہیں نکال رہے ہیں کیونکہ سعد تو صاف صاف تمامی مہاجرین صحابہ کو شریک قتل عثمان کہہ رہے ہیں۔ عائشہ نے تلوار کھینچی

طلحہ نے صیقل کیا زبیر نے سکوت کیا مگر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ تمامی مہاجرین نے سکوت کیا اور اگر چاہتے تو مدد کرتے مگر چونکہ عثمان نے سب باتوں میں تغیر کر دیا تھا اس وجہ سے سب ساکت ہے۔

رہا یہ جملہ کہ جناب امیر عنے اس تلوار کو زہر میں بجھایا تو غالباً اس بنیاد پر ہو کہ حضرتؑ کی حقیت نے سم قاتل کا اثر کیا کیونکہ حضرت کی حقیت ایسی واضح تھی کہ اُن تمام ظالمین کو بادصف ظلم وجور عذاب میں گرایا۔

آیئے ذرہ پھر حالت بیعت جناب امیرؑ ملاحظہ فرمایئے اسی کتاب الامامۃ والسیاستہ ابن قتیبہ میں ہے:۔

صبح کو جب سب مسجد میں جمع ہوئے تو ندامت وافسوس ہونے لگا اور سب نے طلحہ وزبیر پر قتل عثمان کا الزام لگایا اور کہا کہ تم دونوں شریک تھے قتل عثمان میں لہذا اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ (ص۴۸)

پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب النجم نے کیونکر ایسی جرأت کی جو رد کلام جناب امیرؑ پر آمادہ ہوئے اب ہم مختصر طور پر فیصلہ حضرت عمر سناتے ہیں جو اصحاب شوریٰ کے بہ نسبت انھوں نے بوقت رحلت فرمایا تھا۔

اے سعد ہم اس وجہ سے تم کو نہیں خلیفہ کرتے کہ تم میں شدت اور غلظت ہے اس کے سوا تم سپاہی آدمی ہو۔ اے عبد الرحمان ہم اس وجہ سے تمکو خلیفہ نہیں بناتے کہ تم اس امت کے فرعون ہو اور اے زبیر تم حالت رضا میں مومن ہو اور حالت غضب میں کافر۔ طلحہ میں حد سے زیادہ کبر ونخوت ہے۔ اگر خلافت کو پائے تو اس کی انگوٹھی اپنی زوجہ کے ہاتھ میں دے دے۔ اے عثمان تم میں خاندانی عصبیت بہت ہو اور اپنے اقارب کے دلدادہ ہو۔ اے علی تمھارے بارے میں یہ عذر ہے کہ تم کو خلافت کی حرص ہے (حقدار کے مطالبہ کو حرص کہنا انھیں کا کام ہے) ورنہ تم سے بڑھ کر کوئی اس کا مستحق نہ تھا کہ اگر خلافت پاؤ تو سب کو حق مبین اور صراط مستقیم پر لیچلو۔ (کتاب الامامۃ والسیاستہ ص۲۵)

کیا اسکے بعد بھی اڈیٹر صاحب طلحہ کی طرفداری میں یہ جوش وخروش دکھائیں گے جبکہ حضرت عمر کا فیصلہ اُن کے سامنے موجود ہے رہا جناب امیرؑ کے بارے میں عمر کا فیصلہ کہ آپ بڑے حریص ہیں تو یہ وہی لفظ ہے جو خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کے حق میں فرمایا:۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۵ سورۂ برات)

تمھارے پاس ایک پیغمبر آئے ہیں اُن کو تمھاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بڑے حریص ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

مگر افسوس یہی حرص ان کے نزدیک مانع خلافت ہے حالانکہ حضرت کی حرص بعض ائمہ

غرض سے تھی کہ رسولؐ نے آپ کو خلیفہ وجانشین کیا تھا بغیر آپ کی خلافت اور جانشین رسولؐ ہونے کے اسلام باقی نہیں رہ سکتا تھا ورنہ کون ہے دنیا میں جو جناب امیرؑ پر یہ الزام لگائے کہ آپ بغرض دنیا اس خلافت کے خواہاں تھے۔

(۲۱۷) عامر بن عامر اشعری۔ یہ اپنے والد کے ہمراہ حضرت پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ نے حکم دیا تھا ان کے لئے اذن طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے زمانۂ خلافت عبد الملک تک زندہ رہے اسی عہد میں وفات ہے۔ مگر امام حسین علیہ السلام کی نصرت نہ کی۔ (اسد الغابہ ص۱۱۱ جلد۳)

(۲۱۸) عامر بن عبد القیس۔ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے ان کی شکایتیں حضرت عثمان کو پہونچائی گئیں کہ نہ یہ گوشت کھاتے ہیں نہ کسی عورت سے نکاح کرتے ہیں اور خلفاء سابقین پر اعتراض کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں نہیں حاضر ہوتے ہیں۔ عثمان نے ان شکایتوں کو سنکر حکم دیا کہ ملک شام چلے جائیں۔ (ص۱۱۱)

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیخین باتفاق صحابہ خلیفہ ہوئے حالانکہ ایسے ایسے صحابہ ان پر اعتراض کرتے ہیں۔

عثمان نے جو سزا ان کی تجویز کی وہ بھی دلیل ہے ان کی عظمت کی۔ کیونکہ حضرت ابوذر کے ساتھ بھی عثمان نے یہی برتاؤ کیا تھا کہ معاویہ کے پاس ملک شام روانہ کیا یہی سزا ان کے لئے بھی تجویز کی گئی۔

(۲۱۹) عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قریشی جمحی۔ مصعب زبیری کہتے ہیں کہ وہ صحابی تھے یزید بن معاویہ کی موت کے بعد حاکم کوفہ بنائے گئے انھوں نے اپنے خطبہ میں کہا ہر ایک قوم کے لئے کچھ پینے کی چیزیں ہوتی ہیں کچھ لذت کی لہٰذا تم بھی ایسی چیزیں اختیار کرو جو حلال ہوں اور اُن کے استعمال پر تمھاری مدح کیجائے اور تم اپنی شراب (یعنی نبیذ) کی تیزی کو پانی ملا کر توڑ دو ایک شاعر نے اس کے متعلق یہ شعر کہے تھے ؎

من ذا یحرم ماء المزن خالطہ ۔۔۔ فی قعر خابیۃ ماء غرالنا قیل

انی لاکرہ تشدید الرواۃ لنا ۔۔۔ فیھا و یعجبنی قول ابن مسعود

کون شخص ہے جو اس پانی کو حرام کہے جس کے ساتھ مٹکے کے اندر آب انگور ملا ہو۔ بیشک میں راویوں کے سختی کو بُرا جانتا ہوں اور مجھے ابن مسعود کا قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب کو حلال کہتے ہیں بہت لوگوں کا گمان ہے کہ اس شاعر نے ابن مسعود سے اُن ابن مسعود کو مراد لیا ہو جو نبیؐ کے صحابی تھے۔

حالانکہ یہ غلط ہے معاذ اللہ ابن مسعود حلت شراب کے قائل کیونکر ہوسکتے تھے جب ابن زبیر خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے عامر کو کوفہ میں اپنی جگہ بحال رکھا۔ تین مہینہ کے بعد اُن کو ابن زبیر نے معزول کردیا تھا اور اُن کی جگہ عبد اللہ بن یزید خطمی کو عامل بنا دیا تھا۔ (جلد۵ اسد الغابہ صفحہ ۱۲۸)

اس رسالہ سے اس مضمون کو اس وجہ سے تعلق ہے کہ یہ صحابی ہے اس نے نصرت امام نہیں کی حالانکہ کوفہ ہی میں رہتا تھا اور بعد یزید وہاں کا عامل مقرر ہوا پھر ابن الزبیر کا عامل بنا آخر معزول ہوا۔
اڈیٹر النجم نے ایک تو عبارت شعر میں غلطی کی کہ عناقید کی جگہ ما غرالناقیل لکھا۔ دوسرے یہ کہ ابن مسعود کی مراد لینے سے انکار کیا اور یہ نہ بتایا کہ یہ کون سے ابن مسعود مراد ہیں۔ حالانکہ اصابہ میں ہے وانما عنی ھذا یعنی شاعر نے خود اسی عامر کو مراد لیا۔ حالانکہ مطلب ایک ہی ہے کیونکہ یہ بھی تو صحابی ہے لہذا بہر طور معلوم ہوا کہ صحابہ سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو شراب کو حلال جانتے اور عامر کا قول واکسروا اشرابکم بالماء تو صاف ہے کہ اپنے شراب کی تیزی کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ چنانچہ آجکل بھی رائج ہے کہ شراب کے ساتھ برف ملا لیتے ہیں۔

(۲۲۰) عامر بن واثلہ ابو الطفیل ان کی پیدائش غزوۂ احد کے سال میں ہوئی تھی حضرت کے انتقال وقت ۸ برس کے تھے پہلے کوفہ میں رہتے تھے پھر مکہ چلے آئے۔ ابو الطفیل حضرت علیؑ کے اُن صحابہ میں تھے جو اُن سے نہایت درجہ محبت رکھتے تھے چنانچہ اُن کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک ہے ثقہ تھے اور امانتدار تھے۔ حضرت ابو بکر و عمر کی فضیلت کے معترف تھے مگر بات یہ تھی کہ حضرتؑ کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۰ ہجری میں ہوئی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سنہ ۱۱۰ ہجری میں ہوئی انکی وفات رسول خدا کے دیکھنے والوں میں سب سے پیچھے ہوئی۔ (ص ۱۳۱ اسد الغابہ جلد ۵)
اسد الغابہ کی اس عبارت پر کہ ابو الطفیل حضرت کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ اڈیٹر صاحب یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں۔
میرے خیال میں کسی راوی کی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بروایات صحیحہ جن کا قدر مشترک متواتر کو پہونچ گیا ہے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ شیخین رضؓ کے افضل الاصحاب ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع تھا کبرائے روافض بھی اس امر کے معترف ہیں کہ جمہور سلف شیخین کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اور شیخین کے علاوہ اور سب کی انتہائی معراج اسیں سمجھتے تھے کہ شیخین کی اتباع کریں"
اقول استیعاب ابن عبد البر مکی میں ہے:۔
کان یعترف بفضل الشیخین الا انہ کان یقدم علیاً (ص ۶۵ جلد ۲)
اصابہ میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔
کان یعترف بفضل ابی بکر و عمر لکنہ یقدم علیاً۔ (ص ۱۱ جلد ۴)
کہ ابو طفیل اگرچہ معترف فضل ابو بکر و عمر تھے مگر جناب امیر کو سب سے افضل جانتے تھے۔
پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے یہ کہاں سے تراشا کہ راوی کی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر اسی طرح تاویل کی جائے گی تو پھر کسی روایت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

"بروایت صحیحہ جن کا قدر مشترک تواتر کو پہونچ گیا ہے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ شیخین کے افضل الاصحاب ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع تھا"

مگر افسوس خود استیعاب میں ہے:۔

وروی عن سلمان و ابی ذر و المقداد و جناب و جابر و ابی سعید الخدری و زید بن الارقم ان علیؑ بن ابی طالبؑ اول من اسلم و فضلہ ھٰولاء علی غیرہ۔ (جلد ۲ صفحہ ۴۲۷)

یعنی حضرت سلمان فارسی۔ ابوذر۔ مقداد جناب جابر ابو سعید خدری۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ جناب امیر سب سے پہلے ایمان لائے اور یہ لوگ حضرتؑ کو فضیلت دیتے تھے غیروں پر۔

کیا اجماع اسی کا نام ہے جس کے مخالف ایسے ایسے مقدس صحابی ہوں جن کا اجماع ہے اس پر کہ جناب امیرؑ سب سے افضل تھے۔

اسی استیعاب میں ہے:۔

واختلف السلف ایضا فی فضل علی و ابی بکر۔ (صفحہ ۴۲۹) کہ سلف میں اختلاف رہا ہے اس میں کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا ابو بکر۔

پھر نہ معلوم کس منہ سے کہا جا سکتا ہے کہ "صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے" حالانکہ آٹھ صحابہ تو یہ ہیں جن کی تصریحات صریحًا موجود ہے کہ وہ جناب امیر کو افضل سمجھتے تھے اُنکے علاوہ وہ لوگ جن کا ذکر مجملاً کیا ہے استیعاب میں کہ سلف میں اختلاف رہا ہے اس بارے میں۔

حدوث مذہب تفضیلت از زمانہ احمد بن حنبل اب آئیے ہم آپ کو بتادیں کہ یہ مذہب اہلسنت کہ افضلیت بہ ترتیب خلافت ہر کب سے قائم ہے اسی استیعاب میں ہے:۔

واما اختلاف السلف فی تفضیل علی فقد ذکرہ ابن ابی خیثمہ فی کتابہ مافیہ کفایۃ واھل السنۃ الیوم علی ما ذکرت لک من تقدیم ابی بکر فی الفضل عمر و تقدیم عمر علی عثمان و تقدیم عثمان علی علی و علی ھذا عامۃ اھل الحدیث من زمن احمد بن حنبل الاخواص من جملۃ الفقہاء و ائمۃ العلماء فانھم علی ما ذکرنا عن مالک و یحیی القطان و ابن معین فھذا مابین اھل الفقہ والحدیث فی ھذہ المسألۃ وھم اھل السنۃ واما اختلاف سائر المسلمین فی ذالک فیطول ذکرہ وقد جمعہ قوم وقد کان بنو امیہ ینالون منھ و ینقصونہ فمازادہ اللہ بذلک الا سموا و علوا و محبۃ عند العلماء (صفحہ ۴۲۸)

یعنی فضیلت جناب امیرؑ کے بارے میں جو سلف میں اختلاف تھا اُس کو ابن ابی خثیمہ نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے جو کافی ہے۔

رہا مذہب اہلسنت جو آجکل ہے کہ ابوبکر افضل ہیں عمرؓ سے عمرؓ افضل ہیں عثمانؓ سے اور عثمانؓ افضل ہیں علیؑ سے اور اسی پر عام اہلحدیث ہیں تو یہ زمانہ احمد بن حنبل سے ہے مگر خواص بزرگان فقہاء و محدثین اُس مذہب پر ہیں جس کو امام مالکؒ یحییٰ قطان۔ ابن معین سے ہم نے ذکر کیا یہ سب اختلافات اہل فقہ اور اہلحدیث کے درمیان میں ہیں۔ رہا تمامی مسلمین کا اختلاف اس بارے میں تو ذکر اسکا موجب تطویل ہے اور ایک قوم نے جمع کیا ہے۔ اور بنی امیہ حضرت کو گالی دیتے تھے اور تنقیص کرتے تھے مگر اس سے حضرت کی شان میں کوئی نقص نہ پیدا ہوا بلکہ علماء کے نزدیک درجہ حضرت کی بڑھ گئی اور عُلو مدارج میں ترقی ہوئی۔

پس اڈیٹر صاحب کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپکی ناصبیت سے کیا بگڑا بجز اسکے کہ حضرت کی جلالت قدر اور ظاہر ہوئی آپ تو کہتے تھے صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے فضیلت شیخین پر حالانکہ ایک نہیں صدہا صحابہ نکلے جن کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور ابن ابی خثیمہ نے اس کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے ان کے علاوہ اور لوگوں نے اس بارے میں تصنیفیں کی ہیں۔

اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مذہب آجکل اہلحدیث یا اہلسنت میں رائج ہے اسکی کی ابتداء امام احمد بن حنبل سے ہوئی ورنہ ان کے قبل یہ مذہب نہ تھا۔

امام احمد بن حنبل کی ناصبیت کے لئے یہی کافی ہے کہ ابوالمؤید خوارزمی مسند ابو حنیفہ میں لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل پر امام خطیب نے یہ طعن کیا ہے کہ انھوں نے حریز بن عثمان کی توثیق کی اور کہا ثقۃ ثقۃ حالانکہ حریز دشمن جناب امیرؑ تھا اور ظاہر ہے کہ دشمن جناب امیر اور دشمن شیخین کے درمیان میں کوئی فرق نہیں۔

امام خطیب کہتے ہیں کہ حریز مذکور کذاب اور فاسق بھی تھا وہ کہتا تھا کہ یہ حدیث جو مشہور ہے کہ جناب امیرؑ کے بارے میں حضرتؐ نے فرمایا انت منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ (جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں ہے) تو غلط ہے کیونکہ ولید بن عبدالملک (خلیفہ بنی امیہ) یوں بیان کرتا تھا علی منّی بمنزلۃ قارون من موسیٰ امام خطیب کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے خداوند عالم کو خواب میں دیکھا کہ تو حریز بن عثمان سے حدیث لیتا ہے تو میں نے کہا کہ ہم تو بجز خیر اسمیں کچھ نہیں جانتے۔ اس پر حکم ہوا کہ نہ لکھا کر وہ علیؑ ابن ابی کو گالی دیا کرتا ہے۔

پس جب احمد بن حنبل ایسے ناصبی تھے کہ ایسے کذاب ناصبی کی توثیق کرتے تو پھر اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ وہ ناصبی تھے اور از راہ ناصبیت اس عقیدہ کو قائم کیا کہ جناب امیر جو تھے درجہ میں افضل ہیں اور وہی عقیدہ اہلسنت ہے آج۔

حریز بن عثمان قبیلہ حمر سے تھا۔ رحبہ کوفہ کا رہنے والا خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں بغداد آیا اور وہاں حدیثیں سنیں اور لوگوں سے بیان کیا۔

(۱) مفضل بن عسان کہتے ہیں کہ حریز سفیانی (طرفداران خاندان ابوسفیان) (۲) عجلی کہتے ہیں کہ دشمن جناب امیرؑ تھا۔ (۳) عمرو بن علی کہتے ہیں کہ وہ تنقیص جناب امیرؑ کرتا اور گالی دیتا۔ (۴) دوسرے موقع پر کہا سخت حملہ کرتا تھا جناب امیرؑ پر (۵) ابن عمار کہتے ہیں کہ وہ مشہور تھا بعداوت جناب امیر مگر اس پر بھی لوگ اس سے روایت کرتے۔ (۶) احمد بن سلیمان کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے بیان کہا کہ حریز کہتا تھا کہ ہم علیؑ کو دوست نہیں رکھتے کیونکہ انھوں نے ہمارے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا۔ (۷) یزید بن ہارون نے کہا کہ وہ کہتا تھا کہ تمھارا امام تمھارے لیئے اور ہمارا امام ہمارے لیے (۸) عمران بن یاس کہتے ہیں کہ حریز کہتا تھا کہ ہم علیؑ کو نہیں دوست رکھتے کیونکہ انھوں نے ہمارے آبا کو قتل کیا۔ (۹) اسمعیل ابن عیاش کہتے ہیں کہ ہم مکہ سے مصر تک ساتھ تھے تو وہ برابر سب جناب امیر کرتا اور حضرت پر لعنت کرتا (۱۰) ضحاک بن عبد الوہاب کہتا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے اور متہم ہے۔ (۱۱) اسمعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ وہ کہتا تھا یہ حدیث جو مشہور ہے۔ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ تو حضرت نے یوں فرمایا تھا انت منی بمنزلۃ قارون من موسیٰ مگر سامع نے غلطی کی اسی طرح بیان کیا ولید بن عبد الملک نے منبر پر۔ (۱۲) یزید بن ہارون کو ایک شخص نے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو اُسنے کہا خدا نے ہکو بخشدیا مگر اس پر عتاب کیا کہ کیوں ہم نے حریز بن عثمان سے روایت کی حالانکہ وہ دشمن جناب امیر تھا۔ (۱۳) الازدی نے ضعفا میں لکھا ہو روایت کیا ہو کہ حریز نے بیان کیا رسول اللہ نے جب چاہا اپنے بغلہ پر سوار ہوں تو حضرت علی نے آکر اُس کی رسّی کھولدی کہ حضرت گر پڑیں۔ ابن حجر کہتے ہیں۔ اسکو غالباً اس نے شاید ولید سے سنا تھا (۱۴) یحییٰ بن صالح وخاصی بیان کرتا ہے کہ حریز نے تنقیص جناب امیر میں ایک ایسی حدیث بیان کی کہ اس کا ذکر بھی مناسب نہیں۔ (۱۵) حدیث معقل نہایت منکر ہے کہ جو خدا سے ڈرتا ہو وہ ایسی روایت نہیں کرسکتا۔ (۱۶) یحییٰ بن صالح سے کسی نے پوچھا کہ حریز بن عثمان سے تو نے کوئی حدیث کیوں نہ لکھی کہا کیونکر ہم ایسے شخص سے روایت کرسکتے ہیں جس کے ساتھ سات برس تک ہم نے نماز پڑھی اور وہ مسجد سے اُسوقت تک نہ نکلتا کہ جب تک جناب امیرؑ پر ستّر مرتبہ لعنت نہ کرلیتا۔ (۱۸) ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ستّر مرتبہ صبح وشام لعنت کرتا تھا جناب امیر پر کسی نے پوچھا تو کہا اُنھوں نے ہمارے باپ دادا کو قتل کیا ہے۔ اور وہ داعی مذہب تھا اس کی حدیثوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)

اب فرمایئے جو شخص ایسا خارجی ہو کہ جناب امیر پر صبح وشام ستّر مرتبہ لعنت کرتا ہو اس سے احمد بن حنبل کا روایت کرنا اور اسکی توثیق کرنا کہ وہ ثقہ تھا ثقہ تھا کیسی خارجیت احمد بن حنبل کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ یہ اصول حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ جو راوی ایسا ہو کہ وہ اپنے مذہب کا داعی ہو اُس کی

روایت کسی طرح جائز نہیں۔

جناب امیر جو الزام قائم کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس کے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا تو بتصریح ذہبی یہ واقعہ جنگ صفین کا ہے جو سنہ ۳۶ ہجری کا واقعہ ہے اور اس ملعون کی موت سنہ ۱۶۳ھ میں ہوئی (میزان الاعتدال ص ۲۱۵) مگر وہ عداوت نہ گئی جس سے وہ صبح و شام گالیاں دیا کرتا جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جن صحابہ کے آباؤ اجداد یا اولاد کو جناب امیرؑ نے قتل کیا ان کو کس درجہ عداوت ہوگی اور کیا اسی کا بدلہ نہیں لیا گیا کہ حضرت کو خلافت سے محروم کیا اور جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کو اس بیکسی سے معرکہ کربلا میں شہید کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ بہر حال احمد بن حنبل پر جس وجہ سے خارجیت و ناصبیت کا الزام قائم ہے اسمیں بخاری بھی اُن کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب ہیں کیونکہ علاوہ اسکے کہ بخاری نے صدہا خوارج سے روایت کیا خود اس ابن حریز کی روایت بھی بخاری کے یہاں موجود ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لہ عند البخاری حدیثان فقط و ذکر اللالکائی ان مسلما روی لہ و ذالک وھم منہ (ص ۲۲۰)

کہ بخاری نے صرف دو حدیثیں اسکی لکھی ہیں اور لالکائی کہتے ہیں کہ مسلم نے بھی اس سے روایت کی ہو حالانکہ یہ وہم ہے۔

پھر لکھتے ہیں۔

وانما اخرج لہ البخاری لقول ابی الیمان انہ رجع عن النصب۔

کہ بخاری نے اس وجہ سے اس سے روایت کہ ابو الیمان نے کہا کہ اس نے توبہ کیا ناصبیت سے۔

مگر یہ عذر بھی کیا ہی معقول ہے کہ جس کی عمر ناصبیت میں کٹی اس کی نسبت ایک ابو الیمان کے کہنے سے بخاری نے مان لیا کہ اُس نے توبہ کیا حالانکہ ایسے ایسے صدہا راوی بخاری کے یہاں بھرے ہیں۔

غرض فرقہ اہل حدیث کو جو خارجیت اور ناصبیت و عداوت اہلبیت طاہرین میں آپ یاد و سرشار دیکھتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو ان کا معلّم اور استاد تھا احمد بن حنبل وہی ایسا ناصبی تھا کہ ایسے ایسے دشمنان جناب امیرؑ کو اپنا استاد بنایا تھا۔ پھر کیونکر اس عداوت سے یہ لوگ خارج ہو سکتے ہیں۔

احمد بن حنبل کی خارجیت اسی پر نہیں تمام ہوتی کہ وہ ایسے ایسے خوارج سے حدیثیں نقل کرتے ہیں بلکہ وہ ان لوگوں سے ہیں جو جناب امیرؑ کو جنگ جمل و صفین میں خاطی سمجھتے ہیں جیسا کہ منہاج السنۃ ابن تیمیہ میں ہے

وھذا لکان ائمۃ السنۃ کمالک واحمد بن حنبل وغیرھما یقولون ان قتالھم للخوارج مامور بہ واما قتال الجمل وصفین فھو قتال فتنۃ۔

یعنی جناب امیرؑ کا قتال کرنا خوارج سے تو البتہ مامور بہ تھا مگر قتال جمل و صفین جائز

نہ تھا کیونکہ وہ قتال فتنہ تھا۔

وھذا مذھب مالک واحمد بن حنبل والاوزاعی والثوری

یعنی یہی مذہب مالک واحمد بن حنبل واوزاعی بلکہ سفیان ثوری کا بھی ہے۔

پھر ان کی ناصبیت میں کیا عذر ہو سکتا ہے کیونکہ خود شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہمیں است مذہب اہلسنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود بر حق بود و مصیب ومخالفان او بر غیر حق و مخطی۔

اور یہی ہے مذہب اہلسنت کہ حضرت علی ع اپنی تمام لڑائیوں میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین حق کے مخالف اور خطا کار۔

جس سے معلوم ہوا کہ مذہب اہلسنت یہی ہے کہ جناب امیر کل محاربات میں خواہ جنگ جمل ہو یا صفین یا نہروان حق پر تھے۔ تو پھر بتائیے کہ احمد بن حنبل و مالک وغیرہ جو اسکے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں وہ اہلسنت سے ہیں یا خوارج سے۔

شاہ صاحب طعن متعہ میں لکھتے ہیں۔

پس ہر کہ غزوہ خیبر را تاریخ تحریم متعہ گوید گویا دعوی غلطی در استدلال حضرت مرتضیٰ می کند وایں دعوی شاید جہل وحمق او است۔

جس سے معلوم ہوا کہ جناب امیر کے استدلال میں غلطی کا دعوی کرنا مدعی کے جہالت وحماقت کی دلیل ہے تو پھر احمد بن حنبل و مالک وغیرہ کی حماقت وجہالت میں کیا عذر ہو سکتا ہے جو ان محاربات میں جناب امیرؑ کو بر سر خطا جانتے تھے۔ احمد بن حنبل کی کفر وجہالت کے لیئے یہی کافی ہے کہ وہ مجسمہ تھے یعنی اسکے قائل تھے کہ خداوند عالم کے جسم ہے جو آسمان سے اوترتا اور چڑھتا ہے جیسا کہ رسالۂ عقل وتہذیب المحدیث میں بالتفصیل مذکور ہے اور مسئلہ تفضیل کی تفصیل تنقید بخاری حصہ چہارم میں مکمل ہو چکی ہے یہاں اس قدر صرف اس وجہ سے لکھا گیا کہ اڈیٹر النجم نے دعوی کیا تھا کہ تفضیل شیخین پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے جسمیں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس مذہب کی ابتدا احمد بن حنبل سے ہوئی جو اعلیٰ درجہ کے خارجی اور ناصبی تھے المتوفی سنہ ۲۴۱ھ

جناب امیر ع کی تفضیل کی بارے میں عامر بن واثلہ کی نسبت ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں

وکانت الخوارج یرمونه باتصاله بعلی وقوله بفضله وفضل اهلبیته ولیس فی روایته باس (ص ۸۵ جلد ۳)

کہ چونکہ ان کو جناب امیر ع بہت خصوصیت تھی اسلیئے خوارج ان پر الزام لگاتے تھے اس امر کا کہ وہ جناب امیر ع کو اور تمام اہلبیت کو سب صحابہ سے افضل جانتے ہیں۔

آپ یہ سنکر اور بھی متعجب ہوں گے کہ باوصفیکہ یہ صحابی ہیں اور صحابہ کا ہر قصور اہلسنت کے یہاں مغفور ہے یہ ایسے قصور وار تھے کہ انسے حدیث کی روایت بھی ترک کردی گئی تھی۔ چنانچہ اسی تہذیب التہذیب میں ہے:۔

وقال ابن المدینی قلت لجریرا کان مغیرة یکرہ الروایۃ عن ابی الطفیل قال نعم

یعنی مغیرہ ان سے حدیث کی روایت کو مکروہ جانتے تھے

یہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ علمدار لشکر مختار تھے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مختار کیسے شخص تھے۔

(۲۲۱) **عامر بن ابی عامر اشعری**۔ حضرت نے حکم دیدیا تھا کہ عامر کے لیئے اذن طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد معاویہ کے پاس گئے تو وہاں بھی بلا اذن جاتے تھے انھوں نے عبدالملک کے عہد خلافت میں وفات کی (صـ۱۳۱ اسد الغابہ جلد ۵) مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۲۲۲) **طاہر بن عبداللہ بن جراح**۔ (ابو عبیدہ جراح) انکو بھی اس رسالہ سے زیادہ تعلق نہیں مگر چونکہ ان کا نام عشرہ مبشرہ میں لیا جاتا ہے اور بہت کچھ فضائل و مناقب ان کے لیئے بنائے گئے کہ حضرت نے امین ھذہ الامہ کا خطاب انکو دیا تھا لہذا مختصر حالات انکے گوش گذار کیئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ بزرگ کیسے تھے زیادہ تفصیل کے لیئے کتاب عبقات الانوار مجلد دوم حدیث مدینۃ العلم صـ۱۴۵ ملاحظہ ہو۔

بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب المناقب یہ حدیث لکھی ہے:۔

کہ حضرتؐ نے فرمایا ہر امت کے لیئے ایک امین ہوتا ہے اور امین اس امت کے ابو عبیدہ جراح ہیں

دوسری روایت یہ لکھی ہے:۔

قال النبیؐ لاھل نجران لا یعثن یعنی علیکم امینا حق امین فاشرف اصحابہ فبعث ابا عبیدہ

کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہم تم پر ایک امین بھیجیں گے جو پورا امین ہوگا تو تمامی صحابہ نے گردن بلند کی مگر حضرتؐ نے ابو عبیدہ کو بھیجا۔

مگر افسوس یہ حدیث ایسی ہے کہ کوئی عاقل ایک منٹ کے لیئے بھی نہیں تسلیم کرسکتا کیونکہ راوی اول انس بن مالک ہیں جو دشمنان جناب امیرؑ سے ہیں اُن کے مختصر حالات اس رسالہ میں مذکور ہوچکے ہیں۔

دوسرا راوی ابو قلابہ ہے جس کا نام عبداللہ بن زید ہے تہذیب التہذیب میں ہے:۔

وکان یحمل علی علیؑ ولم یرو عنہ شیئا (صـ۲۲۵ جلد ۵)

یعنی یہ دشمن جناب امیرؑ تھا اور حضرت سے ایک حدیث بھی اس نے نہ روایت کی۔

علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:۔

ثقة فی نفسه الا انه یدلس عمن لحقهم وعمن لم یلحقهم وکان له صحف یحدث منها ویدلس۔

یہ بجائے خود ثقہ ہے لیکن تدلیس کیا کرتا تھا جس سے ملاقات کیئے ہو تا یا نہ کیے ہو تا سب میں تدلیس کرتا اسکے پاس چند کتابیں تھیں انھیں سے حدیثیں بیان کرتا اور خلط ملط کرکے بیان کرتا۔

کتاب التبیین لاسماء المدلسین میں بھی میزان کے حوالہ سے یہی جملہ اسکے متعلق درج ہے۔ تدلیس کے بارے میں تمام علماء کا بیان ہے:۔

وهذا خیانة منهم علی الشرع مقصودهم تنفیق احادیثهم

(تلبیس ابلیس ابن جوزی)

یہ شرع میں خیانت ہے اور مقصود اس سے صرف اپنی حدیثوں کا رواج دینا ہوتا ہے۔

غور فرمایئے اس روایت کی قدر وقیمت کیا ہوئی جبکہ اسکے پہلے راوی انس بھی پایۂ اعتبار سے ساقط دوسرے راوی ابو قلابہ دشمن جناب امیر اور مدلس اور تیسرا عیب یہ کہ ابو قلابہ احمق بھی تھا تہذیب التہذیب میں ہے کہ ابن التین شارح بخاری ناقل ہیں کہ ابو قلابہ نے عمر بن عبد العزیز سے قسامہ کے متعلق کوئی مسئلہ بیان کیا اور عمر ابن عبد العزیز نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس پر ابو الحسن علی بن محمد قابسی مالکی لکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز پر حیرت ہے کہ باوجود خود بڑے عالم ہونے کے ابو قلابہ کی بات کیسے مان لی ابو قلابہ نہ فقہا تابعین سے تھا بلکہ وہ تو لوگوں کے نزدیک احمقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۲۶)

کتنے تعجب کی بات ہے ایسے احمق مدلس اور دشمن جناب امیر کی روایت ابو عبیدہ کے فضائل میں نقل کی جاتی ہے اور اس روایت کو صحیح بخاری و مسلم میں جگہ دی جاتی ہے۔

عداوت جناب امیر کا نتیجہ یہیں تمام نہیں ہوتا کہ یہ مدلس اور احمقوں میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ میزان الاعتدال کے حاشیہ پر مذکور ہے کہ ابو قلابہ جذام میں مبتلا ہو کر مرا ہاتھ پیر آنکھیں سب غائب ہو چکی تھیں۔

تیسرا راوی خالد بن مہران حذاء ہیں جنھوں نے ابو قلابہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے انکے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے:۔

قال ابو حاتم یکتب حدیثه ولا یحتج — حدیث اس کی لکھی تو جائے مگر قابل احتجاج واستدلال نہیں۔ (جلد ۳ ص ۱۲۰)

پھر تعجب ہے کہ بخاری ایسے شخص کی روایت اپنی صحیح میں درج کریں مگر وہ کرتے تو کیا ابو عبیدہ کے فضائل کے لیئے بجز ایسے مجروح راویوں کے اور راوی کہاں مل سکتا ہے۔

تہذیب التہذیب میں ہے یہ خالد بن مہران بصرہ میں چنگی تحصیل کرنے پر مقرر تھا اسی سلسلہ میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

بظاہر یہ سارے اعتراضات جو اُس پر کیئے جاتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ آخر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ سلطنت کے امور میں داخل ہوا تھا۔

غرض کوئی بھی وجہ ہو یہ طے شدہ ہے کہ خالد مجروح ہے لہذا اس کی بیان کردہ روایت امین ھذہ الامۃ قطعی طور پر ناقابل التفات ہے۔

چوتھا راوی عبدالاعلی ہے جسکے متعلق علامۂ ذہبی لکھتے ہیں:۔

"محمد بن سعد اسکے متعلق کہتے تھے کہ یہ قوی نہیں ۱۸۹ھ میں مرا امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص فرقہ قدریہ کے عقائد رکھتا تھا ہزار کہتے تھے قسم بخدا وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کون پیر اُس کا بڑا ہے"

(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲)

ان حقائق کی روشنی میں بخاری کی پہلی روایت جو ابو عبیدہ کے مناقب میں مذکور ہے جس میں ابو عبیدہ کے خطاب امین ہذہ الامہ کا تذکرہ ہے کسی کام کی نہیں رہتی رہ گئی دوسری روایت جو اسی باب المناقب میں بایں الفاظ ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا "ہم ضرور امین کو روانہ کریں گے اور اسکے بعد ابو عبیدہ کو روانہ کیا" تو اسکے راوی ابو اسحاق سبیعی ہیں جنکے بارے میں علامۂ ذہبی لکھتے ہیں:۔

جریر مغیرہ سے روایت کرتے ہیں مغیرہ کہتے تھے کہ حدیث اہل کوفہ کو ابو اسحاق اور اعمش نے غارت کیا تو ی کہتے تھے کہ بعض اہل علم نے بیان کیا کہ ابو اسحاق آخر میں سٹری ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے لوگوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۶۲)

اس ابو اسحاق کو معاویہ کے یہاں سے تین سو ماہانہ ملا کرتے تھے ظاہر ہے اس نے ان کی خواہش کے مطابق کافی حدیثیں گڑھی ہوں گی۔ علامۂ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

ابن حبان نے کتاب الثقاۃ میں لکھا ہے کہ یہ ابو اسحاق مدلس تھا تدلیس کے متعلق ہم سبط ابن جوزی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ وہ خیانت ہے شرع میں، حسین کرابلیسی اور ابو جعفر طبری نے بھی اسے مدلسین میں شمار کیا ہے۔ ابن مدینی اپنی کتاب العلل میں لکھتے ہیں۔ شعبہ نے کہا میں نے ابو اسحاق کو حارث بن ازمع کے حوالہ سے حدیث بیان کرتے سنا میں نے پوچھا کیا تم نے خود حارث سے یہ حدیث سُنی ہے اس نے کہا مجھ سے مجالد نے بیان کیا مجالد نے شعبی سے سنا شعبی نے حارث سے سنا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق جب کسی راوی کا نام لیتا تو ہم کہتے یہ تو تجھ سے بڑا ہے اگر کہتا کہ ہاں تو ہم سمجھتے اس سے ملاقات ہوئی ہوگی اور اگر کہتا کہ ہم اس سے بڑے ہیں تو چھوڑ دیتے اسکی بیان کردہ حدیث قبول نہ کرتے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۶۷)

طرہ تو یہ ہے کہ ابو اسحاق ایسا شخص تھا کہ عمر بن سعد ایسے شقی سے اس نے حدیثیں روایت کی ہیں جو امام حسینؑ کا قاتل تھا۔ علامۂ ذہبی لکھتے ہیں:۔

عمر ابن سعد اگرچہ فی نفسہ غیر متہم ہے لیکن یہ امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھا اور بہت سے زشت و زبوں افعال اس سے سرزد ہوئے شعبہ نے ابو اسحاق سے ایک حدیث روایت کی جسے اس نے عزار بن حریث سے سنا تھا اور اُس نے عمر بن سعد سے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تجھے خوف خدا نہیں کہ عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے اس پر وہ رونے لگا اور کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا عجلی کہتے ہیں بہت سے لوگوں نے عمر ابن سعد سے روایت کی ہے اور وہ ثقہ تابعی تھا احمد بن زہیر کہتے ہیں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کیا عمر ابن سعد ثقہ تھا کہا جو شخص قاتل امام حسینؑ ہو وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے۔

(میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۳۲)

اب تو کسی متنفس کو بھی بخاری کی ناصبیت و خارجیت میں شک نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ ایسے ایسے راویوں کی بیان کردہ حدیثیں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں جنھوں نے قاتلان امام حسین سے حدیثیں سنی اور روایت کی تھیں۔

اس پر بھی اہلسنت ندامت نہیں محسوس کرتے جو دعوائے ولائے اہل بیت طاہرین کرتے ہیں حالانکہ خود اُنکے صحاح ستہ ایسے راویوں کی بیان کردہ حدیثوں سے بھرے ہوئے ہیں جنھوں نے امام حسین کے قاتلوں سے حدیثیں روایت کی ہیں امام عجلی کی تصریح بیان کی جا چکی کہ عمر بن سعد تابعی تھا اور ثقہ تھا اور اس سے بہت سے لوگوں نے روایت کی یعنی ایک ابو اسحاق سبیعی ہی پر منحصر نہیں بلکہ بہت سے علماء اہل حدیث نے اس سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ علامۂ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

عمر ابن سعد بن ابی وقاص زہری اسکی کنیت ابوحفص تھی مدینہ کا رہنے والا تھا کوفہ میں سکونت اختیار کی اس نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے اور ابو سعید خدری سے حدیثیں روایت کیں اس سے ابراہیم اور اُسکے پوتے ابو بکر بن حفص ابن عمر، ابو اسحاق سبیعی، عیزار بن حریث، یزید بن ابی مریم، قتادہ، زہری، اور یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے حدیثیں روایت کیں۔ عجلی نے کہا کہ عمر ابن سعد نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے کئی حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں نے اس عمر بن سعد سے حدیثیں روایت کیں یہ ثقہ اور تابعی ہے اور اسی نے حسینؑ کو قتل کیا۔ ابن ابی خثیمہ نے اپنے اسناد سے روایت کی ہے کہ ابن زیاد نے عمر سعد کو لشکر کے ساتھ بھیجا تاکہ حسینؑ سے جنگ کرے اور شمر بن ذی الجوشن کو بھیجا اور کہا تو بھی عمر بن سعد کے ساتھ جا اگر وہ حسینؑ کو قتل کرے تو خیر ورنہ تو حسینؑ کو قتل کرنا اور لشکر کی سرداری تجھے حاصل رہے گی۔ ابن ابی خثیمہ ابن معین سے روایت کرتا ہے کہ حسینؑ کو جس نے قتل کیا وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے۔ عمر بن علی کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن سعید کو سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے

اسماعیل نے بیان کیا اس سے عیزار نے بیان کیا اس سے عمر ابن سعد نے کہا اس پر موسیٰ نامی ایک شخص نے جو بنی ضبیعہ سے تھا کہا ابو سعید یہ عمر بن سعد تو قاتل حسینؑ ہو گیا ہم اس سے روایت کرتے ہو اس پر وہ خاموش ہو گئے ابن خراش نے عمر ابن علی سے بھی ایسی روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ ایک شخص نے کہا کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا تو عمر بن سعد سے روایت کرتا ہے وہ رونے لگا اور کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔

حمیدی کہتے ہیں کہ:۔

ہم سے سفیان بن سالم نے بیان کہ ایک روز عمر بن سعد نے امام حسینؑ سے کہا ایک جماعت بے عقلوں کی خیال کرتی ہے کہ میں آپ کو قتل کروں گا امام حسینؑ نے فرمایا وہ بے عقل نہیں قسم خدا کی اے عمر ابن سعد ہمارے بعد تو ملک عراق کا گیہوں بہت کم کھانے پائے گا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۴۵۱)

اب اس سے بڑھ کر کیا عزت افزائی قاتلان امام حسینؑ کی ہو سکتی ہے کہ ادھر وہ امام حسینؑ کو قتل کرتے ہیں اور ادھر صحاح ستہ اہلسنت کے راوی بنتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی اپنی درجہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عمر بن سعد سے حضرت ابو اسحاق سبیعی ہی نہیں حدیثیں روایت کرتا بلکہ اس کا بیٹا ابراہیم پوتا ابو بکر بن حفص نیز اور بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں اور وہ سب صحاح ستہ کے رواۃ سے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کا کربلا میں شہید ہونا اور عمر وعاص کا قاتل ہونا ایسا مشہور رہا کہ اس زمانہ کے لوگ قبل از واقعہ مطلع تھے اور عمر بن سعد نے بھی اسکو سنا اور امام حسینؑ سے دریافت کیا حضرت نے اسکی تصدیق فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ تو بھی ہمارے بعد بہت کم زندہ رہو گا مگر اس پر بھی شقاوت اس پر غالب رہی اور آخر آپ کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے رہا۔

مگر ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں دنیا چیز ہی ایسی ہے کہ جو کچھ نہ ہو کم ہے مگر حیرت و تعجب علمائے اہلسنت سے ہے جو ایسے ایسے ملاعین سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور اُن کی روایات سے صحاح ستہ کو زینت دیتے اور اسکے مدعی ہوتے ہیں کہ قاتلان امام حسینؑ سب شیعہ تھے اس بیحیائی کا کیا علاج ہے۔

ابو اسحاق سبیعی جو اس حدیث امانت ابی عبیدہ کا راوی ہے صرف عمر بن سعد ہی سے روایت نہیں کرتا بلکہ شمر سے بھی اس نے حدیثیں روایت کی ہیں عمر سعد کی طرح شمر بھی اُسکا استاد حدیث ہے۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

"شمر بن ذی الجوشن اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور ابو اسحاق سبیعی اس سے روایت کرتا ہے۔ مگر شمر اس قابل نہیں کہ اس سے حدیثیں روایت کی جائیں یہ قاتلان امام حسینؑ سے ہے جسکو مختار کے رفقائے وانصار نے قتل کیا ابو بکر بن عیاش ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں ابو اسحاق کہتا ہے کہ شمر ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور کہتا تھا خدایا ہم شریف ہیں ہم کو بخشدے ہم نے کہا کیونکر تو بخشا جا سکتا ہے حالانکہ تو نے فرزند رسولؐ کے قتل پر مدد کی تو اس نے کہا کہ ہمارے حاکموں نے اس کا حکم دیا پھر اگر اسکو انجام نہ دیتے تو ان گدھوں

سے بھی بدتر ہوئے۔

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ:۔

یہ عذر تو اور بھی قبیح ہے کیونکہ اطاعت نیک کام میں ہوتی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۴۹)

اب تو کسی کو اس میں عذر نہیں ہوسکتا کہ شمر بھی اہلسنت بلکہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہے کیونکہ بخاری نے ابواسحاق سبیعی سے حدیثیں روایت کیں ابوسحاق نے شمر سے حدیثیں لیں اب اس سے بڑھکر قاتلان امام حسین کی کیا عزت افزائی ہوسکتی ہے کہ وہ رواۃ صحیح بخاری کا استاد تھا۔

معلوم ہوتا ہے علامہ ابن حجر کو شرم آئی جو اس کے نام کو تہذیب التہذیب میں درج نہ کیا ورنہ اسکا نام نہ لکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی جبکہ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ میں تذکرہ کرچکے تھے:۔

ولہ حدیث عند ابی داؤد من طریق ابی اسحاق عنہ ویقال انہ لم یسمع منہ وانما سمعہ من ولدہ شمر۔

یعنی ابوداؤد کے یہاں ذی الجوشن کی روایت ہے بواسطہ ابی اسحاق اور کہا جاتا ہے کہ ابواسحاق نے خود ذی الجوشن سے نہیں سنا بلکہ اسکے بیٹے شمر سے سنا تھا۔

غرض امین ھذہ الامۃ کی روایت جو بخاری میں ہے وہ اسی ابواسحاق سبیعی کے واسطہ سے ہے جو مدلس بھی تھا اور دشمن اہلبیت طاہرین بھی تو کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ روایت یا یہ کتاب صحیح ہوسکتی ہے

تیسرا طریق اس روایت کا وہ ہے جو بخاری نے کتاب المغازی میں لکھا ہے اس رواۃ حسب ذیل ہیں:۔

عباس بن حسین ۔ یحیٰی بن آدم ۔ اسرائیل ۔ ابواسحاق سبیعی ۔ صلہ بن زفر۔

راوی اول عباس حسین قنطری ہے اسکے متعلق علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وقال ابن ابی حاتم عن ابیہ مجہول۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۱۱)

تیسرا راوی اسرائیل ہے اسکے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

اسرائیل پوتے ہیں اسی اسحاق سبیعی کے ابن مدینی کہتے ہیں وہ ضعیف ہے ۔ یحیٰی القطان اسکی مذمت کرتے تھے اس سے ناراض تھے نہ اس سے روایت کرتے تھے نہ شریک سے۔

(میزان الاعتدال صفحہ ۸۴)

علامہ حجر عسقلانی لکھتے ہیں

ابن حزم نے اسکو مطلقاً ضعیف کہا ہے اور ان حدیثوں کو رد کردیا ہے جن کا وہ راوی تھا۔

عثمان بن ابی شیبہ، عبدالرحمان بن مہدی کے حوالہ سے بیان کرتے کہ وہ چور تھا جو حدیثوں کو چرایا کرتا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۶۳)

پھر کیوں نہ وہ اس حدیث کا راوی ہو کہ ابو عبیدہ اس امت کے امین تھے جبکہ خود چور تھا۔ کیا کیا خوبصورت راوی بخاری کو ملے تھے۔

چوتھے راوی وہی ابو اسحاق ہیں جو اسرائیل کے دادا تھے جن کا تفصیلی ذکر ابھی کچھ دیر پہلے کیا جا چکا ہے۔

طریق چہارم امین ھذہ الامہ والی روایت کو بخاری نے چوتھے طریقہ سے کتاب المغازی میں لکھا ہے اسکے حسب ذیل راوی ہیں:۔

محمد بن بشار۔ محمد بن جعفر۔ شعبہ۔ ابو اسحاق۔ صلہ بن زفر۔

پہلے راوی محمد بن بشار ہیں جو بندار کے نام سے مشہور ہیں ان کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کذب بہ الفلاش فلاش نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ اسکے بعد لکھتے ہیں:۔

عبد اللہ دورقی کا بیان ہے کہ ہم لوگ یحییٰ بن معین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بندار کا ذکر چھڑا کیا میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ انھوں نے بندار کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسکو ضعیف قرار دیتے تھے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۳۹)

علامہ ابن حجر نے بھی تقریباً وہی عبارت لکھی ہے جو ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھی ہے نیز وہ لکھتے ہیں:۔

عمر بن علی بہ قسم کہا کرتے کہ بندار نے یحییٰ سے جتنی روایتیں کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں ....

عبد اللہ بن علی مدینی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے بندار کی اس حدیث کے متعلق جو اس نے بسلسلہ اسناد پیغمبر سے روایت ہے کہ تسحروا فان فی السحور برکۃ سحری کھاؤ کہ سحری میں برکت ہے دریافت کیا۔ تو میرے باپ نے کہا یہ جھوٹ ہے اور انھوں نے سخت انکار کیا۔ یحییٰ بن معین کے سامنے اسکا تذکرہ ہوا تو انھوں نے مطلق اہمیت نہ دی اسی طرح تواریری بھی اسکو پسند نہ کرتا تھا اور کہتا تھا یہ کبوتر باز ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۰)

پھر بتایئے ایسے شخص کی روایت کب اس قابل ہو سکتی ہے کہ وہ صحیح سمجھی جائے امام عجلی کہتے ہیں کہ وہ عاشق تھا پھر کیوں نہ ایسی روایت کرے کہ ابو عبیدہ امین ھذہ الامہ ہیں۔

دوسرا راوی محمد بن جعفر غندر ہے میزان میں اس کے متعلق ہے کان مغفلاً یہ احمق تھا۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی میں بھی تقریباً یہی لفظیں ہیں اس کا نام غندر ابن جریح نے رکھا کیونکہ بہت فساد جھگڑا کرتا اور ایسے شخص کو اہل حجاز غندر کہتے ہیں۔ یحییٰ بن معین حکایت کرتے ہیں کہ غندر ایک روز مچھلی خرید کر لایا اور گھر والوں کو پکانے کو کہہ کر سو گیا ان لوگوں نے مچھلی کو تو کھا ڈالا اور اسکے ہاتھ میں شوربہ لگا دیا جب یہ بیدار ہوا تو کہا مچھلی لاؤ سبھوں نے کہا واہ تم تو کھا کر سو رہے تھے اپنے ہاتھ سونگھ لو جب سونگھا تو اس سے مچھلی کی خوشبو آئی۔

تذکرہ ذہبی اور تہذیب التہذیب ابن حجر میں ہے:۔

عن ابن معین قال قدمنا علی غندر فقال لا احدثکم حتی تمشوا خلفی فیراکم اهل السوق فیکرمونی۔ جلد ۵ ص۹۰

یحییٰ بن معین کہتے تھے ہم لوگ حدیث سننے غندر کے پاس گئے تو اس نے کہا جب تک ہمارے پیچھے پیچھے بازار میں نہ چلوگے کہ لوگ دیکھیں اور ہماری تعظیم کریں تب تک ہم حدیث نہ بیان کرینگے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا جب اسکے پیچھے چلے تو راستہ میں لوگ اس پوچھتے اے ابوعبداللہ یہ کون لوگ ہیں تو یہ کہتا یہ اصحاب حدیث ہیں جو بغداد سے ہمارے پاس حدیثیں سننے اور لکھنے کے لیے آئے ہیں۔

اب اس سے بڑھ کر اس شخص کی دنیاداری کی کیا دلیل ہوسکتی کہ اس غرض سے کہ لوگ اسکی قدر و منزلت کریں شاگردوں سے خواہش کرتا کہ ہمارے پیچھے پیچھے بازار میں چلو ایسے ہی لوگوں کا علاج حضرت عمر نے درّہ تجویز کیا تھا جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے۔

ایک دفعہ عمر کا گذر ہوا اور سعد بن ابی وقاص تعظیم کے لیے نہیں اٹھے تو حضرت عمر نے ان پر درّہ چلادیا اور کہا اگر خلافت سے نہیں ڈرتے تو خلافت بھی تم سے نہیں ڈرتی۔ ابی ابن کعب ایک دفعہ جارہے تھے اور کچھ لوگ اُن کے ساتھ پیچھے پیچھے جارہے تھے عمر نے دیکھا تو درّہ چلادیا اور کہا یہ ذلت ہے تابع کے لیے اور فتنہ ہے متبوع کے لیے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۴۱)

تیسرا راوی وہی ابو اسحاق سبیعی ہے جس کا تفصیلی تذکرہ کیا جاچکا کہ وہ عمر سعد اور شمر بن ذی الجوشن ایسے مغضوبوں سے حدیثیں لیا کرتا تھا۔

طریق پنجم۔ بخاری نے امین ھذہ الامہ والی روایت کو باب المغازی میں پانچویں طریق سے بھی لکھا اس روایت کے راوی وہی ابو قلابہ اور خالد بن حذاء ہیں جن کی قدح مذکور ہوچکی۔

اخبار الاحاد میں بھی بخاری نے اس امین ھذہ الامۃ والی روایت کو دو طریقوں سے لکھا مگر ان سب کے راوی وہی ابو اسحاق سبیعی خالد بن حذاء اور ابو قلابہ ہیں پھر کیونکر اس کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے پیغمبر خدا نے ابو عبیدہ کو امین ھذہ الامہ کا خطاب دیا حالانکہ ایک حدیث بھی اہلسنت کے مقررہ قواعد کے مطابق صحیح نہیں اُتری، صحیح مسلم میں بھی یہی روایت چار طریقوں سے مروی ہے پہلے طریق میں ابو قلابہ اور خالد بن حذاء کا نام ملتا ہے جنکی قدح مذکور ہوچکی اس کے علاوہ ایک راوی اسمعیل بن علیہ بھی ہیں جن کے بارے میں میزان الاعتدال میں ہے۔

سہیل بن شاذویہ روایت کرتے ہیں میں نے علی بن حزم کو کہتے سنا کہ میں نے وکیع سے کہا ابن علیہ کو میں نے نبیذ پیتے دیکھا اتنا پیتا تھا کہ گدھے پر لاد دیا جاتا اور محتاج ہوتا کہ کوئی اسکو گھر تک پہونچادے۔

مسلم کی پہلی روایت یوں غارت ہوئی۔ دوسری روایت کا مدار ثابت بنانی پر ہے جس کے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے قال یحیی القطان اختلط۔ یحییٰ القطان کہا کرتے کہ سڑی ہوگیا

تھا۔ اور اسی طریق میں ایک راوی حماد بن سلمہ ہیں جن کے بارے میں اسی تہذیب میں ہے و تغیر حفظہ بالآخر اس کا حافظہ آخر میں خراب ہو گیا تھا۔

ایک راوی اس کا عمر بن ناقد ہے جسکی علی بن مدینی نے قدح کی ہے اور کہا ہے ھذا کذب لم یرو یہ صریحی جھوٹ ہے۔

تیسرا طریق بروایت ابو اسحاق سبیعی ہے جس کی قدح مذکور ہو چکی۔ چوتھی روایت بھی ابو اسحاق سبیعی کی ہے۔

ایک اور روایت اسی مضمون کی حسین بن محمد بغدادی سے مسلم نے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا۔

ابو عبیدہ امین ھذہ الامۃ و ان حبر ھذہ الامۃ ابن عباس۔ ابو عبیدہ اس امت کے امین اور ابن عباس اس امت کے عالم ہیں۔

اس کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں اور ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں ھذا باطل۔ یہ حدیث قطعی باطل ہے۔

اب لقب امین ھذہ الامۃ

ان روایات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ پیغمبر خدا نے ابو عبیدہ کو ہرگز یہ لقب نہیں دیا کیونکہ

اسکے متعلق جتنی بھی روایتیں صحیح بخاری صحیح مسلم میں درج ہیں ایک روایت بھی معیار تحقیق پر پوری نہیں اُترتی لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اسکی مزید تحقیق کے لیے دوسرے فریق کی روایات پر بھی نظر کریں۔

علامہ مجلسی کی مشہور تصنیف حیاۃ القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ میں ہو کہ۔

جب آں حضرتؐ جناب امیرؑ کو بمقام غدیر علی الاعلان اپنا خلیفہ و جانشین کر چکے اور فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ تو صحابہ سے ۱۴ آدمیوں نے آپس میں عہد کیا کہ خلافت کو خاندان رسالت میں نہ رہنے دینگے اور ہر شخص اسکا اعلان کرے کہ رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کیا اس مضمون کا ایک اقرار نامہ لکھا گیا جس کا کاتب سعید بن عاص تھا اور وہ نوشتہ ابو عبیدہؓ کے پاس بطور امانت رکھا گیا جو بعد کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ رسالتمآبؐ نے اس واقعہ کو سنکر ابو عبیدہؓ سے کہا تمھیں کس چیز سے مثال دی جائے جبکہ تم اس نوشتہ کے امین ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر لکھتے ہیں کہ یہ خدا کیطرف سے ہے اسکے بہت معمولی قیمت حاصل کرتے ہیں ویل ہو اس چیز کے لیے جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہو اور ویل ہے انکی کمائی پر۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۱۳)

چونکہ اس کا التزام ہے کہ روایات شیعہ سے ہم کام نہیں لینگے لہٰذا اصل روایت درج نہیں کی صرف اسکا حوالہ دیدیا کہ معلوم ہوا ابو عبیدہ کو امین ھذہ الامۃ جو خطاب دیا گیا وہ اسی نوشتہ کی امانت داری پر دیا

پر دیا گیا ہے۔ تمام عالم کو معلوم ہے کہ کسی امت میں یہ عہدہ کسی کو نہیں دیا گیا توریت وانجیل تمام عالم میں مشہور ہیں اگر یہ کوئی عہدہ ہوتا تو اس کا ذکران کتابوں میں یا کتب تواریخ میں ضرور ہوتا مگر واقعہ یہ ہے کہ کہیں نام و نام نشان بھی اسکا نہیں پھر کیونکر ممکن ہے کہ رسول اللہ فرمائیں ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ ہے۔

اگر ہم اس روایت حیات القلوب کی تصدیق کتب اہل سنت سے کرنا چاہیں تو بہت آسانی سے تصدیق ہو سکتی ہے کیونکہ اصل واقعہ تو یقیناً موجود ہے البتہ نام میں ذرا دشواری ہو گی کیونکہ حضرات اہلسنت نے اُن ناموں کو اڑا دیا ہے بروایت حیات القلوب حسب ذیل حضرات اس معاہدہ میں شریک تھے۔

ابو بکر۔ عثمان۔ طلحہ۔ عبد الرحمان بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ معاویہ بن ابو سفیان۔ عمرو بن العاص۔ ابو قرش اشعری۔ مُغیرہ بن شعبہ۔ اوس بن حدثان۔ ابو ہریرہ۔ ابو طلحہ انصاری۔

سالم مولیٰ ابی حذیفہ بھی اسکے بعد شریک ہوئے اسکے علاوہ اور بھی چند منافق تھے جنکی تعداد چوبیس ہو گئی ہم بہ نظر اختصار اور باتوں کو ترک کر کے صرف اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ بقول اہلسنت پیغمبر خدا نے ابو عبیدہ کو امین هذه الامة کا جو لقب عطا کیا تو واقعات سے کہاں تک اسکی صداقت ثابت ہوتی ہے اور ان سے امانتداری کے کیسے کیسے مظاہرے ہوئے سب سے پہلے جو واقعہ پیش آیا وہ وفات رسول کا ہے۔ پیغمبر کی رحلت کے بعد جب ابو بکر و عمر سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ ابو عبیدہ بھی تھے۔ حالانکہ اگر بفرمودۂ رسول یہ امین ہوتے تو امانتداری کا تقاضا یہ تھا پیغمبر کے جسد اطہر کی حفاظت اسکے احترام میں فرق نہ آنے دیتے اگر بقول اہلسنت یہ لقب خود رسول اللہ نے دیا تھا تو کب ممکن تھا کہ وہ بلا دفن و کفن رسول قصد کرتے کہ سقیفہ میں جاتے اور وہاں سرگرم مجادلہ و مکابرہ ہوتے۔

وہاں پہونچکر حضرت ابو بکر کہتے ہیں عمر یا ابو عبیدہ کی بیعت کرلو۔ مگر نہیں کہتے کہ رسول اللہ نے انکو امین هذه الامة کا خطاب دیا ہے اگر واقعاً رسول نے انکو یہ خطاب دیے ہوتے تو اس سے بہتر کوئی موقع اس خطاب کے یاد دلانے کا نہ تھا۔

ایک اور پیچیدگی جس کا یہاں حضرات اہلسنّت کو سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر کے فضائل و مناقب کی بہت سی حدیثیں درج ہیں جس سے اُنکے استحقاق خلافت پر روشنی پڑتی ہے مگر یہاں سقیفہ میں کسی کو وہ حدیثیں یاد نہیں آتیں بلکہ کہا جاتا ہے تو یہ کہ ابو عبیدہ یا عمر کی بیعت کرلو۔ کوئی نہیں کہتا کہ ابو بکر کے متعلق تو رسول اللہ ایسا ایسا فرما چکے ہیں۔ بہر حال سقیفہ میں نہ تو ابو بکر کے فضائل کی حدیثیں کسی کو یاد آئیں نہ ابو عبیدہ کے متعلق امین هذه الامه کا کوئی حوالہ دیتا ہے اس سے یہ تو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ امین هذه الامة کا خطاب بالکل خانہ ساز ہے اور بعد کی پیداوار

ہے رسول اللہ کی لب و زبان سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا موقع ابو عبیدہ کی امانت داری کے ظاہر ہونے کا اس وقت پیش آتا ہے جبکہ جناب امیرؑ ابو بکر کی بیعت کے لیے طلب کیے جاتے ہیں اور آپ اپنے استحقاق خلافت کو ظاہر کرتے ہیں اور معاملہ طے ہو جاتا ہے ابو بکر کہتے ہیں کہ جب تک سیدہ زندہ ہیں ہم مجبور نہیں کر سکتے مگر ابو عبیدہ کہتے ہیں:-

اے پسر عم تم ابھی کمسن ہو اور یہ لوگ سن رسیدہ افراد ہیں تم کو ایسا تجربہ اور معرفت نہیں حاصل ہے ابو بکر کو ہم جہاں تک جانتے ہیں تم سے اس امر میں زیادہ قوی ہیں اور قوت تحمل و استطلاع میں وہ بڑھے ہوئے ہیں لہٰذا اس خلافت کو ان کے حوالے کر دو اگر تم زندہ رہے اور زمانہ نے طول کھینچا تو تم بوجہ فضل و دین و فہم و سابقہ و نسب و صہر ہر طرح اسکے لائق اور مستحق ہو" (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۹)

غور فرمائیے کہ یہ کلام ایمانداری و امانتداری کے مناسب ہے یا نہیں؟ کیونکہ جناب امیرؑ کا استدلال یہ تھا کہ تم نے بوجہ قرابت رسولؐ اس امر کو انصار سے حاصل کیا اور انھوں نے اسیوجہ سے خلافت تم کو دیدیا تو اب دیکھو ہم زیادہ قریبی ہیں یا تم لوگ؟

ابو عبیدہ ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں تم میں فضل بھی ہے دین بھی ہے علم بھی ہے سابقہ و قرابت و رشتہ دامادی بھی ہے مگر بوجہ معاہدہ سابقہ یہ رائے دیتے ہیں کہ چونکہ تم کمسن ہو اور یہ لوگ بزرگ ہیں لہٰذا خلافت انکے حوالے کر دو۔ آخر یہ کس قسم کی امانت داری ہے۔ مقتضائے امانت داری تو یہ تھا کہ ابو عبیدہ یہ کہتے چونکہ رسول اللہ آپ کو خلیفہ کر چکے ہیں لہٰذا کسی کو مداخلت کا حق نہیں۔ یہ ایمان داری کی تقریر تھی اور اگر نص رسولؐ کو کسی لائق نہ جانتے تھے تو یہی کہتے کہ چونکہ خلافت کا مدار پنچائت پر ہے اور ابو بکر کو خلیفہ مان لیا گیا ہے آپ کو مداخلت کا حق نہیں۔ یہ فیصلہ مقتضائے غیبہ داری کے مطابق ہوتا نہ یہ کہ حقوق تو جناب امیرؑ کے تسلیم کریں اور بات یوں بنائیں کہ یہ بڑھے ہیں لہٰذا اسی کو مان لو۔

کیا کوئی ایماندار جج ایسا فیصلہ کر سکتا ہے کہ حقدار تو تم ہو مگر اپنے حق سے باز آؤ اب دیکھئے جناب امیرؑ نے اس کا کیا جواب دیا۔ اسی کتاب الامامۃ میں ہے۔

" جناب امیرؑ نے فرمایا اللہ اللہ اے معاشر مہاجرین سلطنت محمدؐ کو ان کے خاندان سے نکال کر عرب کی طرف نہ لیجاؤ۔ (جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اس کا پورا علم تھا کہ کیا معاہدہ ہو چکا ہے) پھر فرماتے ہیں :-

سلطنت محمدیہ کو ان کے خاندان سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لیجاؤ (جس سے معلوم ہوا کہ حضرت جانتے تھے یہ کارروائی خاص اسی غرض سے کی گئی ہے)

حضرت بتصریح فرماتے ہیں کہ:-

یہ صریح ظلم ہے کہ تم حقداروں کو محروم کر کے اپنے لوگوں میں لیجاتے ہو اور اس درجہ اور شان کو مٹاتے ہو جو ہم لوگوں کو حاصل ہے۔

پھر حضرت فرماتے ہیں کہ :-

اے گروہ مہاجرین خوب سمجھ لو کہ ہم سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم اہلبیت ہیں اور سب سے زیادہ اسکے حقدار ہیں

حضرت اس پر ترقی فرماتے ہیں کہ :-

صرف ہم ہی اسکے حقدار نہیں ہیں بلکہ جب تک ہمارے خاندان میں ایک شخص بھی رہے گا وہ حقدار ہوگا کیونکہ قاری کتاب اللہ فقیہ فی دین اللہ عالم سنن رسول اللہ ہم ہی لوگ ہیں۔ رعیت کے امور کے ہم ہی واقف ہیں جو بلا اُن پر آسکتی ہے اُسکو دور کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ہم لوگ اُن میں حق مساوات قائم رکھ سکتے ہیں۔ تو اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو کہ راہ حق سے گمراہ ہو جاؤ گے۔

دیکھیے حضرت نے کیسی پیشین گوئی فرمائی کہ اگر تم نے اس خلافت کو خاندان رسالت سے نکالا تو وہ برکت جاتی رہے گی جس کا بدیہی نمونہ لوگوں نے چند ہی سال بعد دیکھ لیا کہ خلیفہ دوئم نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا جو رسول اللہ نے تقسیم بالسویہ کا مقرر کیا تھا۔

اگر حضرت کی اور باتوں میں شک کرتے ہو تو کرو مگر اس میں تو شک نہیں کر سکتے کہ تقسیم بالسویہ کا قانون خلیفہ دوئم نے توڑ دیا اور شخصیت معیار تقسیم قرار دی جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کا وہ زریں اصول کہ ہر شخص مساوی ہے خاک میں ملا دیا گیا ظالم کا ظلم تو ہمیشہ تیز رہتا ہے اب مال کے زیادہ ملنے سے اور بھی اسکی قوت بڑھے گی اور کمزور لوگ کمزور ہوتے جائیں گے۔

اب تم ہی غور کرو کہ رسول اللہ نے اگر امین کا خطاب دیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ وہ ایسی تقریر کرتے جو اصول ایمانداری و دیانت داری کے بالکل خلاف ہے۔

ہاں ابو عبیدہ نے جناب امیرؑ سے یہ جو کہا کہ تم کو وہ تجربہ نہیں ہے جو ابو بکر کو حاصل ہے تو قابل غور ہے کہ ابو بکر کو کونسا تجربہ حاصل تھا کیونکہ روز اسلام سے تو کوئی کام اُنھوں نے ایسا کیا نہیں جس جس سے تجربہ کار کہے جاسکتے شروع شروع پیغمبرؐ کو رائے دی کہ اسلام کا اعلان کر دیا جائے پیغمبرؐ کی ممانعت کے باوجود نہ ماننے جسکے نتیجہ میں زدوکوب کا سامنا کیا اسکے بعد ہر جنگ میں پیغمبرؐ کو چھوڑ کر جان بچائی پھر تجربہ کہاں سے ہوا جبکہ جناب امیرؑ کا تجربہ ان سے ہر بات میں بڑھا ہوا تھا آپ سات برس ابو بکر سے پہلے اسلام لائے ۳ برس شعب ابو طالب میں رہے جہاں حضرت ابو بکر کو کسی طرح آمد و رفت بھی نصیب نہیں ہوئی پھر جس شخص کا دس سالہ تجربہ زیادہ ہو اسکو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کا تجربہ کم تھا۔

(۲۲۳) عامر بن عبدہ روایت کرتے ہیں کہ :-

حضرت نے فرمایا بیشک شیطان لوگوں کے پاس آدمی کی صورت میں آتا ہے لوگ فقط اسکی

صورت کو پہچانتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اسکا نسب کیا ہے اور لوگوں سے حدیث بیان کرتا ہے۔
پھر لوگ نقل کرتے ہیں کہ ہم سے فلاں شخص نے جس کا یہ نام تھا یہ حدیث بیان کی ہے اور وہ لوگ نام سے زیادہ اس کا کچھ حال نہیں جانتے جو ذکریں ان کا تذکرہ ابو عمر نے لکھا ہے۔ (صـ ۱۱۷)
حضرات اہلسنت کو اس حدیث پر پورا خیال کرنا چاہیئے کیونکہ اکثر روایتیں اُن کی ایسی ہیں کہ کسی مجہول سے روایت کرتے ہیں۔
اب ہم اس جلد کو یہیں تمام کرتے ہیں کیونکہ اسکے بعد ایسے بعد ایسے نامی گرامی اصحاب کے نام آئیں گے جن کے تذکرے میں خواہی نخواہی طول ہو گا۔ جس میں عبد اللہ بن عمرو عاص۔ عمرو عاص وغیرہ ایسے اسماء ہیں جن کے حالات بہت طولانی ہیں۔
یہاں تک صرف چار جلد اسد الغابہ اور تین جلد اصابہ کا خلاصہ کیا گیا ہے اور ایک جلد استیعاب باقی جلدیں ابھی باقی ہیں مگر اہلسنت کے صحابہ کی ایمانداری اور محبت اولاد رسُول کے لیئے یہی کافی ہے کہ واقعہ حرا میں جو اس واقعہ کربلا کے تیسرے سال واقع ہوا جس میں بحکم یزید پلید مدینہ رسول غارت کیا گیا اور روضۂ رسُول کی بیحرمتی ہوئی اس میں کچھ اوپر سترہ سو آدمی قریش سے اور اسی قدر انصار سے مارے گئے اور چار ہزار سائر ناس سے جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور چار یا پانچ فرزند زید بن ثابت انصاری کاتب قرآن کے دیکھو کتاب الامامۃ والسیاسۃ صـ
جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر یہی اشخاص جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی کہ حضرت اس بے بسی کے عالم میں شہید کیئے گئے۔ تاریخ خمیس میں ہے:۔

وقتل أمير المدينة عبد الله بن حنظله وسبعمائة من المهاجرين والانصار وقتل منهم معقل الاشجعي وعبد الله بن زيد المازني مع عبد الله بن حنظله الغسيل وهولاء من الصحابة ودخل مسلم المدينة واباحها ثلثة وذالك في آخر سنة ثلاث وستين (صـ ۳۳۵)

یعنی امیر مدینہ عبد اللہ بن حنظلہ کے ساتھ سات سو مہاجرین و انصار سے قتل ہوئے اور معقل اشجعی اور عبد اللہ بن یزید مازنی بھی مارے گئے اور یہ سب صحابہ سے تھے۔
اسکے بعد مسلم بن عقبہ داخل مدینہ ہوا اور تین روز تک مدینہ منورہ لوٹا گیا اور یہ واقعہ آخر ۶۳ھ کا ہے۔
اب آپ ہی غور فرمائیے کہ سات سو مہاجرین و انصار تو واقعہ حرا میں ملے جائیں مگر ان میں سے کسی کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ جناب امام حسینؑ کی مدد کرے تو پھر کیونکر اسکا دعوی کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ کو اہلبیت رسُول سے محبت تھی سب دنیادار تھے جدھر دنیا کا رخ دیکھا اُدھر جھک پڑے اسی لیئے تو قرآن مجید میں ہے منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الآخرة یعنی کچھ تم لوگوں میں طالب دنیا

ہیں وہ تو ان خلفاء کے ساتھ رہے جو خلافت و حکومت پر فائز ہوئے، اور کچھ لوگ تم سے طالب آخرت ہیں جو اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ رہے۔ وقلیل من عبادی الشکور، خداوند عالم فرماتا ہے ہمارے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔

واقعہ حرّا ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ ہمارے قلم میں اسکی طاقت نہیں ہے کہ اسکی تفصیل کرسکے کیونکہ روضہ رسولؐ کے ساتھ وہ بے ادبی کی گئی کہ پناہ بخدا گھوڑے گدھے قبر شریف کے ساتھ بے ادبی کرتے ہزاروں صحابہ کی لڑکیوں کی ازالہ بکارت کی گئی جس سے ہزار اولاد زنا پیدا ہوئی مگر چونکہ خود مسلم بن عقبہ بھی صحابی ہے جس نے اس طرح کی بے ادبی کی لہذا کچھ مختصر حال اُسکا حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

ثبوت صحابیت کے پہلے اصابہ جلد ۶ قسم اول ملاحظہ ہو جس میں ان صحابہ کا ذکر ہوتا ہے جو صحبت رسولؐ سے فائز ہوئے اور حضرت سے حدیث کی روایت کی:۔

مسلم بن عقبہ الاشجعی ذکرہ ابن عساکر فی تاریخہ وساق بسندہ من طریق ابراھیم بن امیہ وقال سمعت نوح بن حبیب یقول فیمن روی عن النبیؐ من اشجع مسلم بن عقبہ۔ (ص ۹۵)

یعنی امام ابن عساکر نے اُن لوگوں میں جو قبیلہ اشجع سے تھے اور پیغمبرؐ سے انھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں مسلم بن عقبہ کا نام بھی لکھا ہے۔

یہی مسلم بن عقبہ ہے جسکو یزید نے امیر لشکر بنا کر غارت مدینہ کے لئے روانہ کیا ابن عساکر کہتے ہیں اُس نے حضرت سے ملاقات کی ہے اور جنگ صفین میں یہ معاویہ کے ساتھ تھا اور پیادوں کا سردار تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب یزید نے اُس کو امیر لشکر بنایا ہے تو کچھ اُوپر نوّے برس کا تھا جس سے واضح ہوا کہ ضرور وہ حضرت کے زمانہ میں کھل تھا یعنی ادھیڑ۔

اس مسلم نے قتل و غارت اہل مدینہ میں بڑا ظلم کیا کہ نہ چھوٹے کو چھوڑا نہ بڑے کو اسی وجہ سے اُسکا نام مسرف رکھا گیا اس نے مدینہ منورہ کے قتل و غارت کو تین روز تک مباح کیا کہ لشکر تمام لوٹتا تھا غارت کرتا تھا قتل کرتا تھا زنا کاری کرتا تھا تین روز کے بعد امان دی گئی اُسکے بعد یزید کی اس طرح بیعت لی کہ وہ غلام ہیں یزید کے جو چاہے وہ کرے اسکے بعد وہ مکہ کے غارت کو روانہ ہوا اور راہ میں واصل بجہنم ہوا۔ (ص ۱۴۴)

اب غور فرمائیے کہ یہ مسلم بن عقبہ صحابی رسولؐ ہے حضرت کی صحبت میں پہونچ چکا ہے۔ حدیث کی روایت کر رہا ہے مگر کیسا مسلمان ہے اور کیسا صحابی کہ یزید فاسق فاجر کی خوشامد میں وہ مدینہ جاتا ہے مدینہ لوٹتا ہے روضہ رسولؐ کو بے حرمت کرتا ہے اور پھر مسلمان کہا جاتا ہے۔ پھر اگر ایسے ہی صحابہ نے ترک رفاقت جناب امام حسینؑ کی تو کیونکر تعجب ہو سکتا ہے۔

آہ آہ یزید اسکو خود نہیں روانہ کرتا ہے بلکہ وہ خود اصرار کرتا ہے اور باصرار روانہ ہوتا ہے۔
کتاب الامامۃ والسیاست میں ہے کہ:۔

مسلم قبل روانگی مدینہ بیمار پڑا تو یزید اسکی عیادت کو آیا اور کہا کہ افسوس تو اس حالت میں ہو اور معاویہ نے وصیت کی تھی کہ تم کو بھیجیں اور تمہاری یہ حالت ہے۔

(ص۱۲ جلد ۲)

فقال یا امیر المومنین انشدک اللہ ان لا تحرمنی اجرا ساقہ اللہ الی انما انا امرؤ لیس لی باس

تو مسلم نے کہا ہم تمکو قسم خدا کی دیتے ہیں کہ اس اجر سے ہمکو نہ محروم رکھو جو خدا کھینچ کر ہماری طرف لایا ہے ہم بھی مرد ہیں اس طرح کی بیماری ہوتی ہی رہتی ہے کوئی مضائقہ نہیں تم جانے دو۔

کہئے کیسا ایمان ہے اس مقدس صحابی کا کہ یزید تو بوجہ بیماری روک رہا ہے اور وہ قسم دیکر خود مدینہ جاتا ہے اور اس قتال اہل مدینہ کو وہ اجر قرار دیتا ہے جو خدا کھینچکر اسکی طرف لایا ہے۔

کہئے اس سے بڑھ کر کیا ایمانداری ہو سکتی ہے کہ خود رسول کا صحابی مدینہ غارت کرنے جاتا ہے اور اسکو موجب کمال اجر و ثواب جانتا ہے پھر ایسوں کو فرزند رسول کا قتل کرنا کیا دشوار تھا۔

نتیجہ مسلم بن عقبہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسکی معذرت لکھی کی ہے کہ ہم صرف بوجہ تقلید ابن عساکر اس نام کو لکھا ہے مگر پھر پردہ داری یوں کرتے ہیں۔

فعوجل بالموت فمات بالطریق وذلک سنۃ ثلاث وستین۔

کہ اس ظلم و ستم کے سبب سے اس کی موت میں جلدی کی گئی چنانچہ وہ مکہ معظمہ کی راہ ہی مرگیا۔

مگر امام قتیبہ اس کی یوں پردہ دری کرتے ہیں کہ کتاب الامامۃ والسیاست میں ہے کہ

ثم مات مسلم بن عقبہ فدفن بقفا المشلل وکان ام ولد لیزید بن عبد اللہ بن زمعۃ علی اثرہ فخرجت الیہ فنبشتہ من قبرہ ثم احرقت علیہ النار واخذت اکفانہ فشقتھا وعلقتھا بالشجرۃ فکل من مر علیہ یرمیہ بالحجارۃ (ص۱۵)

یعنی مسلم بن عقبہ راہ میں مکہ و مدینہ کی مرگیا۔ اور **قفا مشلل** میں (مقام کا نام) دفن کیا گیا اسکے پیچھے یزید بن عبد اللہ بن زمعہ کی زوجہ (صحابیہ) آرہی تھی اس نے جاکر اس قبر کو کھود کر اور اس لاش کو نکالکر جلایا اور اسکے کفن کو لیکر چاک کیا اور ایک درخت میں لٹکا دیا تو جو شخص اُدھر سے گذرتا اس پر پتھر مارتا۔

اور تاریخ خمیس میں ہے۔

ثم نبش وصلب ھناک وکان یرمی کما یرمی قبر ابی رغال دلیل ابرھۃ المدفون بالمعص والمشلل علی ثلاثۃ من قدید (ص۳۳)

یعنی اس کی لاش نکالی گئی اور سولی دی گئی اور لوگ اس پر اسی طرح پتھر مارتے تھے جس طرح قبر ابی رغال پر مارتے تھے اور وہ دلیل (راہ نما) تھا ابرھہ جو ہاتھی لیکر خانہ کعبہ گرانے آیا تھا۔ اور مدفون ہے معص میں اور مشلل تین میل پر ہے قدید سے۔

اب ہم اس بحث کو یہیں تمام کرتے ہیں کیونکہ اس مسلم بن عقبہ کی ماتحتی میں دو صحابی اور تھے ایک روح بن زنباع جس کا حال مذکور ہو چکا اور دوسرا حصین بن نمیر سکونی کہ وہ بھی صحابی ہے چنانچہ اسی تاریخ خمیس میں ہے۔

فلما بلغ ذالک یزید ندب لھم الحصین بن نمیر السکونی وروح بن زنباع الجذامی وضم الی کلواحد جیشا واستعمل علی الجمیع مسلم بن عقبہ المری وجعلہ امیرالامراء (ص۲۲)

یعنی یزید کو جب خبر مخالفت اہل مدینہ پہونچی تو حصین بن نمیر سکونی اور روح بن زنباع کو سردار لشکر مقرر کیا اور سب کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ کو بنایا۔

مسلم بن عقبہ نے جب مدینہ کو بحکم یزید غارت کیا ہو کہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے:۔

ان مسلما لما فرغ من القتال بعث برؤس اہل المدینۃ الی یزید فالقیت بین یدیہ جعل یتمثل بقول ابن الزبعری یوم احد ؎

لیت اشیاخی ببدر شھدوا جزع الخزرج من وقع الاسل
لاھلوا واستھلوا فرحا ثم قالوا یایزید لا تشل

یعنی مسلم نے قتل اہل مدینہ کے بعد انکے سروں کو یزید کے پاس بھیجا جب وہ سر اسکے سامنے ڈالے گئے تو اس نے ابن الزبعری کے یہ اشعار پڑھے کہ کاش ہمارے جو بزرگ بروز بدر مارے گئے وہ دیکھتے کہ کسطرح ہم نے انتقام لیا ہے تو وہ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے۔

دیکھئے یہ وہی اشعار ہیں جو یزید نے بعد شہادت امام حسینؑ سر مبارک کو دیکھ کر پڑھے تھے۔ وہی اشعار آج پھر پڑھ رہا ہے کیونکہ اہل مدینہ ہی کی نصرت سے جناب رسالت مآبؐ نے جنگ بدر کو فتح کیا تھا مگر اسپر بھی اہلسنت کو ایمان یزید میں کسی طرح کا عذر ہی نہیں۔

مسلم بن عقبہ کی شقاوت یہیں تمام ہوتی نہیں بلکہ امام زین العابدینؑ کو جب مدینہ منورہ بلایا ہے اور چونکہ امامؑ نے مروان وغیرہ کو پناہ دی تھی اسلیئے مروان وعبدالملک آپکے ساتھ تھے کہ آپکی عزت واحترام میں فرق نہ آئے جب حضرتؑ وہاں آکر بیٹھے تو پانی پینے کو طلب کیا۔

قال لہ مسلم لاتشرب من شرابنا فارتعد کفہ ولم یامنہ علی نفسہ وامسک القدح ۔ (ص۴۲ جلد ۲ کامل)

یعنی پانی کا پیالہ حضرتؑ نے ہاتھ میں لیا تو مسلم نے کہا ہمارا پانی نہ پیو جس سے حضرتؑ کا ہاتھ کانپنے لگا اور خوف ہوا کہ اب جان کی خیر نہیں ہے پیالہ ہاتھ میں لئے رہ گئے۔

اس کے بعد مسلم نے کہا چونکہ یزید نے ہم کو حکم دیا ہے کہ آپسے تعرض نہ کریں لہذا ہم چھوڑ دیتے ہیں آپ

چاہئیے تو پانی پی لیجیے۔

اُس کے بعد اپنے سر پر بٹھا لیا پھر کہا آپکے اہل و عیال خائف ہونگے لہذا اگر چاہیئے تو تشریف لے جائیے چنانچہ سواری پر زین کسوا کر حضرتؑ کو بہ احترام رخصت کیا اور حضرت دولتسرا پر تشریف لائے۔

جن مقتولین کی فہرست دی گئی ہے اُس میں زبیر بن عبد الرحمان بن عوف بھی شامل ہے جو اس واقعہ حرا میں مارا گیا مگر اتنا ایمان کہاں تھا کہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ شریک معرکہ کربلا ہوتا۔

غرض ان واقعات کو دیکھیئے اور غور فرمائیے۔ پھر کیونکر اس میں شبہہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی دنیا میں جو فساد ہوا خواہ احراق خانۂ جناب سیدہؑ ہو۔ خواہ قتل جناب امیرؑ۔ خواہ زہر خورانی جناب امام حسنؑ خواہ شہادت جناب امام حسینؑ خواہ قتل و غارت مدینہ و خانہ کعبہ سب کا سہرہ صحابہ کے سر ہے جس سے اہل اسلام اس نکبت و فلاکت میں مبتلا ہیں کہ تمام جہان میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور جب تک حق کی طرف رجوع نہ کریں گے اس میں مبتلا رہیں گے اسی لیئے حضرتؐ نے تمامی اہل دنیا کو اسکی بشارت دی ہے کہ بارھویں امام حضرت مہدی علیہ السلام کا جب ظہور ہوگا تو یہ سب فسادات مٹیں گے اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہر طرف نظر آئیگا۔

واٰخر دعوینا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصّلوٰۃ علیٰ سید المرسلین محمد و اٰلہ الطاہرین علیہم السلام من یومنا ھذا الیٰ یوم الدین۔

نوٹ:۔ اگر خدا نے توفیق دی تو اسکے بعد ایسے ایسے صحابہ کے حالات ظاہر ہونگے کہ کمتر لوگوں نے سنے ہوں گے امید کہ مومنین دعا فرمائینگے۔ والسلام

تمام

تشکر و امتنان

جناب مستطاب ملا محمد موسیٰ صاحب قبلہ صدر الافاضل ابن جناب ملا محمد باقر صاحب مرحوم بانیٔ انجمن مبلغین المنتظرین بمبئی اور مومنین افریقہ لائق صد تشکر و امتنان ہیں کہ محض انھیں حضرات کی توجہ و عنایت سے کتاب الآل والاصحاب حصہ دوم مکمل شائع ہوسکی۔

جناب محمد علی راشد علی دینا پریسیڈنٹ خوجہ اثنا عشری جماعت لنڈی نے ۵۰ شلنگ (۲) مسٹر عبد الرسول حاجی جمعہ نے ۵۰ شلنگ (۳) جناب اکبر علی صاحب مالک جمہوری ہوٹل نے ۵۰ شلنگ (۴) جناب یوسف علی عبد اللہ پیر محمد نے ۵۰ شلنگ (۵) جناب تقی علی صاحب نے ۲۵ شلنگ (۶) جناب احمد بھائی بندہ علی نے ۱۵۰ شلنگ (۷) جناب غلام عباس صاحب نے برائے ایصال ثواب والدین ۵۰ شلنگ (۸) جناب رمضان علی دھن جی نے ۱۵۰ شلنگ (۹) جناب قاسم علی مولو دینا نے ۲۵ شلنگ (۱۰) جناب پیار علی حاجی اسماعیل نے ۱۵۰ شلنگ (۱۱) جناب رجب علی گانگ جی نے ۲۵ شلنگ (۱۲) جناب محمد حسین حبیب صاحب نے ۵۰ شلنگ (۱۳) جناب قاسم علی فدا حسین مرفانی نے ۵۰ شلنگ (۱۴) جناب حسن علی ماسی والے نے ۵۰ شلنگ (۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸) ٹوماما کے چار مومنین نے بذریعہ پیار علی حاجی اسماعیل ۷۰ شلنگ (۱۹) جناب حسن علی بھعانے ۲۰۰ شلنگ (۲۰) جناب حیدر علی عبد الحسین ڈھنگو نے ۱۷ شلنگ (۲۱) جناب اشرف بھائی جان محمد ڈھنگو نے ۲۵ شلنگ (۲۲) جناب احمد خاکی صاحب ڈھنگو نے ۲۵ شلنگ (۲۳) جناب حاجی حسن علی مہدی برادران ڈھنگو نے ۱۲½ شلنگ مرحمت فرمائے۔

فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء